جاء الحق پر وہابیوں کے بیجا اعتراضات کا مدلّل و مسکت جواب

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

نُصرتُ الحق

فی ردِّ الوہابیۃ وتائیدِ جاء الحق

جلد دوم

عبدِ مصطفےٰ غلام رضا

مولانا محمد محبّت علی قادری

مکتبہ قادریہ سکندریہ
حزبُ الاحناف
گنج بخش روڈ۔ لاہور

جَآءَ الْحَق پر وہابیوں کے بے جا اعتراضات کا مدلل و مسکت جواب

جلد: دوم

نُصْرَتُ الْحَق

فِیْ

رَدِّ الْوَهَّابِيَّةِ وَ تَائِيْدِ جَآءَ الْحَق

تصنیف

عبدِ مصطفیٰ، غلامِ رضا

مولانا محمد محبت علی قادری

از خدام فخر السادات سیّد الصلحاء پیر طریقت رہبر شریعت

سیّد اعجاز علی شاہ گیلانی

زیب سجادہ آستانہ عالیہ حجرہ شاہ مقیم، ضلع اوکاڑہ

مکتبہ قادریہ سکندریہ حزب الاحناف گنج بخش روڈ، لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

(جملہ حقوق بحق مصنف، محفوظ)

نام کتاب -------- نصرۃُ الحق فی ردّ الوہابیہ وتائید جاء الحق
(اوّل، دوم)
موضوع -------- کتاب جاء الحق پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ
تصنیف -------- حضرت علامہ مولانا محمد محبت علی قادری مدظلہ،
صفحات جلد اوّل -------- 376
صفحات جلد دوم -------- 640
کمپوزنگ -------- **ورڈز میکر**
طابع -------- وسیم پرنٹنگ پریس، بند روڈ لاہور
تاریخ اشاعت -------- رجب ۱۴۳۱ھ/ جون 2010ء
تعداد -------- 600
ناشر -------- مکتبہ قادریہ سکندریہ
ہدیہ جلد اوّل -------- 250 روپے
ہدیہ جلد دوم -------- 350 روپے

ملنے کا پتا

مکتبہ قادریہ سکندریہ

حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور
دربار مارکیٹ اور داتا گنج بخش روڈ کے تمام مکتبوں پر دستیاب ہے

ترتیب

انتساب ---- ۱۹

(تصانیف) ---- ۲۰

تقریظ سعید ---- ۲۱

تقریظ سعید ---- ۲۲

تقریظ سعید ---- ۲۳

تقریظ سعید ---- ۲۵

تقریظ سعید ---- ۲۶

نشان منزل ---- ۲۸

سراپا محبت...... تعارف مصنف ---- ۲۸

ابتدائیہ ---- ۳۳

پہلی فریب کاری ---- ۳۴

دوسری فریب کاری ---- ۳۵

مقدمہ ---- ۳۷

وتر واجب ہیں، احادیثِ مبارکہ ---- ۴۰

وہابی اعتراض ---- ۴۱

وتر واجب ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: ---- ۴۴

وجوب وتر صحیح حدیث سے ثابت ---- ۴۵

غیر مقلد کی عبارت میں ہیرا پھیری ---- ۴۸

حدیث حسن احکام میں حجت ہے ---- ۴۹

اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض ---- ۵۰

مرسل حدیث کا حکم ---------- ۵۱

غیر مقلد کا چوتھا اعتراض: ---------- ۵۳

احناف کے نزدیک سنت فجر قضا کا حکم ---------- ۵۴

حدیث میں سنت فجر کی تاکید ---------- ۵۵

وتر ہر مسلمان پر واجب ہیں ---------- ۵۶

اس پر غیر مقلد کا اعتراض: ---------- ۵۸

وتر تین رکعت ہیں ---------- ۵۸

پہلا اعتراض ---------- ۵۹

غیر مقلد کا دوسرا اور تیسرا اعتراض ---------- ۶۰

غیر مقلد کا الزام ---------- ۶۲

الزام کا جواب ---------- ۶۲

حضور تین وتر کے آخر میں سلام پھیرتے تھے ---------- ۶۳

حضرت انس تین وتر پڑھتے تھے ---------- ۶۳

وتر تین ہیں ابن مسعود کا ارشاد ---------- ۶۴

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: حضور تین رکعت وتر پڑھتے تھے ---------- ۶۵

غیر مقلد کا چوتھا اعتراض ---------- ۶۶

اعتراض ---------- ۶۷

اعتراض ---------- ۶۸

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض ---------- ۶۹

غیر مقلد کا اس پر پہلا اعتراض ---------- ۷۱

وہابی صاحب کا دوسرا اعتراض ---------- ۷۵

وتر فرض مغرب کی طرح تین رکعت ہیں ---------- ۷۶

وتر کی تیسری رکعت میں دعاء قنوت کا ثبوت ---------------------- ۷۷

اول: -- ۷۷

دوئم: -- ۷۷

سوئم: ابن مسعود اور رسول اللہ کے اصحاب وتر میں قبل از رکوع ------------- ۷۷

دعا قنوت پڑھتے تھے ---------------------------------- ۷۷

چہارم: --- ۷۸

نماز میں سات جگہوں کے سوا ہاتھ نہ اٹھاؤ ----------------- ۷۸

اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض -------------------------- ۷۹

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض ------------------------------ ۸۱

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض ------------------------------ ۸۳

تین وتر پر مسلمانوں کا اجماع ہے ------------------------ ۸۴

رات کے وتر اور مغرب دن کے وتر ------------------------ ۸۵

اس پر غیر مقلد کا اعتراض ------------------------------ ۸۶

حدیث مرفوع حکمی کا بیان ------------------------------ ۸۷

تین وتر پر احادیث کی صحت کا بیان ---------------------- ۸۹

رسول اللہ وتروں میں کون سی سورتیں پڑھتے تھے --------------- ۹۴

حضرت عمر تین وتر پڑھتے تھے -------------------------- ۹۵

تین رکعت وتر پر عقلی دلائل ---------------------------- ۹۷

تین وتر پر غیر مقلدوں کے اعتراضوں کے جواب --------------- ۹۸

اعتراض نمبر ۱: --- ۹۸

غیر مقلد کا مذکورہ عبارت پر پہلا اور دوسرا اعتراض: ------------- ۱۰۱

امام احمد نے تین رکعت وتر کی افضلیت پر اجماع نقل کیا -------------- ۱۰۲

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض ---------- ۱۰۵

تین وتروں پر امام طحاوی کی عقلی دلیل ---------- ۱۱۱

جواب: ---------- ۱۱۵

اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض: ---------- ۱۱۶

نام نہاد دین الحق ص ۴۲۵ ---------- ۱۱۷

غیر مقلد صاحب کا دوسرا اعتراض: ---------- ۱۱۸

وہابی کا احناف پر غلط الزام اور اس کا جواب ---------- ۱۱۸

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض: ---------- ۱۱۸

وہابی کی مفتی صاحب پر الزام تراشی کا جواب ---------- ۱۱۹

وتر کی معنوی تحقیق ---------- ۱۱۹

وتر اللہ کی صفت ہے ---------- ۱۲۱

وہابی کفر کی زد سے نہیں بچ سکتا ---------- ۱۲۱

اللہ وتر ہے وتر کو پسند فرماتا ہے ---------- ۱۲۲

غیر مقلد کا اس پر پہلا اور دوسرا اعتراض: ---------- ۱۲۷

اجتہاد کی فضیلت ---------- ۱۲۸

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض: ---------- ۱۲۹

انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد کا انکار وہابی کی جہالت ہے ---------- ۱۲۹

انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد کا ثبوت ---------- ۱۳۰

اللہ نے قاضیوں سے تین عہد لئے ---------- ۱۳۳

وہابی نے امام زہری کے قول کو احناف کے ذمہ لگا دیا ---------- ۱۳۸

قنوت کے لئے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ---------- ۱۴۰

حضرت ابن مسعود رکوع سے قبل ہاتھ اٹھاتے اور قنوت پڑھتے تھے ---------- ۱۴۰

دعا قنوت رمضان و غیر رمضان میں رکوع سے قبل واجب ہے ---------- ۱۴۱

(پہلی فصل) ---------- ۱۴۲

نماز فجر میں قنوت کے نسخ کا ثبوت ---------- ۱۴۲

جس بات کا بڑے وہابیوں نے اقرار کیا نام نہاد دین الحق کا مصنف اس کا انکار کرتا ہے ---------- ۱۴۶

غیر مقلدوں کا قنوت نازلہ کے بارے ضعیف حدیث پر عمل ---------- ۱۴۹

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض: ---------- ۱۵۰

وہابی صاحب کا اس پر پہلا اعتراض: ---------- ۱۵۱

دروغ گو حافظہ نہیں رکھتا ---------- ۱۵۲

جب راوی کا عمل مروی عنہ کے موافق ہو تو اسے تقویت دیتا ہے ---------- ۱۵۳

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے قنوت نازلہ نہ پڑھنے کا ثبوت ---------- ۱۵۵

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قنوت نازلہ کے ---------- ۱۵۶

عدم جواز پر دلائل ---------- ۱۵۶

اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۴ تا ۷: ---------- ۱۵۸

رسول اللہ نے صرف ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھی ---------- ۱۵۹

وہابی توحید کی ایک جھلک ---------- ۱۷۳

وہابیوں کے نزدیک اللہ اپنی مثل پیدا کر سکتا ہے ---------- ۱۷۳

قنوت نازلہ کے عدم جواز پر عقلی دلائل ---------- ۱۷۴

غیر مقلدوں کی طرف سے قنوت نازلہ کے متعلق اعتراضات اور ان کے جواب ---------- ۱۷۶

وہابی کا جواب سے فرار ---------- ۱۸۰

حضور وتروں کی آخری رکعت میں رکوع سے قبل ہمیشہ قنوت پڑھتے تھے ---------- ۱۸۱

ہمارا اعلان: ---------- ۱۸۳

پہلی فصل -- ۱۸۶
نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشہد میں بایاں پاؤں زمین پر بچھاتے تھے ---------------- ۱۸۸
تشہد میں بایاں پاؤں زمین پر بچھا کر اس پر بیٹھنا سنت ہے ------------------ ۱۸۸
وہابی کو یہ علم بھی نہیں کہ عقیدہ کا اطلاق کس پر ہوتا ہے ------------------ ۱۹۱
مرد و عورت کے تشہد کا فرق -- ۱۹۲
عورت کے تشہد کے فرق میں حضرت ابن عباس کا ارشاد ------------------ ۱۹۲
تشہد مسنون یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بایاں زمین پر بچھائے ابن عمر کا ارشاد -- ۲۰۰
حدیث سے مراد میں وہابی کی ناکام کوشش -- ۲۰۰
جب قول و فعل میں تعارض ہو عمل قول پر ہوگا ------------------------------ ۲۰۰
مفتی صاحب کی بددیانتی نہیں بلکہ وہابی کی بے عقلی ہے ------------------ ۲۰۵
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ نماز -- ۲۰۶
غیر مقلد کی فریب کاری -- ۲۰۹
جو راوی وہابی مذہب کے خلاف روایت کر دے وہ زیر عتاب آجاتا ہے ---------- ۲۱۲
تشہد سے متعلق احناف کے موقف پر احادیث کی صحت ------------------------ ۲۱۹
مرد و زن کے تشہد پر غیر مقلد کا مطالبہ ہم پورا کر دیتے ہیں ------------------ ۲۲۴
تشہد سے متعلق غیر مقلدوں کے اعتراضوں کے جواب ------------------------ ۲۲۶
وہابی جھوٹے راوی کی روایت کو دلیل مانتے ہیں ------------------------------ ۲۲۸
غیر مقلد کا اس پر پہلا و دوسرا اعتراض: ------------------------------ ۲۲۹
وہابی مجہول راوی کی روایت کو دلیل بناتے ہیں ------------------------------ ۲۳۱
غیر مقلدوں کا منقطع حدیث پر عمل: ------------------------------ ۲۳۱
وہابیوں کا تورک کے مسئلہ میں ضعیف روایت پر عمل: ------------------------ ۲۳۲

غیر مقلد صاحب کا تیسرا اعتراض: ---- ۲۳۳

علامہ ابن الترکمانی نے امام بیہقی کا تعاقب کیا---- ۲۳۵

جواب: غیر مقلد جس روایت کو تورک پر دلیل بناتے ہیں وہ ان کے خلاف ہے --- ۲۴۱

کسی روایت کا ضعیف ہونا احناف کو مضر نہیں ---- ۲۴۲

امام مجتہد کا کسی روایت کو قبول کرنا صحت کی دلیل ہے ---- ۲۴۳

اہل علم کے عمل سے حدیث کو تقویت ملتی ہے ---- ۲۴۴

دو سندوں کے ملنے سے روایت کو تقویت: ---- ۲۴۶

پہلی فصل بیس رکعت تراویح کا ثبوت: ---- ۲۴۷

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس تراویح پڑھتے تھے ---- ۲۴۸

ایک ہی راوی کی روایت وہابیوں کے لئے دلیل مفتی صاحب کے لئے جرم: ---- ۲۵۰

تلقی بالقبول سے حدیث کا ضعف دور ہو جاتا ہے: ---- ۲۵۱

حدیث کی تائید سے ضعیف کا ضعف دور ہو جاتا ہے وہابیوں کا اقرار ---- ۲۵۱

بیس تراویح کی حدیث اور حدیث عائشہ صدیقہ میں کوئی تعارض نہیں ---- ۲۵۵

غیر مقلد کی خیانت: ---- ۲۵۹

بیس تراویح کا صحیح حدیث سے ثبوت: ---- ۲۶۰

حضرت عائشہ کی روایت تہجد کے بارے ہے نہ کہ تراویح کے بارے ---- ۲۶۰

خلافت فاروقی میں بیس تراویح پڑھی جاتی تھیں ---- ۲۶۱

غیر مقلد نے خلاف مذہب عبارت کو خیانتاً چھوڑ دیا ---- ۲۶۴

مرسل حدیث کا حکم ---- ۲۶۴

بیس تراویح کا راوی بالاتفاق ثقہ ہے: ---- ۲۶۵

بیس تراویح پر روایت کی سند صحیح ہے: ---- ۲۶۸

بیس تراویح کی روایت کی صحت پر علامہ نووی کی گواہی: ---- ۲۶۸

بیس تراویح کی صحت پر علامہ عراقی کی گواہی: ------------------------ ۲۶۹

وہابی کی خیانت جھوٹ: ------------------------ ۲۷۰

غیر مقلد نے ثقہ راوی کو مجہول کہہ دیا: ------------------------ ۲۷۱

وہابی صاحبان تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں: ------------------------ ۲۷۲

حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں بیس تراویح با جماعت پڑھنے کا حکم دیا---- ۲۷۳

بیس تراویح پر تمام صحابی کا اجماع ہے: ------------------------ ۲۷۴

غیر مقلد جھوٹ سے ذرا نہیں شرماتا: ------------------------ ۲۷۸

بیس تراویح کی صحت پر غیر مقلدوں کے گھر کی گواہی: ------------------------ ۲۷۸

حضرت علی نے اپنی خلافت میں بیس تراویح کا حکم دیا: ------------------------ ۲۸۰

جس حدیث کو امت قبول کرلے درجہ تواتر کو پہنچ جاتی ہے ------------------------ ۲۸۶

خلفائے راشدین کے دور میں بالاتفاق صحابہ بیس تراویح باجماعت پڑھی جاتی تھیں ۲۹۱

غیر مقلد کی نقل عبارات میں خیانت: ------------------------ ۲۹۲

شرقاً غرباً لوگوں کا عمل بیس تراویح پر ہے: ------------------------ ۲۹۴

بعض اکابر غیر مقلدوں کا نظریہ ہے کہ تعداد تراویح معین نہیں ------------------------ ۲۹۷

پرانے وہابیوں کا نظریہ اور نئے وہابی کا اور ------------------------ ۲۹۷

بیس تراویح پر عقلی دلائل ------------------------ ۲۹۷

بیس رکعت تراویح پر اجماع ہے ------------------------ ۲۹۹

بیس تراویح پر اجماع پر دلائل ------------------------ ۳۰۸

مجدد الوہابیہ نواب صدیق حسن بیس تراویح پر اجماع مانتے ہیں: ------------------------ ۳۰۳

اجماع کی قسمیں: ------------------------ ۳۰۳

حضرت عائشہ کی روایت آٹھ تراویح کے تعین میں غیر مقلدوں کے بھی خلاف ہے: ۳۰۹

امام بیہقی نے آٹھ اور بیس تراویح میں فیصلہ کر دیا: ------------------------ ۳۲۲

وہابی نے الٹی عقل کا مظاہرہ کیا: ---------- ۳۲۵
وہابی مذہب کا حال کسی حدیث پر عمل کسی سے انکار: ---------- ۳۲۷
وہابی کا ایک اعتراض سے جان چھڑوانے پر حیلہ: ---------- ۳۲۹
آٹھ تراویح کسی امام کا مذہب نہیں: ---------- ۳۳۴
حدیث عائشہ تہجد کے بارے میں ہے تراویح کے متعلق نہیں: ---------- ۳۳۵
اس پر دلائل کہ تہجد و تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں: ---------- ۳۳۶
غیر مقلدوں کے شیخ الکل نذیر حسین دہلوی بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے ۳۴۱
وہابیوں کو مفتی صاحب کا چیلنج: ---------- ۳۴۲
سواد اعظم کی اتباع کرو۔ (الحدیث): ---------- ۳۴۳
غیر مقلد صحاح ستہ سے کوئی ایک صحیح مرفوع حدیث پیش کریں جس میں ثابت ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ تراویح پڑھتے تھے: ---------- ۳۴۴
وہابی کی عاجزی کہ ہمارا آٹھ تراویح پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل پیش کرنے کا تھا مگر یہ حضرت عمر سے ثابت کرتا ہے ---------- ۳۴۴
عمر فاروق کے دور میں بیس تراویح کے ثبوت کی روایت کی صحت: ---------- ۳۴۷
ایک غیر مقلد کا دور خلفاء راشدین میں بیس تراویح پڑھنے کی صحت کا اقرار: ---------- ۳۴۸
سواد اعظم کی مراد میں غیر مقلد کے حیلے: ---------- ۳۴۹
حدیث سواد اعظم پر غیر مقلد کے اعتراضوں کے جواب: ---------- ۳۵۲
سواد اعظم سے مراد مسلمانوں کی بڑی جماعت ہے: ---------- ۳۵۳
نام نہاد اہلحدیثوں کا حال: ---------- ۳۵۹
ختم قرآن کے وقت یا مخصوص راتوں میں مسجدوں میں روشنی کے جواز پر دلائل: ---------- ۳۶۰
روشنی مسجد کا ثبوت ---------- ۳۶۰
مسجد میں روشنی کا ثواب: ---------- ۳۶۲

ختم قرآن کے وقت یا مخصوص راتوں میں مساجد میں روشنی پر وہابیوں کے اعتراض اور ان کے جواب: ۳۶۴
دوسری فصل: اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات ۳۶۸
مساجد میں روشنی کے جواز پر تائید کے دلائل ۳۶۸
مساجد کی آبادی کے اسباب ۳۶۹
شبینہ پڑھنا ثواب ہے: ۳۶۹
غیر مقلد کا جواب سے فرار: ۳۶۹
شبینہ کے جواز و استحباب پر دلائل: ۳۷۰
حضرت تمیم داری ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کرتے: ۳۷۲
ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک رکعت میں قرآن ختم کیا: ۳۷۲
حضرت عثمان نے قیام میں پورا قرآن پڑھا: ۳۷۲
حضرت اسود رمضان کی ہر رات میں قرآن ختم کرتے تھے: ۳۷۳
شبینہ عبادت ہے اس پر عقلی دلائل: ۳۷۳
دوسری فصل ۳۷۳
شبینہ پر اعتراض و جوابات ۳۷۴
اعتراض نمبر۲: ۳۷۵
اب جا الحق سے تیرہواں باب: ۳۷۵
بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا ۳۸۲
بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے پر احناف کے دلائل: ۳۸۳
بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے میں ابن عباس کا عمل: ۳۸۶
وہابی کی عبارت نقل کرنے میں خیانت: ۳۸۸
سنت فجر پڑھنے میں ہمارا موقف: ۳۸۹
حضرت ابن عباس نے بوقت جماعت سنت فجر پڑھیں: ۳۹۱

غیر مقلد کا بلا تحقیق اعتراض: ------ ۳۹۲
غیر مقلد کی ہیرا پھیری: ------ ۳۹۵
متکلم فیہ راوی کی روایت عند المحدثین مقبول ہے: ------ ۴۰۰
محدثین کا مسلمہ اصول: ------ ۴۰۱
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے کا ثبوت: ------ ۴۰۶
وہابی نے جس راوی کو ضعیف کہا محدثین اس کی خوبیاں بیان کرتے ہیں: ------ ۴۰۹
حوالہ نمبر۲: ------ ۴۱۴
حوالہ نمبر۳: ------ ۴۱۸
صحابہ سنت فجر بوقت جماعت پڑھ کر جماعت میں شامل ہوتے تھے: ------ ۴۱۸
اس پر غیر مقلد کا اعتراض: ------ ۴۱۹
وہابی کی اسماء الرجال سے جہالت: ------ ۴۲۰
وہابی کا فضول واویلہ: ------ ۴۲۲
طحاوی کی سند: ------ ۴۲۳
ابن ابی شیبہ کی سند: ------ ۴۲۳
اس پر غیر مقلد کا اعتراض: ------ ۴۲۴
غیر مقلد نے خلاف مذہب عبارت کو چھوڑ دیا: ------ ۴۲۵
اس پر غیر مقلد کا اعتراض: ------ ۴۲۷
غیر مقلد کے بیجا اعتراضوں کے جواب: ------ ۴۲۸
اپنا مذہب بچانے کے لئے غیر مقلد کے حیلے: ------ ۴۲۹
اس پر غیر مقلد کا اعتراض: ------ ۴۳۰
سعید بن ابی عروبہ کا متابع موجود ہے: ------ ۴۳۳
غیر مقلد نے راوی کا نام اپنے پاس گھڑ دیا: ------ ۴۳۴
غیر مقلد پہلے اپنے گھر کی خبر لیے: ------ ۴۳۶

سنت فجر کے بارے حضرت موسیٰ اشعری کا عمل: ---------- ۴۳۷

اس پر غیر مقلد کا اعتراض: ---------- ۴۳۸

خلاصہ کلام: ---------- ۴۳۸

اہل اصول محدثین کی اصطلاح میں حدیث کا اطلاق ---------- ۴۴۳

مرفوع حکمی اور موقوف: ---------- ۴۴۴

ارشادات صحابہ کا مقام محدثین کی نظر میں ---------- ۴۴۵

غیر مقلدوں کے اعتراضوں کے جواب: ---------- ۴۴۷

غیر مقلد کے دعویٰ کا رد: ---------- ۴۴۹

قیاس دوسروں کے لئے حرام وہابیوں کے لئے جائز: ---------- ۴۵۳

غیر مقلدوں کے قول وفعل میں شرمناک تضاد: ---------- ۴۵۶

غیر مقلد کا ادھار ہم چکا دیتے ہیں: ---------- ۴۶۱

وہابیوں کے شیخ الکل فی الکل کی خیانت: ---------- ۴۶۱

شوکانی کی گواہی شیخ الکل صاحب کے خلاف: ---------- ۴۶۴

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے پر تابعین ومحدثین کا عمل ---------- ۴۶۶

غیر مقلد کا من گھڑت ترجمہ ---------- ۴۷۱

غیر مقلد کا اندھا پن ---------- ۴۷۲

سنت کی دو حیثیتیں ---------- ۴۷۳

سنت فجر کی تاکید ---------- ۴۷۵

وہابی کا دعویٰ اور دلیل اور ---------- ۴۸۳

فوت نمازوں میں ترتیب لازم ہے: ---------- ۴۸۳

غیر مقلد کی بدحواسی: ---------- ۴۸۸

غیر مقلد کا بیکار بہانہ: ---------- ۴۹۰

حدیث مرسل میں فقہاء کے موقف: ---------- ۴۹۰

مرسل روایت کا مقام فقہاء ومحدثین کے نزدیک: ---------------------- ۴۹۱

ثانیاً: وہابی کی عبارت نقل کرنے میں خیانت: ---------------------- ۴۹۲

بوقت جماعت سنت فجر ادا کرنے کے متعلق امام طحاوی کا موقف: ------------ ۴۹۶

خلافت فاروقی میں صحابی آخر مسجد میں سنت فجر پڑھ کر جماعت سے ملتے: ------- ۴۹۸

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل: ---------------- ۴۹۹

ثالثاً: غیر مقلد کا جھوٹ بے نقاب ---------------------------- ۵۰۰

بوقت جماعت سنت فجر کی ادائیگی میں آئمہ ومحدثین کا مذہب: ---------------- ۵۰۱

مفتی صاحب کی اصولی بات ---------------------------------- ۵۰۴

مرسل روایت وہابیوں کی دلیل نہیں ہوسکتی: ------------------------ ۵۰۴

غیر مقلدوں کی دلیل مرسل ہونے کے علاوہ ضعیف بھی ہے ---------------- ۵۰۵

وہابی دعویٰ احادیث صحیحہ کے خلاف: ------------------------------ ۵۰۵

چودھواں باب اس مسئلہ پر کہ نمازیں جمع کرنا منع ہے شروع ہوتا ہے ------------ ۵۱۰

نمازیں جمع کرنا منع ہے: ------------------------------------- ۵۱۰

قرآن سے دلیل: --- ۵۱۰

غیر مقلد کا اس پر پہلا اعتراض ---------------------------------- ۵۱۱

جمع بین الصلوٰتین کے عدم جواز پر غیر مقلد کے اعتراضوں کے جواب: --------- ۵۱۲

جمع بین الصلوٰتین کے عدم جواز پر تفاسیر سے حوالے: ---------------------- ۵۱۲

حج کے دن عرفات ومزدلفہ میں نمازیں جمع کی جاتی ہیں: -------------------- ۵۱۴

وہابی کے الزام کا جواب: ------------------------------------- ۵۱۷

نماز میں سستی کرنے والوں پر وعید: ------------------------------ ۵۲۰

سفر میں قصر نماز اللہ کا عطیہ ہے: ------------------------------- ۵۲۲

شان نزول خاص سے حکم خاص نہیں ہوتا: ---------------------------- ۵۲۵

مفتی صاحب نے تفسیر بالرائے نہیں کی: ---------------------------- ۵۲۸

فتاویٰ رضویہ پر غیر مقلد کے ایک اعتراض کا جواب: ---------- ۵۲۶
غیر مقلد کا دوسرا اعتراض: ---------- ۵۴۰
حدیث میں دو نمازیں جمع کرنے سے مراد جمع صوری ہے وہابیوں کے گھر کی گواہی: ۵۴۱
مسافت سفر میں غیر مقلدوں کا اختلاف: ---------- ۵۴۴
غیر مقلد گھر میں ہی نمازیں جمع کر کے پڑھ لیتے ہیں: ---------- ۵۴۶
وہابی فٹ بال کھیلنے کے لئے نمازیں جمع کر لیتے ہیں: ---------- ۵۴۶
صرف حج کے دن عرفات و مزدلفہ میں نمازیں جمع کر کے پڑھنا جائز ہے: ---------- ۵۴۷
بلا عذر نمازیں جمع کرنا گناہ کبیرہ ہے: ---------- ۵۴۹
حضرت عمر نے دو نمازیں جمع کرنے سے منع فرمایا: ---------- ۵۴۹
تین کبیرہ گناہ: ---------- ۵۵۰
اس پر غیر مقلد کا پہلا و دوسرا اعتراض: ---------- ۵۵۱
نماز مقررہ وقت میں فرض ہے: ---------- ۵۵۲
وہابیوں کے خلاف احادیث سے دلائل: ---------- ۵۵۳
نمازِ وتر رب کا انعام ہے: ---------- ۵۵۶
فرض و واجب میں فرق: ---------- ۵۵۶
تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو ارشاد نبوی: ---------- ۵۵۷
امام ترمذی کی طرف خود ساختہ عبارت منسوب: ---------- ۵۵۹
اوقات نماز کا بیان: ---------- ۵۶۱
احناف کا عمل احادیث کے مطابق ہے: ---------- ۵۶۳
فجر روشنی میں پڑھنا بڑا اجر ہے: ---------- ۵۶۴
وہابی کو کھلا چیلنج: ---------- ۵۶۸
وہابی کا مفتی صاحب کے عقلی دلائل کے جواب سے فرار: ---------- ۵۷۰

جمع نمازوں کے عدم جواز پر وہابیوں کے اعتراضوں کے جواب: ------------ ۵۷۰

اس مسئلہ پر پہلے اعتراض کا جواب: ------------ ۵۷۱

وہابی کی غلط بیانی اور حقیقت: ------------ ۵۷۴

جمع صوری کی صراحت: ------------ ۵۸۱

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض: ------------ ۵۸۹

امام نافع کی روایت میں تقابل رجال ------------ ۵۹۲

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے عمل سے جمع صوری کا ثبوت: ------------ ۶۰۲

احادیث میں موافقت: ------------ ۶۰۳

لطیفہ اول: ------------ ۶۰۳

غیر مقلد کا اندھا اعتراض: ------------ ۶۰۴

وہابی کی اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق زبان درازی کا جواب: - ۶۰۶

وہابیوں کا اعتراض اور مفتی صاحب کے جواب: ------------ ۶۰۷

مفتی صاحب کے ایک حدیث کے ترجمہ پر اعتراض کے جواب: ------------ ۶۱۰

غایہ مغیا میں ایک صورت میں داخل ہے اور ایک میں خارج: ------------ ۶۱۱

غیر مقلد کے خودساختہ کلیہ کا رد: ------------ ۶۱۴

مثال اول: ------------ ۶۱۴

مثال دوم: ------------ ۶۱۴

اعتراض نمبر ۳: ------------ ۶۱۵

الجواب: ------------ ۶۱۵

اعتراض نمبر ۴: ------------ ۶۱۵

الجواب: ------------ ۶۱۶

موقف احناف کی ترجیح پر دلائل: ------------ ۶۱۷

دلیل نمبر ۱: ----- ۶۱۷

دلیل نمبر ۲ ----- ۶۱۸

دلیل نمبر ۳: ----- ۶۱۸

دلیل نمبر ۴: ----- ۶۱۹

معذور کی نماز کا حکم: ----- ۶۱۹

دلیل نمبر ۵: ----- ۶۲۰

نص قطعی کا ابطال خبر واحد سے جائز نہیں: ----- ۶۲۰

جب دلیل میں احتمال آئے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے: ----- ۶۲۰

دلیل نمبر ۶: ----- ۶۲۰

احتمال کی مثالیں: ----- ۶۲۰

دو نمازیں ایک وقت میں نہ کرو حضرت عمر کا فرمان: ----- ۶۲۴

جمع حقیقی کے قائلین کے موقف کا ضعف: ----- ۶۲۴

جمع بین الصلوٰتین کے جواز کے قائلین کا اختلاف: ----- ۶۲۴

جمع بین الصلوٰتین میں اختلاف اور اس کے عدم جواز پر ایک محققانہ تبصرہ: ----- ۶۲۷

مذہب احناف قرآن و احادیث کے مطابق ہے: ----- ۶۳۰

خاتمہ کتاب ہذا ----- ۶۳۱

انتساب

سند المحدثین حجۃ الفقہاء شیخ المشائخ نمونہ سلف فخر الخلف وارث الانبیاء
فی العلم علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام استاذ الاساتذہ نائب قاسم البرکات
مفتی اعظم پاکستان ابوالبرکات **سیّد احمد شاہ** قادری اشرفی رضوی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث والتفسیر مفتی اعظم حضرت علامہ مولانا ابوالعلاء
محمد عبداللہ قادری اشرفی رضوی رحمۃ اللہ علیہ
کے نام

جن کے علمی وروحانی نے ذرہ نوازی کی کہ بندہ ناچیز
تحریر وتدریس کے قابل ہوا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی قبر انور پر کروڑ ہا رحمتیں نازل فرمائے اور ان
کے علمی وروحانی فیوض کو مزید فرمائے، آمین!

یاربّ العالمین بجاہ رسولك الکریم ○

فقیر محمد محبت علی قادری
16 ذوالحجۃ المبارکہ 1430

تصانیف

طائفہ غیر مقدہ وہابیہ نجدیہ کے رسالہ نام نہاد مجلۃ الدعوہ کے ردو ابطال میں تین کتابیں لکھیں۔ الکوکبۃ الشہابیہ فی ردّ مجلۃ الدعوہ للوھابیہ ...... الریحانین فی مسئلۃ القرأۃ خلف الامام وترک رفع الیدین ...... الدلال القاطعہ فی رد مجلۃ الدعوہ للوھابیہ...... اور دو ضخیم جلدوں پر مشتمل نصرت الحق فی رد وہابیہ و تائید جاء الحق غیر مقلد وہابیوں کی خود ساختہ و دل سوز کتاب نام نہاد دین الحق فی تنقید جاء الحق کے رد میں لکھی اس کا رد ابھی 2009ء) جاری ہے۔ فضائل ذکر میں ترغیب الاذکار) المعروف فضائل ذکر۔) امام محمد غزالی اللہ علیہ کی کتاب کا ترجمہ (دقائق الاخبار اردو ترجمہ قرۃ الابصار) الشیخ عثمان بن عمر الکھف اللہ علیہ کی کتاب کا ترجمہ (حکایات الصالحین اردو ترجمہ مفید السالکین۔ جماعت کے بعد ذکر بالجہر شرعاً مستحب ہے)

مکتبہ اعلیٰ حضرت کے اصرار پر فتاوی الحدیثیہ کا ترجمہ کیا جس کا نصف مسودہ ان سے گم ہوگیا۔ اس نصف کا دوبارہ ترجمہ جاری ہے۔ (2009)

تقریظ سعید

نائب محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ محسن ونباض اہلسنّت حضرت علامہ الحاج ابو داؤد محمد صاق دامت برکاتہم القدسیہ خطیب زینت المساجد گوجرانوالہ۔

محقق اہلسنّت مولانا علامہ محبت علی قادری کی تالیف ''نصرۃ الحق فی ردالوہابیہ وتائید جاء الحق'' کو طائرانہ نظر سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ الحمد للہ! شہرۂ آفاق کتاب ''جاء الحق'' کی مدلل طور پر تائید فرمائی ہے اور غیر مقلدین کے اعتراض وشبہات کا محققانہ ردّ فرمایا۔ مولیٰ تعالیٰ بوسیلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''نصرۃ الحق'' کو بھی ''جاء الحق'' کی طرح نافع ومقبول بنائے۔ مولانا محبت علی صاحب کی محنت کو قبول فرمائے اور ان کی عمر وصحت اور علم وعمل میں برکت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ابو داؤد محمد صادق
امیر جماعت رضائے مصطفیٰ پاکستان گوجرانوالہ
15 رمضان المبارک 1426ھ

یاد رہے کہ فقیر مصنف بغرض زیارت اور تقریظ لکھانے 9 ستمبر بمطابق 17 رمضان المبارک 1430ء کو زینت المساجد گوجرانوالہ پہنچا۔ جہاں پر حضرت خطیب اور آپ کا آستانہ عالیہ ہے تو اس وقت انیسویں روزے کے لئے تراویح پڑھائی جارہی تھیں۔ فقیر نے بھی نماز ادا کی بعد ازیں مدیر رسالہ رضائے مصطفیٰ مولانا حفیظ احمد نیازی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا حضور نائب محدث کچھ دنوں سے سخت علیل ہیں مسجد میں نہیں آسکتے کہا کہ آپ صاحبزادہ مولانا محمد داؤد سے رابطہ کریں صاحبزادہ صاحب مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے بعد از فراغت آپ خوشدلی احسن اخلاق سے ملے تو میں نے حاضری کی غرض بیان کی تو آپ نے مجھے ساتھ لیا حضور نائبِ محدثِ اعظم دامت برکاتہ کی فیوض کے پاس لے گئے میں نے بعد از سلام ودست بوسی عرض کی حضور یہ نصرت الحق حصہ دوم جو کہ کنپوز ہو چکا ہے۔ آپ نے دستِ اقدس میں لیا بہت مسرور ہوئے اور فقیر احقر کو دعاؤں سے نوازا تو فرمایا کہ ہمیں آپ کی تصانیف پر پورا اعتماد ہے لہٰذا نصرت الحق حصہ اوّل پر تقریظ کو اس پر بھی لکھ لو۔

تقریظ سعید

جگر گوشہ مناظر اعظم رحمۃ اللہ علیہ مناظر العصر فخر اہلسنّت

حضرت علامہ مولانا محمد عبد التواب صدیقی خطیب اعظم اچھرہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم' اما بعد۔

حضرت مولانا محبت علی قادری دامت فیوضوھم کی تحریر کردہ کتاب نصرت الحق کا جزوی مطالعہ کیا حضرت مولانا نے بڑی کاوش و محنت سے وہابیوں کی جاء الحق پر تنقید کا شافی جواب تحریر فرمایا ہے۔

عقلی و نقلی جوابات کا ماخذ قرآن کریم اور حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنایا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان جوابات سے حضرت مولانا مفتی احمد یار نعیمی اللہ علیہ بھی عالم برزخ میں مسرور ہوئے ہوں گے اور مولانا محبت علی قادری کو دعائیں دی ہوں گی۔ نیز وہ لوگ جنہوں نے جاء الحق کتاب کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا ان کا غرور خاک میں مل گیا ہوگا۔

اگر تو ان کے دل میں ذرا سا خلوص بھی ہوا تو وہ آئندہ ایسی حرکت کرنے سے گریز کریں گے اور اگر قرآن کریم کے مطابق فی قلوبھم زیغ' ان کے دل اس فرمان باری تعالیٰ کے مصداق ہوں گے تو سوائے حسد کی آگ میں جل جانے کے اور کچھ نہ کر سکیں گے۔ اہلسنّت و جماعت کے ساتھ تعلق رکھنے والے احباب کو چاہیے کہ علماء اہلسنّت کی ایسی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہا کریں تا کہ اغیار کہ مکروفریب سے بچ سکیں۔

آخر میں میری اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کتاب ہذا کو اجر عظیم سے نوازے اور عوام اہلسنّت کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ بجاہ نبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد عبد التواب صدیقی

سجادہ نشین مناظر اعظم حضرت مولانا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ

ودود ہوٹل نمبر 4 دربار مارکیٹ لاہور

03-12-2009

تقریظ سعید

محقق اسلام و مناظر اسلام نازش اہلسنّت حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی
مہتمم دار العلوم جلالیہ مظہر السلام داروغہ والا (لاہور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

حق کی حمایت اور باطل کی سرکوبی ایک نہایت مقدس فریضہ ہے جسے سعادت مند حضرات ادا کرتے ہیں ہر دور میں الحادی تحریکیں' بدعقیدگی کی اندھیاں اور کج فکری آلودگیاں موجود رہیں ہیں مگر اس دور میں صورت حال کچھ زیادہ ہی گھمبیر ہوگئی ہے نام نہاد روشن خیالی کا سیلاب اور بدعقیدگی کا طوفان فرزندانِ اسلام کو بہت پریشان کر رہا ہے۔ اس میں ایک بڑا حصہ غیر مقلدانہ سوچ کا ہے جس کی بنیاد پر نت نئے فتنے جنم لے رہے ہیں۔ یہ لوگ ہمہ وقت امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں مصروف ہیں۔ ان کی علمی بدہضمی کا عالم یہ ہے کہ چند احادیث کا ترجمہ پڑھ کر حضرت امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ اللہ علیہ کا مقابلہ کرنے کی بدفہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی ریض سوچ کے بارے میں لکھا تھا۔

آں کرمے کہ در سنگے نہاں است
زمین و آسمان او ہماں است

ان لوگوں کی مثال اس کیڑے جیسی ہے جو پتھر میں پوشیدہ ہے سمجھتا ہے یہی زمین ہے اور یہیں آسمان ایسے ہی پتھر کے ایک مکین نے حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جاء الحق کے بارے میں کچھ زہر اگلا۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مولانا محمد محبت علی قادری صاحب کو جزا دے جنھوں نے جاء الحق کے بارے میں اپنے سیال

قلم سے سوغات تیار کی اور سازشی عناصر کی سازشوں کے پردے چاک کر دیئے۔

اس سے قبل بھی مولانا کی کامیاب کاوش سے اچھے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ میں نے ان کے اس مجموعہ کے چند مقامات ملاحظہ کیے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قلم کو مزید سرعتیں عطا فرمائے۔ آمین

علامہ ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

مہتمم دار العلوم جلالیہ مظہر السلام داروغہ والا (لاہور)

تقریظ سعید

محقق و مدقق اور مناظر اسلام حضرت علامہ صاحبزادہ پروفیسر مفتی محمد انوار حنفی
مہتمم دارالعلوم حنفیہ رضویہ کوٹ رادھا کشن

نحمدہ و نصلی ونسلم علی رسولہ الکریم اما بعد

اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حفاظت فرمانے کے لئے رجال پیدا فرمائے تاکہ بارش کی طرح نازل ہونے والے فتنوں سے نبرد آزما ہوا جائے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظاہری زمانہ اقدس سے لے کر بے شمار ایسے گروہ پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام کی اصلی حالت بگاڑنے کے لئے پوری کوششیں کیں لیکن ان کی سرکوبی کیلئے ایسے ایسے مردان خدا میدانِ عمل میں کودے کہ انہوں نے ان فتنوں اور ان باطل قوتوں کو کچل کر رکھ دیا۔

ایسے پاک طینت اور اہل حق مردان خدا میں حضرت علامہ قبلہ مفتی محبت علی قادری کی شخصیت ہے جو بیک وقت ایک عظیم محدث، ایک عظیم مفسر، ایک اعلیٰ پایہ کے علم جرح و تعدیل کے امام وقت ہیں۔ جب آپ نے دیکھا کہ وہابی نجدی حضرات کے علماء نے حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ کی کتاب جاء الحق جس نے وہابیوں نجدیوں کے ہاں صف ماتم بچھا رکھی تھی کے جواب سے عاجز ہو گئے تھے تو انہوں نے ایک جعلی جواب تیار کیا تاکہ اپنی وہابی عوام کو مطمئن کیا جا سکے اس کام کے لئے انہوں نے وہابی مولوی داؤد ارشد کو منتخب کیا جس نے جھوٹ پر جھوٹ بول کر صفحے سیاہ کئے بلکہ اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا لیکن قبلہ مفتی محبت علی قادری نے اس کی کتاب کا جواب لکھ کر اس کے تمام اکاذیت (جھوٹوں) کو طشت از بام کر کے اہلسنّت و جماعت کے لئے ایک ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے جو کہ علمی میدان میں ناقابل فراموش ہے۔

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کی اس کتاب کو مقبول عام فرمائے اور ان کی اس عظیم دینی اور علمی خدمت کو قبول فرما کر اس کو ذخیرہ آخرت فرمائے۔

تقریظ سعید

محقق اور مناظر اسلام خطیب ذیشان حضرت علامہ محمد غلام مصطفیٰ نوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامد او مصلیا

محقق العصر محافظ مسلک اہلسنّت سرمایہ اہلسنّت محدث اعظم استاذ العلماء فخر العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی محمد محبت علی قادری طول اللہ عمرہٗ، حفظہ اللہ کی تصنیف لطیف نصرت الحق جو کہ اسم با مسمی ہے کی مختلف مواضع سے زیارت کا شرف حاصل ہوا ماشاء اللہ حضرت صاحب نے احقاقِ حق ابطال الباطل کا حق ادا کر دیا ہے۔ تصنیف عالیہ کو مستحکم، مضبوط حوالہ جات میں سے خوب مزید فرما دیا ہے کی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ فریق مخالف کے اعتراضات جو کہ فقط ان کی ذہنی الجھنوں کا نتیجہ ہیں کا خوب رد فرمایا اور تسلی بخش جوابات تحریر فرمائے اور ثابت کر دیا کہ حضرت مفسر قرآن حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ کی کتاب مبارکہ جاء الحق، جو کہ حق پر مبنی ہے اور باعث رشد و ہدایت ہے اللہ تعالیٰ حضرت کی خیر و برکات سے تمام اہلسنّت کو مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کی کتاب کو قبولیت عامہ و خاصہ عطا فرمائے آمین۔ بجاہ نبی الامین الکریم سیّدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ و بارك وسلم۔

حراہ الفقیر احقر العباد
غلام مصطفیٰ نوری قادری
28/10/2009

تقریظ سعید

محقق اہلسنّت حضرت علامہ الحاج محمد عبد الستار
خطیب اعظم دفتوہ ضلع قصور

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

حضرت علامہ الحاج محمد محبت علی قادری صاحب مدظلہ العالی نے قبل ازیں حضرت مولانا الحاج حکیم الامت مفسر قرآن مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مستطاب جاء الحق کے دوسرے حصہ پر ایک غیر مقلد وہابی مولوی محمد ارشد کے کئے گئے اعتراضات کے جواب میں نصرۃ الحق فی رد الوہابیہ وتائید جاء الحق کے چھ ابواب بمع مقدمہ کے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے جس کی وجہ سے مشائخ عظام وعلماء کرام اور معزز عوام اہلسنّت والجماعت کثر اللّٰہ شرفا و شرافتا عزا وعظمتا سے دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

آپ کی یہ تصنیف مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

حضرت قادری اب آٹھ ابواب کا جواب اور شائع کر رہے ہیں ان ابواب کو چند مقامات سے دیکھا تو مولانا موصوف کے دلائل قویہ وصریحہ سے ظاہر رہا ہے کہ غیر مقلد وہابی مولوی کے بیجاہ شاطرانہ غیر عالمانہ اعتراضات کی ان دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت صاحب کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ عالی میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔

اور باقی اعتراضات کے جوابات لکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آمین ثم آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

نشان منزل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصنف کا مختصر تذکرہ

از قلم - استاذ العلماء سرمایہ اہلسنّت حضرت علامہ محمد منشاء تابش قصوری
مدرسہ جامعہ نظامیں رضویہ و مرید کے قلم سے

سراپا محبت......؟

فی زمانہ دنیائے اسلام میں جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور اپنی بے پایا خدمات دینیہ کے باعث قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ عرصہ زائد از نصف صدی، درس و تدریس، تعلیم اور تعلم، تحریر و تحقیق میں پیہم مصروف ہے۔ یہاں پر قابل ترین اور مخلص مدرسین کی محنت رنگ لائی اور ہر شعبہ کو معراج کمال تک پہنچایا۔

حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمۃ کے شبانہ روز مساعی جمیلہ کی برکات کا ثمرہ ہے کہ ان کے وصال کے بعد بھی یہ جامعہ روز بروز ترقی پر گامزن ہے۔

یہاں پر ایک سے ایک بڑھ کر استاذہ جلوہ افروز ہوئے جن میں حضرت مولانا علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں میرے رفقاء میں ان کا اسم گرامی میرے قلب حزین پر نقش ہے۔ زندگی کے تیس پینتیس سال ان کی رفاقت میں گزرے وہ ایسے کہ ایک عرصہ تک علمائے کرام ہمیں حقیقی بھائی تصور کرتے رہے مشترکہ طور پر ہم مکتبہ قادریہ قائم کیا پھر مکمل طور پر حضرت قبلہ مفتی علیہ الرحمۃ کے مشورہ سے ان کی نذر کر دیا۔ جسے اب ان کی فرزندان ارجمند چلا رہے ہیں۔

حضرت شرف قادری علیہ الرحمۃ کے کمرہ میں ایک دن میں نے ایک سادہ سے مولوی کو دیکھا جو وضع قطع میں دیہاتی معلوم ہوتا تھا۔ مولانا شرف نے مختصر سا تعارف

کرایا اور رسمی طور پر میں نے بھی علیک سلیک کی مگر اس کی عاجزی، انکساری، تواضع کا اثر خاصی دیر تک برقرار رہا، کبھی کبھی جامعہ یا کسی مکتبہ میں ملاقات ہو جاتی لیکن زیادہ تر سلام و دعا پر ہی رہتا۔

وقت گزرتا رہا، موصوف آتے جاتے رہے اور راقم بھی روایتی رسمی رواداری نبھانے کی کوشش کرتا رہا حتیٰ کہ ایک دن مولانا اپنی ضخیم ترین تصنیف لطیف لے کر تشریف لائے اور فرمایا یہ چند کتابیں لایا ہوں انہیں آگے پھیلانے میں میرا تعاون کریں یہ کتاب تھی ''نصرۃ الحق فی رد الواہابیہ وتائید جاء الحق'' جلد اوّل راقم نے کتابیں وصول کیں اور جہاں ممکن ہوا خدمت سرانجام دی چونکہ میرا بھی قلم سے واسطہ ہے اور بقولے کسے ؎

قلم زبان من است ومنم زبان قلم

حضرت علامہ مولانا الحاج محمد محبت علی صاحب قادری مدظلہ جو سراپا محبت ہیں، نے اپنی زندگی کو مسلک حق اہلسنّت و جماعت کی آبیاری کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ 25 سال تک یہ اپنے خاندان کے ساتھ زمینداری کرتے رہے ہیں پھر مقدر نے یاوری کی اور علومِ دینیہ کی طرف متوجہ ہوئے جب راقم نے ان سے حالات زندگی کی تفصیل معلوم کی تو فرمانے لگے۔

میں 1950ء میں میاں محمد علی کے گھر پیدا ہوا میں کھرل خاندان سے تعلق رکھتا ہوں میرے گاؤں کا نام گڑھی گہنا جو سیّد والا سے قریب ضلع ننکانہ میں ہے۔

مجھے حضرت پیر طریقت نازش سادات سیّد اعجاز علی شاہ زیب سجادہ حجرہ شاہ مقیم ضلع اوکاڑہ سے بیعت کا شرف نصیب ہے اس خاندان عظمت نشان سے ہمارے آباؤ واجداد بھی منسلک ہیں۔ الحمدللہ! میرا خاندان پشہا پشت سے سنی صحیح العقیدہ چلا آ رہا ہے۔

مولانا محبت علی قادری مدظلہ بڑے محبت سے فرما رہے تھے کہ میں چھبیس برس کی عمر تک ناظرہ قرآن مجید بھی نہیں پڑھ سکا تھا۔ آخر بخت بیدار ہوا اور دین کی رغبت قرآن مجید کی محبت کھینچ لائی اور مجھے میرے گاؤں کے امام مسجد جناب محمد بوٹا صاحب

نے قرآن کریم ناظرہ پڑھا دیا۔ اور گاؤں سے دو کلو میٹر کے فاصلہ پر چک نمبر 15/67 میں حضرت علامہ مولانا الحاج محمد حسین صاحب رضوی امام وخطیب سے فقیر نے درس نظامی کا آغاز کیا۔ اور میرا عشق مجھے ان کے گاؤں نماز فجر سے پہلے ہی پہنچا دیتا۔ علم سے میری محبت کو استاد گرامی نے جب ملاحظہ فرمایا تو وہ بھی بڑے ذوق سے پڑھاتے رہے یہاں تک کہ استاذ محترم بامر مجبوری گاؤں سے دوسرے مقام پر تشریف لے گئے تو میں نے پرندہ شریف حضرت پیر سیّد منور علی شاہ علیہ الرحمۃ کے ہاں پڑھنا شروع کیا۔ ان کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ وہ مجھے اکیلے کو ظہر کے بعد سے عصر ومغرب تک پڑھاتے، عمر رسیدہ ہونے کے باعث خاصے کمزور اور علیل رہتے تھے۔ میں نے از خود ان سے اجازت حاصل کی اور داتا کی نگری لاہور سے اکتساب علم کی ٹھانی۔

حضرت مولانا محمد محبّ علی قادری مدظلہ اپنے احوال سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے لاہور کے ان مدارس سے علوم وفنونکو حاصل کیا۔

○ مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف گنج بخش روڈ لاہور
○ دارالعلوم حنفیہ غوثیہ شیراکوٹ لاہور
○ دارالعلوم رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور

اور دورہ حدیث شریف کا
دارالعلوم جامعہ حنفیہ قصور سے حاصل ہوا۔

اساتذہ کرام:

سند المحدثین ابو العلاء محمد عبد اللہ قادری اشرفی رضوی رحمۃ اللہ علیہ محدث قصوری، استاذ الاساتذہ الحافظ القاری محمد عبد الرشید قادری سیالوی جامعہ حنفیہ غوثیہ شیراکوٹ لاہور، حجۃ المحدثین محمد علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ شیخ جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور، استاذ العلماء مولانا سعید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ، استاذ العلماء مولانا محمد حنیف خاں چشتی لاہور، علامہ محمد یار سیالوی لاہور، عمدۃ الصلحاء مولانا غلام یٰسین رحمۃ اللہ علیہ قصور، نمونہ سلف علامہ منیر احمد یوسفی مدظلہ العالی لاہور، علامہ سیّد عباس علی رحمۃ اللہ علیہ کاہنہ لاہور، مولانا دلدار احمد وقار سیالوی کراچی۔

عمرہ:

حرمین شریفین کی حاضری کا شرف جولائی 2007 ء میں حاصل ہوا۔

سیاسی تعلق:

قائد ملت اسلامیہ امام شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر قیادت اہلسنّت و جماعت کی سیاسی و مذہبی جماعت جمعیت علمائے پاکستان سے بحیثیت خادم تعلق رہا۔

دارالعلوم کی بنیاد کا سبب:

جواں سال اکلوتے بیٹے محمد ارشد کی اچانک موت کے بعد گھر رہنے کا فیصلہ کیا تو دینی مشغولیت برقرار رکھنے کو آبائی گاؤں میں ذاتی اراضی پر دارالعلوم قادریہ رضویہ و مسجد فیضان مصطفیٰ کا سنگ بنیاد علماء و عوام اہلسنّت کے اجتماع میں بدست مبارک سیّد مصطفیٰ اشرف رضوی ناظم حزب الاحناف لاہور کے رکھا۔

تصانیف:

1- نصرت الحق فی رد الوہابیہ و تائید جاء الحق دو جلدوں میں
2- الکوکبۃ الشہابیہ فی رد مجلۃ الدعوہ للوہابیہ۔
3- الدلائل القاطعہ فی ردّ مجلۃ الدعوہ للوہابیہ۔
4- الریحانین فی مسئلہ القراۃ خلف الامام و ترک رفع الیدین۔
5- ترغیب الاذکار، فضائل ذکر
6- قرۃ الابصار اردو ترجمہ دقائق الاخبار۔
7- مفید السالکین اردو ترجمہ حکایات الصالحین۔
8- جماعت کے بعد ذکر بالجہر شرعاً مستحب ہے۔
9- ترجمہ فتاوی الحدیثیہ، (زیر طبع)

تصانیف:

حضرت مولانا علامہ محمد محبت علی صاحب قادری مدظلہ کی زیب نظر کتاب نصرۃ الحق

حصہ دوم بھی پہلی جلد کی طرح دلائل و براہین سے مرصع اور تحقیق وحقانیت کا مرقع ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی جملہ دینی، علمی، قلمی، تدریس، تبلیغی خدمات کو بار آور فرمائے اور آپ کی عمر کو برکات وثمرات کا سرچشمہ بنائے۔

آمین ثم آمین۔ بجاہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فقط

محمد منشاء تابش قصوری

یکم ذوالحجہ المبارکہ 1430ھ

ابتدائیہ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمُ الۡاَمِیۡن
وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحۡبِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ اَمَّا بَعۡدُ!

واضح رہے کہ فرقہ وہابیہ نجدیہ مقلدہ و غیر مقلدہ سے اہل سنت و جماعت کا اصل نزاع و اختلاف عقائد و نظریات میں ہے۔ اس فرقہ کی دونوں شاخوں وہابیہ غیر مقلدہ اور وہابیہ مقلدہ دیوبندیہ کی کثیر کتب میں محبوبان خداوند کریم کی شان اقدس میں بے حد و شمار دل سوز گستاخانہ عبارات موجود ہیں جن سے یہ لوگ رجوع کرنے اور تائب ہونے کے بجائے انہیں صحیح و حق ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور ان عبارات کے قائلین و لکھنے والوں سے بیزار اور برا جاننے کے بجائے انہیں اپنا امام و پیشواء اور حق پرست مانتے ہیں۔ ظاہراً تو یہ لوگ کلمہ بھی پڑھتے ہیں، نماز بھی رمضان شریف کے روزے بھی رکھتے ہیں اور حج و زکوٰۃ کے بھی قائل و فاعل ہیں مگر حقیقت میں جس عظیم الشان و عالی المقام رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے اور صدقہ کھاتے ہیں انہی کی نقص شان اور توہین کرتے ہیں اسی لئے امام اہل سنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

؎ اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو! کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

ان کو دعویٰ امت ہے مگر جس محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت ہونے

کا دعویٰ ہے ان کی شان و عظمت انہیں نہیں بھاتی۔ قرآن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان و عظمت میں آیات بینات دیکھیں تو خود ساختہ تفسیر و تاویل سے ان کا مفہوم بدل دیتے ہیں۔ احادیث مبارکہ دیکھیں تو ضعیف و موضوع کہہ دیتے ہیں اگر کوئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم کی شان نظم و نثر و کلام میں بیان کرے یا آپ کے فضائل و مناقب میں کتاب لکھے تو اس کے دشمن ہو جاتے ہیں محبوبین رب العالمین کی بارگاہِ اقدس میں نذر و نیاز اور میلاد و گیارہویں کو شرک و بدعت اور ان امور ہائے خیر کے قائلین و فاعلین اہل سنت و جماعت کو مشرک و بدعتی کہتے ہیں اور اہل اللہ کو بے اختیار کہتے ہیں۔

یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی محض بے اختیار کہتے ہیں ان کی کتاب تقویۃ الایمان دیکھیں اور مزارات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام پر حاضری کو شرک و بدعت جانتے ہیں حتیٰ کہ روضۂ خیر الآنام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاضری کو بھی۔ تو اہل سنت و جماعت کثرہم اللہ کو ان کے ان برے عقائد و نظریات سے اصل نزاع و اختلاف ہے اور اسی سبب اس فرقہ ضالہ سے نفرت و دوری ہے اور ایسوں سے نفرت تقاضائے ایمان اور اللہ سبحانہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے حصول کا ذریعہ ہے۔

پہلی فریب کاری

عرض کرتا جاؤں کہ اس مکار فرقہ کی مکاریوں فریب کاریوں سے ایک بڑی فریب کاری یہ کہ یہ لوگ اپنے بد عقائد و نظریات اور برے کرتوتوں کی پردہ پوشی کے لئے بہت شور کرتے ہیں کہ بریلوی ایک نیا فرقہ ہے ان کے عقائد و معمولات نئے اور قرآن و سنت کے خلاف ہیں۔ حالانکہ بریلوی ایک نسبت تشریفی و امتیازی ہے کیونکہ دیو بندی بھی لیبل لگانے کو اپنے کو اہل سنت و جماعت کہتے ہیں، تو یہ نسبت سعیدہ حقیقی و سچے اہل سنت و جماعت کا ان سے امتیاز کر دیتی ہے۔

یہ لوگ اپنے آپ کو سنی حنفی سب کچھ کہتے ہیں لیکن خود کو بریلوی کہنے سے بھاگتے ہیں ورنہ مسلک بریلوی عقائد و معمولات کے اعتبار سے بفضلہٖ تعالیٰ سچے حنفی سنی ہیں ان کے عقائد و معمولات وہی ہیں جو قرآن و سنت و صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے ثابت اور سلفاً خلفاً قرن بعد قرن اہل السنۃ والجماعۃ جن پر چلے آرہے ہیں۔ یہ بات فقیر پوری ذمہ داری و وثوق سے کہتا ہے۔

دوسری فریب کاری

خالصۃً فرقہ وہابیہ غیر مقلدہ کی یہ ہے کہ وہ اہل السنۃ و الجماعۃ کو فقہی فروعی مسائل میں الجھانا چاہتے ہیں کبھی قرأت خلف الامام کا مسئلہ کھڑا کر دیتے ہیں تو کبھی رفع الیدین کا کبھی محل رفع الیدین میں الجھتے ہیں اور کبھی ہاتھ باندھنے کے محل و کیفیت میں کبھی آٹھ تراویح کا شور مچاتے اور کبھی ایک وتر کا دعویٰ کرتے ہیں، وغیر ذلک، اصل مقصد ان کا اپنے برے عقائد و نظریات سے اور گستاخانہ عبارات سے لوگوں کی توجہ ہٹانا اور یہ ظاہر کرنا ہے کہ شاید اصل نزاع و اختلاف ان مسائل میں ہی ہے تاکہ عام لوگ کہیں مولوی حضرات ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں آپس میں الجھے رہتے ہیں۔

مگر بفضلہٖ سبحانہ تعالیٰ علمائے حق اہل سنت و جماعت ہمیشہ ہر میدان میں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے اور ان کی مکاریوں عیاریوں سے عامۃ الناس کو آگاہ کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ (انشاء اللہ العزیز)

الغرض! ماضی قریب میں بھی ایک مولوی داؤد ارشد نامی غیر مقلد وہابی نے ''دین الحق فی تنقید جاء الحق'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جو المکتبۃ الاثریہ شاہ کوٹ نے شائع کی۔ اس کے مصنف نے شرم و حیاء کو بالا طاق رکھ کر بدتہذیبی و بداخلاقی و بدزبانی کا خوب مظاہرہ کیا اور جگہ جگہ دعویٰ کیا کہ احناف اہل سنت کے معمولات کی بنیاد محض ضعیف و موضوع روایات پر ہے۔ فقیر نے اس کے ردوابطال میں ''نصرت

الحق فی ردالوہابیہ وتائید جاء الحق'' کے نام سے حصہ اول لکھ کر شائع کیا جس میں غیر مقلد کی مذکورہ بالا کتاب کے کچھ بابوں کا رد ہے اس پر علمائے اہل سنت زاد اللہ تعالیٰ فیوضھم و برکاتھم نے حوصلہ افزائی فرمائی اور بندہ حقیر کی کارکردگی کو سراہا اور ان میں سے بعض نے مطالبہ کیا کہ اس کا باقی رد بھی آپ کے قلم سے آنا چاہیے۔ فقیر نے قلیل اسباب و ذرائع کے باوجود کوشش جاری رکھی۔ اب بفضلہٖ تعالیٰ نصرت الحق حصہ دوم آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ساتھ ہی یہ اعتراف نہ کرنا احسان فرموشی جانتا ہوں کہ بعض علماء اہل سنت نے محض اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم کی رضا اور دین و مسلک کی ہمدردی کی بناء پر اس سلسلہ میں فقیر سے تعاون فرماتے ہیں حوالہ جات کی ضرورت ہو تو اپنی لائبریریوں کے دروازے کھول دیتے ہیں اور مشورہ کی حاجت ہو تو اپنے مفید مشوروں سے نوازتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے علم وعمل میں اور اضافہ کرے اور ان کے فیوض و برکات کو مزید فرمائے۔ اور دین و دنیا میں کامیابی وعزت عطا فرمائے اور بندہ ناچیز کو علمائے حق اہل سنت و جماعت کا تابعدار رکھے۔ آمین ثم آمین بجاہ رسولہ الکریم الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

فقیر محمد محبت علی قادری

غفر اللہ تعالیٰ لہٗ ووالدیہ

رجب المرجب ۱۴۲۸ بمطابق جولائی ۲۰۰۷ء

مقدمہ

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔ اَمَّا بَعْدُ!

نصرت الحق حصہ اول کی طرح اس میں بھی یہ طریقہ جاری ہے کہ پہلے ہم حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی جاء الحق سے کچھ عبارت پیش کرتے ہیں پھر داؤد ارشد غیر مقلد کی نام نہاد دین الحق سے اس سے متعلقہ اعتراضات لکھتے ہیں بعد میں ان کا جواب دیتے ہیں تا کہ حقائق قارئین حضرات کے سامنے آ جائیں چونکہ غیر مقلد صاحب نے اصل بحث کے علاوہ علمائے اہل سنت پر طعن وطنز کے طور پر اور مسلک حق اہل سنت پر بے جا تنقید کے طور پر کچھ مسائل چھیڑ رکھے ہیں۔ لہٰذا ہمیں بھی ان کے ردو جواب کے لئے ایسے بیان میں جانا پڑتا ہے جس کا جاء الحق حصہ دوم سے تعلق نہیں۔ یہی وجہ اس کے طول کا سبب ہے۔ چونکہ غیر مقلد وہابی کی بداخلاقی و بدتہذیبی و بدزبانی کی ہے چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے مگر پھر بھی ہم نے جواب دینے میں احتیاط سے کام لیا ہے۔ ہمیں بھی بعض مقام پر کچھ سخت جملے لانے پر مجبور کر دیتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس کے جواب کا تقاضا بھی ہے کیونکہ جو ہمارے بزرگوں اور علماء کو برا کہہ اس سے نرمی نا مناسب ہے وہابیوں کا یہ پرانا طریقہ ہے کہ جب کوئی آیت قرآنی ان کے مذہب نا مہذب سے ٹکرائے تو من گھڑت تفسیر سے اس کے معانی بدل دیتے ہیں اور

جب کوئی حدیث اپنے مذہب کے خلاف نظر آئے تو ضعیف و موضوع کہہ کر اس کے منکر ہوتے ہیں۔ یہی طریقہ نام نہاد دین الحق کے مصنف نے بھی اپنایا جس کا جواب فقیر نے بحمد اللہ شافی و وافی انداز میں دیا ہے۔ غیر مقلد نے اکثر مقامات پر حصول مقصد کے لئے عبارات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے تا کہ عامۃ الناس مغالطہ میں آئیں فقیر نے اس کے ان عزائم کو ناکام کرنے کو یا تو پوری عبارتیں لکھ دیں یا ان خیانتوں کی نشاندہی کر دی ہے تا کہ قارئین پر حقیقت کھل جائے۔

واضح رہے کہ رجال الحدیث میں ایسے بہت کم رواۃ ہیں جو بالاتفاق ثقہ ہوں۔ محدثین کا ان کی جرح میں کچھ کلام نہ ہو ورنہ زیادہ نہیں تو اکا دکا محدث راوی کو ضعیف و مجروح کہہ ہی دیتا ہے۔ دریں صورت دیکھنا ہے کہ ضعف کا حکم لگانے والا عند الفقہاء و محدثین اس مقام و مرتبہ پر فائز ہے کہ ایسا حکم لگا سکے نہیں تو اس کی بات کا اعتبار نہیں، اگر ہے تو پھر دیکھنا ہے کہ جرح مفسر ہے یا غیر مفسر یعنی وجہ ضعف بیان کرتا ہے یا نہیں بیان کرتا ہے تو جرح معتبر ہے ورنہ غیر معتبر و غیر مسموع ہے مگر غیر مقلدوں کے خلاف روایت کے راوی کو جب کوئی ضعیف کہہ دے اگر چہ کہنے والا اس کا اہل نہ ہو اور جرح بھی غیر مفسر ہو تو یہ حضرات اسے بہانہ بنا کر روایت کو ضعیف بلکہ موضوع تک کہہ دیتے ہیں۔ ان کے اس عمل نے دین میں بگاڑ اور امت میں فساد پیدا کیا، ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ ان کے ایسے کرتوتوں کا توڑ و جواب احسن طریقہ سے دیا ہے۔ نیز جس راوی کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے میں اہل علم کو اختلاف ہو بعض اسے ثقہ کہتے ہوں اور بعض ضعیف تو ایسا راوی متکلم فیہ کہلاتا ہے اس وصف کا راوی جب خلاف مذہب روایت کرے تو وہابی اسے دلیل نہیں مانتا مگر ہم نے محدثین کا اصول ایک سے زائد بار بیان کیا ہے کہ اس کی روایت درجہ حسن سے نہیں گرتی اور حسن درجہ کی روایت فضائل و احکام سب میں قابل قبول ہے مگر جب اس کا ثقہ متابع موجود ہو تو اس سے قوت پا کر درجہ صحت کو پہنچ جاتی ہے۔ یہ بات مخفی نہ رہے کہ

ہمارے یہ جوابات دفع وقتی اور جو نئے نئے شکوک وشبہات طائفہ وہابیہ کی جانب سے وارد کیئے جاتے ہیں ان کے ازالہ کے لئے ہیں ورنہ ہم مقلد ہیں۔ ہماری دلیل قول امام اعظم ابوحنیفہ حضرت نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ ہے اور ان کا ماخذ استدلال قرآن وسنت ہے نیز ہمارے امام جلیل القدر تابعی ہیں ان کے دور میں راویوں میں ضعف بہت کم تھا ایضاً جب آپ نے احادیث مبارکہ سے استدلال کیا اس وقت ان کی اسناد مختصر تھی لہٰذا ان میں ضعف کا احتمال بہت کم تھا۔ ایضاً ہمارے امام کا کسی روایت کو قبول کرنا اس سے استدلال کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے۔ ایضاً اگر ہمارے کسی مسئلہ پر بالفرض کوئی ضعیف روایت آ بھی جائے تو ہمیں مفر نہیں کیونکہ ہمارے ہر مسئلہ پر بہت احادیث ہیں جن سے مل کر ضعیف کا ضعف جاتا رہتا ہے۔ نیز بالفرض ہمارا کسی مسئلہ میں ضعیف روایت پر عمل ہو بھی جائے تو بفضلہٖ تعالیٰ ہمیں اس پر اجر ملے گا کیونکہ ہم نے اس پر نفس پرستی کے لئے عمل نہیں کیا بلکہ طلب رضائے مولا تعالیٰ میں امام اعظم مجتہد اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید میں کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے امام قرآن وسنت کو صحیح سمجھے ہیں جب کہ مجتہد کو خطا کی صورت میں بھی اجر ملتا ہے تو ہمیں بھی ملے گا مگر فرقہ غیر مقلدہ وہابیہ شتر بے مہار بے امامے بے پیرے ہیں خود مجتہد بنتے ہیں یا اپنے ہم عقیدہ ہم مذہبوں کی تقلید کرتے ہیں جب کہ آئمہ اربعہ کی تقلید کو شرک اور ان کے مقلدین کو مشرک کہتے ہیں اور اپنی آخرت برباد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسوں سے امت مسلمہ کو محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین بحرمت رسولہ الکریم الامین۔

فقیر محمد محبت علی قادری
غفر اللہ تعالیٰ لہٗ
رجب المرجب ۱۴۲۸
بمطابق ۲ اگست ۲۰۰۷

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی مِنَّتِہٖ وَ اِحْسَانِہٖ وَ تَوْفِیْقِہٖ

اس سے قبل چھ بابوں پر بحث پوری ہو چکی اب جاء الحق حصہ دوم سے ساتویں باب پر بحث کا آغاز ہوتا ہے۔ یہاں بھی بفضلہٖ تعالیٰ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمتہ اللہ علیہ کے دلائل کی تائید اور غیر مقلدوں کے رد میں دلائل پیش کیے جائیں گے۔ مفتی صاحب اس باب کے شروع میں فرماتے ہیں۔ وتر واجب ہیں اور تین رکعت ہیں۔ وتر کے لغوی معنی ہیں۔ طاق عدد یعنی جس کے برابر دو حصے نہ ہو سکیں جیسے تین پانچ سات وغیرہ اس کا مقابل ہے۔ شفع یعنی جفت عدد جو دو برابر حصوں پر تقسیم ہو جائے۔ اصطلاح شریعت میں وتر اس طاق نماز کو کہا جاتا ہے۔ جو بعد نماز عشاء خواہ تہجد میں یا عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

ہمارا مذہب یہ ہے کہ وتر واجب ہے کہ اس کا چھوڑنے والا سخت گنہگار ہے۔ اس کی قضاء لازم اور وتر کی تین رکعتیں ہیں لیکن غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ وتر واجب نہیں سنت غیر مؤکدہ یعنی نفل ہے اور وتر ایک رکعت ہے۔ مذہب حنفی حق ہے اور وہابیوں کا قول باطل محض ہم کو یہاں اصل بحث تو وتر تین رکعتوں پر کرنا ہے۔ اس سے پہلے ضمنی طور پر وتر کے وجوب پر چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

وتر واجب ہیں' احادیث مبارکہ

حدیث نمبر ۱ تا ۳ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت ابوایوب سے روایت کی۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ حضور نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر لازم ہیں۔ حدیث نمبر ۴ بزار نے حضرت عبداللہ

ابن عباس سے روایت کی قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ اَلْوِتْرُ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر واجب ہیں۔

وہابی اعتراض

وہابی صاحب کا مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی وجوب وتر پر پہلی حدیث پر اعتراض لکھتے ہیں۔ مفتی صاحب نے پورے الفاظ حدیث درج نہیں کئے جبکہ پوری حدیث یہ ہے۔ اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِخَمْسٍ فَلْیَفْعَلْ وَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِثَلٰثٍ فَلْیَفْعَلْ وَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِوَاحِدٍ فَلْیَفْعَلْ، قارئین کرام غور فرمائیے کہ حدیث دو حصوں پر مشتمل تھی لیکن مفتی صاحب نے اپنے مطلب کا حصہ تو درج کر دیا مگر اگلا حصہ جو ان کے خلاف تھا نقل ہی نہیں کیا کیونکہ اس میں ایک اور پانچ وتر کی دلیل موجود تھی جو مفتی صاحب کے مذہب کیخلاف ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۴۱۷)

الجواب اولاً: مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اختصاراً مضمون کے مطابق حدیث کا حصہ بیان کر دیا اور جو مضمون کے متعلق نہ تھا اسے چھوڑ دیا اور اختصاراً کا طریقہ صحابہ کرام سے ثابت اور محدثین میں بھی جاری ہے۔ بعض اوقات باب و مسئلہ سے متعلقہ حدیث کا حصہ بیان فرما دیتے ہیں۔ باقی کو اس جگہ بیان نہیں فرماتے لہٰذا اسے خیانت کہنا سینہ زوری ہے۔

ثانیاً: حدیث کا جس قدر حصہ مفتی صاحب نے بیان کیا وہ نافذ الحکم ہے باقی منسوخ ہے۔ چنانچہ اس حدیث پر حاشیہ ابن ماجہ میں امام طحاوی کا قول لکھا ہے کہ قَالَ الطَّحَاوِی لَوْلَا الْاِجْمَاعُ عَلٰی خِلَافِ ھٰذَا لَکَانَ جَائِزٌ اَنْ یُّقَالَ مَنْ اَوْتَرَ فَھُوَ مُخَیَّرٌ فِیْ وِتْرِہٖ کَمَا جَاءَ فِیْ ھٰذَا الْخَبْرِ لٰکِنَّ دُلَّ الْاِجْمَاعُ عَلٰی نَسْخِ ھٰذَا ۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ اگر اجماع اس کے خلاف نہ ہوتا تو پھر جائز تھا

کہ کہا جائے جو وتر پڑھے وہ اختیار پر ہے جیسا کہ اس خبر میں آیا لیکن اجماع اس کے نسخ پر دلالت کرتا ہے۔

ثالثاً: اگر بقول وہابی صاحب اس میں تین وتر کے علاوہ ایک اور پانچ رکعتوں کی دلیل ملتی ہے تو پھر وہابی صاحبان ایک وتر کو کس لئے اختیار کرتے ہیں تین اور پانچ کیوں نہیں پڑھتے؟

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض: حدیث اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ وتر واجب نہیں کیونکہ فرائض میں کسی مسلمان کی عقیدت و محبت سے نہ کمی ہوتی ہے نہ ہی زیادتی جبکہ مذکورہ حدیث میں ایک مسلمان کے دلی لگاؤ کی وجہ سے اجازت موجود ہے کہ چاہے تو پانچ یا تین یا ایک وتر ہی پڑھے۔ یہ الفاظ اس بات کا قرینہ ہیں کہ وتر واجب نہیں کیونکہ اگر فرض ہوتے تو یہ اجازت نہ ہوتی۔

ثالثاً: رہا حق کے لفظ سے وجوب کا دعویٰ کرنا تو یہ محض خوش فہمی ہے اور دعویٰ بلا دلیل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ:

عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ حَقٌّ اَنْ یَّغْنسل فِیْ کُلِّ سَبْعَة اَیَّام یَوْمًا

(بخاری ج ا ص ۱۲۳)

یعنی ہر مسلمان پر جمعہ کا غسل حق ہے۔ ان الفاظ کا مفاد تو یہ ہے کہ غسل جمعہ کو فرض تسلیم کیا جائے حالانکہ یہ حنفی غسل جمعہ کو واجب نہیں سنت غیر موکدہ کہتے ہیں۔ اور اس کا معنی ثابت و لازم کرتے ہیں۔ (مرقاۃ ج ۲ ص ۹۲) (نام نہاد دین الحق ص ۴۱۷)

الجواب اولاً: (اس جگہ حق بمعنی واجب ہے) ابوداؤد شریف کی حدیث سے واضح ہے کہ یہاں حق بمعنی واجب ہے ملاحظہ ہو

(عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ یُوْتِرْ فَلَیْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ

حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرُ فَلَيْسَ مِنَّا ۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ سے ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ نے (تین بار) فرمایا کہ وتر حق (واجب) ہیں جس نے ان کو نہ پڑھا وہ ہم سے نہیں۔

واضح رہے کہ مذکورہ حدیث میں فَلَيْسَ مِنَّا بطور وعید آیا ہے اور وعید فرض و واجب کے ترک پر آتی ہے نہ کہ مستحب چھوڑنے پر کیونکہ مستحب کو بجالانا ثواب ہے لیکن ترک شرعاً گناہ نہیں مگر غیر مقلد صاحبان اس سے غافل ہیں۔ قرآن سے حق بمعنی واجب کا ثبوت اب قرآن مجید کو دیکھیں کہ لفظ حق وجوب کے لئے آیا ہے یا نہیں۔ سورۃ البقرہ پارہ دوم میں یہ لفظ تین جگہ یوں آیا ہے: حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ آیہ نمبر ۱۸۰ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ آیت نمبر ۲۳۷ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ آیت نمبر ۲۴۱ اس کے متعلق تراجم و تفاسیر ملاحظہ ہوں حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ واجب ہے خوش معاملہ لوگوں پر۔ اشرف علی تھانوی صاحب، حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ لازم ہوا اوپر پرہیز گاروں کے شاہ رفیع الدین صاحب لازم ہے پرہیز گاروں پر محمود الحسن دیو بندی، حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ بھلے لوگوں پر واجب ہے۔ تفسیر ثنائی۔ ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد۔ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے۔ تفسیر احسن البیان، حافظ صلاح الدین یوسف صاحب غیر مقلد حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ وَصْفٌ لِقَوْلِهٖ مَتَاعًا اَوْ مَصْدَرٌ لِفِعْلٍ مَحْذُوْفٍ اَیْ حَقَّ ذٰلِكَ حَقًّا حَقَقْتُ عَلَيْهِ الْقَضَاءَ وَاَحْقَقْتُ اَیْ لَوْجَبْتُ ۔ وصف ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد متاعاً کا یا فعل محذوف کا مصدر ہے یعنی واجب ہوا یہ واجب ہونا لازم ہوئی اس پر قضاء اور لازم ہوئی یعنی واجب ہوئی۔ تفسیر فتح البیان نواب صدیق بن حسن صاحب غیر مقلد۔ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ واجب ہے پرہیز گاروں پر کنز الایمان مترجم امام اہل سنت الشاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی رحمتہ اللہ علیہ، لغات ملاحظہ ہو۔ حَقَّ الْاَمْرُ یعنی امر واجب

ہوا۔ مِنْ باب رَدِّ مختار الصحاح، حَقّاً عَلَى الْمُتَّقِيْنَ حَقّاً منصوب بوجہ مفعول مطلق کے ہے مطلب یہ ہے کہ متعہ کا دینا متقین پر واجب ہے۔ انوار البیان فِیْ حلِّ لغات القرآن حَقّاً عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (البقرہ آیت نمبر ۱۸۰) کے بھی یہی معنی ہیں یعنی متقین کے ذمہ یہی نہیں کہ وہ اس قانون (وصیت) پر خود عمل پیرا ہوں بلکہ ان پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ لغات القرآن، حَقَّ حَقّاً حَقَّةً الامر۔ ثابت ہونا واجب ہونا۔ المنجد، مذکورہ لغات کے حوالوں سے معلوم ہوا کہ حق کے معنی ثابت، لازم، واجب سب موقع محل کے مطابق مناسب ہیں۔

وتر واجب ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد:

جاء الحق سے حدیث نمبر ۴ بزار نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ اَلْوِتْرُ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ ۔

وتر واجب ہیں حضور کا ارشاد

حضور نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر واجب ہیں۔ اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض۔ راوی اس حدیث کے ابن عباس رضی اللہ عنہما نہیں بلکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ (نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۲۲)

الجواب: یہ غلطی سہواً ہوئی ہے۔ عمداً نہیں، عام ازیں کہ کاتب سے ہے یا منصف رحمتہ اللہ علیہ سے بہر حال غلطی کا ہونا بڑی بات نہیں اور وہابی صاحب کو بہانہ بنا کر حدیث سے راہ فرار اختیار کرنا درست نہیں۔ راوی عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہوں یا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ دونوں ہی جلیل القدر و عظیم الشان صحابی ہیں۔ ہمارے لئے دونوں میں سے کسی کی بھی روایت ہو سر و آنکھوں پر ہے مگر غیر مقلد صاحب نے آگے چل کر اس سے بھی کیڑے نکالے ہیں اور ہم نہ ماننے کی رٹ لگائی ہے۔ غیر مقلد کا مذکورہ حدیث پر دوسرا اعتراض۔ اس کی سند میں جابر جعفی ہے جو کہ

کذاب ہے۔ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ فِیْہِ جَابِرُ الْجعفی وَھُوَ ضَعِیْفٌ وَقَدْ ذَکَرَ الْبزَازُ اِنَّہٗ تَفَرَّدَ بِہٖ (درایہ ج ۱ ص ۱۹۰) اس کی سند میں جابر جعفی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ امام بزار نے کہا ہے کہ وہ اس کے روایت کرنے میں منفرد ہے۔

الجواب: ہم بفضلہٖ تعالیٰ وہابی صاحب کو وتر کا وجوب ماننے سے بھاگنے نہیں دیں گے اگر یہ حدیث اسے قبول نہیں کہ اس میں راوی اسے پسند نہیں تو ہم

وجوب وتر صحیح حدیث سے ثابت

وتر کا وجوب صحیح احادیث سے ثابت کر دیتے ہیں۔ اول عطاء بن یسار عن ابی سعید قَالَ قَالَ رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِہٖ اَوْنَسِیَہٗ فَلْیُصَلِّہٖ اِذَا اَصْبَحَ اَوْ ذَکَرَہٗ (ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ شَیْخَیْنِ وَلَمْ یَخْرُجَاہُ (المستدرک ج ۱ ص ۳۰۲) عطاء بن یسار نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بغیر پڑھے وتر سو جائے یا انہیں بھول جائے تو صبح کے بعد پڑھ لے یا جب اسے یاد آئے پڑھ لے۔ یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور انہوں نے اسے روایت نہ کیا۔

دوم: عَنْ ابی ایوب انصاری قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُوْتِرْ بِخَمْسٍ وَمَنْ شَاءَ فَلْیُوْتِرْ بِثَلٰثٍ وَمَنْ شَاءَ فَلْیُوْتِر بِوَاحِدَۃٍ (ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ وَلَمْ یَخْرُجَاہُ ۔ (المستدرک ج ۱ ص ۳۰۲)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر حق ہیں تو جو چاہے پانچویں رکعت کو وتر کرے اور جو چاہے تیسری رکعت کو وتر کرے اور جو چاہے ایک رکعت کو وتر کرے (یعنی دو کے بعد تیسری رکعت کو)

اس کے حاشیہ پر علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

هذا الحديث وحديث ان الوتر حق يدل على وجوب الوتر فان القضاء لا يكون الا للواجب و الفرض

یہ حدیث صحیح ہے اور وہ حدیث بھی کہ بے شک وتر حق ہیں۔ یہ وتر کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔ پس بے شک قضاء نہیں ہوتی مگر واجب وفرض کی۔

واضح رہے کہ مذکورہ دونوں حدیثوں میں علامہ ذہبی نے حاشیہ مستدرک میں صاحب مستدرک کی صحت بیان کرنے کی مخالفت نہیں کی بلکہ ان کی موافقت میں ان سے وجوب ثابت کیا ہے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعلق التعلیق المغنی علی دار قطنی ج ۲ ص ۲۶ پر ہے:

قَوْلُهٗ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ اَنْصَارِیْ ۔ رَوَاتُهٗ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ ۔ قَالَ الْحَافِظُ: حَدِیْثُ اَبِیْ اَیُّوْبَ اَخْرَجَهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنِّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ حِبَانَ وَالدَّارُقُطْنِیُّ وَالْحَاكِمُ وَلَهٗ اَلْفَاظٌ ۔ وَصَحَّحَ اَبُوْ حَاتِمٍ وَالذّهلِیُّ وَالدَّار قُطْنِیُّ فِی الْعِلَلِ وَ الْبَیْهِقِیُّ وَغَیْرُ وَاحِدٍ وَفَقَهٗ ۔ وَهُوَ الصَّوَابُ

یعنی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ حافظ نے کہا کہ حضرت ابوایوب کی حدیث کو ابوداؤد ونسائی و ابن ماجہ و ابن حبان و دار قطنی اور حاکم نے روایت کیا اور الفاظ اسی کے ہیں اور اسے ابوحاتم و ذہلی اور دار قطنی نے العلل میں اور بیہقی نے صحیح کہا اور ایک سے زیادہ نے اس کی موافقت کی اور وہ حدیث صحیح ہے۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم نے اس قدر محدثین سے دو حدیثوں کی صحت ثابت کر دی ہے جن میں وتر کا وجوب ثابت ہے مگر وہابیوں کی ضد کا ہمارے پاس علاج نہیں۔

جاء الحق سے حدیث نمبر 5 و 6 ملاحظہ ہو۔

حضرت ابوداؤد حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا ۔

میں نے حضور کو فرماتے سنا کہ وتر لازم ضروری ہیں جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض، اول روایت میں حق کا لفظ ہے واجب نہیں اور یہ ضروری نہیں کہ حق کا لفظ واجب اور فرض پر ہی بولا جائے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

الجواب اوّلاً: وہابی صاحب کو یہ شعور نہیں کہ مذکورہ بالا حدیث میں محض لفظ حق وجوب پر دلالت نہیں کر رہا بلکہ اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کے تارک کو وعید شدید سنائی کہ جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں اور وعید واجب وفرض کے ترک پر یا منع کے ارتکاب پر آتی ہے۔ مستحب کا کرنا ثواب نہ کرنا قابل گرفت و گناہ نہیں۔

ثانیاً: ہم نے دو حدیثیں صحیح اوپر دے دیں ہیں جن کے بارے علامہ ذہبی نے کہا ہے کہ ان سے وتر کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض: اس کی سند میں عبید اللہ بن عبداللہ عتکی ہے۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۱ و حاکم ج ۱ ص ۳۰۶ و بیہقی ج ۲ ص ۴۷۰ جو کہ متکلم فیہ ہے۔ امام عقیلی فرماتے ہیں کہ اس کی روایات میں اس کا کوئی متابع موجود نہیں۔ الضعفاء الکبیر، ج ۳ ص ۱۳۱ امام ابن حبان فرماتے ہیں: ثقافت سے مقلوب روایت بیان کرنے میں منفرد ہے۔ (مجروحین ج ۲ ص ۶۴)

امام بیہقی فرماتے ہیں اس کی روایت سے احتجاج نہ کیا جائے۔ امام نسائی اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ اسے منکر الحدیث فرماتے ہیں۔ (تہذیب ج ۷ ص ۲۷ و میزان ج ۳ ص ۱۱) حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چھٹے طبقہ میں

سے غلطیاں کرنے والا راوی ہے (تقریب ص ۱۶۹) اور انہوں نے مقدمہ تقریب میں صراحت کی ہے کہ یہ وہ طبقہ ہے جو قلیل الحدیث ہے اور اس جگہ پر یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جب راوی قلت روایت کے باوجود غلطیاں کرے تو وہ ضعیف ہوتا ہے جیسا کہ خود حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے۔ (تہذیب ص ۱۴۴ ج ۱۰)

الجواب اوّلاً: تہذیب التہذیب کے حوالہ سے غیر مقلد نے جو کچھ امام عبید اللہ بن عبداللہ کی جرح میں لکھا ہے سب جھوٹ ہے۔ تہذیب التہذیب میں ان کے نام و والدیت میں اختلاف مذکور ہے اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ وغیرہ کا ان کی تعدیل میں یہ ارشاد مذکور ہے۔ **نعم صحیح حدیثه** اس کی حدیث صحیح ہے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں ہاں ان کی حدیث کو امام احمد بن حنبل وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ اب قارئین دیکھیں ان وہابیوں پر کیسے اعتماد ہو جو مذہبی حمایت میں پاس سے باتیں جوڑیں۔

غیر مقلد کی عبارت میں ہیرا پھیری

ثانیاً: غیر مقلد نے میزان الاعتدال کے حوالہ میں ہیر پھیر کیا ہے۔ اپنے مطلب کی باتیں بیان کر دیں اور خلاف مقصد کو چھوڑ دیا حالانکہ اسی جگہ عبید اللہ بن عبداللہ کے بارے ابن معین کا ارشاد ہے وہ ثقہ ہیں نیز غیر مقلد نے جو امام بخاری کا حوالہ دیا ہے کہ اس نے عبید اللہ کو منکر الحدیث کہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہے کہ فَاَخَذَ اَبُوْ حاتِمٍ يُنْكِرُ عَلَى الْبُخَارِیِّ لِذِكْرِهٖ اَبَا الْمُنِيْبِ فِی الضُّعَفَاءِ وَ قَالَ هُوَ صَالِحُ الْحَدِيْثِ ابو حاتم نے امام بخاری پر تعجب کیا ابو منیب یعنی عبید اللہ کو ضعفاء میں شمار کرنے پر اور کہا کہ اس کی حدیث درست قابل حجت ہے اسی بیان کے آخر میں ہے کہ قَالَ اِبْنُ عَدِی ۔ هُوَ عِنْدِیْ لَابَاْسَ بِهٖ ۔ ابن عدی نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس کی حدیث میں کوئی حرج نہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۱)

ثالثاً: تقریب التہذیب ص ۶۲۶ پر ہے۔ صُدُوق يُخطِئ یعنی سچا ہے غلطی

بھی کر جاتا ہے۔

رابعاً: علامہ نیموی زیر بحث روایت کو بیان کے بعد لکھتے ہیں۔ اِسْنَادُہٗ حَسَنٌ آثار السنن ص ۱۴۷ یعنی اس حدیث کی اسناد حسن ہے

حدیث حسن احکام میں حجت ہے

اسی کے حاشیہ پر ہے۔ وَقَوْلُہٗ اِسْنَادُہٗ حَسَنٌ

فَاِنْ قُلْتَ فِیْهِ عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَبُو الْمُنِیْبِ الْعَتَکِیُّ تَکَلَّمَ فِیْهِ النِّسَائِیُّ وَ اِبْنُ حَبَانَ وَ الْعقیلِیُّ وَ قَالَ الْبخاریُّ عِنْدَہٗ مَنَاکِیْرُ قُلْتُ و ثِقَهٗ اِبْنُ مُعِیْنٍ اِمَامُ هٰذَا الشَّان وَ قَالَ اِبْنُ عدی عِنْدِی لَا بَاْسَ بِهٖ وَاَنْکَرَ اَبُوْ حَاتِمُ عَلَی الْبخاری لِذِکْرِهٖ اِیَّاہُ فِی الضُّعَفَاءِ وَ قَالَ هُوَ صَالِحُ الْحَدِیْثِ وَ الْحَدِیْثُ اِخْرَجَهُ الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَکِ وَلَمْ یُکَرِّرْ لَفْظَهٗ وَ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ وَ اَبُو الْمُنِیْبِ ثِقَةٌ وَ رَوَاہُ اَبُوْ دَائودَ وَ سَکَتَ عَنْهُ وَ هٰذَا یَدُلُّه عَلٰی صَلَاحِیَّتِهٖ لِلْاِحْتِجَاجِ عِنْدَہٗ وَلَهٗ شَاهِدٌ ضَعِیْفٌ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عِنْدَ اَحْمَدَ فَلَا یُنَزِّلُ حَدِیْثُهٗ مِنْ دَرَجَةِ الْحَسَنِ وَقَالَ عَیْنِیُّ فِیْ عُمْدَةِ الْقَارِیْ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ وَالْحَقُّ مَا قُلْنَاہُ آنِفاً وَاِلَیْهِ ذَهَبَ اِبْنُ الْهِمَامِ فِی فتح القدیر ۔ اس کا قول کہ اس کی اسناد حسن ہے۔ علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ اگر تو کہے اس میں عبید اللہ بن عبداللہ ابومنیب عتکی ہے اور اس میں نسائی و ابن حبان اور عقیلی نے کلام کیا ہے اور بخاری نے اسے مناکیر میں شمار کیا ہے میں کہتا ہوں کہ ابن معین اس قدر ذیشان امام نے اسے ثقل کہا ہے اور ابن عدی نے کہا میرے نزدیک اس میں کوئی ضعف نہیں اور ابوحاتم نے امام بخاری پر تعجب کیا ہے۔ اس کے (ابومنیب کو) ضعفاء میں شامل کرنے پر اور کہا کہ اس کی حدیث قابل حجت ہے اور اس کی حدیث حاکم نے مستدرک میں نقل کی اور اس میں لفظ کا تکرار نہ کیا اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور ابومنیب ثقہ ہے اور ابوداؤد نے اسے نقل کے بعد

کوئی اعتراض نہ کیا اور اس کے قابل حجت ہونے کی صلاحیت پر دلیل ہے۔ اس کے نزدیک اور اس کے لئے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ضعیف روایت شاہد بھی ہے امام احمد کے نزدیک تو یہ اسے درجہ حسن سے نہیں گراتا۔ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں کہا یہ حدیث صحیح ہے اور حق وہ ہے جسے میں نے ابھی بیان کیا اور اس کی طرف ابن ہمام گئے ہیں۔ فتح القدیر میں بفضلہٖ تعالیٰ اس بیان سے واضح ہوا کہ امام عبید اللہ بن عبداللہ کی حدیث (احکام میں) قابل استدلال ہے۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ حدیث نمبر ۷ کے تحت لکھتے ہیں۔ عبداللہ بن احمد نے عبدالرحمٰن ابن رافع تنوخی سے روایت کی کہ حضرت معاذ بن جبل جب شام تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ شام کے لوگ وتر میں سستی کرتے ہیں تو آپ نے حضرت امیر معاویہ سے اس کی شکایت کی کہ شامی لوگ وتر کیوں نہیں پڑھتے۔

فَقَالَ مَعَاوِيَةُ اَوَاجِبٌ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ زَادَنِىْ رَبِّىْ عَزَّوَجَلَّ الصَّلٰوةَ هِىَ وَالْوِتْرُ فِيْمَا بَيْنَ الْعِشَاءِ اِلٰى طُلُوْعِ الْفَجْرِ۔

تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا مسلمانوں پر وتر واجب ہیں؟ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ مجھے رب نے ایک نماز دی ہے جو وتر ہے عشاء اور طلوع فجر کے درمیان ہے۔

اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض

عبدالرحمٰن بن رافع کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن مذکور لَمْ يُدْرِكْ قِصَّةَ (درایہ، ج ۱ ص ۱۸۹) یعنی عبدالرحمٰن نے اس قصہ کے زمانہ کو نہیں پایا۔ گویا کہ درمیان میں کوئی مجہول الحال راوی ہے۔

الجواب: ہم نے قبل ازیں وجوب وتر پر دو صحیح حدیثیں پیش کر دی ہیں آپ

واقع ہی اہلحدیث ہیں تو ان کو ہی مان لیں۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۸ ترمذی نے حضرت زید بن اسلم سے مرسلاً روایت کی۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِہٖ فَلْیُصَلِّ اِذَا اَصْبَحَ جو وتر چھوڑ کر سو جائے وہ صبح کے وقت اس کی قضا پڑھ لے۔ اس پر وہابی صاحب نے چار اعتراض کئے ہیں پہلے دو ملاحظہ ہوں جب مفتی صاحب کو اقرار ہے کہ یہ مرسل ہے اور مرسل جمہور محدثین کرام کے نزدیک ضعیف کی ایک قسم ہے۔ قضا وتر پر حسن درجہ روایات موجود تھیں پھر معلوم نہیں کہ مفتی صاحب نے اس ضعیف روایت کو ترجیح کیوں دی ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۲۰

مرسل حدیث کا حکم

الجواب اوّلاً: جمہور محدثین کرام مطلقاً مرسل کو ضعیف نہیں کہتے بلکہ جب تابعی کی عادت ہو کہ وہ ثقہ سے ہی مرسل بیان کرتا ہو تو دریں صورت جمہور محدثین کا مذہب توقف ہے۔ ضعف یا صحت کا حکم نہیں لگاتے جب کہ کثیر فقہا و محدثین کے نزدیک ایسی روایت مقبول ہے ملاحظہ ہو۔

> فَاِنْ عُرِفَ مِنْ عَادَةِ التَّابِعِیّ اِنَّہٗ لَا یُرْسِلُ اِلَّا عَنْ ثِقَةٍ۔ فَذَھَبَ جَمْھُوْرُ الْمُحَدِّثِیْنَ اِلَی التَّوَقُّفِ لِبَقَاءِ الْاِحْتِمَالِ۔ وَھُوَ اَحَدُ قُوْلَ اَحْمَدَ وَ ثَانِیْھِمَا وَھُوَ قَوْلُ الْمٰلِکِیِّیْنَ وَالْکُوْفِیِّیْنَ یُقْبَلُ مُطْلَقاً۔ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ یُقْبَلُ اِنِ اعْضَدَ بِمَجِیْئِہٖ مِنْ وَجْہٍ آخَرِیُبَایِنُ الطَّرِیْقَ الْاُوْلٰی مُسْنَدًا کَانَ اَوْمُرْسَلًا لِیَتَرُجَّحَ الْاِحْتِمَالُ کَوْنُ الْمَحْذُوْفِ ثِقَةٌ فِیْ نَفْسِ الْاَمْرِ ۔ (نخبۃ الفکر ص ۶۴)

اگر تابعی کی عادت معلوم ہوئی کہ وہ ثقہ سے ہی مرسل روایت کرتا ہے تو اس میں جمہور محدثین رحمتہ اللہ علیہم کا مذہب توقف ہے۔ احتمال باقی ہونے کی وجہ سے اور امام احمد کے دو قولوں سے بھی ایک قول یہی ہے

اور ان کا دوسرا قول مالکیہ اور کوفی حضرات کے ساتھ ہے کہ (مرسل) مطلقاً قبول کی جائے گی اور امام شافعی نے کہا اس وقت قبول کی جائے گی جبکہ اس کو قوت دے کہ وہ روایت کسی اور وجہ سے آ جائے جو پہلے طریق سے جدا ہو عام ازیں کہ یہ مسند ہو یا مرسل تا کہ اس احتمال کو ترجیح دی جائے کہ محذوف راوی درحقیقت ثقہ ہے۔

الشاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ مقدمہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

وَحُكْمُ الْمُرْسَلِ اَلتَّوَقُّفُ عِنْدَ جَمْهُوْرِ الْعُلَمَاءِ لِاَنَّهُ لَا يُدْرِىْ اِنَّ السَّاقِطَ ثِقَةٌ اَوْلَا لِاَنَّ التَّابِعِىَّ يَرْوِىْ عَنِ التَّابِعِىِّ وَ فِى التَّابِعِىِّ ثِقَاتٌ وَغَيْرُ ثِقَاتٍ وَعِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَ مَالِكٍ اَلْمُرْسَلُ مَقْبُوْلٌ مُطْلَقًا وَ هُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا اَرْسَلَهُ لِكَمَالِ الْوَثُوْقِ وَ الْاِعْتِمَادِ لِاَنَّ الْكَلَامَ فِى الثِّقَةِ وَلَوْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ صَحِيْحاً لَمْ يُرْسِلْهُ وَلَمْ يَقُلْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور حکم مرسل کا توقف ہے جمہور علماء کے نزدیک اس لئے کہ ساقط راوی ثقہ یا غیر ثقہ ہونا معلوم نہیں۔

اور اس لئے کہ کبھی تابعی تابعی سے روایت کرتا ہے اور تابعین میں ثقات اور غیر ثقات ہیں اور امام ابوحنیفہ و امام مالک رضی اللہ عنہما کے ہاں مرسل مطلقاً مقبول ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس نے بکمال وثوق واعتماد کی بنا پر روایت کیا ہے کیونکہ اگر اس کے نزدیک حدیث صحیح نہ ہوتی تو وہ مرسل روایت نہ کرتا اور یہ نہ کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمہور علماء کا مذہب مرسل پر ضعف و صحت کا حکم دینے سے توقف ہے اور دو جلیل القدر و عظیم الشان امام اس کے مطلق قبول کے قائل ہیں مگر افسوس ہے وہابی صاحبان بے دھڑک ضعیف کہے دیتے ہیں اور دین میں اجارہ داری کرتے ہیں۔

ثالثاً: اگر آپ کو اقرار ہے کہ قضا وتر پر احادیث حسن موجود ہیں تو پھر اس کی ادا کو واجب کیوں نہیں مانتے کیا تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ بندوں سے اس چیز کا مطالبہ کرتا ہے جو اس نے ان پر واجب ہی نہیں کی پھر اللہ تعالیٰ کی طرف زیادتی منسوب کرتے ہو جس سے وہ پاک ہے۔

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض، اس میں وجوب کا ذکر نہیں ہے اگر بریلوی حضرات قضا سے وجوب ثابت کرتے ہیں تو وہ محض دعویٰ ہے جو دلیل کا محتاج ہے۔

الجواب: قضا سے وجوب ادا ثابت کرنا دعویٰ بلا دلیل نہیں بلکہ مع الدلیل ہے کیونکہ قضا اسی کی واجب ہوتی ہے جس کی ادا واجب ہو قرض دینے کے بعد مطالبہ ہوتا ہے پہلے نہیں مگر غیر مقلد اس قدر بے عقل ہے کہ قضا کو واجب مانتا ہے ادا کو نہیں۔

غیر مقلد کا چوتھا اعتراض:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مَنْ لَّمْ يُصَلِّ رَكْعَتَى الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلَعُ الشَّمْسُ

(ترمذی مع تحفہ ج ا ص ۳۲۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے فجر کی (دو عدد سنت) رکعت نہ پڑھی ہوں وہ سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے۔

یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے کیونکہ اس میں قتادہ ہے جو کہ مدلس ہے اور روایت عن عن سے ہے لیکن فریق ثانی اس سے صبح کی سنتوں کی قضا بعد طلوع سورج پہ استدلال کرتا ہے۔ چند سطر کے بعد لکھتا ہے۔ الغرض اسی روایت سے حنفی سورج طلوع ہونے کے بعد صبح کی قضا سنتوں کے پڑھنے پر استدلال کرتے ہیں جبکہ ان میں قضا کا حکم ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حکم سے وجوب کا استدلال درست ہے تو حنفی صبح کی سنتوں کے وجوب کے قائل کیوں نہیں ہیں۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۲۰ تا ۴۲۱،

احناف کے نزدیک سنت فجر قضا کا حکم

الجواب اوّلاً: وہابی صاحب سے التماس ہے کہ پہلے آپ اپنے گھر کی بات کریں جب آپ کو اقرار ہے کہ وتر کی قضا کا وجوب احادیث حسن سے ثابت ہے تو ہم کہتے ہیں ایسی کوئی عبادت دکھاؤ جو مستحب ہو مگر اس کی قضا واجب ہو پھر آپ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ مذکورہ بالا روایت جس میں سنت فجر طلوع سورج کے بعد پڑھنے کا حکم ہے۔ ضعیف ہے اور راوی اس کا مدلس ہے اور ضعیف روایت احکام میں قابل استدلال نہیں تو پھر آپ ضعیف روایت کے حکم کو احادیث حسن کے حکم پر کیونکر قیاس کرتے ہیں یہ ہے تمہاری بے عقلی دوسروں کے صحیح قیاس کو بھی بدعت و ناجائز کہتے ہو اور اپنے غلط قیاس کو بھی دلیل ظاہر کرتے ہو۔

ثانیاً: رہا یہ سوال کہ احناف کے نزدیک سنت فجر کی شرعی حیثیت اور ان کی قضا کا حکم کیا ہے تو ملاحظہ ہو۔ ہدایہ میں ہے:

وَ اِذَا فَاتَتْهُ رَکْعَتَا الْفَجْرِ لَا یَقْضِیْهِمَا قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ لِاَنَّهُ یَبْقٰی نَفْلاً مُطْلَقاً وَهُوَ مَکْرُوْهٌ بَعْدَ الْصُبْحِ وَلَابَعْدَ اِرْتِفَاعِهَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَ اَبِیْ یُوْسُفَ وَ قَالَ مُحَمَّدُ اَحَبُّ اِلَیَّ اَن یَّقْضِیَهُمَا اِلٰی وَقْتِ الزَوَالِ

اور جب کسی کی دو رکعت سنت فجر فوت ہو جائیں تو انہیں طلوع سورج سے پہلے قضا نہ کرے کیونکہ اب وہ مطلق نفل ہو چکے ہیں اور صبح کے بعد نفل مکروہ ہیں اور سورج نکلنے کے بعد (مکروہ) نہیں۔ امام ابوحنیفہ و ابو یوسف رضی اللہ عنہما کے نزدیک اور امام محمد رضی اللہ عنہ نے کہا میرے نزدیک زیادہ اچھا یہ ہے کہ ان کو زوال کے وقت تک قضا پڑھے۔

الجوهرة النيرة میں ہے:

ثُمَّ اِذَا فَاتَتْ سُنَّةُ الْفَجْرِ عَلَی الْاِنْفِرَادِ لَا تُقْضٰی عِنْدَهُمَا وَقَالَ

مُحَمَّدٌ اَحَبُّ اِلَیَّ اَنْ تُقْضٰی اِذَا اِرْتَفَعَتِ الشَّمْسُ اِلٰی قَبْلِ قِیَامِ الظَّهِیْرَةِ وَ اِمَّا عِنْدَهُمَا فَلَا تُقْضٰی اِلَّا اِذَا فَاتَتْ مَعَ الْفَرْضِ تَبْعاً لِلْفَرْضِ سَوَاءٌ قَضاَ الْفَرْضَ لِجَمَاعَةٍ اَوْ وَحْدَهٗ اِلَی الزَّوَالِ وَفِیْمَا بَعْدَهٗ اِخْتَلَفَ الْمُشَائِخُ فِیْهِ قِیْلَ یَقْضِی الْفَرْضَ وَحْدَهٗ وَقِیْلَ تُقْضَی السُّنَّةُ مَعَهٗ

پھر جب اکیلی سنت فجر فوت ہو جائیں تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رضی اللہ عنہما کے نزدیک قضا نہ پڑھی جائیں اور امام محمد نے کہا کہ میرے نزدیک ان کا قضا پڑھنا پسندیدہ ہے۔ سورج بلند ہونے سے زوال تک امام صاحب اور ابویوسف فرماتے ہیں کہ جب فجر کی سنتیں فرضوں کے ساتھ فوت ہوں تو فرضوں کے تابع قضا کی جائیں دوپہر کے زوال تک عام ازیں کہ جماعت کے ساتھ قضا پڑھے یا تنہا اور اس کے بعد قضا کرنے میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا صرف فرض قضا کرے اور بعض نے کہا فرضوں کے ساتھ سنتیں بھی قضا پڑھے۔

ان عبارتوں سے واضح ہے کہ احناف سنت فجر کی قضا واجب نہیں کہتے بلکہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو اکیلی سنتوں کی قضا مستحب بھی نہیں کہتے فرضوں کی اتباع میں مستحب کہتے ہیں وہ بھی زوال تک اور امام محمد مطلق زوال تک مستحب کہتے ہیں قضا واجب نہیں کہتے وہابی صاحب تو اسے اپنے مذہب پر دلیل تب بنائے جب کہ ہم وجوب کے قائل ہوں یہ تو مذکورہ تفصیل پر سنت فجر کی قضا کے استحباب کے بھی قائل اس لئے ہیں کہ ان کے پڑھنے پر تاکید اس قدر وارد ہے جس نے ان کو واجب سے قریب کر دیا ہے۔

حدیث میں سنت فجر کی تاکید

چنانچہ طحاوی و ابوداؤد نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَدَعُوْا رَکْعَتَی الْفَجْرِ اِنْ طَرَدَتْکُمُ الْخَیْلُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنت فجر نہ چھوڑو اگرچہ تم پر دشمن کا لشکر ٹوٹ پڑے۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۹ تا ۱۴ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، احمد، ابن حبان، حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابوایوب انصاری سے روایت کی اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے شرط شیخین پر ہے۔

وتر ہر مسلمان پر واجب ہیں

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ حضور نے فرمایا کہ وتر لازم ہے۔ واجب ہے ہر مسلمان پر۔ ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ وتر نفل نہیں بلکہ واجب ہے۔ دوسرے یہ کہ وتر کی قضا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ قضا صرف فرض یا واجب کی ہوتی ہے نفل کی قضا نہیں۔ وجوب وتر کی بہت احادیث ہیں ہم نے صرف ۱۴ روایتیں پیش کیں۔

اس پر غیر مقلد کا اعتراض:

آخر میں مفتی صاحب نے مکرر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی ہے اور حدیث نمبر ۹ تا ۱۴ کا عنوان قائم کرتے ہوئے الفاظ لکھے ہیں۔ اَلْوِتْرُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ یعنی وتر لازم و واجب ہیں ہر مسلمان پر اور حوالہ دیا ہے۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ مسند امام احمد، ابن حبان اور مستدرک حاکم وغیرہ کتب حدیث کا حالانکہ ان الفاظ سے یہ روایت مذکورہ کتب میں قطعاً نہیں ہے البتہ سنن دارقطنی میں موجود ہے جنہیں روایت کرنے کے بعد امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ قَوْلُہٗ وَاجِبٌ لَیْسَ بِمَحْفُوْظٍ لَا اَعْلَمُ تَابَعَ ابن حبان عَلَیْہِ اَحَدٌ، سنن دار قطنی ج ۲ ص ۲۲ یعنی واجب کے الفاظ محفوظ نہیں اور میں نہیں جانتا کہ انہیں روایت

کرنے میں ابن حبان کا کوئی متابع بھی موجود ہے۔ نام نہاد دین حق ص ۴۲۱۔

الجواب اوّلاً: غیر مقلد صاحب خود اپنی پیش کردہ دارقطنی کی عبارت نہیں سمجھ سکا تو جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ دیا کہ مفتی صاحب کے حوالہ میں مذکورہ کتب میں حدیث کے یہ الفاظ نہیں پائے جاتے حالانکہ دارقطنی کی مذکورہ عبارت میں ہے۔ لَا اَعْلَمُ تَابَعَ ابن حبان عَلَيْهِ اَحَدٌ ۔ میں نہیں جانتا کہ ابن حبان کا اس پر کوئی متابع ہوا ہو اگر ابن حبان میں وَاجِبٌ کے الفاظ موجود نہ ہوتے تو دارقطنی واجب الفاظ کا انکار کرتے یہ نہ فرماتے کہ میں ان کا متابع نہیں جانتا نیز علامہ دارقطنی نے اپنے علم کی حد تک کہا ہے کہ میں نہیں جانتا سرے سے متابع کے امکان کا انکار نہیں کیا۔

ثانیاً: اگر وہابی صاحب کو مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے حوالہ میں دی گئی کتب میں مذکورہ حدیث نہیں ملی تو اس کی بے خبری ہے یہ ہم بفضلہٖ تعالیٰ ثابت کرتے ہیں کہ ان کتب حدیث میں مذکورہ الفاظ سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ کی زیر بحث حدیث موجود ہے۔ الدرایہ جزء اول ص ۱۹۰ پر ہے:

وَاَخْرَجَ اَحْمَدُ وَابْنُ حبان وَاَصْحَابُ السُّنَنِ اِلَّا التِّرْمِذِی عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ رَفَعَهٗ ۔ اَلْوِتْرُ حَقٌّ وَّاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ ۔

امام احمد و ابن حبان نے اور ترمذی کے سوا اصحاب سنن نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا کہ وتر لازم واجب ہے ہر مسلمان پر۔

اس کے حاشیہ پر ہے کہ

رَوَاهُ اَیْضًا اَلدَّارقُطْنِیُّ وَ الطَّحَاوِیُّ وَالْحَاکِمُ وَالطَّیَالِسِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَالْبَیْهِقِیُّ

نیز اسے روایت کیا دارقطنی اور طحاوی اور حاکم اور طیالسی اور دارمی اور بیہقی

نے۔

واضح ہو کہ سنن میں سنن ابوداؤد سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ شامل ہیں زیر بحث روایت میں ان کا اور ابن حبان اور امام احمد اور حاکم کی مستدرک کا حوالہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا تھا تو علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصدیق فرما دی کہ ان کتب میں حضرت ابوایوب کی حدیث موجود ہے مگر وہابی اپنی کم علمی کی بنا پر انکار کر رہا ہے۔ اب قارئین کرام فیصلہ کریں کہ وہابی صاحب کا یہ کتنا بڑا جھوٹ اور فراڈ ہے کہ مفتی صاحب نے جن حدیث کی کتب کا حوالہ دیا ہے (دار قطنی کے سوا ان میں حدیث موجود نہیں) حالانکہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق ان کتب میں یہ حدیث موجود ہے اور صاحب حاشیہ کی تحقیق کے مطابق حدیث کی مندرجہ ذیل کتابوں میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ دار قطنی، طحاوی، طیالسی، دارمی اور بیہقی، ہم نے تو بفضلہٖ تعالیٰ حضرت غوث الاعظم پیر گیارہویں والے کی برکت سے گیارہ کتب حدیث سے زیر بحث حدیث کو ثابت کر دیا اب بھی وہابی نہ مانے تو اس کی اپنی سوچ ہے۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ وجوب وتر پر دلائل کے بعد لکھتے ہیں۔

ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ وتر نفل نہیں بلکہ واجب ہے۔ دوسرے یہ کہ وتر کی قضا واجب ہے ظاہر ہے کہ قضا صرف فرض یا واجب کی ہوتی ہے۔ نفل کی قضا نہیں وجوب وتر کی بہت احادیث ہیں ہم نے صرف ۱۴ روایتیں پیش کیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

وتر تین رکعت ہیں

حدیث نمبر ۱ تا ۴ نسائی شریف، طحاوی، طبرانی نے صغیر میں، حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ مسلم و بخاری کی شرط پر

قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ لَا

يُسَلِّمُ اِلَّا فِىْ آخِرِهِنَّ،

فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ نہ سلام پھیرتے تھے مگر آخر میں اس پر غیر مقلد کا۔

پہلا اعتراض

اولاً روایت مذکورہ کی سند یوں ہے قتادہ عن زرارة بن اوفی عن سعد بن ہشام عن عائشہ رضی اللہ عنہا اور قتادہ سے ان کے پانچ شاگردوں نے روایت کیا ہے۔ معمر، ہشام، سعید بن ابی عروبہ، ہمام، شعبہ اور ان سب کی روایتوں میں نو اور سات وتروں کا ذکر ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

> **ويصلى تسع ركعات لا يجلس فيها الا فى الثامنة فيذكر الله ويعمره ويدعوه ثم ينهض ولا يسلم فيصلى التاسعة ثم يقعد فيذكر الله و يحمده و يدعوه ثم يسلم تسليما**

یعنی نماز وتر پڑھتے نو رکعت نہ بیٹھتے ان میں مگر آٹھویں رکعت میں پس یاد کرتے اللہ کو اور تعریف کرتے اللہ کی اور دعا مانگتے پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے اور پھر پڑھتے نویں رکعت اور (التحیات) بیٹھ جاتے اور یاد کرتے اللہ کو اور تعریف کرتے اس کی اور دعا مانگتے اس سے پھر سلام پھیرتے، پھر ام المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فلما اسن واخذ اللحم اوتر بسبع الحديث اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی عمر کو پہنچے تو گوشت پھیل گیا تو وتر سات رکعت پڑھتے (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۶، وابوعوانہ ج ۲ ص ۳۲۱ وابوداؤد ج ۱ ص ۱۸۹ ونسائی ج ۱ ص ۱۹۱ وابن ماجہ ص ۸۴ و دارمی ج ۱ ص ۳۴۴؛ عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۹ مسند امام احمد ج ۶ ص ۵۳ وابن خریمہ ج ۲ ص ۱۴۱ وابن حبان ج ۵ ص ۲۷ رقم نمبر ۲۴۳۳ والمحلی بالاثار ج ۲ ص ۸۵ والسنن الکبریٰ بیہقی ج ۳ ص ۳۹)

الجواب اوّلاً: جب غیر مقلد صاحب کو اقرار ہے کہ مذکورہ حدیث جس میں نو اور سات وتر کا ثبوت ہے۔ متعدد اسناد و [illegible] کے ساتھ کثیر کتب حدیث میں موجود

ہے اور غیر مقلد کو اس کی صحت پر بھی کوئی اعتراض نہیں تو پھر غیر مقلدوں کے پاس اس پر عمل نہ کرنے پر کیا جواز ہے۔ وتر ایک رکعت پڑھ کر جان کیوں چھوڑاتے ہیں، نو یا سات کیوں نہیں پڑھتے۔ کیا یہ اہل کتاب کا طریقہ نہیں کہ اپنے نفسوں کی اتباع میں بعض دین کو مان لیا اور بعض کو پسِ پشت ڈال دیا۔

ثانیاً: اس جگہ غیر مقلد صاحب پوری شدو مد سے تین رکعت کی مخالفت کر رہا ہے مگر جب مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے اس اعتراض سے جان چھڑانی تھی جو آپ نے فرمایا کہ مائی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جس میں رمضان و غیر رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے تم غیر مقلد کہتے ہو کہ اس میں آٹھ رکعت تراویح تھی تو اس طرح تین رکعت وتر ثابت ہوتے ہیں جو تمہارے خلاف ہے۔ اس جواب میں غیر مقلد لکھتا ہے۔ ہم تین عدد رکعت وتر کے ہرگز منکر نہیں ہیں۔ نام نہاد دین الحق ۵۱۸، یہ کیسی دو رنگی چال اور تضاد بیانی ہے ایک جگہ تین رکعت وتر کا انکار اور دوسری جگہ ہم تین رکعت وتر کے منکر نہیں۔

غیر مقلد کا دوسرا اور تیسرا اعتراض

قتادہ کے پانچ شاگردوں میں سے ایک سعید بن ابی عروبہ بھی ہیں اور ان سے بھی روایت کرنے میں پانچ ہی شاگرد ہیں۔ یحییٰ بن سعد، ابن عدی، عبدۃ، محمد بن بشیر اور ابان بن یزید، پہلے چاروں شاگردوں نے نو اور سات وتروں کا ذکر کیا ہے جبکہ ابان بن یزید نے تین وتروں کا ذکر کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۸) اور اس کی روایت شاذ ہے۔ جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے۔ (ایضاً ج ۳ ص ۳۱)

ابان بن یزید کی روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ:

یوتر بثلاث لا یقعد الا فی اٰخرِھِنَّ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین وتر پڑھتے تھے اور نہ بیٹھتے تھے (التحیات) مگر آخر میں، یہی الفاظ علامہ ذہبی نے مستدرک حاکم کی تلخیص میں، حافظ ابن حجر اور وکیل حنفیت علامہ نیموی نے امام حاکم

کی طرف منسوب کئے ہیں اور علامہ بیہقی نے اپنے شیخ حاکم سے نقل کئے ہیں۔ (دیکھئے تلخیص ذہبی ج ۱ ص ۳۰۴ و فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۵ و تلخیص الحبیر ص ۵۱ ج و آثار السنن ص ۲۰۶ و السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۸ لیکن علماء احناف کی دیدہ دلیری ملاحظہ کریں کہ جب ان کی طرف سے مستدرک حاکم شائع کی گئی تو **لا یعقد** کو لا یسلم بنا دیا (تفصیل کیلئے دیکھیں التعلیق المغنی ج ۲ ص نمبر ۲۷)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

معروف حنفی مولوی فیض احمد لکھتے ہیں:

لكن البيهقى قد صرح فى المعرفة بان حديث عَآئِشَةَ من طريق ابان بلفظ لا يقعد كما سياتى فالصواب فى هذه الراوية يقعد دون لا يسلم (حاشیہ آثار السنن ص ۲۰۶)

لیکن امام بیہقی نے اپنی کتاب معرفۃ السنن میں وضاحت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ابان کے طریق میں لا یقعد کے الفاظ ہی ہیں۔ پس صحیح الفاظ اس روایت میں لا یقعد ہی ہیں نہ کہ لا یسلم (انتھی)

خلاصہ کلام یہ کہ ابان بن یزید کی روایت شاذ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے اور ضعیف میں بھی لا یقعد کے الفاظ ہیں جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین وتر پڑھتے تو درمیان میں تشہد نہ بیٹھا کرتے جس کا دوسرے لفظوں میں یہ مطلب ہے کہ روایت ضعیف ہونے کے علاوہ احناف کی دلیل تو کیا الٹا ان کے خلاف ہے کیونکہ حنفی وتروں کے درمیان تشہد بیٹھتے ہیں۔

الجواب: اس کے چند جواب ہیں اول جواب الزامی ہے وہ یہ کہ اگر آپ کے بقول ابان بن یزید کی روایت جس میں تین وتر کا ثبوت ہے شاذ وضعیف ہے اور اس کے مقابلہ میں قتادہ سے وہ روایت جس میں سات اور نو وتر کا ذکر ہے صحیح ہے تو دوسری طرف ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی رات کی نماز رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ ہوتی تھی اسے آپ غیر مقلد آٹھ تراویح پر دلیل بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آٹھ رکعت تراویح ہوتی تھی اور تین وتر جب سات و نو وتر کی حدیث صحیح مانتے ہو تو نو وتر نکالنے کے بعد باقی دو رکعت تراویح رہ جاتی ہیں اور سات رکعت وتر نکالنے کے بعد چار' بتاؤ کس پر عمل کرو گے اور کس کو چھوڑو گے؟ یہی ہے تمہارا مذہب جس میں تضاد ہی تضاد ہے۔

غیر مقلد کا الزام

ثانیاً: غیر مقلد صاحب کا یہ الزام کہ احناف نے مستدرک کی روایت کے الفاظ **لَا یَقْعُدُ** کو **لا یُسَلِّمُ** سے بدل دیا۔

الزام کا جواب

فقیر کہتا ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ نے الدرایہ فی تخریج الھدایہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیر بحث حدیث کو چار طرح کے الفاظ سے روایت کیا۔ ہے ملاحظہ ہو۔ حدیث عائشہ: **اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُوْتِرُ بِثَلَاثٍ، یَعْنِی لَا یَفْصِلُ بَیْنَھُنَّ بِسَلَامٍ** بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے تھے یعنی ان کے درمیان میں سلام نہ پھیرتے (آخر میں پھیرتے) **کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْتِرُ بِثَلَاثٍ لَا یُسَلِّمُ اِلَّا فِیْ آخِرِھِنَّ** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے تھے سلام نہ پھیرتے مگر ان کے آخر میں **وَفِی رِوَایَۃٍ لَا یُسَلِّمُ فِی الرَّکْعَتَیْنِ الْاُوْلَیَیْنِ** اور روایت میں ہے کہ پہلی دو رکعتوں پر سلام نہ کہتے **عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُسَلِّمُ فِیْ رَکْعَتَیِ الْوِتْرُ** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر دو رکعت پر سلام نہ پھیرتے۔ ان روایتوں کو بیان کرنے کے بعد علامہ عسقلانی نے کسی روایت کے الفاظ پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان میں لا یسلم کے الفاظ صحیح

ہیں۔ اب وہابی صاحب بتائیں کہ علامہ ابن حجر نے شافعی ہونے کے باوجود احناف کی طرفداری کی ہے یا نہیں کیا انہیں الفاظ کے درج ہونے کا علم نہیں تھا جبکہ غیر مقلد بھی جگہ جگہ ان کو حافظ ابن حجر کہتا ہے۔

ثالثاً: لا یسلم کے الفاظ پر شواہد موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

وعن مسور بن مخزمة قَالَ دَفَنَّا اَبَابَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ لَيْلًا فَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنِّیْ لَمْ اُوْتِرْ فَقَامَ وَصَفَفْنَا وَرَاءَهٗ فَصَلّٰی بِنَا ثَلٰثَ رَكْعَاتٍ لَمْ يُسَلِّمْ اِلَّا فِیْ آخِرِهِنَّ، اَخْرَجَهُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ (آثار السنن ص ۱۵۶)

حضور تین وتر کے آخر میں سلام پھیرتے تھے

مسور بن مخزمہ نے بیان کیا کہ ہم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رات دفن کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ابھی وتر نہیں پڑھے پس آپ وتر پڑھنے کھڑے ہوئے تو ہم نے بھی آپ کے پیچھے صف بنالی تو آپ نے ہمارے ساتھ تین رکعت وتر پڑھے تو سلام نہ پھیرا مگر ان کے آخر میں اسے طحاوی نے روایت کیا اور اسناد اس کی صحیح ہے۔ اسی کے ص ۱۵۷ پر ہے۔

حضرت انس تین وتر پڑھتے تھے

وَعَنْ ثَابِتٍ قَالَ صَلّٰی بِیْ اَنَسٌ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ الْوِتْرَ اَنَا عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَوَلَدُهٗ خَلْفَنَا ثَلٰثَ رَكْعَاتٍ لَمْ يُسَلِّمْ اِلَّا فِیْ آخِرِهِنَّ ظَنَنْتُ اَنَّهٗ يُرِيْدُ اَنْ يُّعَلِّمَنِیْ رَوَاهُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ

حضرت ثابت سے ہے کہ فرمایا مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وتر پڑھائے اور میں آپ کی دائیں طرف تھا اور ان کا بیٹا ہمارے پیچھے، آپ نے تین رکعت وتر پڑھے اور سلام نہ پھیرا مگر ان کے آخر میں میں نے خیال کیا کہ وہ مجھے اس کی تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ اسے طحاوی نے

روایت کیا اور اسناد اس کی صحیح ہے۔

اسی کے ص ۱۵۸ پر ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ اَثْبَتَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ الْوِتْرَ بِقَوْلِ الْفُقَهَاءِ ثَلَاثًا لَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِيْ اٰخِرِهِنَّ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ

اور اسی سے ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے تین رکعت وتر کو مدینہ میں فقہاء کرام کے قول سے ثابت کیا ان سب نے فرمایا کہ سلام ان کے آخر میں پھیرے۔ اس بیان کے بعد ہم وہابی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اگر تین رکعت وتر پر سلام پھیرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مبارکہ نہ ہوتا تو پھر امیر المؤمنین حضرت عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما اور فقہاء مدینہ طیبہ تین رکعت وتر پر سلام کیوں پھیرتے۔

رابعاً: اس کے علاوہ بھی ہم بفضلہٖ تعالیٰ تین رکعت وتر پر احادیث صحیحہ پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

وتر تین ہیں ابن مسعود کا ارشاد:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ وِتْرُ اللَّيْلِ كَوِتْرِ النَّهَارِ صَلٰوةُ الْمَغْرِبِ ثَلٰثٌ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَرِجَالُهٗ رِجَالُ الصَّحِيْحِ، (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۴۲)

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ فرمایا رات کے وتر دن کے وتر نماز مغرب کی طرح تین رکعت ہیں یعنی جیسے مغرب کے فرض طاق ہیں اسی طرح رات کے وتر بھی طاق ہیں۔ اسے طبرانی نے اپنی طبرانی کبیر میں روایت کیا اور روای اس کے صحیح کے راوی ہیں یعنی سب ثقہ ہیں۔

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ الْوِتْرُ ثَلَاثٌ كَوِتْرِ النَّهَارِ الْمَغْرِبِ هٰذَا صَحِيْحٌ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۱)

عبدالرحمٰن بن یزید سے ہے کہ حضرت عبداللہ نے فرمایا وتر تین رکعت دن کے وتر مغرب کی طرح ہیں۔ امام بیہقی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

یاد رہے کہ وتر کی تشبیہ فرض مغرب سے ہر طرح سے نہیں مراد یہ ہے کہ وتر بھی فرض مغرب کی طرح تین و طاق ہیں اور جن روایتوں میں ہے کہ وتر کو فرض مغرب کے مشابہ نہ کرو ان سے مراد کامل و پوری طرح مشابہ کرنا ہے کہ وتر کو فرض مغرب کی طرح فرض نہ جانو کیونکہ یہ واجب ہیں اور فرض مغرب کی کیفیت پر نہ پڑھو کیونکہ وتر کی سب رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ اور سورت ملانا اور آخری رکعت میں قرأت کے بعد قنوت پڑھنا ہے۔ اور فرض مغرب کی آخری رکعت میں فاتحہ سے سورت ملانا واجب نہیں اور دعا قنوت بھی نہیں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: حضور تین رکعت وتر پڑھتے تھے

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ يَقْرَءُ فِى الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِى الثَّانِيَةِ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ فِى الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَّ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ (المستدرک ج ۱ ص ۳۰۵)

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور دوسری میں قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور کبھی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور کبھی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھتے اور یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

انہوں نے اسے روایت نہ کیا بفضلہٖ تعالیٰ ان احادیث صحیحہ سے تین رکعت وتر کا وجوب آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہوا۔

غیر مقلد کا چوتھا اعتراض:

مفتی صاحب نے مذکورہ روایت ابان بن یزید کو سنن نسائی شرح معانی الآثار للطحاوی اور طبرانی صغیر کی طرف بھی منسوب کیا ہے حالانکہ ان کتب میں یہ روایت قطعاً نہیں۔ مفتی صاحب نے رسائل سے کتاب مرتب کر کے مکھی پر مکھی ماری ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ٤٣٦

الجواب: شرح معانی الآثار میں ان الفاظ سے روایت موجود ہے:

اَلْوِتْرُ الَّذِیْ فَسَّرَهٗ زُرَارَۃً عَنْ سَعْدٍ عَنْ عَائِشَۃَ وهو ثَلاثَ رَکْعَاتٍ لَا یُسَلِّمُ اِلَّا فِی آخِرِھِنَّ، فَقَدْ صَحَتْ رَوَایَۃُ سَعْدٍ عَنْ عَائِشَۃَ ج ا ص ١٩٣

یعنی وتر کی جو تفسیر زرارہ نے سعد سے کی روایت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پیش نظر یہ ہے کہ وتر تین رکعت ہے اور سلام نہ پھیرا جائے مگر ان کے آخر میں، تحقیق یہ روایت سعد کی حضرت عائشہ سے صحیح وارد ہوئی ہے۔

اب غیر مقلدوں کو تین رکعت وتر تسلیم کر لینے چاہئیں خود حدیث کے راوی حضرت زرارہ معنی بیان کر رہے ہیں کہ سلام تین رکعت پوری ہونے پر پھیرے معلوم ہوا کہ وتر تین رکعت ہے۔ سنن نسائی شریف میں جزء اول ص ٢٤٩ پر حضرت ابی بن کعب کی روایت میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ لَا یُسَلِّمُ اِلَّا فِی آخِرِھِنَّ سلام نہ کہے مگر ان کے آخر میں، جاء الحق سے حدیث نمبر ۵ تا ٦ دار قطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وِتْرُ اللَّیْلِ کَوِتْرِ النَّھَارِ صَلٰوۃَ الْمَغْرِبِ

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رات کے وتر تین رکعت ہیں جیسے دن کے وتر نماز مغرب، اس پر غیر مقلد کا اعتراض۔

اعتراض:

اس کی سند میں یحییٰ بن زکریا راوی ہے (دارقطنی ج ۲ ص ۲۸ و بیہقی ج ۳ ص ۳۱) جو کہ معروف کذاب ہے اسے امام ابن جوزی اور ابن عدی نے کذاب کہا ہے۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ:

ولا ریب فی وضع الحدیث (میزان ج ۴ ص ۳۷۸)

یعنی اس کے وضاع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام دارقطنی اور امام بیہقی نے اسے روایت کرنے کے بعد اس کی تضعیف کی ہے۔ (دارقطنی ص ۲۸ ج ۲ و بیہقی ج ۳ ص ۲۱ نام نہاد دین الحق ص ۴۳۶)

الجواب اوّلاً: ہم نے بفضلہ تعالیٰ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی مجمع الزوائد اور بیہقی کے حوالہ سے صحت بیان کر دی ہے۔

ثانیاً: غیر مقلد نے حضرت ابن مسعود کی مذکورہ حدیث کے راوی کو کذاب ثابت کرنے میں مکاری سے کام لیا ہے کہ ایک اور شخص یحییٰ بن زکریا کو راوی ظاہر کر کے میزان الاعتدال کے حوالہ سے کذاب ثابت کر دیا۔ یحییٰ بن زکریا بن ابی الحواجب: حالانکہ اصل راوی مندرجہ ذیل ہیں۔

قال الدارقطنی ضعیف، قلت یحتملُ ان یکون الذی قبله (میزان الاعتدال جلد ششم ص ۵۰) یعنی یحییٰ بن زکریا بن ابی الحواجب دارقطنی نے کہا کہ یہ ضعیف ہیں۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس میں احتمال ہے کہ دارقطنی نے اس سے پہلے راوی کو ضعیف کہا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دارقطنی کے ضعیف کہنے میں بھی احتمال ہے آیا کہ یہی راوی مراد ہیں یا اس سے پہلا نیز اگر واقعتہً ہی مذکورہ راوی کذاب ہوتا تو حافظ ابن حجر احتمال ذکر کرنے کے بجائے تصدیق کرتے کہ راوی کذاب ہے مگر وہابی صاحب نے خوف خدا سے بے نیاز ہو کر محض اپنے مذہب کی تقویت کو میزان الاعتدال کے حوالہ سے کسی اور شخص پر جرح کو عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی

حدیث کے راوی پر چسپاں کر دیا۔

نوٹ: صحیح صورتحال معلوم کرنے کیلئے ہمارے ذکر کردہ میزان الاعتدال کے حوالہ کو دیکھیں اور بیہقی ج ۳ ص ۳۱ پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تحت امام بیہقی کا تبصرہ دیکھیں اور ساتھ غیر مقلد کی طرف سے میزان الاعتدال کا حوالہ دیکھیں۔ حقیقت سامنے آ جائے گی۔

ثالثاً: زیر بحث حدیث کی تائید خود عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث کرتی ہے جس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔ سند و متن حدیث یہ ہے:

قَالَ مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا اَبُوْمَعَاوِيَةَ الْمَكْفُوْفِ عَنِ الْاَعْمَشْ عَنْ مَّالِكِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ الْوِتْرُ ثَلٰثٌ كَصَلٰوةَ الْمَغْرِبِ ۔

(موطا امام محمد باب السلام فی الوتر)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا وتر تین رکعت ہے نماز مغرب کی طرح۔ اسی جگہ ہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اَلْوِتْرُ كَصَلٰوةَ الْمَغْرِبِ وتر نماز مغرب کی طرح ہیں۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۷ طحاوی شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ بثَلاثَ رَكْعَاتٍ ۔ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے تھے تین رکعتیں اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض۔

اعتراض

اس کی سند میں یحیٰ بن الجزار کوفی ہے۔

طحاوی ج ۱ ص ۱۹۸ جو کہ غالی شیعہ تھا (تہذیب ج ۱۱ ص ۱۹۲) اور شیعہ کی روایت مفتی صاحب کے نزدیک سخت ضعیف ہوتی ہے۔

الجواب اوّلاً: غیر مقلد صاحب نے تہذیب التہذیب سے یحیٰ بن جذار کا شیعہ ہونا تو نقل کرلیا مگر یہ نقل نہ کیا کہ متعدد محدثین کرام نے اسے ثقہ وصدوق (سچا) کہا جن میں امام ابوحاتم، ابوزراعہ امام نسائی ابن سعد اور العجلی ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۹۲ اور میزان الاعتدال ج ۶ ص ۴۱)۔

ثانیاً: غیر مقلد صاحب نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ مفتی صاحب کے نزدیک شیعہ کی روایت ضعیف ہے۔ اپنی بات نہ کی کہ ان کے نزدیک شیعہ کی روایت مردود ہے یا مقبول حالانکہ دلیل وہابی مذہب کے خلاف ہے۔ اسے اپنا موقف بیان کرنا چاہئے تھا اس سے سمجھدار سمجھ جائے گا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے وہ یہ ہے کہ جب غیر مقلدوں پر مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اعتراض کیا کہ تمہاری پیش کردہ روایت میں دو راوی رافضی (شیعہ) ہیں تو اس اعتراض سے جان چھڑانے کو وہابی صاحب نے متقدمین کی اصطلاح کا سہارا لیا چنانچہ لکھتے ہیں اگر بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ امام عبید اللہ العمری اور امام شعیب بن دینار شیعہ تھے جو یقیناً غلط ہے تو بھی کوئی وجہ حدیث کو ضعیف ٹھہرانے کی نہیں ہے کیونکہ متقدمین حضرات محدثین کرام کے نزدیک اور متاخرین کی اصطلاح میں لفظ شیعہ میں فرق ہے اور اس کی حد فاصل ۵۳۰۰ ہے اور فقہاء کے نزدیک حد فاصل ۴۵۶ ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۳۴۱

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض

اس کی سند میں دوسرا راوی حبیب بن ثابت ہے جو کہ گو فی نفسہ ثقہ ہیں لیکن مدلس ہیں اور ان کی تدلیس کی صراحت حافظ ابن حجر امام ابن خزیمہ اور امام دارقطنی نے کی ہے۔ (تقریب ص ۲۹ وطبقات ص ۳۷) زیر بحث روایت سماع کی صراحت کے بغیر عن سے مروی ہے لہٰذا اصول حدیث کی رو سے یہ روایت بہت ضعیف ہے بلکہ مفتی صاحب تو مدلس راوی کی روایت کو سرے سے موضوعات میں شمار کرتے ہیں۔

الجواب اوّلاً: ثقہ ہے جب ہی غیر مقلد صاحب کو اقرار ہے کہ حبیب بن ابی

ثابت جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک ثقہ ہے نیز جب راوی کی عادت ہو کہ وہ ثقات سے ہی تدلیس کرتا ہو تو روایت مقبول ہے۔ الشاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

وَذَهَبَ الْجَمْهُوْرُ اِلٰى قَبُوْلِ تَدْلِيْسٍ مَّنْ عُرِفَ اِنَّهٗ لَا يَدَلِّسُ اِلَّا عَنْ ثِقَةٍ كَابْنِ عُيَيْنَةَ وَاِلٰى رَدِّ مَّنْ كَانَ يُدَلِّسُ عَنِ الضُّعَفَاءِ وَغَيْرُهُمْ

اور جمہور مدلس کی روایت کو قبول کی طرف گئے ہیں اس سے جو جانا گیا کہ ثقہ سے تدلیس کرتا ہے جس طرح سفیان بن عیینہ اور اس کے رد کی طرف گئے ہیں جو تدلیس ضعفاء و غیرہم سے کرے۔

ثانیاً: معنعن روایت کا راوی ہمعصر سے کرے تو مسلم کی شرط پر روایت مقبول ہے مگر امام بخاری کے ہاں ملاقات معتبر ہے (مقدمہ مشکوٰۃ) اب غیر مقلد کو وضاحت کرنی چاہئے تھی کہ حبیب بن ابی ثابت جن سے عن عن کرتا ہے وہ سب کے غیر معاصرین ہیں تا کہ امام بخاری کی شرط پر ہی اس کی دلیل ہو سکتی ہے۔

ثالثاً: مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس مدلس کو موضوع یا پرلے درجے کی تدلیس کہا ہے وہ یہ صورت ہے کہ راوی کہتا ہے **سمعت فلانا** حالانکہ اہل تحقیق کے نزدیک اس کی اس سے ملاقات ہی ثابت نہیں مطلق تدلیس کو مفتی صاحب نے ایسا نہیں کہا۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۸ نسائی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ایک شب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ رات کو بیدار ہوئے اور وضو فرمایا۔ مسواک کی اور یہ آیہ کریمہ تلاوت فرماتے تھے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ...... الخ پھر دو رکعتیں نفل پڑھیں۔ پھر آپ دوبارہ سو گئے یہاں تک کہ میں نے حضور کے خراٹے سنے پھر اٹھے اور مسواک کی پھر

دو رکعتیں پڑھیں پھر اٹھے اور وضو مع مسواک کیا اور دو رکعتیں پڑھیں اور تین رکعت وتر پڑھے۔

غیر مقلد کا اس پر پہلا اعتراض

بلا شبہ یہ روایت سنن نسائی جلد ا ص ۲۰۱ میں موجود ہے لیکن امام بخاری نے صحیح بخاری ج ا ص ۱۳۵ میں اسے روایت کیا ہے مگر اس میں وتروں کی تعداد نہیں ہے اور یہ مفتی صاحب کا اصول ہے کہ روایت کے جو الفاظ بخاری میں نہیں وہ ضعیف ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ بخاری نے ابوحمید ساعدی کی یہ روایت لی ہے مگر اس میں وہاں رفع الیدین کا ذکر نہیں اگر ان کی (ابوحمید ساعدی) روایت میں رفع الیدین کا ذکر ہوتا تو امام بخاری ہرگز نہ چھوڑتے (جاء الحق ج ۲ ص ٦٦) اس طرح ہم کہتے ہیں کہ اگر اس روایت میں تین وتروں کا ذکر ہوتا تو امام بخاری ہرگز نہ چھوڑتے نام نہاد دین الحق ص ۴۳۷۔

الجواب اوّلاً: امام بخاری کا روایت میں عدد وتر کے الفاظ کو بیان نہ کرنا وہابی صاحب کیلئے تب فرار کا بہانہ ہوتا جب کہ امام نسائی اور امام بخاری کی ایک ہی روایت ہو یہاں تو نسائی کی روایت الگ ہے اور بخاری کی الگ ان کی سند، متن اور واقعہ مختلف ہیں۔ بخاری کی سند و متن یوں ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَّالِكٍ عَنْ مَّخْزَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ كُرَيْبٍ اَنَّ اِبْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهٗ اِنَّهٗ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُوْنَةَ هِيَ خَالَتُهٗ فَاضْطَجَعْتُ فِيْ عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَهْلُهٗ فِيْ طُوْلِهَا فَنَامَ حَتّٰى اِنْتَصَفَ اللَّيْلُ اَوْ قَرِيْبًا مِّنْهُ فَاسْتَيْقَظَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَّجْهِهٖ ثُمَّ قَرَءَ عَشَرَ اٰيَاتٍ مِّنْ اٰلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ فَاصَّنَعْتُ مِثْلَهٗ

وَ قُمۡتُ اِلٰی جَنۡبِہٖ فَوَضَعَ یَدَہُ الۡیُمۡنٰی عَلٰی رَاسِیۡ وَاَخَذَ بِاُذُنِیۡ یَفۡتِلُھَا ثُمَّ صَلّٰی رَکۡعَتَیۡنِ ثُمَّ رَکۡعَتَیۡنِ ثُمَّ رَکۡعَتَیۡنِ ثُمَّ رَکۡعَتَیۡنِ ثُمَّ رَکۡعَتَیۡنِ ثُمَّ رَکۡعَتَیۡنِ ثُمَّ رَکۡعَتَیۡنِ ثُمَّ رَکۡعَتَیۡنِ ثُمَّ اَوۡتَرَ ثُمَّ اضۡطَجَعَ حَتّٰی جَآءَہُ الۡمُوَذِّنُ فَقَامَ فَصَلّٰی رَکۡعَتَیۡنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّی الصُّبۡحَ ۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۳۵)

حضرت کریب سے ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے بیان کیا کہ وہ حضرت میمونہ کے گھر رات کو تھا اور وہ ان کی خالہ تھی تو میں تکیہ کے عرض کی طرف سویا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل اس کے طول کی طرف تو رسول اللہ آدھی رات یا اس کے قریب تک سوئے پھر آنکھیں ملتے ہوئے بیدار ہوئے پھر سورہ آل عمران سے دس آیتوں کی تلاوت فرمائی پھر معلقہ مشک کے پاس تشریف لے گئے تو خوب طریقہ سے وضو فرمایا پھر نماز کو کھڑے ہوئے تو میں نے بھی آپ کی طرح کیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ مبارک میرے سر پر رکھا اور میرا کان پکڑ کر مروڑا پھر دو دو رکعتیں کر کے چودہ رکعتیں پڑھیں پھر وتر پڑھے پھر محو خواب ہوئے یہاں تک کہ موذن خدمت اقدس میں حاضر ہوا (بیدار کیا) تو آپ نے دو رکعت سنت فجر ادا کیں پھر (مسجد کو) تشریف لے گئے اور نماز صبح (فرض) ادا کیے۔ نسائی کی سند و متن اس طرح ہے۔

اخبرنا احمد بن سلیمان قال حدثنا حسین عن زائدة عن حصین عن حبیب بن ابی ثابت عن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس عن ابیہ عن جدہ قال کنت عند النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فقام فوضا و استاك وھو یقراء ھٰذہ الایة حتی

فرغ منها
اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ثُمَّ صلى ركعتين ثم عاد فنام حتى سمعت نفخة ثم قام فتوضا و استاك ثم صلى ركعتين ثم نام ثم قام فتوضا واستاك وصلى ركعتين و اوتر بِثَلٰثٍ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ رات کو بیدار ہوئے اور وضو فرمایا مسواک کی اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے تھے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ پھر دو رکعتیں نفل پڑھیں پھر آپ دوبارہ سو گئے یہاں تک کہ میں نے حضور کے خراٹے سنے پھر اٹھے اور مسواک کی اور دو رکعتیں پڑھیں اور تین رکعت وتر پڑھے۔ ان دونوں روایتوں کی اسناد و متن کو قارئین بغور دیکھنے سے جان لیں کہ روایتیں مختلف ہیں واقعہ بھی مختلف ہے۔ ایک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھا اور دوسری میں حضرت میمونہ کا ذکر نہیں۔ معلوم ہوا کہ وہابی صاحب کا اعتراض غلط ہے کہ امام بخاری نے نسائی والی روایت بیان کی ہے اور بِثَلٰثٍ کو ذکر نہیں کیا۔

ثانیاً: یہ تسلیم کرنے پر کہ نسائی و بخاری کی ایک ہی روایت ہے تو سوال یہ ہے کہ ان دونوں روایتوں کے متن میں کثیر اختلاف ہے تو وہابی جی کو اور کسی لفظ پر کیوں نہ اعتراض ہوا۔ محض بِثَلٰثٍ پر اعتراض ہوا کیا یہ خلاف مذہب ہے اس لئے؟

ثالثاً: امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ بِثَلٰثٍ کے الفاظ کو بیان نہ کرنا بھی لازم نہیں کر کہ یہ الفاظ موضوع یا مندرجہ ہیں کیونکہ امام نسائی رحمتہ اللہ علیہ بھی بلند پایا محد ہیں ان کی سنن النسائی شریف صحاح ستہ میں شامل ہے۔

رابعاً: غیر مقلدوں کے مذہب میں تضاد ہے کبھی تین وتر کا انکار کرتے نظ آتے ہیں اور کبھی اقرار کرتے چنانچہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدی سے تین وتر مانتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَالَ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا كَیْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَةَ رَكْعَةً یُّصَلِّیْ اَرْبَعًا ثُمَّ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثَلَاثًا قَالَتْ عَآئِشَةُ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ فَقَالَ یَا عَآئِشَةُ اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ ۔ بخاری ج ۱ باب قیام النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ باللیل فی رمضان وغیرہ۔

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے اس نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیسی تھی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زائد نہیں پڑھتے تھے آپ چار رکعت نماز پڑھتے پس تو اس کا حسن اور طول نہ پوچھ پھر چار رکعت نماز پڑھتے پس تو اس کا حسن اور طول نہ پوچھ پھر تین رکعت نماز پڑھتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں تو آپ نے فرمایا اے عائشہ بے شک میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔

یاد رہے کہ تراویح کے باب میں جب غیر مقلد نے مذکورہ حدیث کے تحت مفتی

صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اعتراض کیا کہ یہ حدیث تمہارے خلاف ہے کیونکہ اس سے تین رکعت وتر ثابت ہیں جب کہ تم غیر مقلد اس کے منکر ہو اس سے جان چھڑانے کو وہابی صاحب لکھتا ہے۔ ہم تین عدد رکعت وتر کے ہرگز منکر نہیں۔ نام نہاد دین الحق ص ۵۱۸ کیونکہ یہاں وہابی صاحبان تین رکعت وتر نہ مانیں تو مصیبت یہ آتی ہے کہ آٹھ رکعت تراویح ثابت نہیں ہوتی یہ ان نام نہاد اہل حدیثوں کے مذہبی تضاد کی ایک مثال ہے ورنہ ان کے مذہب میں ایسی بہت مثالیں ملتی ہیں۔

وہابی صاحب کا دوسرا اعتراض

اس نقد شدید کے باوجود مفتی صاحب مزعومہ تین رکعت وتر یعنی دوسری رکعت پر التحیات بیٹھنا اور تیسری میں قرأت کے بعد رفع الیدین کر کے ہاتھ باندھ کر دعا قنوت کا مانگنا بالکل ثابت نہیں ہے لہٰذا مفتی صاحب کو چاہئے تھا کہ اپنے موقف کی تائید میں کوئی صحیح حدیث پیش کرتے مگر انہوں نے صرف وتر کے عدد کو ہی پیش نظر رکھا ہے۔ دیگر باتوں کو نظر انداز کر دینا ہی مناسب جانا ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۳۸

الجواب اوّلاً: جب مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی پیش کردہ حدیث میں تین وتر ثابت ہیں اور دوسری رکعت کے بعد تشہد اور دعائے قنوت اور تیسری رکعت کی قراءت کے بعد مع التکبیر ہاتھ اٹھا کر باندھنا اور دعائے قنوت پڑھنا۔ کسی چیز کی نفی زیر بحث حدیث میں نہیں آئی تو غیر مقلدوں کو چاہئے کہ مان جائیں مگر یہ بجائے ماننے کے چور مچائے شور کا کام کر رہے ہیں۔

ثانیاً: وہابی صاحب خواہ مخواہ اندھوں کی طرح اعتراضات کر رہا ہے اسے یہ تو دیکھنا چاہئے کہ یہاں تو مفتی صاحب کا موقف ہے تین وتر کا ثبوت تو جن مسائل کا اس مضمون سے تعلق نہیں ان کا یہاں مطالبہ سینہ زوری و اندھا پن ہے۔

ثالثاً: غیر مقلد جس جاء الحق پر اعتراضات کر رہا ہے اگر اسے ہی پوری طرح

دیکھ لیتا تو جاہلانہ اعتراض کی نوبت نہ آتی کیونکہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آگے اس مضمون کے تحت کہ وتر میں دعاء قنوت ہمیشہ پڑھو وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنے کو مع الدلائل ثابت کیا ہے۔ اب ہم بھی بفضلہٖ تعالیٰ وہابی کا مطالبہ یہیں پورا کر دیتے ہیں۔

وتر فرض مغرب کی طرح تین رکعت ہیں

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ وِتْرُ اللَّیْلِ کَوِتْرِ النَّھَارِ صَلٰوۃَ الْمَغْرِبِ ثلث رَوَاہُ الطِّبْرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ وَرِجَالُہٗ رِجَالُ الصَّحِیْحُ، (مجمع الزوائد جلد۲ ص۲۴۲)

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ فرمایا رات کے وتر دن کے وتر نماز مغرب کی طرح تین رکعت ہیں یعنی جیسے مغرب کے فرض طاق ہیں اسی طرح رات کے وتر بھی طاق ہیں اسے طبرانی نے اپنی طبرانی کبیر میں روایت کیا اور راوی اس کے صحیح کے راوی ہیں۔ یعنی سب ثقہ ہیں۔

دوم: مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اِسْمٰعِیْلُ ابْنُ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ لَّیْثٍ عَنْ عَطَآءِ بْنِ یَسَارٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْوِتْرُ کَصَلٰوۃَ الْمَغْرِبِ ۔

(موطا امام محمد باب السلام فی الوتر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں۔ ان دونوں احادیث سے واضح ہوا کہ وتر اسی طرح ادا ہوں گے جس طرح مغرب کی نماز ادا کی جاتی ہے جب کہ مغرب میں دو رکعت کے بعد قعدہ اور تشہد ہے تو وتر میں بھی اسی طرح دو رکعت کے بعد قعدہ اور تشہد واجب ہیں۔

وتر کی تیسری رکعت میں دعاء قنوت کا ثبوت

اول:

وَعَنْ اَبِی بْنِ کَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُوْتِرُ فَیَقْنُتُ قَبْلَ الرَّکُوْعِ (ابن ماجه باب ما جاء فی القنوت قبل الركوع و بعده نسائی باب كيف الوتر بثلاث)

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پہلے وتر میں قنوت پڑھتے تھے۔

دوئم:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ کَانَ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ لَا یَقْنُتُ فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الصَّلٰوَاتِ اِلَّا الْوِتْرَ فَاِنَّہٗ کَانَ یَقْنُتُ قَبْلَ الرَّکْعَۃِ (طحاوی باب القنوت فی الفجر وغیرہ)

عبدالرحمٰن ابن مسعود اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ وتر کے بغیر کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے اور وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

سوئم: ابن مسعود اور رسول اللہ کے اصحاب وتر میں قبل از رکوع دعا قنوت پڑھتے تھے

حَدَّثَنَا یَزِیْدُ بْنُ ھَارُوْنَ ثَنَا ھِشَامٌ عَنْ عَلْقَمَۃَ اَنَّ اِبْنَ مَسْعُوْدٍ وَّاَصْحَابُ النَّبِیِّ کَانُوْا یَقْنُتُوْنَ فِی الْوِتْرِ قَبْلَ الرَّکُوْعِ۔

(مصنف ابن ابی شبیہ باب القنوت قبل الرکوع او بعدہ)

حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

(اسنادہ صحیح) اس کی سند صحیح ہے۔

چہارم:

عن ابراهیم ان ابن مسعود کان یقنت السنة کلها فی الوتر قبل الرکوع (رواہ محمد بن الحسن فی کتاب الآثار فی باب القنوت فی الصلوٰۃ)

حضرت ابراہیم (نخعی) سے مروی ہے بے شک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تمام سال وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ (واسنادہ مرسل جید) یہ حدیث مرسل ہے اور اس کی سند جید ہے۔ دعاء قنوت کے لئے مع التکبیر ہاتھ اٹھانے کا ثبوت

نماز میں سات جگہوں کے سوا ہاتھ نہ اٹھاؤ

عَنْ اِبْرَاهِیْمَ النَّخْعِیِّ قَالَ لَا تَرْفَعُ الْاَیْدِیَ اِلَّا فِیْ سَبْعِ مَوَاطِنَ فِیْ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ وَفِی التَّکْبِیْرِ لِلْقُنُوْتِ فِی الْوِتْرِ وَفِی الْعِیْدَیْنِ وَعِنْدَ اِسْتِلَامِ الْحَجْرِ وَعَلَی الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ وَ بِجَمْعِ وَعِرْفَاتِ وَعِنْدَ الْمَقَامَیْنِ عِنْدَ الْجَمْرَتَیْنِ

(طحاوی باب وضع الیدین عند رؤیۃ البیت)

حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ سات مقام پر ہاتھ اٹھائے جائیں۔ تکبیر تحریمہ کے وقت، وتر میں قنوت کی تکبیر کے وقت، عیدین کی تکبیرات زوائدہ میں، حجر اسود کے استلام کے وقت، صفا اور مروہ پر، مزدلفہ اور عرفات میں، منیٰ میں کنکریاں مارنے کے وقت، جاء الحق سے حدیث نمبر ۹ تا ۱۳

ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاءُ فِى الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَقُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فِىْ رَكْعَتِهٖ

فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قل هو الله پڑھا کرتے تھے ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت۔

اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض

سوال: یہ ہے کہ آیا ان روایات میں ایک رکعت کی نفی ہے ذکر تو کجا نفس مسئلہ سے اس کا سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے بلکہ وتر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کا طریقہ بتلایا ہے جس پر الحمد للہ اہلحدیث عمل پیرا ہیں جبکہ حنفی اس سنت کے منکر ہیں اوران کے نزدیک کسی سورۃ کی تخصیص جائز نہیں ہے کیونکہ (فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ الاية) کے خلاف ہے (فتح القدیر ص ۲۹۳ ج ۱) لہٰذا مفتی صاحب نے ان روایات کو دلیل بناتے ہوئے سوچ و بچار سے کام نہیں لیا یا پھر صرف تعداد کو لیا ہے۔ بقیہ باتوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ نام نہاد دین الحق صفحہ نمبر 438، 439

الجواب اوّلاً: جی ہاں مذکورہ حدیث میں ایک رکعت وتر کی نفی تو ہوئی ہے مگر غیر مقلد کو نظر نہیں آئی وہ یوں کہ حدیث میں واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں تین سورتیں پڑھتے ہر رکعت میں ایک سورت تو وتر تین رکعت ثابت ہوئے اور ایک رکعت وتر کی خود بخود نفی ہوئی اگر کوئی کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر چار رکعت فرض پڑھتے تھے تو کوئی عقل کا اندھا ہی کہے گا کہ اس سے دو فرض کی نفی نہیں ہوتی لہٰذا میں دو ہی پڑھوں گا۔

ثانیاً: کوئی عقلمند تو یہ بات نہیں کہے گا کہ مذکورہ حدیث کا اس مسئلہ سے کوئی

تعلق نہیں کیونکہ عنوان سے واضح ہے کہ مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس جگہ تین رکعت وتر پر دلائل دے رہے ہیں اور زیر بحث حدیث میں اس کا واضح ثبوت ہے۔

ثالثاً: وہابی صاحب کا کہنا کہ بلکہ اس (حدیث) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وتر میں قراءت کا طریقہ بتلایا گیا ہے جس پر الحمد للہ اہلحدیث عمل پیرا ہیں جبکہ حنفی اس سنت کے منکر ہیں اور ان کے نزدیک کسی سورۃ کی تخصیص جائز نہیں ہے کیونک فاقرء وا ما تیسر الآیہ کیخلاف ہے۔

الجواب اوّلاً: غیر مقلدوں کے حدیث پر عمل پیرا ہونے کا نمونہ اسی جگہ دیک لیں تو معلوم ہو جائے کہ وہابی کا عمل پیرا ہونے کا دعویٰ خارج از حقیقت ہے کیونک زیر بحث حدیث اور اس کے علاوہ احادیث میں تین رکعت وتر معین ہیں مگر وہابی صاحب انہیں احادیث سے سورتوں کے تعین کو صرف مان ہی نہیں رہا بلکہ ان پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ بھی کر رہا ہے جبکہ تین رکعت وتر کا انکار کرتا ہے یہ انکار حدیث نہیں تو اور کیا ہے۔

ثانیاً: خود وہابی احناف کو اس سنت سے منکر ہونے کی وجہ یہ بتائی کہ یہ حدیث میں مذکورہ سورتوں کی تخصیص نہیں مانتے۔ تخصیص نہ ماننے کی وجہ بھی بتا دی کہ ان کے نزدیک اس آیہ مبارکہ (فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ) کے پیش نظر تخصیص جائ نہیں۔ اب قارئین خود دیکھ لیں کہ وہابی جی کے نزدیک احناف اس لئے منکر سنت ہیں کہ وہ قرآن پر زیادتی نہیں کرتے کیونکہ تخصیص ماننے سے آیہ مبارکہ پر زیادتی ہے۔

ثالثاً: مذکورہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک بیان ہے کہ آپ ان سورتوں کو تین رکعت وتر میں پڑھتے تھے امر نہیں کہ تم ان سورتوں کو پڑھو۔ جب یہ صورت ہے تو آپ کے فعل پر عمل کبھی مستحب ہوتا ہے کبھی غیر مؤکدہ کبھی مؤکدہ یعنی جیسا قرینہ پایا جائے یہاں قرینہ ہے کہ ان سورتوں کا پڑھنا مستحب کہا جائے تاکہ

مذکورہ آیت پر زیادتی نہ ہو تو یہی بفضلہٖ تعالیٰ ہم احناف کہتے ہیں پھر ہم منکر سنت کیسے ہوئے۔

رابعاً: اگر ان سورتوں کی تخصیص کرلیں گے جن کے بارے آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم ان سورتوں کو فلاں فلاں نماز میں پڑھتے تھے تو باقی قرآن کا چھوڑنا لازم آئے گا حالانکہ حق یہ ہے کہ تمام قرآن پڑھا جائے نیز کہیں فعل کفار سے مشابہ نہ ہو جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

(سورۃ الفرقان آیت نمبر ۳۰ پارہ نمبر ۱۹)

اور رسول نے عرض کی اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑنے کے قابل ٹھہرالیا۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض

ان روایات میں سے کسی میں یہ صراحت ہے کہ درمیان میں تشہد پڑھا جائے اور قبل از وقت رکوع قرأت کے بعد رفع یدین کر کے ہاتھ باندھ کر قنوت مانگی جائے وغیرہ ذلک الغرض یہ روایات احناف کے مفید مطلب نہیں جتنی دیر مذکورہ چیزیں ثابت نہ ہوں۔

الجواب: اعتراض میں مذکورہ چیزوں کو ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں لہٰذا غیر مقلد کا اعتراض احادیث سے جہالت کا نتیجہ ہے۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۳ تا ۱۸ ترمذی شریف، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد بن حنبل نے حضرت عبدالعزیز ابن جریج، عبدالرحمٰن بن ابزی سے روایت کی،

قَالَ سَئَلْنَا عَآئِشَةَ بِاَیِّ شَیْءٍ کَانَ یُوْتِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ کَانَ یَقْرَءُ فِی الْاُوْلٰی بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی وَ فِی الثَّانِیَةِ بِقُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ وَ فِی الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ

اَللّٰہُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَیْنِ،

فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں کیا پڑھا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور دوسری میں قُلْ یٰاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور فلق و ناس

اس مرفوع حدیث میں تین رکعت وتر کا واضح ثبوت ہے کہ سوا آنکھ و دل کے اندھے کے ہر ایک جان جاتا ہے مگر وہابی کی ہٹ دھرمی دیکھو کہ کہتا ہے اس سے ایک رکعت وتر کی نفی نہیں ہوتی اور تین رکعت وتر کے ثبوت سے اسے کوئی تعلق نہیں۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۹ نسائی شریف حضرت ابی بن کعب سے روایت کی۔

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْرَءُ فِی الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَ فِی الثَّانِیَةِ بِقُلْ یٰاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَ فِی الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَ لَا یُسَلِّمُ اِلَّا فِی آخِرِهِنَّ

بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور دوسری رکعت میں قُلْ یٰاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا کرتے تھے اور سلام نہ پھیرتے تھے مگر ان تینوں رکعتوں کے آخر میں۔

اس سے واضح ہے کہ تین وتر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیر دیتے تھے، اس پر کوئی رکعت زیادہ نہ کرتے تھے۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۲۰ ابن ابی شیبہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَى الْوِتْرِ ثَلٰثٍ لَّا یُسَلِّمُ اِلَّا فِیْ آخِرِهِنَّ

اس پر سارے مسلمان متفق ہیں کہ وتر تین رکعتیں ہیں نہ سلام پھیرے مگر ان

کے آخر میں اس پر غیر مقلد کا پہلا اور دوسرا اعتراض: یہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ اثر ہے۔

ثانیاً: یہ قول امام حسن بصری کا ہے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا نہیں جیسا کہ مفتی صاحب لکھ کر باور کرانا چاہتے ہیں۔ نام نہاد دین الحق ۴۳۹

الجواب اوّلاً: یہ تو مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہی نہیں کہ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

ثانیاً: رضی اللہ عنہ دعائیہ جملہ ہے اسے علماء امت صحابہ کے علاوہ بعد کے اکابر بزرگان کے ناموں کے ساتھ بھی لکھتے آئے ہیں اس کے جواز کی دلیل یہ آیہ مبارکہ ہے

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ،

اور سب میں پہلے اگلے مہاجر اور انصار اور وہ جنہوں نے اتباع کی ان کی بھلائی پر اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، اس میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام اور قیامت تک بھلائی پر ان کی اتباع کرنے والوں کو رضی اللہ عنہم میں شامل کیا ہے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُنَافِقُوْنَ،

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض

اس کی سند میں عمرو بن عبید بن باب ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۴ اور یہ معروف کذاب ہے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ

قَالَ ابْنُ مُعِيْنٍ لَا يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ وَقَالَ نَسَائِيٌّ مَتْرُوْكُ الْحَدِيْثِ وَقَالَ اَيُّوْبُ وَ يُوْنُسُ يُكْتَبُ وَقَالَ حُمَيْدٌ كَانَ يَكْذِبُ عَلَى الْحَسَنِ وَقَالَ ابْنُ حَبَّانَ كَانَ يَشْتِمُ صَحَابَةَ وَيَكْذِبُ الْحَدِيْثَ وَقَالَ الدَّارُقُطْنِيُّ ضَعِيْفٌ (میزان ج ۳ ص ۲۷۴)

کہا امام ابن معین نے اس کی حدیث لکھی ہی نہ جائے۔ امام نسائی اسے متروک الحدیث بتاتے ہیں امام یونس اور امام ایوب نے اس کی تکذیب کی ہے۔ امام حمید فرماتے ہیں کہ حسن بصری کی طرف جھوٹ منسوب کرتا تھا۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ خبیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتا تھا اور جھوٹی روایات وضع کرتا تھا۔ امام دارقطنی کا کہنا ہے ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں اس کا مفصل حال درج کیا ہے اور اس کے خلاصہ میں فرماتے ہیں کہ

دَاعِیَةٌ اِلَی الْبِدْعَةِ اِتَّهَمَهٗ جَمَاعَةٌ (تقریب میں ۹۵)

یعنی بدعتی تھا اور ایک جماعت نے اسے کذاب کہا ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۳۹

الجواب اوّلاً: فقہا عظام نے حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کے مذکور ارشاد کو بطور حجت پیش کیا ہے اگر بقول وہابی موضوع و من گھڑت ہوتا تو فقہاء رضی اللہ عنہم اسے دلیل نہ جانتے چنانچہ علامہ کاسانی بدائع الصنائع جزء اول میں فرماتے ہیں:

وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی اَنَّ الْوِتْرَ ثَلٰثٌ لَا یُسَلِّمُ اِلَّا فِیْ اٰخِرِهِنَّ ۔

تین وتر پر مسلمانوں کا اجماع ہے

حضرت حسن سے ہے کہ فرمایا اس پر مسلمانوں نے اجماع کیا ہے کہ بے شک وتر تین رکعت ہے اور سلام نہ پھیرا جائے مگر ان کے آخر میں، یہی صاحب ہدایہ نے جزء اول پر نقل فرمایا ہے اور تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق جزو اوّل پر بھی منقول ہے۔

ثانیاً: آٹھ رکعت تراویح کی تعین میں غیر مقلدوں کی بنیادی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں رات کو گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ گیارہ رکعتوں میں تین رکعت وتر متعین نہیں مانیں گے تو آٹھ تراویح کا تعین کیسے کریں گے مگر افسوس کہ وہابی صاحبان ان حقائق کو پس پشت ڈال کر آٹھ تراویح متعین کرتے ہیں تین وتر کی تعین کا انکار کرتے ہیں۔ درحقیقت، یہ حدیث سے انکار ہے مگر پھر بھی آپ اہلحدیث ہیں۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۲۱ ملاحظہ ہو۔ طحاوی شریف نے حضرت ابوخالد سے روایت کی۔

قَالَ سَئَلْتُ اِبَا الْعَالِیَۃَ عَنِ الْوِتْرِ فَقَالَ عَلِمْنَا اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْوِتْرَ مِثْلُ صَلٰوۃَ الْمَغْرِبِ ھٰذَا وِتْرُ اللَّیْلِ وَ ھٰذَا وِتْرُ النَّھَارِ ۔

میں نے ابوالعالیہ سے وتر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم سب صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو یہی جانتے ہیں کہ وتر نماز مغرب کی طرح ہیں۔

رات کے وتر اور مغرب دن کے وتر

یہ اکیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ وتر کی تین رکعتوں پر بہت زیادہ حدیثیں موجود ہیں اگر تفصیل ملاحظہ کرنا ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری ملاحظہ فرمائیے۔ ان احادیث سے پتہ چلا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف تین رکعت وتر پر تھا۔ تمام صحابہ کا یہ ہی عمل رہا اور اس تین رکعت پر سارے مسلمان متفق ہیں۔ حنفی کہتے ہیں کہ تینوں رکعتیں ایک سلام سے پڑھے مگر نفس امارہ پر چونکہ نماز گراں ہے اس لئے ہوائے نفس والوں نے صرف ایک رکعت وتر پڑھ کر سو رہنے کی عادت ڈالی۔

ناظرین نے ان مذکورہ احادیث میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے۔ دوسری میں فلاں اور تیسری میں فلاں سورت پڑھتے تھے۔ وہابی حضرات بتائیں کہ اگر وتر ایک رکعت ہے تو یہ سورتیں کیسے پڑھی جائیں گی۔

اس پر غیر مقلد کا اعتراض

یہ روایت بہرحال موقوف ہے اور ایک رکعت پر صحیح صریح مرفوع احادیث موجود ہیں اور یہ فریقین کے مسلمات میں سے ہے کہ جب موقوف اور مرفوع کا تعارض ہو تو مرفوع کو لیا جائے گا اور موقوف کو ترک کر دیا جائے گا۔

علامہ ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں:

ان قول الصحابی حجة فیجب تقلیدهٗ عندنا اذا لم ینفه شیء آخر من السنة (فتح القدیر ص ۳۷ ج ۲)

یعنی صحابی کا قول حجت اور اس کی تقلید واجب ہے۔ ہمارے ہاں جب وہ سنت کے معارض نہ ہوا۔

اس اصول کا اقرار مولوی ابو یوسف محمد شریف بریلوی شاگرد خاص مولوی احمد رضا خاں نے بھی فقہ الفقیہ ص ۲۵۶ میں کیا ہے۔ معروف مولوی غلام رسول سعیدی شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ (کراچی) و شارح صحیح مسلم لکھتا ہے۔

یاد رہے کہ جب کوئی مسئلہ حدیث سے ثابت ہو اور اس کے معارض اور مخالف کتاب و سنت کی کوئی قطعی دلیل نہ ہو تو اس صورت میں اس حدیث پر عمل کرنا ہی صحیح دین ہے اور کوئی آدمی اپنی جگہ پر کتنا ہی بڑا بزرگ اور عالم دین کیوں نہ ہو لیکن جب وہ حدیث صریح کے خلاف کوئی بات محض اپنی رائے سے بلا دلیل کہتا ہے تو صحیح اور صریح حدیث کے مقابلہ میں اس کی ذاتی رائے کو چھوڑ دینا ہی ہدایت اور راہ استقامت ہے بعد کا کوئی آدمی علم و فضل میں کتنا ہی فائق کیوں نہ ہو صحابہ سے نہیں

بڑھ سکتا۔

اور جب اصول یہ ہے کہ جب قول صحابی بھی اگر حدیث رسول کے معارض ہو تو حدیث کے مقابلہ میں اس قول کو چھوڑ دیا جاتا ہے ذکر بالجہر ص ۱۰۵ طبع فرید بک سٹال لاہور ۱۳۹۷ھ

امید ہے کہ علماء بریلوی اس جواب سے مطمئن ہو جائیں گے۔

الجواب اوّلاً: غیر مقلد کا کہنا کہ یہ روایت بہر حال موقوف ہے۔ اصول سے جہالت ہے کیونکہ عند الاصولیین جب صحابی کے قول میں اسرائیلیات ورائے کو دخل نہ ہو تو وہ حدیث مرفوع حکمی ہے چنانچہ الشاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ مشکوٰۃ پر لکھتے ہیں:

وَاَمَّا حُکْمًا فَکَاَخْبَارِ الصَّحَابِیّ الَّذِیْ لَمْ یُخْبِرْ عَنْ کُتُبِ الْمُتَقَدِّمَۃِ مَالَا مَجَالُ فِیْہِ لِلْاِجْتِهَادِ

یعنی حدیث مرفوع حکمی جیسا کہ صحابی کی وہ روایت جس میں کتب سابقہ سے خبر نہ دی ہو اور نہ اجتہاد کو دخل ہو۔

حدیث مرفوع حکمی کا بیان

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وَمِثَالُ الْمَرْفُوْعِ مِنَ الْقَوْلِ حُکْمًا لَا تَصْرِیْحًا مَّا یَقُوْلُ الصَّحَابِیُّ الَّذِیْ لَمْ یَاْخُذْ عَنِ الْاِسْرَائِیْلِیَاتِ مَالَا مَجَالٌ لِلْاِجْتِهَادِ فِیْہِ وَلَا لَہٗ تَعَلُّقٌ بِبَیَانِ لُغَۃٍ اَوْ شَرْحِ غَرِیْبٍ کَالْاَخْبَارِ عَنِ الْاُمُوْرِ الْمَاضِیَۃِ مِنْ بَدْءِ الْخَلْقِ وَاَخْبَارِ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ اَوِ الْاٰتِیَۃِ کَالْمَلَاحِمِ وَالْفِتَنِ وَاَحْوَالِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَکَذَا الْاَخْبَارُ عَمَّا یَحْصِلُ بِفِعْلِہٖ ثَوَابٌ مَّخْصُوْصٌ اَوْعِقَابٌ مَّخْصُوْصٌ وَاِنَّمَا کَانَ لَہٗ حُکْمُ الْمَرْفُوْعِ لِاَنَّ اَخْبَارَہٗ بِذٰلِکَ

يَقْتَضِيْ مُخْبِرًا لَّهٗ وَمَالَا مَجَالٌ لِلْاِجْتِهَادِ فِيْهِ يَقْتَضِيْ مُوَقِّفًا لِلْقَائِلِ بِهٖ وَلَا مَوَقِّفٌ لِلصَّحَابِيِّ اِلَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ ۔ نخبة الكفر ص۱۲۳

یعنی صحابی کے قول سے بلا تصریح مرفوع حکمی کی مثال جو کہ صحابی بیان کرے جس نے اسرائیلی روایات سے نہ لیا ہو اور نہ اس میں اجتہاد کو دخل ہو اور نہ اس کا بیان لغت سے تعلق ہو یا شرح غریب سے جیسا کہ صحابی کا امور ماضی کی ابتداء خلق سے خبر دینا اور انبیاء علیہم السلام سے خبریں بیان کرنا اور آنے والے زمانوں کی جیسے جنگوں اور فتنوں اور احوال قیامت کی خبریں دینا ایسے ہی ان کاموں کی خبر دینا جن کے کرنے پر ثواب مخصوص حاصل ہو یا عذاب مخصوص کی اطلاع ہو۔ اس کا حکم حدیث مرفوع کا ہی ہے کیونکہ ان چیزوں کی خبر بتانے والے کی مقتضی ہے اور اس کی خبر جس میں اجتہاد کو دخل نہ ہو وہ قائل کو اس پر آگاہ کرنے والے کی مقتضی ہے اور صحابی کو ان باتوں پر آگاہ کرنے والا سوا نبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہٖ وصحبہٖ وسلم کے اور کوئی نہیں (لہٰذا مرفوع حکمی ہوئی)۔

اب اس بیان کے بعد زیر بحث روایت کے یہ الفاظ کہ ہم صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کو نماز مغرب کی طرح جانتے تھے۔ قابل غور ہے کہ صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے بغیر اپنی رائے سے تو وتر کو نماز مغرب کی طرح نہیں جانتے تھے لہٰذا یہ روایت حدیث مرفوع حکمی ہوئی مگر وہابی صاحب کی جہالت پر افسوس کہ اس کا سرے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہی توڑ رہا ہے۔

ثانیاً: غیر مقلد کا کہنا کہ جب مرفوع اور موقوف کا تعارض ہو تو مرفوع کو لیا جائے گا اور موقوف کو ترک کر دیا جائے گا۔

الجواب اوّلاً: ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ زیر بحث روایت کا ازروئے اصول مرفوع حکمی ہونا ثابت کر دیا ہے۔

تین وتر پر احادیث کی صحت کا بیان

ثانیاً: مسئلہ تین رکعت وتر کے ثبوت پر ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ کچھ احادیث مرفوعہ صریحہ کی صحت بیان کر دی ہے مزید صحت پر دلائل ملاحظہ ہوں۔

(اوّل) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ رَقَدَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَيْقَظَ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّاَ وَهُوَ يَقُوْلُ (اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيَاتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ) فَقَرَاَ هٰؤُلَاۤءِ الْاٰيَاتِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَاَطَالَ فِيْهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ فِىْ كُلِّ ذٰلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّاُ وَيَقْرَاُ هٰؤُلَاۤءِ الْاٰيَاتِ ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ (الحديث رواه مسلم بطريق على بن عبدالله بن عباس عنه الاعلاء السنن جزء ۵ ابواب الوتر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے پس مسواک کیا اور وضو فرمایا پھر ان آیات کو اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ آخر سورت تک پڑھا پھر کھڑے ہوئے تو دو رکعت نماز کو پڑھا ان میں قیام اور رکوع اور سجدہ لمبا کیا پھر سلام پھیرا تو سو گئے، یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے۔ ایسا ہی آپ نے چھ رکعت پڑھنے میں تین بار کیا ہر دو رکعت کے لئے مسواک فرماتے وضو کرتے اور مذکورہ آیات پڑھتے پھر تین رکعت وتر پڑھے (الحدیث) اسے مسلم نے بطریق علی بن عبداللہ بن

عباس روایت کیا۔

اسی پر تعلیق میں ہے:

قُلْتُ لَمْ يَنْفَرِدْ حَبِيْبُ بْنُ اَبِیْ ثَابِتٍ بَلْ تَابَعَهُ يُوْنُسُ بْنُ اَبِیْ اِسْحَاقَ فَرَوَاهُ عَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ اَبِيْهِ مِثْلَهٗ عِنْدَ الطَّحَاوِيِّ بِسَنَدٍ صَحِيْحٍ،

میں کہتا ہوں کہ اس روایت کو حبیب بن ابی ثابت نے منفرد بیان نہیں کیا بلکہ اس کے متابع ہوئے یونس بن ابی اسحاق تو اس نے اسے منہال بن عروہ سے روایت کیا اور اس نے علی بن عبداللہ بن عباس سے روایت کیا۔ علی نے اپنے باپ عبداللہ سے امام طحاوی کی روایت میں اور اس کی سند صحیح ہے۔

دوم: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ فِي الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فِیْ رَكْعَةٍ رَكْعَةٍ ۔ رواہ الترمذی و قال النووی فی الخلاصة وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ كما فی نصب الرایه وفی تخریج العراقی رواہ الترمذی والنسائی و ابن ماجة بسند صحیح الاعلاء السنن جزء ٥ ابواب الوتر ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے وتر میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ایک ایک رکعت میں، اسے ترمذی نے روایت کیا اور نووی نے خلاص میں فرمایا سند اس کی صحیح ہے جیسا کہ نصب الرایہ اور تخریج عراقی میں ہے کہ روایت کیا اسے ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ۔

سوم: عَنْ عَلِيٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے تھے۔ (الفتح الربانی جزء ۴ ص ۲۹۵)

چہارم: اس کی شرح بلوغ الامانی میں ہے:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ سَنَدُهٗ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ ثَنَا اَسْوَدُ بْنُ عَامِرٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْبَكْرٍ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ (الحديث تخريج مذ) وَزَادَ يَقْرَءُ فِيْهِنَّ بِتِسْعِ سُوْرَةٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ يَقْرَءُ فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلٰثِ سُوَرٍ اٰخِرِهِنَّ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، وَ سَنَدُهٗ جَيِّدٌ

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی سند جید ہے۔

پنجم: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْتَرَ بِثَلٰثٍ (الفتح الربانی جزء ۴ ص ۲۹۵)

ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے۔

اس کی شرح میں ہے:

اَیْ بِثَلَاثِ رَكْعَاتٍ وَقَوْلُهٗ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ تَقْدِيْرُهٗ يَقْرَءُ فِی الْاُوْلٰی بِسَبِّحِ (الخ) وَ يَقْرَءُ فِی الثَّانِيَةِ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَيَقْرَءُ فِی الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ وَهٰذَا التَّفْسِيْرُ قَدْ جَآءَ مُصَرَّحًا فِیْ حَدِيْثِ عَآئِشَةَ عِنْدَ الْحَاكِمِ بِلَفْظِ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلَاثِ رَكْعَاتٍ يَّقْرَءُ فِی الْاُوْلٰی بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی وَ فِی الثَّانِيَةِ

بِقُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ وَفِی الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۔ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ وَلَمْ یَخْرُجَاهُ

یعنی اوتر بثلٰثٍ سے مراد ہے کہ آپ نے تین رکعت وتر پڑھے اور اس کا قول کہ بسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی متعلق با محذوف ہے۔ اس میں پوشیدہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں بسبح (الخ) کو پڑھا اور دوسری میں قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ کو پڑھا اور تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو پڑھا اور یہی تفسیر حدیث عائشہ میں صراحت سے آئی ہے جو حاکم کے نزدیک ان لفظوں سے ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے پہلی رکعت میں بسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی پڑھتے اور دوسری میں قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ اور تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور حاکم نے فرمایا یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے مگر انہوں نے اسے روایت نہ کیا۔

(ششم) امام حاکم کی مستدرک میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْرَاءُ فِی الرَّکْعَتَیْنِ الَّتِیْ یُوْتِرُ بعدهما بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی و قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ وَ یَقْرَءُ فِی الْوِتْرِ بقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ و قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ و قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ، تابعه سعید بن ابی مریم بن عن یحیٰی بن ایوب ۔

تلخیص میں مذکورہ حدیث کے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ رواه ثقات عنه وهو علی شرط (خ م)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم پڑھتے تھے ان دو رکعتوں میں جن سے تیسری رکعت ملا کر وتر بناتے: بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور تیسری رکعت وتر میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۔ ان کے متابع ہوئے سعید بن ابی مریم جنہوں نے اسے یحییٰ بن ایوب سے روایت کیا۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور حدیث شیخین کی شرط پر ہے۔

(ہفتم) امام بیہقی اپنی سنن البیہقی جلد سوم پر روایت کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ الْوِتْرُ ثَلٰثٌ كَوِتْرِ النَّهَارِ الْمَغْرِبِ هٰذَا صَحِيْحٌ مِّنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ ۔

عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ وتر تین ہیں دن کے وتر نماز مغرب کی طرح۔ یہ حدیث عبداللہ ابن مسعود کی (مرفوع) حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ واضح رہے کہ امام بیہقی نے ابن مسعود کی مرفوع حدیث کو ضعیف نہیں کیا مگر مذکورہ حدیث کو زیادہ صحیح کہا نیز جب راوی کا قول و فعل مرفوع حدیث کے مطابق ہو تو اسے تقویت دیتا ہے۔

(ہشتم) الجوہر النقی مع البیہقی جلد سوم پر ہے کہ

قُلْتُ اَخْرَجَهُ النِّسَائِيُّ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَيَّاضٍ عَنْ هَشَّامِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ وِتْرُ صَلٰوةِ النَّهَارِ فَاَوْتِرُوْا اللَّيْلَ وَ هٰذَا سَنَدُ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ ۔

میں کہتا ہوں نسائی نے حدیث ابن عمر کو روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا نماز مغرب دن کی نماز کے وتر ہیں تو رات کی نماز میں وتر پڑھو اور سند اس کی شیخین کی شرط پر ہے۔

(نہم) تلخیص الحبیر، جزء ۲ ص ۱۸ پر ہے کہ

(الحدیث) عَائِشَةَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ فِىْ رَكْعَةِ الْاُوْلٰى مِنَ الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى (الحدیث) اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمَذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْهَا وَ فِيْهِ خَصِيْفٌ وَفِيْهِ لِيْنٌ وَرَوَاهُ دَارُقُطْنِىٌّ وَابْنُ حَبَّانَ وَالْحَاكِمُ مِنْ حَدِيْثِ يَحْيٰى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ عُمْرَةَ وَعَنْ عَائِشَةَ وَتَفَرَّدَ بِهٖ يَحْيٰى بْنُ اَيُّوْبَ عَنْهُ فِيْهِ مَقَالٌ وَّلٰكِنَّهٗ صُدُوْقٌ وَّ قَالَ الْعَقِيْلِىُّ اِسْنَادُهٗ صَالِحٌ وَّلٰكِنَّ حَدِيْثَ اِبْنِ عَبَّاسٍ وَّاُبَىِّ بْنِ كَعْبٍ بِاِسْقَاطِ مُعَوَّذَتَيْنِ اَصَحُّ

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے وتر کی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى (الحدیث) اسے ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہ سے روایت کیا اور س میں خصیف ہیں اور اس میں لین ہے اور اسے دار قطنی اور ابن حبان اور حاکم نے یحیٰی بن سعید سے اسے اس نے عمرہ سے اس نے عائشہ سے روایت کیا اور یحیٰی بن ایوب نے اسے بیان کرنے میں تفرد کیا اور اس میں کلام ہے لیکن وہ سچے ہیں اور علامہ عقیلی نے فرمایا کہ اسناد اس کی درست ہے لیکن ابن عباس کی حدیث اور ابی بن کعب کی حدیث جن میں سورۃ فلق اور الناس کا ذکر نہیں وہ دونوں اس سے زیادہ صحیح ہیں۔

رسول اللہ وتروں میں کون سی سورتیں پڑھتے تھے

اب حدیث دہم سے چہاردہم تک آثار السنن سے بیان کی جاتی ہیں۔

عـن عمرة عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ يَقْرَءُ فِى الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِى الثَّانِيَةِ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَفِى الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۔ رَوَاهُ الدَّارُقُطْنِىُّ وَالطَّحَاوِىُّ وَ صَحَّحَهٗ

حضرت عمرہ نے مائی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھتے اور دوسرے میں قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھتے۔ اسے دارقطنی اور طحاوی نے روایت کیا اور صحیح کہا۔

حضرت عمر تین وتر پڑھتے تھے

وَعَنْ مِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ دَفَنَّا اَبَابَكْرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ لَيْلاً فَقَالَ عُمَرُ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنِّىْ لَمْ اُوْتِرْ فَقَامَ وَصَفَفْنَا وَرَاءَهٗ فَصَلّٰى بِنَا ثَلَاثَ رَكْعَاتٍ لَّمْ يُسَلِّمْ اِلَّا فِىْ اٰخِرِهِنَّ ۔ اَخْرَجَهُ الطَّحَاوِىُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ

حضرت مسور بن مخزمہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رات دفن کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے ابھی وتر نہیں پڑھے تو آپ وتر پڑھنے کھڑے ہوئے ہم نے بھی ان کے پیچھے صف بنا لی پس آپ نے ہمیں تین رکعت وتر پڑھائے اور سلام نہ پھیرا۔ مگر ان کے آخر میں۔ اسے امام طحاوی نے روایت کیا اور سند اس کی صحیح ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ تین وتر ایک سلام سے پڑھنا صحابہ رضوان اللہ علیہم کا

متفقہ فعل ہے ورنہ کوئی صحابی تو حضرت عمر پر اعتراض کرتا کہ آپ نے ایسا کیوں نیز صحابہ نے تبھی اعتراض نہ کیا کہ مسنون ہی یہی طریقہ تھا۔ اسی میں ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ الْوِتْرُ ثَلٰثٌ کَوِتْرِ النَّهَارِ صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ ۔ رواه الطحاوی و اسناده صحیح

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وتر تین رکعتیں ہیں۔ دن کے وتر نماز مغرب کی طرح۔ اسے طحاوی نے روایت کیا اور اسناد اس حدیث کی صحیح ہے۔

وَعَنْ ثَابِتٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا اَنَسٌ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ الْوِتْرَ وَاَنَا عَنْ یَّمِیْنِهٖ وَ اُمُّ وَلَدِهٖ خَلْفَنَا ثَلَاثَ رَکْعَاتٍ لَّمْ یُسَلِّمْ اِلَّا فِیْ اٰخِرِهِنَّ ظَنَنْتُ اِنَّهٗ یُرِیْدُ اَنْ یُّعَلِّمَنِیْ، رواه الطحاوی وَاِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ ۔

حضرت ثابت سے ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تین رکعت وتر پڑھے اور میں ان کی دائیں جانب اور ان کی کنیز ہمارے پیچھے کھڑی ہوئی اور سلام نہ پھیرا مگر اس کے آخر میں میں نے سمجھا کہ آپ مجھے اس کی تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ اسے امام طحاوی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا اور اسناد اس کی صحیح ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ خَالِدَةَ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا الْعَالِیَةَ عَنِ الْوِتْرِ فَقَالَ عَلَّمَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْ عَلَّمُوْنَا اِنَّ الْوِتْرَ مِثْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ غَیْرُ اِنَّا نَقْرَءُ فِی الثَّالِثَةِ فَهٰذَا وِتْرُ اللَّیْلِ وَهٰذَا وِتْرُ النَّهَارِ ۔ رواه الطحاوی اسناده صحیح

ابو خالدہ سے ہے کہ میں نے حضرت ابوالعالیہ سے وتر کے بارے پوچھا تو اس نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے تعلیم دی کہ وتر نماز مغرب کی طرح ہیں سوا اس کے کہ اس میں ہم تیسری رکعت

میں قرأت کرتے ہیں (یعنی وتر کی تیسری رکعت میں فاتحہ سے اور سورت ملاتے ہیں) پس یہ رات کے وتر ہیں اور وہ دن کے وتر ہیں۔

اسے امام طحاوی نے روایت کیا اور اسناد اس کی صحیح ہے۔

یہاں تک بفضلہٖ تعالیٰ ہم نے تین رکعت وتر کے ثبوت پر چودہ روایات صحیحہ پیش کر دیں ہیں اور چند کی صحت قبل ازیں گزر چکی غیر مقلد بھی کہتے ہیں کہ صحیح حدیث پر عمل کرنا واجب ہے۔ اب ان میں انصاف کی رمق ہے تو ہمارا موقف تسلیم کر لیں اور تین رکعت وتر واجب مان لیں نیز اگر بقول غیر مقلد صاحب ان کے پاس ایک رکعت پر صحیح صریح مرفوع احادیث موجود ہیں تو پھر یہ کیوں کہتا ہے کہ ہم تین رکعت وتر کے منکر نہیں ہیں جب منکر نہیں تو اقراری ہوا اور دوسری طرف صحیح مرفوع احادیث کا انکاری بھی یہ ہے ان غیر مقلدوں کی عقل وفہم کا حال جو کہ ہم چوں دیگر نیست کی رٹ لگاتے ہیں اور اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی جہالت و گمراہی سے محفوظ رکھے اور ان کے دام فریب سے بچائے۔

آمین ثُم آمین بجاہ رسولہ الکریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ ۔

تین رکعت وتر پر عقلی دلائل

اب تین رکعت وتر پر مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمتہ اللہ علیہ کے عقلی دلائل ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں: عقل کا بھی تقاضا ہے کہ وتر ایک رکعت نہ ہو کیونکہ وتر نماز نہ تو فرض ہے نہ نفل بلکہ واجب ہے کہ اس کا پڑھنا ضروری ہے نہ پڑھنے والا فاسق ہے لیکن اس کے وجوب کا انکار کفر نہیں واجب کا یہی حکم ہے اور ہر غیر فرض عبادت کی مثال فرض میں ضرور ہونی چاہئے یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی غیر فرض عبادت بالکل جداگانہ ہو کہ اس کی مثال فرض میں نہ ہو۔ یہ شریعت کا عام قاعدہ ہے جو زکوٰۃ حج وغیرہ میں جاری ہے اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو چاہئے تھا کہ کوئی فرض نماز بھی ایک رکعت ہوتی حالانکہ کوئی فرض نماز ایک رکعت نہیں۔ فرض تو کجا کوئی نفل وسنت مؤکدہ وسنت غیر

مؤکدہ بھی ایک رکعت نہیں۔ نماز فرض یا دو رکعت ہے جیسے فجر یا چار رکعت جیسے ظہر، عصر و عشا یا تین رکعت جیسے مغرب وتر نہ تو چار رکعت ہو سکتی ہیں نہ دو کہ یہ عدد شفع ہیں وتر نہیں تو لامحالہ تین ہی رکعت چاہئے۔ ایک رکعت نماز اسلامی قانون کے خلاف ہے جس کی مثال کسی نماز میں نہیں ملتی۔ ایک نامکمل ہے ناقص ہے، بتیرا ہے۔ غرضیکہ ایک رکعت وتر عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی امت کا اجماع صحابہ کرام کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سب ہی اس کے خلاف ہے۔ واضح رہے کہ وہابی صاحب نے مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مذکورہ عالمانہ مدبرانہ عقلی دلائل کا کچھ جواب نہیں دیا کیونکہ حقائق کا توڑ ممکن نہیں ہوتا۔

تین وتر پر غیر مقلدوں کے اعتراضوں کے جواب

اب جاء الحق سے دوسری فصل اس پر اعتراضات و جوابات میں مفتی صاحب لکھتے ہیں۔

مسئلہ وتر پر اب تک جس قدر دلائل غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے ہم کو ملے ہم سب کو نمبر وار مع جواب عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱:

ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ الخ

فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت وتر پڑھتے تھے پھر بعد وتر دو نفل پڑھتے تھے۔

معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت ہوئے۔ حضور نے ایک رکعت ہی پڑھی ہے۔

الجواب: آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا جس کی وجہ سے یہ حدیث ان تمام احادیث کے خلاف ہوگئی جن میں تین رکعتوں کا ذکر ہے۔

اور احادیث آپس میں متعارض ہو گئیں۔ حدیث کا ترجمہ ایسا کرنا چاہئے جس سے احادیث متفق ہو جائیں۔ اس حدیث شریف میں باب استعانت کی ہے جیسے کتبت بالقلس میں نے قلم سے لکھا کیونکہ وتر باب افعال میں متعدی بنفسہ ہے تو حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ حضور نے نماز تہجد کو وتر یعنی طاق بنایا۔ ایک رکعت کے ذریعہ سے اس طرح کہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملائی جس سے نماز تہجد کا عدد جفت سے طاق ہو گیا مثلاً آٹھ رکعت تہجد ادا فرمائی اور عدد جفت تھا پھر تین رکعت وتر پڑھی تو وتر کی تیسری رکعت کے سبب کل رکعتیں گیارہ ہو گئیں جو طاق ہیں۔ اس تمام نماز کو طاق بنانے والی وتر کی یہ ایکرکعت ہے جو دو سے مل کر ادا ہوئی۔ اس صورت میں یہ حدیث گزشتہ تمام حدیثوں کے موافق ہو گی۔ میں غیر مقلدوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر تمہارے معنی کئے جائیں تو ان احادیث کا کیا جواب دو گے جن میں صراحتہً تین کا عدد مذکور ہے یا جن میں وارد ہوا کہ حضور پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے۔ دوسری رکعت میں فلاں اور تیسری رکعت میں فلاں سورت جو پہل فصل میں مذکور ہوئیں۔ مخفی نہ رہے کہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمتہ اللہ علیہ کے ناقابل تردید مذکورہ جواب پر وہابی جی نے کچھ نہیں لکھا۔

جاء الحق سے غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۲ اور مفتی صاحب کی طرف سے اس کا جواب:

مسلم شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا خَشِىَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى

فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا تہجد کی نماز دو دو رکعت ہیں جب تم میں سے کوئی صبح ہو جانے کا خوف کرے تو ایک رکعت پڑھ لے یہ رکعت

گزشتہ نماز کو وتر بنا دے گی۔

اس سے چار مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نماز تہجد میں دو دو رکعت نفل ادا کرنی چاہئے دوسرے یہ کہ نماز تہجد رات میں ہو تیسرے یہ کہ وتر تہجد کی نماز کے بعد افضل ہیں۔ چوتھے یہ کہ وتر ایک رکعت ہے حنفی لوگ پہلے تین مسئلے تو مانتے ہیں چوتھے کے انکاری ہیں اگر یہ حدیث صحیح ہے تو چاروں مسئلے مانیں اگر صحیح نہیں تو چاروں مسئلے نہ مانیں۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جواب۔ غیر مقلد وہابی تو اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ جب صبح کا خوف ہو تو ایک رکعت اکیلی علیحدہ طور پر پڑھ لے اس ترجمہ سے یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہو گئی جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل نہ ممکن ہو گیا۔ حنفی اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جب صبح کا خوف ہو تو دو کے ساتھ ایک رکعت ملا کر پڑھ لے جن کا ذکر ہو رہا ہے یعنی رکعۃ واحدۃ کے بعد مع الرکعتین پوشیدہ ہے کیونکہ پہلے مثنیٰ مثنیٰ کا ذکر ہو چکا ہے اس صورت میں حدیثوں میں کوئی تعارض نہ رہا اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ہو گیا جیسے کہ رب فرماتا ہے:

وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا

اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو سال ٹھہرے تو بڑھا لئے اس آیت میں نو سال تین سو سال سے علیحدہ نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ ہیں مطلب یہ ہے کہ تین سو نو سال قیام کیا چونکہ تین سو سال شمسی تھے اور تین سو نو سال قمری اس لئے رب تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ ایسے وتر کی یہ رکعت علیحدہ ہے۔ ان دو دو سے نہیں بلکہ ان میں سے آخری مثنیٰ یعنی دو رکعت کے ساتھ ہے لیکن چونکہ وہ دو دو رکعتیں تہجد کی تھیں اور نفل تھیں یہ تین رکعتیں وتر کی ہیں اور واجب ہیں اسی لئے اس اعلم الاولین و الآخرین افصح الخلق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ کہو وہابی حدیثوں کو لڑانا اچھا یا احادیث میں موافقت پیدا کرنا سب پر عمل کرنا بہتر۔ کاش کہ آپ نے کسی

مقلد سے حدیث پڑھی ہوتی۔

غیر مقلد کا مذکورہ عبارت پر پہلا اور دوسرا اعتراض:

محدثین کرام نے اس پر ایک رکعت وتر کا باب باندھا ہے۔

ثانیاً: حدیث کے الفاظ صَلّٰی رَکْعَةً وَّاحِدَةً ہیں جس کی تفسیر دوسری روایت میں موجود ہے صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى الْوِتْرُ بِرَكْعَةٍ وَّاحِدَةٍ (سنن نسائی ج ۱ ص ۲۰۰) یعنی رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر احناف نے تسلیم کیا ہے کہ اس میں امام شافعی کے موقف کی تائید ہے جو کہ ایک وتر کے قائل ہیں چنانچہ ملا علی قاری اور مولانا عبدالحئی لکھنوی فرماتے ہیں کہ وَالْحَدِيْثُ حُجَّةٌ لِلشَّافِعِيِّ فِيْ قَوْلِهٖ اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ وَّاحِدَةٌ ۔ (مرقات ج ۳ ص ۱۶۱ و التعليق الممعد ص ۱۱۷) یعنی اس حدیث کے الفاظ الوتر رکعۃ میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کی دلیل ہے لیکن کمال ہے مفتی صاحب الٹی گنگا بہا رہے ہیں کہ دو رکعت کے ساتھ ملا کر ایک وتر پڑھتے۔ مفتی صاحب یہ حدیث کے کن الفاظ کا معنی ہے۔ رہا یہ دعویٰ کہ مع الرکعتین پوشیدہ ہے۔ معلوم نہیں کہ مفتی صاحب نے کون سی خوردبین کے ساتھ رکعتین کو دیکھ لیا ہے یہ بدایونی تحقیق ہی نرالی ہے ورنہ حدیث میں تو اس کے پوشیدہ ہونے کی بھی گنجائش نہیں اگر ہے تو اس کی دلیل درکار ہے۔ محض کچھ لکھ دینے کا نام دلیل نہیں ہوتا۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۲۲

الجواب اوّلاً: اگر غیر مقلد صاحب اس کو ایک رکعت وتر پر دلیل بناتے ہیں کہ محدثین نے ایک رکعت وتر پر باب باندھا ہے تو پھر محدثین کرام نے تین رکعت وتر پر بھی باب باندھے ہیں اسے تسلیم کیوں نہیں کرتے مثلاً جامع ترمذی میں ہے۔ باب ما جاء فی الوتر بِثَلٰثٍ یعنی یہ باب اس میں ہے کہ جو تین وتر کے بارے حدیث میں آیا ہے اگر تین رکعت وتر پر احادیث موجود نہ ہوتیں تو امام ترمذی یہ باب کیوں باندھتے۔ نسائی شریف میں ہے باب کیف الوتر بِثَلٰثٍ یعنی یہ باب اس میں ہے

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر کس کیفیت سے پڑھتے تھے۔ آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو بیان کیا جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت گیارہ رکعتیں پڑھتے۔ اس حدیث کے تحت وہابی بھی تین وتر مانتے ہیں ورنہ ان کا آٹھ تراویح کا مذہب برباد ہوتا ہے۔

ثانیاً: مسلم شریف کی حدیث میں تین وتر کا واضح بیان ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عَنْ عُرْوَةَ اِنَّ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّىْ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَكْعَةَ بِرَكْعَتَى الْفَجْرِ ۔

(ج ۱ ص ۲۵۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عروہ کو بتایا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعتیں پڑھتے دو رکعت سنت فجر سمیت۔

دو رکعت سنت فجر نکال کر باقی گیارہ رکعت بنتی ہیں اگر وہابی وتر ایک رکعت کہیں تو پھر تراویح دس رکعت پڑھا کریں مگر یہ صاحبان ایسے ضدی ہیں کہ نہ تین و مانتے ہیں اور نہ دس تراویح۔

امام احمد نے تین رکعت وتر کی افضلیت پر اجماع نقل کیا

ثالثاً: مکتبہ رحمانیہ کی شائع کردہ جامع ترمذی کے مقدمہ صفحہ نمبر ۲۴ پر ہے:

وَذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ اِلٰى وُجُوْبِ الْوِتْرِ بِثَلَاثِ رَكْعَاتٍ لَا بِرَكْعَةٍ وَّاحِدَةٍ وَ ذَهَبَ السُّفْيَانُ اِلٰى جَوَازِ الْوِتْرِ بِرَكْعَةٍ وَّ ثَلٰثٍ وَّ خَمْسٍ وَّ لَمْ يَذْهَبْ اِلٰى جَوَازِ الْوِتْرِ بِخَمْسِ رَكْعَاتٍ اَحَدٌ سِوَى السُّفْيَانَ لٰكِنَّ كُلَّهُمْ اِتَّفَقُوْا حَتَّى الْجُمْهُوْرُ وَالشَّافِعِىُّ وَالسُّفْيَانُ عَلٰى اَفْضَلِيَّتِ الْوِتْرِ بِثَلَاثِ رَكْعَاتٍ حَتّٰى اِنَّ الْاِمَامَ اَحْمَدَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ نَقَلَ الْاِجْمَاعَ عَلٰى اَفْضَلِيَّتِ الْوِتْرِ بِثَلَاثِ رَكْعَاتٍ فَالْاَخْذُ بِالْمَجْمَعِ عَلَيْهِ فِى الْفَضِيْلَتِ اَوْلٰى

وَاَصْوَبُ فَلِذٰ قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ اِنَّ الْوِتْرَ ثَلَاثَ رَکْعَاتٍ

یعنی جمہور علماء اس طرف ہیں کہ تین رکعت وتر واجب ہیں۔ ایک رکعت جائز نہیں سفیان اس کے قائل ہیں کہ ایک رکعت بھی جائز ہے تین رکعتیں بھی اور پانچ بھی اور سوا سفیان کے پانچ رکعت وتر کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں ہوا لیکن تین رکعت وتر کی افضلیت پر جمہور مشافعیہ و سفیان سمیت سب کا اتفاق ہے یہاں تک کہ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے تین رکعت کی افضلیت پر اجماع نقل کیا ہے پس جس پر اجماع ہے افضلیت میں اسے اختیار کرنا اولی اور زیادہ مناسب ہے تو اسی لئے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تین رکعات وتر کے وجوب کا فرماتے ہیں۔

رابعاً: غیر مقلد کا یہ کہنا کہ اکابر احناف نے تسلیم کیا ہے کہ اس میں امام شافعی کے موقف کی تائید ہے اور اس پر ملا علی قاری علیہ رحمتہ الباری کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور عبدالحئی لکھنوی صاحب التعلیق المجد شرح موطا امام محمد کا حوالہ دیا جس میں عبارت کو ان دونوں کی طرف منسوب کیا حالانکہ عبارت کو ان کی طرف منسوب کرنا غیر مقلد صاحب کا سو فیصد جھوٹ و افتراء ہے کیونکہ اصل میں عبارت دونوں جگہ ابن ملک کی ہے۔ یہ دونوں حضرات محض ناقل ہیں پھر ساتھ ہی امام ابن ہمام رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے زیر بحث حدیث کا امام شافعی کی دلیل نہ ہونے کا احتمال اور ایک رکعت وتر خلاف اصل ہونے کا ذکر بھی کیا ہے مگر وہابی جی نے خیانتاً اس کا لکھنا چھوڑ دیا ہے، ہم قارئین کی تشفی کو مرقاۃ اور التعلیق المجد کی پوری عبارت دکھا دیتے ہیں۔

وَقَوْلُہٗ تُوْتَرُ لَہٗ مَا قَدْ صَلّٰی ۔ قَالَ اِبْنُ مٰلِكٍ اَیْ تَجْعَلُ ھٰذِہِ الرَّکْعَۃُ الصَّلٰوۃِ الَّتِیْ صَلَّاھَا فِی الْوِتْرِ وِتْرًا بَعْدَ اِنْ کَانَتْ شَفعًا وَّالْحَدِیْثُ حُجَّۃٌ لِلشَّافِعِیِّ فِیْ قَوْلِہِ الْوِتْرُ رَکْعَۃٌ وَاحِدَۃٌ (انتھی)

وَفِیْہِ اِنَّ نَحْوَ ھٰذَا قَبْلُ اَنْ یَّسْتَقِرَّ الْاَمْرُ الْوِتْرِ قَالَہٗ ابْنُ الْھَمَّامَ وَھٰذَا جَوَابُ تَسْلِیْمِیْ فَاِنَّہٗ قَالَ اَیْضًا لَّیْسَ فِی الْحَدِیْثِ دَلَالَۃٌ عَلٰی اِنَّ الْوِتْرَ وَاحِدَۃٌ بِتَحْرِیْمَۃٍ مُسْتَاْنِفَۃٍ لِّیُحْتَاجَ اِلَی الْاِشْتِغَالِ بِجَوَابِہٖ اِذْ یَحْتَمِلُ کُلًّا مِّنْ ذٰلِکَ وَمِنْ اِنَّہٗ اِذَا خَشِیَ الصُّبْحَ صَلّٰی وَاحِدَۃً مُّتَّصَلَۃً

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ ایک رکعت ملانے سے اسے وتر کر دے گی جو اس نے پہلے پڑھی۔ اس کی شرح میں ابن ملک نے فرمایا یعنی یہ رکعت اسے وتر بنا دے گی جن رکعتوں کو اس نے وتر میں پڑھا بعد اس کے کہ وہ اس رکعت کے ملنے سے پہلے شفع تھی اور اس میں کہ وتر ایک رکعت ہے۔ امام شافعی کی دلیل ہے۔ ابن ملک کا کلام پورا ہوا اور اس کی مثل (روایتوں) میں احتمال ہے کہ یہ وتر کا امر مقرر ہونے سے قبل ہو یہ ابن ہمام کا ارشاد ہے اور جواب تسلیمی ہے کیونکہ ابن ہمام نے یہ بھی فرمایا کہ حدیث میں یہ دلیل موجود نہیں کہ وتر ایک رکعت ہے نئی تکبیر تحریمہ کے ساتھ تو اس کی ضرورت ہی کیا کہ اس کے جواب میں مشغول ہو یا جائے۔ جب کہ (حدیث) اس سب کا احتمال رکھتی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب طلوع صبح کا خوف ہو تو ایک رکعت متصلہ پڑھ لے۔

مذکورہ عبارت سراسر وہابی مذہب کے خلاف ہے مگر افسوس کہ وہابی شرم نہیں کرتے نیز حدیث شریف میں تو ہے جب صبح کا خوف کرے تو ایک رکعت اور پڑھ لے جو پہلی کو وتر کر دے گی مگر وہابی حضرات ایسے نادان ہیں کہ عشاء کے وقت ایک رکعت وتر پڑھ لیتے ہیں۔ پھر غور طلب بات یہ ہے کہ جب ایک رکعت نئی تکبیر تحریمہ سے پڑھی جائے تو پہلی نماز سے اس کا تعلق ہی نہ ہوا پھر اسے وہ کیسے وتر بنا دے گی وہابی اس کا جواب سوچیں۔

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض

ملاحظہ ہو۔ اگر بالفرض اس اوجھانوی دریافت کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو تب بھی یہ ہمارے موافق اور احناف کے مخالف ہے کیونکہ ہمارے نزدیک دو رکعت پر سلام پھیر کر تیسری رکعت علیحدہ وتر کی پڑھنی افضل طریقہ ہے جس کی ضروری تفصیل مولانا عبدالرؤف حفظہ اللہ تعالیٰ نے تخریج صلوٰۃ الرسول ص ۵۸۹ (طبعہ ثانیہ) میں کر دی ہے۔ کیونکہ صلوۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ کا یہ ترجمہ ہرگز نہیں کہ دو رکعتوں پر تشہد بیٹھا جائے بلکہ سلام پھیرنا مراد ہے۔ یہ معنی راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک سوال کے جواب میں بتایا ہے۔

ما مثنی مثنی قال ان تسلم فی کل رکعتین (صحیح مسلم ص ۲۵۷ ج ۱)

حضرت عمر سے پوچھا گیا کہ دو رکعت سے کیا مراد ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دو۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۶۶ مولفہ غلام رسول سعید بریلوی)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

وفیہ رد علی من زعم من الحنفیۃ ان معنی مثنی ان یشھد ھن کل رکعتین لان راوی الحدیث اعلم بالمراد بہ

(فتح الباری ص ۳۸۳ ج ۲)

اس میں اس شخص کا رد ہے جو احناف سے یہ خیال کرتا ہے کہ مثنیٰ مثنیٰ کا یہ معنی ہے کہ ہر دو رکعت پر تشہد بیٹھا جائے کیونکہ راوی حدیث زیادہ جانتا ہے۔

حدیث کے مفہوم کو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ”مع الرکعتین“ کے الفاظ پوشیدہ ہیں تو بھی احناف کے خلاف ہے کیونکہ دو دو رکعت پر سلام پھیر کر ہی ایک رکعت وتر پڑھا جائے گا جسے بریلوی مولوی تسلیم کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہیں۔

الجواب اوّلاً: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مثنیٰ مثنیٰ کی مراد کے بارے سوال
نہ کہ وتر کے بارے تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا مثنیٰ مثنیٰ سے مراد ہے دو
رکعت الگ سلام سے پڑھنا۔ حضرت ابن عمر کا مذکورہ ارشاد غیر مقلد کی دلیل تب
جبکہ اس میں وتر کی تصریح ہوتی بہت افسوس کہ غیر مقلد صاحبان دوسروں سے تو
صحیح مرفوع حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں مگر جب اپنا مذہب ثابت کرنا ہو تو
استدلال کرتے ہیں۔

ثانیاً: آپ کسی ایک ہی صحیح حدیث سے ثابت کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم دو رکعتوں پر سلام پھیرتے پھر ایک رکعت وتر الگ پڑھتے اگر ایسا نہ کر سکو
ضد چھوڑو۔

ثالثاً: غیر مقلد صاحب نے اپنے موقف کے ثبوت کے لئے شارح مسلم
غلام رسول سعیدی کے ترجمہ کا سہارا لیا ہے حالانکہ وہ اس کا سہارا نہیں بن سکتا
ترجمہ ظاہر عبارت کا ہوتا ہے اور ظاہر عبارت میں مثنیٰ مثنیٰ کی مراد کے بارے
ہے تو اس کے جواب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کی مراد
دو رکعت پر سلام پھیرنا۔ اس میں وتر کے متعلق سوال و جواب نہیں کہ علامہ
صاحب کا ترجمہ غیر مقلد کے لئے دلیل ہو سکے نیز وہابی صاحب کو علامہ
صاحب کا ترجمہ تو نظر آیا مگر جو انہوں نے علامہ سرخسی کے حوالہ سے مذہب
پر دلائل قائم کیئے وہ نظر نہ آئے تو ہم دکھا دیتے ہیں۔

ان الوتر ثلاثَ رَكَعَاتٍ لَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِي آخِرِهِنَّ عند نا الى قوله ولنا حديث عَائِشَةَ رضى الله تعالى عنها كما روينا فى صفته قيام رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثم يوتر بثلاث و بعث ابن مسعود رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ امه ترا قب وتر رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مذكرت انه اوتر بثلاثَ رَكَعَاتٍ قرأ

فی الاولی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی و فی الثانية قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ و فی الثالثه قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ و قنت قبل الركوع و هذا ذكر ابن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا حين بات عند خالته ميمونة ليراقب و تر رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ و لما رای عمر رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ سعد ايوتر بركعة فقال ما هذا البتيراء و انما قال ذٰلِكَ لان الوترا اشتشهر اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نهی عن البتيراء و قال ابن مسعود رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ واللّٰه ما اجزأت ركعة قط ولانه لوجاز لاكتفاء بركعة فی شئ من الصلوات لدخل فی الفجر قصر بسبب السفر

ترجمہ: وتر میں تین رکعت ہیں جن میں ہمارے نزدیک آخر کے بعد میں سلام پھیرا جائے گا۔ ہماری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ حدیث ہے جس کو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت قیام میں بیان کر چکے ہیں اس میں ہے کہ آپ آٹھ رکعت پڑھنے کے بعد تین رکعت وتر پڑھتے پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی پڑھی دوسری میں قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور رکوع جانے سے پہلے دعا قنوت پڑھی۔ اس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا جب انہوں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کے مشاہدہ کے لئے رات گزاری اور جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک رکعت وتر پڑھتے دیکھا تو فرمایا یہ تم کیسی دم بریدہ نماز پڑھتے ہو تو دوگانہ نماز پڑھوں ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔ حضرت عمر نے یہ بات اس وجہ سے کہی تھی کہ یہ

بات مشہور تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم بریدہ (ایک رکعت) نماز سے منع فرمایا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا قسم بخدا میں ایک رکعت نماز کو ہرگز کافی نہیں سمجھتا نیز اگر ایک رکعت نماز مشروع ہوتی تو سفر کی وجہ سے فجر کی نماز کو قصر کر کے ایک رکعت نماز پڑھنا جائز ہوتا۔ (شرح مسلم للعلامہ سعیدی جلد ثانی صفحہ ۴۸۰ تا ۴۸۱ رابعاً)

غیر مقلد کا یہ کہنا کہ ہمارے نزدیک دو رکعت پر سلام پھیر کر تیسری رکعت علیح
ایک وتر پڑھنی افضل طریقہ ہے۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ غیر مقلد صاحب ا
مذہب کی ترجمانی کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ صاحب اپنی مذہبی کتب سے بھی بے خبر
کیونکہ ان غیر مقلدوں کی کتب میں اس کے خلاف طریقہ کو یعنی تین رکعتوں
درمیان میں سلام نہ پھیرنے کو ترجیح دی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ صلوٰۃ الرسول کے مصن
محمد صادق سیالکوٹی صاحب صفحہ ۳۰۵ پر وتر کے طریقہ پر احادیث لانے کے بعد ا
مفاد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

دوسری یہ بات ثابت ہوئی کہ آپ ہر رکعت کے بعد التحیات نہیں بیٹھتے تھے
آخری شفع میں بیٹھ کر کھڑے ہو جاتے اور پھر آخری طاق رکعت پڑھ کر حسب معم
سلام پھیر دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محمد صادق سیالکوٹی کے نزدیک حد
سے ثابت شدہ طریقہ درمیان وتر سلام نہ پھیرنا بلکہ آخر میں پھیرنا ہے جبکہ اس
برعکس نام نہاد دین الحق کا مصنف دو رکعت پر سلام پھیر کر ایک رکعت الگ پڑ
افضل طریقہ بتاتا ہے۔ دوم فتاویٰ اہلحدیث جلد دوم صفحہ ۲۹۱ تا ۲۹۲ پر غیر مقلدو
کے امام عبداللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک صریح روایت میں بھ
ہے کہ آپ تین وتر میں درمیان میں نہیں بیٹھتے تھے۔ تلخیص میں ہے:

اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُوْتِرُ بِثَلٰثٍ لَا یَجْلِسُ اِلَّا فِیْ اٰخِرِھِنَّ ۔ احمد النسائی البیھقی و الحاکم من روایۃ عَآئِشَۃَ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے تھے۔ ان کے درمیان میں نہیں بیٹھتے تھے۔

اس کے حاشیہ پر ہے اگر کہا جائے کہ بعض سلف سے نماز مغرب کی طرح پڑھنا ثابت ہے چنانچہ قیام اللیل میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قیام اللیل میں سلف کا عمل دو طرح لکھا ہے یعنی نماز مغرب کی طرح بھی اور بغیر التحیات اور سلام کے بھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دلیل کی رو سے کس کو ترجیح ہے یا بہتر صورت کون سی ہے تو دلیل کی رو سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ تین رکعت وتر بغیر التحیات اور بغیر سلام کے پڑھنے چاہئیں۔ حاشیہ مذکورہ فتاویٰ صفحہ ۲۹۱ اس سے معلوم ہوا کہ وہابی صاحب نے جس کو افضل طریقہ قرار دیا ہے وہ سلف سے بھی منقول نہیں اور انہی کا غیر مقلد جس کو ازروئے دلیل ترجیح دے رہا ہے اس کے بھی خلاف ہے۔ یہ حال ہے اس وہابی کا کہ اپنی مذہبی کتب کا بھی علم نہیں رکھتا مگر نام کا محقق و مصنف بنا ہوا ہے اور مفتی اعظم احمد یار خاں نعیمی رحمتہ اللہ علیہ پر بے جا اعتراضات کر رہا ہے اور بے تکے استدلال کر رہا ہے۔ اب جاء الحق سے غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۳ اور مفتی صاحب سے اس کا جواب ملاحظہ ہو۔

مسلم شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ الوتر رکعة من آخر اللیل وتر آخر رات میں ایک رکعت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وتر صرف ایک رکعت ہے۔ جواب اس کا جواب بھی دوسرے اعتراض کے جواب سے معلوم ہو گیا کہ وہابی اس کے معنی کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے۔ اکیلی سب رکعتوں سے علیحدہ اس صورت میں یہ حدیث بہت احادیث کے مخالف ہو گی اور احادیث کا جمع ہونا ناممکن ہو گا۔ حنفی اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے۔ دو کے ساتھ جس کی تفسیر دوسری وہ حدیثیں ہیں جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔ یا اس حدیث میں وتر بمعنی اسم فاعل ہے یعنی تہجد کی نماز کو طاق بنانے والی ایک رکعت ہے کہ یہ دو

سے مل کر ساری نماز کو وتر بنا دیتی ہے کہ نمازی نے آٹھ رکعت تہجد پڑھی پھر جب وتروں کی نیت باندھی جب تک دو رکعتیں پڑھیں تو نماز جفت ہی رہی جب ان دو رکعتوں سے ایک رکعت اور ملا دی تو طاق یعنی گیارہ رکعتیں بن گئیں۔ اس صورت میں یہ حدیث دوسری حدیثوں سے موافق ہوگئی۔ احادیث کا تعارض دور کرنا ضروری ہے۔ اس پر غیر مقلد کے اعتراض: دو کے ساتھ حدیث کے کن الفاظ کا معنی ہے یقین جانئے کہ یہ متن حدیث میں اپنی طرف سے تصرف ہے جسے شارع علیہ السلام نے بیان نہیں کیا۔ یہ بھی جھوٹ ہے کہ حنفی اس کا یہ معنی کرتے ہیں میرے سامنے اس وقت مولوی عابد الرحمٰن صدیقی کا ترجمہ صحیح مسلم ہے جس میں وہ یہ معنی کرتے ہیں کہ آخر رات میں وتر ایک رکعت ہے۔ یہ غلط بیانی ہے کہ دوسری احادیث میں اس کی تفسیر مع الرکعتین موجود ہے۔ ہماری طرف سے پوری حنفیت کو عام دعوت ہے کہ وہ ایسی کوئی صحیح صریح حدیث پیش کریں جس کی یہ عبارت ہو کہ الوتر رکعة مع الرکعتین آخر اللیل وتر ایک رکعت ہے دو کے ساتھ ملا کر آخر رات میں لیکن یقین جانئے کہ علماء بریلی اپنے رفقاء سمیت مل کر سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود ایسی حدیث پیش نہیں کر سکتے نام نہاد دین الحق ص ۴۲۳ تا ۴۲۴

الجواب اوّلاً: مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی جاء الحق سے ہم نے پوری عبارت لکھ دی ہے جو شاہد ہے کہ آپ نے ترجمہ حدیث میں دو کے ساتھ کا اضافہ نہیں کیا بلکہ آپ نے ان احادیث کے پیش نظر جو تین رکعت وتر بیک سلام پڑھنے پر صریح ہیں کے موافق کرنے کے لئے حدیث کی مراد بیان کی کہ وتر ایک رکعت ہے دو کے ساتھ جبکہ وہابی صاحبان اپنا مقصد پورا کرنے کو ان صریح الدلالت احادیث کو نظر میں نہ لاتے ہوئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زیر بحث روایت کا ترجمہ کرتے ہیں۔ وتر ایک رکعت ہے آخر رات میں۔

ثانیاً: یہ وہابی صاحب کی جہالت یا خبث باطنی کا مظاہرہ ہے کہ کسی حنفی نے زیر

بحث روایت کا یہ معنی نہیں کیا کہ وتر ایک رکعت ہے دو کے ساتھ۔ ہم اپنے احناف سے یہ معنی دکھا دیتے ہیں ملاحظہ ہو۔ ملا علی قاری علیہ رحمتہ الباری حنفی مرکاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۶۱ پر امام طحاوی حنفی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد لکھتے ہیں۔

تین وتروں پر امام طحاوی کی عقلی دلیل

وَقَالَ الطَّحَاوِیُّ مَعْنَاهُ صَلّٰی رَکْعَةً مَعَ ثِنْتَیْنِ قَبْلِهَا وَمَذْهَبُنَا قَوِیٌّ مِنْ جِهَةِ النَّظْرِ لِاَنَّ الْوِتْرَ لَا یَخْلُوْ اَنْ یَّکُوْنَ فَرْضًا اَوْ سُنَّةً فَاِنْ کَانَ فَرْضًا فَالْفَرْضُ لَیْسَ اِلَّا رَکْعَتَیْنِ اَوْ ثَلٰثًا اَوْ اَرْبَعًا وَاَجْمَعُوْا عَلٰی اَنَّ الْوِتْرَ لَا یَکُوْنُ ثِنْتَیْنِ وَلَا اَرْبَعًا فَیُثْبُتُ اَنَّهٗ ثَلٰثٌ وَاِنْ کَانَ سُنَّةً فَلَمْ نَجِدْ سُنَّةً اِلَّا وَلَهَا مِثْلٌ فِی الْفَرْضِ ۔

امام طحاوی نے فرمایا کہ صلی رکعۃ کا معنی ہے کہ ایک رکعت کو اس سے پہلی دو رکعتوں کے ساتھ پڑھا اور ہمارا مذہب جہت قیاس سے بھی قوی ہے کیونکہ سوا اس کے نہیں کہ یا وتر فرض ہیں یا سنت پس اگر فرض ہیں تو فرض نہیں ہیں مگر دو رکعت یا تین یا چار رکعت اور اس پر اجماع امت ہے کہ وتر نہ دو ہیں نہ چار تو ثابت ہوا کہ وہ تین رکعت ہیں اور اگر سنت ہوں تو ہم ایسی سنت نہیں پاتے جس کی مثل فرض میں نہ ہو۔

مراد یہ کہ ایک وتر ماننے پر وہ فرض وسنت دونوں کے خلاف ہوگا حالانکہ اسے فرض وسنت کے عدد میں خلاف نہیں ہونا چاہئے۔ یاد رہے کہ علامہ ملا علی قاری نے امام طحاوی کے مذکورہ ارشاد کو بطور دلیل پیش کیا ہے لہٰذا یہ معنی دو حنفیوں سے ثابت ہوا۔ شبیر احمد عثمانی دیوبندی فتح مسلم شرح مسلم ج ۲ ص ۲۸۸ پر لکھتے ہیں۔

اَیْ بِوَاحِدَةٍ مَضْمُوْمَةٍ اِلٰی شَفْعِهَا

یعنی ایک رکعت کے ساتھ وتر بناتے جو اپنے شفع سے ملی ہوتی (یعنی پہلی دو رکعتوں سے حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۳۸۵

پر فرماتے ہیں۔

وَاسْتَدَلَّ بِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلِّ رَكْعَةً وَّاحِدَةً عَلٰى اَنَّ فَصْلَ الْوِتْرِ اَفْضَلُ مِنْ وَصْلِهٖ وَ تُعُبِّبَ بِاَنَّهٗ لَيْسَ صَرِيْحًا فِى الْفَصْلِ فَيَحْتَمِلُ اَنْ يُّرِيْدَ بِقَوْلِهٖ صَلِّ رَكْعَةً وَّاحِدَةً اَىْ مُضَافَةً اِلٰى رَكْعَتَيْنِ مِمَّا مَضٰى

اور استدلال کیا گیا حضور کے ارشاد سے کہ ایک رکعت پڑھ۔ اس بناء پر کہ و میں فصل اسے ملا کر پڑھنے سے افضل ہے اور تعقب کیا گیا کہ روایت صَلِّ رَكْعَ (ایک وتر الگ پڑھنے) میں صریح نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ ایک رکعت پڑھ ارشا سے مراد ایک رکعت پہلی دو کی طرف مضاف ہو۔ اس بیان سے مفتی احمد یار خاں نعیم رحمتہ اللہ علیہ کے موقف کی وضاحت ہوئی کہ احناف اس کا معنی کرتے ہیں ایک رکعت دو کے ساتھ اور وہابی کے جھوٹ یا جہالت کا بھی پول کھلا کہ یہ معنی کسی حنفی نہیں کیا۔

ثالثاً: امام بیہقی نے اپنی سنن بیہقی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہا کی زیر بحث روایت کے تمام طرق بیان کئے ہیں جن کے مشاہدہ سے پتہ چلتا ہے کہ الوتر رکعہ من آخر اللیل کے لفظ بیان کرنے میں۔ ابومجلز منفرد ہے باقی سب رواۃ اپنی روایتوں میں اور الفاظ بھی ذکر کرتے ہیں مثلاً یحیٰی نافع اور عبداللہ بن دینار سے اور د دونوں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں جس میں ہے کہ

اِنَّ رَجُلاً سَئَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلٰوةِ اللَّيْلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا خَشِىَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلِّ رَكْعَةً وَّاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى (ج ۳ ص ۱۲۱)

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز (تہجد و وتر)

کے بارے پوچھا تو آپ نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے جب تم میں سے کوئی طلوع صبح کا اندیشہ کرے تو ایک رکعت ساتھ اور پڑھ لے وہ اس کو وتر کر دے گی جو وہ پڑھ چکا۔

حضرت سالم بن عبداللہ اپنے باپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یوں بیان کرتے ہیں:

قَالَ سَئَلَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ صَلٰوةِ اللَّيْلِ فَقَالَ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا خِفْتَ الصُّبْحَ فَاَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ

یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ مسلمانوں سے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ رات کی نماز کس طرح ہے تو فرمایا دو دو رکعت پھر جب تجھے طلوع فجر کا خوف ہو تو ایک رکعت سے وتر کر۔

اس سے اوپر والی حدیث میں آیا کہ جب تم میں سے کوئی صبح کا خوف کرے تو ایک رکعت اور پڑھ لے تو وہ وتر کر دے گی ما قد صلی کو جو وہ پڑھ چکا۔ ایک اور حدیث میں (ما مضی) لفظ آئے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ پہلی دو سے تبھی ملے گی جب کہ دو پر سلام نہ پھیرا ہو ورنہ یہ ایک رکعت الگ ہو جائے گی پہلی دو سے مل کر تین رکعت نہ ہو گی اور کوئی سینہ زوری سے کہہ کہ سلام پھیرنے کے باوجود پہلی سے مل جائے گی تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ یہ رکعت پہلی دو سے ملے گی یا سب سے اگر دو سے ملنے کا کہو تو یہ ترجیح بلا مرجح ہے جو کہ اصولاً جائز نہیں کیونکہ حدیث میں ہے تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى اگر سب کو جو پڑھ چکا کو وتر بنائے تو وتر گیارہ ہوئے جس کا قائل و فاعل کوئی بھی نہیں نیز اگر وتر ایک رکعت ہوتے تو پھر یہ فرمانے کی حاجت کیا تھی کہ جب تجھے صبح ہونے کا خوف ہو تو ایک رکعت پڑھ لے مطلق فرما دیا جاتا کہ وتر ایک

رکعت ہے خوف کی قید لگانا ظاہر کرتا ہے کہ جب وقت میں نئے سرے سے پڑھنے کی گنجائش نہ رہے تو جو پڑھ رہے ہو دو پر سلام نہ کہو بلکہ تشہد کے بعد تیسری رکعت پڑھ کر تین وتر بنالو۔

رابعاً: غیر مقلد کا مطالبہ کہ احناف کوئی صحیح صریح حدیث پیش کریں جس کی عبارت ہو کہ (الوتر رکعة مع الرکعتین) اس کا جواب ہے کہ وہابی صاحب مذکورہ الفاظ کے ساتھ حدیث دکھانے کا مطالبہ تو تب کریں جبکہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دعویٰ کیا ہو کہ ان الفاظ کے ساتھ حدیث موجود ہے۔ انہوں نے تو فرما ہے کہ حنفی اس کا معنی کرتے ہیں۔ وتر ایک رکعت ہے دو کے ساتھ۔ اس کی تفسیر و احادیث ہیں جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔ فقیر کہتا ہے ایک آیت کا دوسری آیت یا ایک حدیث کا دوسری حدیث کی تفسیر ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ دوسری میں الفاظ موجود ہوں جو تفسیر کریں بلکہ یہ بھی تفسیر کرنے کو کافی ہے کہ دوسری کسی طور پر تفسیر کا تقاضا کرے تو یہ تقاضا کہ وتر ایک رکعت ہے دو کے ساتھ و حدیثیں تقاضا کرتی ہیں جو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کی پہلی فصل میں پیش کی ہیں جن کو ہم نے مع عربی عبارت و اردو ترجمہ لکھ دیا ہے یہاں صرف اس غرض سے کہ قاری نہیں جان سکے گا کہ کون کون سے حدیث مذکورہ تفسیر کا تقاضا کرتی ہے کچھ کا ترجمہ لکھ رہا ہوں۔ حدیث نمبر ۱ تا ۴ نسائی، طحاوی، طبرانی صغیر، مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے سلام نہ پھیرتے مگر آخر میں حدیث نمبر ۵ اور ۶ دار قطنی اور بیہقی سے ہے جس کے راوی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں اس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین وتر پڑھے۔ حدیث نمبر ۷ طحاوی سے ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ حدیث نمبر ۸ نسائی کے حوالہ سے ہے جس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے تین وتر پڑھے۔ ان کے علاوہ بھی تین رکعت وتر پر اس فصل میں صریح حدیثیں ہیں جو مقتضی ہیں کہ زیر بحث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کا معنی ایک رکعت وتر ہے دو کے ساتھ کرنا چاہئے ورنہ یہ روایت تین رکعت وتر پر صریح حدیثوں کے خلاف ہو جائے گی۔ مگر وہابی جی کو یہ سوچ نہیں بلکہ اپنے مذہب نامہذب کی فکر ہے اب جاء الحق سے غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۴ اور مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا جواب ملاحظہ ہو۔ ابوداؤد، نسائی شریف نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، اَللّٰهُ وِتْرٌ يَحِبُّ الْوِتْرَ فَاَوْتِرُوْا يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ

فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ وتر (بے جوڑ ہے) وتر کو پسند فرماتا ہے پس وتر پڑھا کرو۔

اے قرآن ماننے والو! حنفی بتائیں کہ اللہ ایک ہے یا تین جب وہ ایک ہے تو وتر بھی ایک ہی رکعت چاہئے نہ کہ تین حضور نے نماز وتر کو رب تعالیٰ کے وتر ہونے سے مثال دی۔

جواب:

اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر وہابیوں کو چاہئے کہ مغرب کے فرض بھی ایک رکعت پڑھا کریں نہ کہ تین کیونکہ مغرب کے فرض دن کے وتر ہیں اور یہ وتر رات کے وتر ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اور ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں اگر وہابی کہیں کہ دوسری روایتوں میں آ گیا ہے کہ حضور مغرب کے فرض تین پڑھتے تھے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بھی روایتوں میں آ گیا ہے کہ حضور وتر بھی تین پڑھتے تھے دیکھو پہلی فصل۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کی محض وتریت یعنی

طاق بے جوڑ ہونے میں مثال دی ہے نہ کہ ایک ہونے میں تین بھی وتر ہے۔ ایک بھی وتر تمثیل میں ادنیٰ مناسبت کافی ہوتی ہے۔ ہر طرح مثل ہونا ضروری نہیں اس لئے حضور نے وتر فرمایا واحد، نہ فرمایا یعنی یہ نہ فرمایا کہ اللہ ایک ہے ایک رکعت کو پسند فرماتا ہے دیکھو رب فرماتا ہے (مثل نورہٖ کمشکوٰۃ فیها مصباح)

اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جس میں چراغ ہے یہاں رب تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال چراغ سے دی۔ مطلقاً نورانیت میں اب اگر کوئی کہے چراغ میں تیل بتی ہوتی ہے تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے نور میں بھی روغن بتی ہو تو اس کی حماقت ہے۔ ہم کہتے ہیں فلاں شخص شیر ہے مطلب ہوتا ہے کہ صرف طاقت میں شیر کی طرح ہے یہ نہیں کہ اس کے دم اور پنجہ بھی ہے۔

اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض:

اولاً نماز مغرب کے وتر النہار ہونے پر کوئی مرقوعاً صحیح حدیث مروی نہیں۔ مفتی صاحب نے اس سلسلہ میں جو بھی زیب رقم فرمایا اس کی حقیقت آگے اپنے مقام پر تفصیل سے آ رہی ہے۔

نام نہاد دین الحق ص ۴۲۵

الجواب اوّلاً: اگر غیر مقلد کو فرض مغرب کو دن کے وتر کہنے پر کوئی صحیح مرفوع حدیث نظر نہیں آئی تو ہم دکھا دیتے ہیں۔ علامہ ابن البر لکھتے ہیں:

قُلْتُ اَخْرَجَهُ النَّسَائِیُّ مِنْ حَدِیْثِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَیَّاضٍ عَنْ هَشَّامِ بْنِ غَسَّانَ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ سِیْرِیْنَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ وِتْرُ صَلٰوةِ النَّهَارِ فَاَوْتِرُوْا صَلٰوةَ اللَّیْلِ ۔ وَهٰذَا السَّنَدُ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ

میں کہتا ہوں اسے نسائی نے ابن عمر کی حدیث سے روایت کیا یعنی مذکورہ سند سے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں تو رات کی نماز کو بھی وتر کرو۔

اور یہ سند شیخین کی شرط پر ہے۔

الجوہر النقی علی البیہقی ج ۳ ص ۳۱ موطأ محمد ص ۱۴۷ پر ہے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ صَلٰوۃَ الْمَغْرِبِ وِتْرُ صَلٰوۃِ النَّھَارِ

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ فرمایا مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں۔

اسی روایت کے متعلق (التعلیق المجد علی موطا محمد میں ہے)

رَوَاہُ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ مَرْفُوْعًا مِّنْ حَدِیْثِ اِبْنِ عُمَرَ بِلَفْظٍ صَلٰوۃَ الْمَغْرِبِ وِتْرُ صَلٰوۃِ النَّھَارِ فَاَوْتِرُوْا صَلٰوۃَ اللَّیْلِ ۔ قَالَ الْعِرَاقِیُّ سَنَدُہٗ صَحِیْحٌ

اسے روایت کیا ابن ابی شیبہ نے مرفوعاً حضرت ابن عمر سے ان لفظوں سے کہ نماز مغرب دن کے وتر میں تو رات کی نماز کو بھی وتر کرو۔

علامہ عراقی نے کہا کہ سند اس کی صحیح ہے فتح الملہم شرح مسلم ج ۳ ص ۲۹۲ پر ہے۔

وَرَوَی الطَّحَاوِیُّ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اِنَّ الْوِتْرَ کَوِتْرِ النَّھَارِ وَ عِنْدَ مَالِکٍ اِنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ صَلٰوۃَ الْمَغْرِبِ وِتْرُ صَلٰوۃِ النَّھَارِ ۔ وَقَدْ اَخْرَجَہُ اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ مَرْفُوْعًا عَنْہُ بِاِسْنَادٍ صَحِیْح کَمَا قَالَہُ الزَّرْقَانِیُّ عَنِ الْعِرَاقِیِّ

اور روایت کیا اسے طحاوی نے ابن عمر سے کہ فرمایا وتر دن کے وتر کی طرح ہیں اور مالک کے نزدیک لفظ ہیں کہ نماز مغرب وتر دن کی نماز کے ہیں اور اسے ابن ابی شیبہ نے ان سے مرفوع روایت کیا۔ صحیح اسناد

سے جیسا کہ یہ زرقانی نے عراقی سے بیان کیا۔

مندرجہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ نماز مغرب پر وتر (طاق) کا اطلاق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت ہے مگر وہابی اس صحیح مرفوع حدیث کے منکر ہیں وہ نماز مغرب کی طرح تین وتر متصل ایک سلام سے پڑھنا نہیں مانتے۔

غیر مقلد صاحب کا دوسرا اعتراض:

اگر مغرب کی نماز وتر ہے تو یہ خود احناف کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک وتر کی تمام رکعات میں قرأت کرنا اور قنوت پڑھنا واجب ہے جبکہ احناف کے نزدیک مغرب میں یہ مشروط نہیں نہ تو قنوت ضروری ہے (بلکہ پڑھ ہی نہیں سکتا) اور نہ ہی تمام رکعات میں قرأت واجب ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۴۲۵)

وہابی کا احناف پر غلط الزام اور اس کا جواب

الجواب: احناف پر خلاف کا الزام تو تب درست ہو جبکہ مشبہ کو مشبہ بہ سے تشبیہ دینے میں مِنْ کُلِّ وُجُوْہٍ مطابقت شرط ہو جب یہ شرط ہی نہیں بلکہ مشبہ اور مشبہ بھی کی تشبیہ میں ادنیٰ مناسبت اور صفات میں سے ایک صفت میں مشترک ہونا کافی ہے تو وتر اور نماز مغرب کی تشبیہ میں بھی یہ صفت مشترک کافی ہے کہ یہ دونوں نمازیں طاق ہیں اور ایک سلام سے پڑھی جاتی ہیں۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی طریقہ اور کیفیت سے پڑھی جائیں تب تشبیہ درست ہو ورنہ نہیں۔

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض:

قارئین کرام اگر مذکورہ عبارت اردو زبان میں ہے جو کہ ہماری قومی زبان ہے تو آپ ہی بتائیے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ یقین جانئے کہ ہم نے بارہا حسن ظن سے پڑھا ہے بلکہ بار بار غور کیا ہے مگر اس عبارت کا یہی مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ طاق

ہے۔ پھر طاق کی بھی حضرت مفتی صاحب نے اگلی سطر میں صراحت کر دی کہ یعنی یہ نہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ ناظرین کرام ان پر دو عبارات کو مکرر ملاحظہ کیجئے یہاں مفتی صاحب نے اللہ تعالیٰ کو طاق (ایک سے زیادہ) قرار دیا جبکہ رب تعالیٰ نے اسے کفر قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (مائدہ آیت ۷۴)

بے شک! کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں اللہ تین خداؤں کا تیسرا ہے (مولوی احمد رضا)

آہ! مفتی صاحب حدیث کو قبول کرنے کی بجائے اسلام کو بھی سلام کر بیٹھے ہیں۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۲۵

وہابی کی مفتی صاحب پر الزام تراشی کا جواب

الجواب اوّلاً: برادران اسلام! مفتی صاحب نے وتر کا معنی طاق و بے جوڑ کیا جس پر وہابی صاحب نے اعتراض کر دیا کہ مفتی صاحب نے رب تعالیٰ کو طاق کہہ کر ایک سے زیادہ قرار دیا ہے پھر اس پر کفر کا اطلاق کر دیا اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا حدیث میں نہیں آیا کہ اللہ وتر ہے اور کیا مفتی صاحب نے اس کا معنی طاق و بے جوڑ اپنے پاس سے کیا ہے یا کہ وتر کا یہی معنی ہے۔

وتر کی معنوی تحقیق

رب تعالیٰ سورۃ فجر میں ارشاد فرماتا ہے: وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ مولوی ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد تفسیر ثنائی میں اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ اور قسم ہے ہر جفت چیز کی اور قسم ہے ہر طاق چیز کی۔ صاحب احسن التفاسیر سید احمد احسن غیر مقلد لکھتے ہیں اور قسم جفت اور طاق کی۔ ترجمۃ القرآن فوائد سلفیہ میں ہے اور قسم ہے جفت کی اور طاق کی۔ اسی ترجمۃ القرآن فوائد سلفیہ کے حاشیہ پر ہے۔ عید کا دن جفت ہے اس لئے کہ دسواں دن ہے اور عرفہ کا دن طاق ہے کیونکہ وہ نواں دن ہے۔ ابن کثیر اپنی تفسیر میں

(وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ) کے تحت لکھتے ہیں:

قَدْ تَقَدَّمَ فِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ اِنَّ الْوِتْرَ یَوْمُ عَرْفَةَ لِکَوْنِهِ التَّاسِعُ وَاِنَّ الشَّفْعَ یَوْمُ النَّحْرِ لِکَوْنِهِ الْعَاشِر وَقَالَهُ اِبْنُ عَبَّاسٍ وَ عِکْرَمَةُ وَالضَّحَاكُ ایضاً۔

بے شک اس حدیث میں گزر چکا ہے کہ وتر عرفہ کا دن ہے۔ واسطے ہونا اس کے نواں اور شفع قربانی کا دن ہے واسطے ہونا اس کے دسواں اور نیز اسے بیان کیا۔ ابن عباس اور عکرمہ اور ضحاک رضی اللہ عنہم نے۔

شوکانی غیر مقلد صاحب نے اپنی تفسیر فتح القدیر میں وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ کی تفسیر پر یہ حدیث پیش کی ہے:

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال اشفع اليومان والوتر اليوم الثالث

حضرت جابر سے ہے کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شفع دو دن ہیں اور وتر تیسرا دن ہے۔

غیر مقلدوں کی ان مذکورہ تفسیروں اور ترجموں سے معلوم ہوا کہ وتر کا معنی طاق ہے اور حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ وتر کا معنی نواں اور تیسرا طاق دن ہے تو اسی لفظ وتر کا معنی مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے طاق کیا جس پر وہابی جی نے کہا کہ طاق کا معنی ایک سے زیادہ ہے لہٰذا اللہ پر اس معنی کا اطلاق کرنے پر کفر لازم آتا ہے میں پوچھتا ہوں وہابی صاحب تمہارے ان وہابیوں پر کفر لازم نہ آیا جنہوں نے وتر کا معنی طاق کیا پھر حدیث شریف میں وتر کا معنی نواں اور تیسرا طاق دن آیا ہے تو کیا ان کے بارے آپ کیا فتویٰ صادر فرماتے ہیں۔ اب لغات سے وتر کا معنی ملاحظہ ہو۔ وتر بالکسرہ اور بالفتح کا معنی تنہا اور طاق ہے یا ہر وہ عدد جو طاق ہو۔ منتھی الارب وتر بالکسر تنہا وطاق کہ بمقابلہ جفت است غیاث اللغات وتر بالکسرہ کا معنی تنہا اور طاق ہے جو

کہ بمقابلہ جوڑا ہے۔ الوتر و الوتر بے مثل بدلہ لینا یا بدلہ لینے میں ظلم کرنا ہے۔ المنجد

الوتر و الوتر بے جوڑ، طاق، بدلہ یا بدلہ لینے میں ظلم کرنا ہے۔ مصباح اللغات،

ثانیاً: وہابی جی ایسے غبی الذہن ہیں کہ خود کہہ رہا ہے کہ میں نے مفتی صاحب کی زیر بحث عبارت کو بارہا دیکھا ہے مگر سمجھا پھر بھی نہیں مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے یہاں حدیث شریف کے الفاظ سے نکتہ بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر اور نماز وتر پر وتر کا اطلاق کیا کہ اللہ وتر ہے اور وتر کو پسند فرماتا ہے یہ نہ فرمایا کہ اللہ واحد ہے اور واحد کو پسند فرماتا ہے جب ایسا فرمایا جاتا پھر تو وہابیوں کی ایک وتر پر دلیل بنتی۔ لفظ وتر میں یہ نہیں بنتی کیونکہ وتر کا اطلاق اس چیز یا عدد پر ہوتا ہے جو بے جوڑا ہو اس معنی میں ایک بھی شامل ہے کیونکہ اس کے ساتھ دوسرا نہیں اور وہ بھی جو جوڑوں کے بعد اکیلا رہ جائے تین میں تیسرا۔ پانچ میں پانچواں وغیرہ لیکن افسوس کہ وہابی بے عقل سیدھی اور درست بات کو الٹی سمجھ کر کفر کا فتویٰ صادر کر رہا ہے۔

وتر اللہ کی صفت ہے

(لفظ وتر کی توجیہ) جب وتر کے معانی متعدد ہیں جیسا کہ ابھی لغات سے معلوم ہو چکا اور وتر اللہ تعالیٰ کی صفت واقع ہوا ہے لہٰذا اس کے وہ معنی کئے جائیں جو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی شان کے لائق ہوں مثلاً بے مثل بے جوڑ لاثانی لاشریک وغیرہ۔

غیر مقلد کا چوتھا اعتراض: مفتی صاحب کا نبی رحمت رسول مکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام کہ آپ نے اللہ کو وتر فرمایا یہ صرف مفتی جی کا خیال ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن اس سے رب کعبہ کی قسم پاک ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۲۵ اور ۴۶۶

وہابی کفر کی زد سے نہیں بچ سکتا

الجواب اوّلاً: اس اعتراض کے تحت مذکورہ عبارت کے پیش نظر نام نہاد دین الحق کے مصنف کو کوئی نام نہاد اہل حدیث کفر کی زد سے نہیں بچا سکتا کیونکہ وتر اللہ کی

صفت واقع ہوا ہے جس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہے جبکہ یہ صاحب اللہ کی اس صفت کا منکر ہو چکا ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھ چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو وتر نہیں کہا حالانکہ یہ صاحب اپنے مذہب کی تائید پر کہ وتر ایک رکعت ہے پر بطور دلیل۔ ابوداؤد، جامع ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند امام احمد، صحیح ابن خزیمہ کے حوالہ سے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث لائی ہے جس کے الفاظ ہیں۔

اللہ وتر ہے وتر کو پسند فرماتا ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یٰاَھْلَ الْقُرْاٰنُ اَوْتِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ

اے قرآن والو وتر پڑھا کرو بے شک اللہ وتر ہے وتر کو پسند فرماتا ہے۔

امام ترمذی نے اسے حسن امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۲۴۔ اللہ تعالیٰ کی صفت وتر کا انکار دراصل وہابی جی کو اللہ کی گرفت ہے کیونکہ ابھی پیچھے اس کی عبارت نام نہاد دین الحق کے صفحہ ۴۲۵ کے حوالہ سے گزری جس میں اس نے بلا وجہ اللہ کے مقرب بندے مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ پر کفر کا فتویٰ لگایا تو اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ اللہ کے مقربین سے عداوت اللہ سے جنگ ہے (اللہ ایسوں کو ہلاکت و بربادی کے راستہ پر چلا دیتا ہے) اب جاء الحق سے غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۵: اور مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے اس کا جواب ملاحظہ ہو۔

بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت کی:

اَوْتَرَ مَعَاوِیَۃُ بَعْدَ الْعِشَآءِ بِرَکْعَۃٍ وَّ عِنْدَہٗ مَوْلٰی اِبْنِ عَبَّاسٍ فَاَتٰی اِبْنَ عَبَّاسٍ فَاَخْبَرَہٗ فَقَالَ دَعْہُ فَاِنَّہٗ قَدْ صَحِبَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی اس

وقت ان کے پاس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام حاضر تھے۔ انہوں نے حضرت ابن عباس سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ انہیں کچھ نہ کہو وہ صحابی رسول ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے یہ فعل صحابی ہے۔ (جواب) یہ حدیث تو احناف کی قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں کیونکہ جب امیر معاویہ نے ایک رکعت وتر پڑھی تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام کو حیرت ہوئی جس کی شکایت حضرت ابن عباس سے کی۔ حیرت و تعجب اس کام پر ہوتا ہے جو نرالا اور عجیب ہے اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ کوئی صحابی ایک رکعت وتر نہ پڑھتے تھے۔ ورنہ نہ انہیں تعجب ہوتا نہ شکایت کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اعتراض کرنے سے منع فرمایا کیونکہ امیر معاویہ مجتہد فقیہ صحابی ہیں۔ فقیہ مجتہد کی غلطی و خطا پر اعتراض جائز نہیں۔ اس کا ذکر اس بخاری کی دوسری روایت میں اس طرح ہے:

> عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيلَ لَهُ هَلْ لَكَ فِيْ اَمِيْرِ مُؤْمِنِينَ مَعَاوِيَةَ مَا اَوْتَرَ اِلَّا بِوَاحِدَةٍ قَالَ اَصَابَ اِنَّهُ فَقِيْهٌ
>
> حضرت ابن عباس سے عرض کیا گیا کیا آپ کو امیر مؤمنین معاویہ پر کوئی اعتراض ہے وہ تو وتر ایک رکعت پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک کرتے ہیں وہ مجتہد عالم فقیہ ہیں۔

صاف معلوم ہوا کہ وتر تمام صحابہ اور خود سیدنا عبداللہ ابن عباس تین رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اس ہی لئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کی شکایت کی گئی مگر چونکہ حضرت امیر معاویہ صحابی ہیں۔ عالم ہیں مجتہد ہیں اور مجتہد فقیہ کی خطا بھی درست ہوتی ہے۔ ان پر اعتراض نہ کرو۔ مہربان من یہ حدیث تو حنفیوں کی دلیل ہے آپ دھوکے سے اپنی دلیل سمجھ بیٹھے۔ یہ تو آپ کے خلاف ہے۔ اس پر

غیر مقلد کا پہلا اعتراض: قارئین کرام! ہم نے آپ کے سامنے مفتی صاحب کی من و عن پوری عبارت نقل کر دی ہے اور اس میں مفتی صاحب نے کئی ایک صریحاً کذب بیانیاں کی ہیں اولاً، حضرت ابن عباس کے غلام کے سوال کرنے کو مفتی صاحب نے اپنی طرف سے حیرت و تعجب قرار دیا ہے پھر اس پر یہ نرالی دلیل دی ہے کہ تب ہی تو انہوں نے آپ سے سوال کیا تھا حالانکہ روایت کے الفاظ محض اس قدر ہی ہیں کہ:

هَلْ لَّكَ فِیْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ مَعَاوِیَةَ مَا اَوْتَرَ اِلَّا وَاحِدَةً

کیا امیر مومنین معاویہ پر کوئی اعتراض ہے کہ وہ نہیں وتر پڑھتے مگر ایک رکعت، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام کے سوال پر تعجب کیا اور کہا کہ تجھے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل چاہئے کہ ایک ایسا شخص جو مجتہد اور فقیہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحبت یافتہ ہے وہ ایک رکعت وتر پڑھتا ہے۔ انہی چیزوں کو ملحوظ رکھ کر امام بخاری نے اس روایت کو کتاب المناقب میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں درج کیا ہے۔ حافظ ابن حجر اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

وَقَوْلُهٗ دَعْهُ اَیْ اُتْرُكْ لِقَوْلِ فِیْهِ وَالْاِنْكَارِ عَلَیْهِ فَاِنَّهٗ قَدْ صَحِبَ اَیْ فَلَمْ یَفْعَلْ شَیْئًا اِلَّا بِمُسْتَنَدٍ وَّفِیْ قَوْلِهٖ فِی الرِّوَایَةِ الْاُخْرٰی اَصَابَ اِنَّهٗ فَقِیْهٌ مَّا یُؤَیِّدُ ذٰلِكَ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۳)

ابن عباس کے قول دعہ کا معنی ہے اس اعتراض کو چھوڑ دے اور ایک رکعت وتر پر انکار بھی کیونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے لہٰذا وہ کوئی بھی (شرعی) کام ایسا نہیں کر سکتے مگر یہ وہ مستند ہو اور دوسری روایت کے الفاظ اصاب انہ فقیہ اس کی تائید کرتے ہیں (انتھی)

الجواب اوّلاً: مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جو حدیث کی تشریحاً مراد بیان کی اسے تو وہابی جی نے کذب بیانیاں کہہ دیا مگر اپنے خودساختہ مذہب کو دلیل فراہم

کرنا مطلوب تھی تو من گھڑت تشریح سے جو چاہا روایت میں داخل کر دیا وہابی جی سے سوال ہے کہ روایت میں یہ کن الفاظ کا معنی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام کے سوال پر تعجب کیا اور کہا کہ تجھے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل چاہئے کہ ایک ایسا شخص جو مجتہد اور فقیہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحبت یافتہ ہے وہ ایک رکعت وتر پڑھتا ہے۔ قربان جائیں ان نام نہاد اہلحدیثوں کی دو رنگی چال پر کہ کوئی اور حدیث کی تشریحاً مراد بیان کرے تو کذب بیانی ہو جائے مگر یہ حضرات جو چاہیں احادیث میں من گھڑت اضافے فرمائیں وہ جائز اور سچ ٹھہرے۔

ثانیاً: مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام کی حیرت وتعجب کے الفاظ کا اضافہ من گھڑت طور پر نہیں کیا بلکہ حدیث سے یہ مراد نکلتی ہے کیونکہ ہر صاحب عقل پر حدیث میں غور کرنے سے عیاں ہو جائے گا کہ اگر ابن عباس اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم ایک رکعت وتر پڑھتے ہوتے تو غلام اپنے آقا ابن عباس سے حضرت امیر معاویہ کے ایک وتر پڑھنے پر شکایت نہ کرتے کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کو وتر پڑھتے نہیں دیکھتا تھا یا خود وہ وتر نہیں پڑھتا تھا اگر ایک رکعت وتر مسنون ہوتا سب صحابہ ایک رکعت پڑھتے ہوتے تو غلام کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک وتر پڑھنے کے ذکر کی حاجت ہی کیا تھی؟

جاء الحق سے غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ٦: اور مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے اس کا جواب ملاحظہ ہو۔ حنفیوں کی عجیب حالت ہے ہم ایک رکعت وتر پڑھیں تو اعتراض کرتے ہیں، امیر معاویہ ایک رکعت وتر پڑھیں تو ان پر کوئی اعتراض نہیں، ہم رفع یدین یا اونچی آمین کہیں تو ہم پر ملامت ہے۔ امام شافعی ہماری سی نماز پڑھیں تو نہ انہیں وہابی کہا جاوے نہ ان پر کوئی اعتراض ہو یہ دو رُخی پالیسی کیسی اور یہ فرق کیوں ہے۔ عام وہابی، جواب جی جہاں بالکل ٹھیک ہے۔ عالم فقیہ مجتہد کی خطا پر بھی ثواب ہے مگر جاہل جب دیدہ دانستہ عالموں سے منہ موڑ کر غلطی کرے تو سزا کا

مستحق ہے اگر سول سرجن سند یافتہ ملازم سرکاری کسی بیمار کو غلط دوا دے دے تو اس پر کوئی عتاب نہیں لیکن اگر کوئی جاہل آدمی یوں ہی اٹکل پچو سے کسی کو غلط دوا کھلا دے تو شرعاً و قانوناً مجرم ہے۔ جج، حاکم کسی ملزم کو سزا دے حق ہے اگرچہ غلطی کرے مگر ایرے غیرے قانون ہاتھ میں لیکر خود ہی لوگوں کو سزا دینے لگے مجرم ہے جیل کا مستحق ہے۔ دیکھو حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما میں خون ریز جنگ ہوئی جس میں یقیناً علی مرتضٰی برحق تھے اور امیر معاویہ خطا پر لیکن ان میں سے گنہگار کوئی نہیں جس کو بھی برا کہا جاوے تو برا کہنے والا بے ایمان ہو جاوے گا۔ قرآن کریم نے حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے ایک مقدمے میں مختلف فیصلوں کا ذکر فرمایا۔

اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۔

جب وہ دونوں حضرات ایک کھیت کے متعلق فیصلہ فرماتے تھے جب اس میں قوم کی بکریاں پھیل گئیں ہم ان کا فیصلہ مشاہدہ فرما رہے تھے پس ہم نے حضرت سلمان علیہ السلام کو سمجھا دیا اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو حکمت و علم بخشا۔

دیکھو کھیت کے اس مقدمہ میں داؤد و سلیمان علیہما السلام دونوں بزرگوں نے علیحدہ علیحدہ فیصلہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ برحق تھا جس کی رب تعالیٰ نے تائید فرمائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ خطا اجتہادی تھی لیکن ان پر کسی قسم کا عتاب ہوا ہرگز نہیں۔ کیوں اس لئے کہ آپ مجتہد مطلق تھے اور مجتہد کی خطا پر عتاب نہیں۔ وہابیو! اگر تم بھی رفع یدین یا اونچی آمین، شافعی بن کر کرو تو تمہیں وہابی نہیں کہا جاوے گا نہ تم سے یہ شکایت ہو تم خود بے علم ہوتے ہوئے قانون ہاتھ میں لے لیتے ہو اور اپنی ذمہ داری پر یہ حرکتیں کر کے دین میں فتنہ واقعہ کرتے ہو اس پر تمہاری

یہ درگت بنتی ہے۔

غیر مقلد کا اس پر پہلا اور دوسرا اعتراض:

اب ترتیب اوران خرافات کا جواب ملاحظہ کریں۔

اولاً! ایک وتر مسئلہ اجتہادی نہیں بلکہ حدیث نبوی (قولی وفعلی) تعامل صحابہ سے ثابت ہے نصوص سے ثابت شدہ امر اجتہادی نہیں ہوا کرتا یہ مفتی صاحب کی کم آگاہی کا نتیجہ ہے۔

ثانیاً: مفتی صاحب کا دعویٰ تو یہ ہے کہ اگر مجتہد عمل میں غلطی کرے تو کوئی عتاب نہیں مگر دلیل فتویٰ کی دے رہے ہیں لہٰذا یہ تقریب تام نہیں جتنی دیر تک مفتی صاحب اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل قائم نہ کریں پھر مفتی صاحب اس دعویٰ میں یہ بھی تسلیم کررہے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کی خطاء اجتہادی تھی اور یہی ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر مجتہد بھی خطا کریں تو وہ خطا ہی ہوتی ہے۔ نام نہاد دین الحق نمبر ۴۳۱

الجواب اوّلاً: اگر غیر مقلد کو اجتہاد کی تعریف معلوم ہوتی تو یہ نہ کہتا کہ وتر کا مسئلہ اجتہاد نہیں وہابی صاحب جب کسی مسئلہ پر دلائل مختلف ہوں تو مجتہد ایک جانب کو ترجیح دیکر اپنا معمول بناتا ہے اس کا نام اجتہاد ہے۔

ثانیاً: اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک رکعت وتر پڑھنا اجتہاد نہ ہوتا حدیث صریح سے ثابت ہوتا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے غلام کی شکایت پر فرماتے کہ تمہیں کیا اعتراض ایک رکعت وتر تو حدیث سے ثابت ہے یہ نہ کہتے کہ اصاب انه فقيه اس نے درست کیا اس لئے کہ وہ (مجتہد) فقیہ ہیں۔ یہ کہنا اس پر دال ہے کہ حضرت ابن عباس کے نزدیک حضرت امیر معاویہ کا ایک وتر پڑھنا اجتہاد تھا۔

ثالثاً: مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے دعویٰ پر کہ مجتہد کی خطا پر عتاب نہیں قابل معافی ہے۔ دلیل قرآن سے دی ہے کہ دیکھو داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ایک

ہی مسئلہ پر فیصلہ مختلف ہے۔ قرآن کی رو سے سلیمان درستگی پر ہیں حضرت داؤد علیہ السلام اجتہادی غلطی پر مگر اللہ سبحانہٗ تعالیٰ دونوں پر راضی ہے۔ داؤد علیہ السلام پر عتاب نہیں فرمایا یہ دلیل ہے کہ مجتہد کو اجتہادی خطا پر گرفت نہیں۔ اس کے باوجود وہابی صاحب کا دلیل طلب کرنا اندھا پن ہے لیکن ہم پھر بھی اس کا مطالبہ نظر انداز نہیں کرتے اسے دلیل دکھا دیتے ہیں ملاحظہ ہو۔

اجتہاد کی فضیلت

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَأَ فَلَهٗ اَجْرٌ قَالَ فَحَدَّثْتُ هٰذَا الْحَدِيْثَ اَبَا بَكْرِ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فَقَالَ هٰكَذَا حَدَّثَنِىْ اَبُوْسَلْمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ وَ قَالَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ ابْنِ الْمُطَّلَبِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِىْ بَكْرٍ عَنْ اَبِىْ سَلْمَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ

صحیح بخاری و مسلم دونوں کی جلد ثانی دونوں کا باب اجر الحاکم اذا اجتہد فاصاب او اخطاء، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب حاکم نے اجتہاد سے فیصلہ کیا درست کیا تو اسے دو اجر ہیں اور جب اجتہاد سے فیصلہ کیا پھر خطا کی تو اسے ایک اجر ہے۔ یزید نے کہا کہ میں نے یہ حدیث ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے بیان کی اس نے تصدیق کی کہ اسی طرح یہ حدیث مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے ابوہریرہ سے بیان کی اور عبدالعزیز بن مطلب نے عبداللہ بن ابی بکر سے اس نے ابوسلمہ سے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی مثل بیان کی۔ صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث سے

روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ مجتہد کو اجتہاد کے بعد معمول میں اجر ہے اگرچہ وہ اجتہاد میں غلطی کر جائے اور امام بخاری اور مسلم نے یہ باب باندھ کر کہ حاکم جب اجتہاد سے فیصلہ کرے تو اسے اجر ہے درستگی پر ہو یا غلطی پر تصدیق کر دی کہ حدیث صحیح اور اپنے ظاہر معنی پر ہے۔

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض:

پھر مفتی صاحب کی ایک دیدہ دلیری ملاحظہ کیجئے فرماتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام مجتہد مطلق تھے حالانکہ نبی مجتہد نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی پیغمبر اپنی طرف سے دین میں اجتہاد کرتا ہے بلکہ نبی اپنے رب کی طرف سے آمدہ وحی کا متبع ہوتا ہے اور یہی چیز نبی اور امتی کے درمیان حد فاصل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ (پ ۷ الانعام آیت ۵۰)

میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ یہی مضمون سورۃ یونس کی آیت ۱۵ اور سورہ احقاف آیت ۹ میں بیان کیا گیا ہے۔ مزید ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ اِنَّمَا اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ (پ ۹ سورہ الاعراف آیت ۲۰۳)

تم فرماؤ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۳۲

انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد کا انکار وہابی کی جہالت ہے

الجواب اوّلاً: غیر مقلد کا کہنا کہ نبی مجتہد نہیں ہوتا جہالت اور انبیاء علیہم السلام کے عظیم الشان وصت کا انکار ہے۔ مجتہد کمال علم و عقل فہم و فراست پر فائز ہوتا ہے جبکہ یہ وصف انبیاء علیہم السلام میں سب سے درجہ اتم ہوتا ہے مگر افسوس کہ جو شخص طائفہ غیر مقلدہ کا ترجمان بنا ہوا ہے اور اپنے کو ہم چو دیگر نست جانتا ہے۔ کہتا ہے نبی مجتہد ہوتا ہی نہیں لیکن جب کہا جائے کہ اللہ سبحانہ، تعالیٰ جھوٹ سے پاک ہے

(جھوٹ نہیں بول سکتا) تو وہابی حضرات کہنے لگتے ہیں۔ جی اگر بندہ جھوٹ بول سکے اور اللہ نہ بول سکے تو بندے کی طاقت اللہ کی طاقت سے بڑھ جائے گی گو ان کے نزدیک اگر جھوٹ گندے وصف کا تعلق اللہ سے نہ جوڑا جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ جو بندوں کو طاقتیں دیتا اور جب چاہے چھینتا ہے اس کی معاذ اللہ طاقت بندوں سے کم ہو جائے گی۔ مگر یہ خیال نہ گزرا کہ اگر امتی مجتہد ہو سکے نبی نہ ہو سکے تو امتی اچھے اور کمال وصف میں نبی سے بڑھ جائے گا حالانکہ اجماع امت ہے کہ نبی میں تمام اچھے اوصاف کمال درجہ کے ہوتے ہیں جب کہ امتی میں یہ بات ضروری نہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد کا ثبوت

ثانیاً: اب دیکھیں کہ مفسرین کرام انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد میں کیا فرماتے ہیں، اول تفسیر روح البیان میں زیر تفسیر آیہ

(وَكُلًّا اٰتَيْنَاهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا) قَالَ فِی التَّاْوِيْلَاتِ النَّجْمِيَّةِ اَیْ حِكْمَةً وَّ عِلْمًا لِيَحْكُمَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مُوَافِقًا لِلْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ بِتَائِيْدِنَا وَاِنْ كَانَ مُخَالِفًا فِی الْحُكْمِ بِحِكْمَتِنَا لِيَتَحَقَّقَ صِحَّةُ اَمْرِ الْاِجْتِهَادِ وَاَنَّ كُلَّ مُجْتَهِدٍ مُصِيْبٌ كَمَا قَالَ فِی الْاِرْشَادِ وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰی اِنَّ الْخَطَاءَ الْمُجْتَهِدِ لَا يَقْدَحُ فِی كَوْنِهٖ مُجْتَهِدًا

تاویلات نجمیہ میں فرمایا کہ مراد ہے حکمت اور علم عطا کیا تا کہ ان دونوں سے ہر ایک علم وحکمت کے موافق فیصلہ کرے ہماری تائید کے ساتھ اور اگرچہ فیصلہ مخالف واقع ہوا۔ ہماری حکمت کے تحت تا کہ امر اجتہاد کی صحت متحقق ہو اور بے شک ہر مجتہد درستگی پر ہے جیسا کہ الارشاد میں فرمایا اور یہ دلالت کرتا ہے اس پر کہ بے شک مجتہد کی خطاء اجتہاد اس کے مجتہد ہونے میں نقص نہیں ڈالتی۔

(دوم) تفسیر نسفی میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے:

وَكَانَ ذٰلِكَ بِاجْتِهَادٍ مِنْهُمَا وَهٰذَا كَانَ فِیْ شَرِيْعَتِهِمْ فَاَمَّا فِیْ شَرِيْعَتِنَا فَلَاضَمَانَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِفْيَةَ وَاَصْحَابِهٖ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بِاللَّيْلِ وَ بِالنَّهَارِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ الْبَهِيْمَةِ سَائِقٌ اَوْ قَائِدٌ وَّعِنْدَ شَافِعِیّ يَجِبُ الضَّمَانُ بِاللَّيْلِ

اور یہ (فیصلہ) ان دونوں کے اجتہاد سے تھا اور یہ حکم ان کی شریعت میں تھا پس بہرحال ہماری شریعت میں تو ضمان نہیں امام ابوحنیفہ اور اس کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے نزدیک عام ازیں کہ چوپائے رات کو اوجاڑا کریں یا دن کو مگر جبکہ چوپاؤں کے ساتھ چرواہا یا نگران ہو اور امام شافعی کے نزدیک رات اوجاڑے کی صورت ضمان واجب ہے۔

(سوم) تفسیر ابن کثیر میں اسی مقام پر ہے:

حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ حُمَيْدٍ اَنَّ اَيَاسَ بْنَ مُعَاوِيَهَ لَمَّا اِسْتِقْضٰی اَتَاهُ الْحَسَنَ فَبَكٰی فَقَالَ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ يَا اَبَا سَعِيْدٍ بَلَغَنِیْ اِنَّ الْقُضَاةَ رَجُلٌ اِجْتَهَدَ فَاَخْطَا فَهُوَ فِی النَّارِ وَرَجُلٌ مَالَ بِهِ الْهَوٰی فَهُوَ فِی النَّارِ وَرَجُلٌ اِجْتَهَدَ فَاَصَابَ فَهُوَ فِی الْجَنَّةِ فَقَالَ الْحَسَنُ الْبَصِيْرِیُّ اِنَّ فِيْمَا قَصَّ اللّٰهُ مِنْ نَبَاِ دَاؤُدَ وَ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَالْاَنْبِيَآءُ حَكَمًا يَرُدُّ قَوْلَ هٰٓؤُلَآءِ النَّاسِ عَنْ قَوْلِهِمْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمَانَ اِذْ يَحْكُمَانِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ، فَاَثْنَی اللّٰهُ عَلٰی سُلَيْمَانَ وَلَمْ يَذُمَّ دَاوٗدَ ثُمَّ قَالَ يَعْنِی الْحَسَنُ اِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَ عَلَی الْحُكَّامِ ثَلَاثًا لَا يَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّلَا يَتَّبِعُوْا فِيْهِ الْهَوٰی وَلَا يَخْشَوْا فِيْهِ اَحَدًا ۔ ثُمَّ تَلَا ۔ يَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِی

الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِیْ وَقَالَ وَلَا تَشْتَرُوْا بِهَا اٰيٰتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا قُلْتُ اَمَّا الْاَنْبِيَآءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَكُلُّهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ مُؤَيَّدُوْنَ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَهٰذَا مِمَّا لَا خَلَافَ فِيْهِ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ الْمُحَقِّقِيْنَ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ ۔ اَمَّا مَنْ سِوَاهُمْ فَقَدْ ثَبَتَ فِیْ صَحِيْحِ الْبُخَارِیِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اجْتَهَدَ الْحَاكِمُ فَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاجْتَهَدَ فَاَخْطَا، فَلَهٗ اَجْرٌ فَهٰذَا الْحَدِيْثُ يَرُدُّ نَصًّا مَا تَوَهَّمَهٗ اِيَاسٌ مِنْ اِنَّ الْقَاضِیْ اِذَا اجْتَهَدَ فَاَخْطَا فَهُوَ فِی النَّارِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ۔

ہمیں حضرت حماد نے حمید سے روایت کی کہ حضرتِ ایاس بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ سے جب قاضی بننے کی درخواست کی گئی تو وہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر رونے لگے۔ انہوں نے پوچھا کہ اے ابوسعید روتے کس لئے ہو۔ فرمایا، مجھے یہ روایت پہنچی کہ اگر قاضی نے اجتہاد کیا پھر غلطی کی تو دوزخ میں جائے گا اور جو (فیصلہ میں) خواہش نفس کی طرف جھکا وہ بھی جہنم میں جائے گا اور جس شخص نے اجتہاد کیا اور درست (فیصلہ) کیا وہ جنتی ہے۔ حضرت حسن نے یہ سن کر فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلے کا ذکر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام اعلیٰ منصب پر ہوتے ہیں۔ ان کے قول سے ان لوگوں کی باتیں رد ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور داؤد اور سلیمان کو یاد کرو جب کھیتی کا ایک جھگڑا نمٹاتے تھے جب رات کو اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں چھوٹیں اور ہم ان کے فیصلے

کے وقت حاضر تھے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی تعروف تو کی مگر داؤد علیہ السلام کی مذمت نہ کی۔

اللہ نے قاضیوں سے تین عہد لئے

پھر حضرت حسن فرمانے لگے سنو اللہ نے قاضیوں سے تین باتوں کا عہد لیا

(۱) یہ کہ وہ حکم بدلنے پر حقیر قیمت نہ لیں
(۲) یہ کہ نفسانی خواہشوں کے پیچھے نہ چلیں
(۳) یہ کہ وہ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ اے داؤد بے شک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا تو لوگوں میں حق فیصلہ کرتے رہو اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی اور لوگوں سے مت ڈرو مجھ ہی سے ڈرو اور فرمایا میری آیتوں کے بدلے حقیر دام نہ لو۔ میں کہتا ہوں کہ سب انبیاء علیہم کے معصوم ہونے اور مؤید من اللہ ہونے میں تو علماء محققین سلف و خلف میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں اور ان کے یعنی نبیوں کے علاوہ میں صحیح بخاری میں ثابت ہوا ہے۔ عمرو ابن العاص سے کہ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حاکم نے اجتہاد کیا پس درست فیصلہ کیا تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جس نے اجتہاد کیا اور پھر غلطی کی تو اسے ایک اجر ہے پس یہ حدیث بطور نص وارد ہے۔ اس کے خلاف جو وہم ہوا ایاس بن معاویہ کو کہ جب قاضی نے اجتہاد میں خطا کی تو جہنم میں جائے گا۔ واللہ اعلم۔

(چہارم) تفسیر جلالین میں ہے:

(فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمَانَ) اَیِّ الْحَكُوْمَهِ وَحُكْمُهُمَا بِاِجْتِهَادِ وَرَجَعَ دَاوُدُ اِلٰی سُلَيْمَانَ وَقِيْلَ بِوَحْيٍ وَالثَّانِيُّ نَاسِخٌ لِلْاَوَّلِ

یعنی حکم کرنا سمجھا دیا اور ان دونوں کا فیصلہ اجتہاد سے تھا اور داؤد نے سلیمان کے فیصلہ کی طرف رجوع کر لیا اور کہا گیا کہ وحی سے تھا اور ثانی

اول کا ناسخ ہوا۔

(پنجم) حاشیہ صاوی علی الجلالین میں ہے:

(وَقَوْلُهٗ فَفَهَّمْنٰهَا اَیْ فَهَّمْنَاهُ الصَّوَابَ فِيْهَا)

یعنی اللہ کا ارشاد کہ پس ہم نے اسے وہ حکم سمجھا دیا یعنی اسے اس میں درست فیصلہ سمجھا دیا۔

وَقَوْلُهٗ وَحُكْمُهُمَا بِاجْتِهَادِ الخ) اَیْ وَيَجُوْزُ الْخَطَاءُ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ اِذَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ مُفْسِدَةٌ وَّلٰكِنْ لَّا يُبْقِيْهِمُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لِعِصْمَتِهِمْ وَالْمُجْتَهِدُ مَا جُوْرٌ اَخْطَأَ اَوْ اَصَابَ لٰكِنَّ الْمُصِيْبَ لَهٗ اَجْرَانِ وَالْمُخْطِئُ لَهٗ اَجْرٌ وَّاحِدٌ

یعنی صاحب تفسیر کا قول کہ ان دونوں کا حکم اجتہادی تھا یعنی اور جائز ہے خطا انبیاء پر جبکہ اس میں کوئی مفسدہ نہ ہو لیکن ان کی عصمت کی وجہ سے اللہ انہیں اس پر قائم نہیں رکھتا اور مجتہد ماجور ہے خطا کرے یا درست لیکن درست کرنے والے کو دو اجر ہیں اور خطا والے کو ایک اجر۔

(ششم) تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن میں اسی مقام پر ہے

(قَالَ بَعْضُ السَّلْفِ لَوْ لَا هٰذِهِ الْاٰيَةُ لَرَئَيْتَ الْحُكَّامَ قَدْ هَلَكُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى حَمِدَ هٰذَا بِصَوَابِهٖ وَاَثْنٰى عَلٰى هٰذَا بِاجْتِهَادِهٖ)

بعض علماء سلف نے فرمایا کہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو البتہ تو حکام کو ہلاک ہوتے دیکھتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک کا درست فیصلہ کرنے پر تعریف اور دوسرے کی اجتہاد کرنے پر تعریف کی۔

(ہفتم) اسی پر حاشیہ میں محمد بن عبداللہ غزنوی لکھتے ہیں:

(فَقَدِ اسْتُدِلَّ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ عَلٰى اِنَّ كُلَّ مُجْتَهِدٍ مُصِيْبٌ وَّاَنَّهَا تَدُلُّ عَلٰى رَفْعِ الْاِثْمِ عَنِ الْمُخْطِئِ وَاَمَّا عَلٰى كَوْنِ كُلِّ وَاحِدٍ

مِّنْهُمَا مُصِيبًا فَلَا تَدُلُّ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَلَا غَيْرُهَا)

اس آیت کے ساتھ استدلال کیا گیا ہے اس پر کہ ہر مجتہد صحیح کرتا ہے اور بلاشبہ آیت دلالت کرتی ہے (اجتہاد میں) خطا کرنے والے کے گناہ کی معافی پر لیکن اس پر نہ تو یہ آیت دلالت کرتی ہے نہ اس کے علاوہ کوئی آیت کہ ان دونوں میں سے ہر ایک صحت پر ہوتا ہے۔

(ہشتم) تفسیر آیت الاحکام من القرآن میں اسی آیت کے ضمن میں ہے۔

وَظَاهِرُ قَوْلِهٖ فَفَهَّمْنٰهَا اِنَّهٗ كَانَ بِاجْتِهَادٍ

یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کی ظاہر مراد یہ ہے کہ حکم اجتہاد سے تھا۔

(نہم) تفسیر فتح القدیر کے اسی مقام پر علامہ شوکانی غیر مقلد صاحب لکھتے ہیں۔

وَقَالَ الْجَمْهُوْرُ اِنَّ حُكْمَهُمَا كَانَ بِاجْتِهَادٍ

جمہور نے فرمایا کہ بے شک ان دونوں کا فیصلہ اجتہاد کے ساتھ تھا۔

علامہ وحید الزماں صاحب غیر مقلد وہابی اپنی تفسیر وحیدی میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں۔ دونوں نے اپنی رائے سے حکم دیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو سلیمان علیہ السلام کا حکم پسند آیا۔ اب وہابی صاحب کو ضد چھوڑ کر ان تفاسیر کی رو سے اقرار کرنا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام اجتہاد کے کمال درجہ پر فائز ہوتے ہیں اور اپنی اس جہالت کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ نبی مجتہد نہیں ہوتا کیونکہ اس کے گھر کے بزرگ شوکانی کو بھی اقرار ہے کہ جمہور کے نزدیک دونوں کا فیصلہ اجتہاد تھا اور ان کے مفسر وحید الزمان صاحب بھی کہہ رہے ہیں کہ دونوں کا حکم رائے (اجتہاد) سے تھا۔

ایک شبہ کا ازالہ کرتا جاؤں وہ یہ کہ بعض حضرات نے کہا کہ فیصلہ دونوں کا وحی سے تھا مگر داؤد علیہ السلام نے جو حکم کیا وہ پہلے تھا جو سلیمان کے فیصلہ سے منسوخ ہو گیا یہ بات وزنی نہیں کیونکہ سلیمان علیہ السلام کی عمر اس وقت ۱۳ برس تھی اور چھوٹی عمر میں سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے اور کسی نبی پر وحی نہیں آئی۔ وہابی صاحب چوتھے

اعتراض کے تحت لکھتے ہیں۔ رہا مفتی صاحب کا یہ دعویٰ کہ مجتہد کی خطا بھی خطا نہیں ہوتی تو یہ غلط محض ہے۔ بات چونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہو رہی ہے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ انہی کی مثال دی جائے تا کہ مفتی صاحب کا دجل پوری طرح واضح ہو جائے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موٗقف یہ ہے کہ اگر مدعی اثبات دعویٰ میں دو گواہ پیش نہ کر سکے تو ایک گواہ اور ایک قسم کے ساتھ دعویٰ پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے۔ اس پر احادیث صحیحہ اور تعامل صحابہ و تابعین اور فتویٰ مجتہدین موجود ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے۔ صحیح مسلم مع شرح مسلم نووی ص ۷۴ ج ۲ و ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۲۸۰ و نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۹۲ و المحلی بالآثار ج ۸ ص ۴۸۹ لیکن یہ صحیح مسلک چونکہ کوفی فقہ کو راس نہیں آتا اس لئے انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس موقف کی بناء پر بدعتی لکھا ہے چنانچہ اس وقت میرے سامنے اصول فقہ کی چوٹی کی کتاب التوضیح ہے اس میں صدر الشریعہ نے لکھا ہے کہ

ذَکَرَ فِی الْمَبْسُوْطِ اِنَّ الْقَضَاءَ بِشَاهِدٍ وَّ یَمِیْنٍ بِدْعَةٌ وَّ اَوَّلُ مَنْ قَضَاءَ بِهٖ مُعَاوِیَةُ التَّوْضِیْحُ وَالتَّلْوِیْحُ (ص ۳۱۱ طبع نول کشور ۱۲۹۲)

مبسوط میں مذکور ہے کہ ایک گواہ اور ایک قسم کی بنیاد پر فیصلہ کرنا بدعت ہے اور جنہوں نے سب سے اول ایسا فیصلہ کیا وہ (امیر المؤمنین) معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ شرح الوقایہ کتاب الدعویٰ میں اس قضاء یمین و شاہد کے متعلق حسب ذیل قول ملاحظہ کریں کہ

عِنْدَنَا هٰذَا بِدْعَةٌ وَّ اَوَّلَ مَنْ قَضَابِهٖ مُعَاوِیَةُ (شرح الوقایہ مع حاشیہ چلپی ص ۲۵۹)

ہمارے (احناف) کے نزدیک اس طرح کا فیصلہ بدعت ہے اور امیر معاویہ نے سب سے پہلے ایسا کیا۔ ملاحظہ کیجئے کہ مفتی صاحب مجتہد کی غلطی کو بھی خطا تسلیم نہیں کرتے مگر حنفی اکابر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدعتی کہتے ہوئے بھی ذرہ بھر حیاء

نہیں کرتے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

طائفہ بریلوی کو کھلا چیلنج:

ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک رکعت وتر کا ثبوت دیدیا ہے اور اس پر جملہ اعتراضات کو غلط باطل اور مردود ثابت کر دیا ہے لہٰذا ہماری طرف سے پوری دنیا بھر کے بریلوی علماء کو چیلنج ہے کہ کوئی ایک ایسی صحیح صریح غیر معارض حدیث دکھاؤ جس میں ایک اور پانچ وتر کی ممانعت اور تین وتر کا ذکر حنفی طریقہ کے موافق ہو یعنی اس میں درمیان میں تشہد کے علاوہ رکوع سے قبل قنوت کے وجوب کا ذکر ہو اگر کوئی حنفی مائی کا لال ایسی حدیث پیش کر دے تو ہم اس کو ایک ہزار روپیہ نقد انعام دینے کو تیار ہیں۔ اس مقام پر تین رکعت کی روایات پیش نہ کرنا بلکہ اپنے طریقہ ادا کو بھی ثابت کرنا آپ کا اخلاقی اور مذہبی فرض منصبی سے ہے۔

(نام نہاد دین الحق ص ۴۳۲ و ۴۳۳)

الجواب اوّلاً: وہابی صاحب کی خالصتہً کذب بیانی ہے کہ مفتی صاحب مجتہد کی غلطی کو خطا تسلیم نہیں کرتے کیونکہ مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے زیادہ دور نہیں اسی جگہ جس پر وہابی صاحب اعتراض کر رہے ہیں غیر مقلدوں کے چھٹے اعتراض کے جواب کے ضمن میں واضح طور پر یوں لکھا ہے: عالم فقیہ مجتہد کی خطا پر بھی ثواب ہے اور یہی حدیث میں ارشاد ہے کہ مجتہد کو غلطی پر بھی ایک اجر ملتا ہے جب کہ وہ تلاش حق میں کوشش کرے البتہ بعض محقق مجتہد کی خطا کو خطا نہیں کہتے۔ ان کا موقف ہے کہ اگر مجتہد کی خطا حقیقتہً خطا ہوتی تو اسے اس پر ثواب نہ ملتا اور حدیث میں جو خطا کا اطلاق ہوا یہ ظاہر کے اعتبار سے ہے کہ ظاہراً وہ خطا ہے۔

ثانیاً: وہابی صاحب نے مصنف شرح وقایہ اور صاحب التوضیح و التلویح کے ذمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ بدعتی کہنا لگانے کو خیانتہً عبارت کا ترجمہ ہی غلط کر دیا۔ اَوَّلُ مَنْ قَضَابِهٖ مَعَاوِيَةُ کا ترجمہ ہے (جس نے پہلے اس

کے ساتھ فیصلہ کیا معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں) مگر وہابی جی اپنے عزائم مذموم تک رسائی کے لئے کہ احناف نے نعوذ باللہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کی ہے۔ اس کا ترجمہ کرتے ہیں (اور امیر معاویہ نے سب سے پہلے ایسا کیا) مذکورہ دونوں کتابوں کی عبارتوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدعتی کہنے سے اجتناب کا ثبوت ہے لیکن وہابی صاحب ان بزرگوں کے ذمہ امیر معاویہ کی توہین لگانے کی مذموم کوشش میں ہیں۔

ثالثاً: یہاں بدعت سے مراد امر جدید ہے بدعت ملعونہ مردودہ مراد نہیں چنانچہ شرح وقایہ کی مذکورہ عبارت کے تحت حاشیہ عمدہ الرعایہ میں ہے (مَعْنٰی قَوْلِهٖ بِدْعَةٌ اَمْرٌ جَدِيْدٌ وَّلَا اَنَّهَا بِدْعَةٌ مَّلْعُوْنَةٌ) اس کے بدعت کہنے کا معنی امر جدید ہے یہ معنی نہیں کہ وہ بدعت ملعونہ ہے۔

وہابی نے امام زہری کے قول کو احناف کے ذمہ لگا دیا

رابعاً: اگر وہابی جی کے پاس تحقیق کی فرصت ہو تو دیکھ لے کہ جس قول کو احناف کے ذمہ لگا کر ان پر معاذ اللہ امیر معاویہ کی گستاخی کا فتویٰ لگا رہا ہے حقیقۃً یہ قول احناف کا نہیں امام زہری کا ہے جو امام بخاری کے بھی استاد ہیں چنانچہ موطا امام محمد باب الیمین مع الشاہد میں ہے۔

ذَكَرَ ذٰلِكَ اِبْنُ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنْ اِبْنِ شِهَابِ الزُّهْرِیِّ قَالَ سَئَلْتُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ مَعَ الشَّاهِدِ فَقَالَ بِدْعَةٌ وَّ اَوَّلُ مَنْ قَضَا بِهَا مَعَاوِيَهٗ وَكَانَ اِبْنُ شَهَابٍ اَعْلَمُ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ بِالْمَدِيْنَةِ مِنْ غَيْرِهٖ

اور اسے بیان کیا ابن ابی ذئب نے ابن شہاب زھری سے کہا کہ میں نے اس سے (یعنی امام زھری سے) گواہ کے ساتھ قسم لیکر (فیصلہ کے جواز) کے متعلق پوچھا تو اس نے فرمایا یہ بدعت ہے سب سے پہلے اس کے ساتھ امیر معاویہ نے فیصلہ کیا اور تھے ابن شہاب محدثین کے

نزدیک، مدینہ میں اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ علم والے۔

اسی جگہ حاشیہ الممجد علی موطا امام محمد میں ہے۔

وَقَالَ اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ اَیْضًا نَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ اَبْنِ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنِ الزُّھْرِیِّ قَالَ ھِیَ بِدْعَۃٌ اَوَّل مَنْ قَضَا بِھَا مَعَاوِیَہُ وَ سَنَدُہٗ عَلٰی شَرْطِ مُسْلِمٍ وَّ فِیْ مُصَنَّفِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا مُعَمَّرٌ عَنِ الزُّھْرِیِّ قَالَ ھٰذَا شَیْءٌ اَحْدَثَہُ النَّاسُ لَابُدَّ مِنْ شَاھِدِیْنَ الخ

نیز ابن ابی شیبہ نے بیان کیا کہ ہمیں حماد بن خالد نے ابن ابی ذئب سے اس نے زھری سے روایت کی کہ فرمایا یہ بدعت ہے۔ سب سے پہلے امیر معاویہ نے اس کے ساتھ فیصلہ کیا اور سند اس روایت کی ہر شرط مسلم ہے اور مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ ہمیں معمر نے زھری سے روایت کی کہ فرمایا یہ وہ چیز ہے جسے لوگوں نے ایجاد کیا جبکہ دو گواہ ضروری ہیں۔

اب وہابی صاحب کے اس چیلنج کی طرف آتے ہیں کہ کوئی ایسی صحیح صریح غیر معارض حدیث دکھاؤ جس میں ایک اور پانچ رکعت وتر کی ممانعت اور تین رکعت وتر کا ذکر حنفی طریقہ کے مطابق ہو یعنی اس میں درمیان تشہد کے علاوہ رکوع سے قبل قنوت کے وجوب کا بھی ذکر ہو نیز مطالبہ کہ اس مقام پر تین رکعت کی روایات پیش نہ کرنا بلکہ اپنے طریقہ ادا کو بھی ثابت کرنا۔

الجواب اوّلاً: درحقیقت غیر مقلد صاحب ایسا بے جوڑ مطالبہ کر کے حدیث سے فرار کی راہ نکالنا چاہتا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی نماز سے پیچھا چھڑانے والا مطالبہ کرے میں تب مانوں گا جبکہ ایک ہی حدیث میں نماز کے تمام شرائط و فرائض اور واجبات و سنن و مستحبات دکھا دو نیز وہابی جی کے مذکورہ مطالبہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی مختلف روایات سے احناف کا طریقہ ادائے وتر ثابت ہے

ورنہ ایک ہی حدیث میں ثبوت کا مطالبہ نہ کرتا۔

ثانیاً: ہم بفضلہٖ تعالیٰ تین رکعت وتر کو احادیث صحیحہ سے ثابت کر دیا ہے اور اس حدیث سے درمیان کا تشہد ثابت ہو چکا ہے جس میں ارشاد ہے کہ رات کے وتر دن کے وتر نماز مغرب کی طرح ہیں تو نماز مغرب میں دو رکعت پر تشہد بھی ہے اب ہم بتوفیقہٖ تعالیٰ وتر کی تیسری رکعت میں قرأت کے بعد اور رکوع سے قبل ہاتھ اٹھانے اور قنوت پڑھنے کو ثابت کرتے ہیں۔

قنوت کے لئے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت

امام بخاری رضی اللہ عنہ کی جزء رفع الیدین میں حدیث نمبر ۹۸ میں ارشاد ہے:

حَدَّثَنَا قَبِيْصَةُ ثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِیْ عَلِیٍّ هُوَ جَعْفَرُ بْنُ مَيْمُوْنَ يُبَاعُ لِلْاَنْمَاطِ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عُثْمَانَ قَالَ كَانَ عُمَرُ يَرْفَعُ فِي الْقُنُوْتِ

یعنی ابوعلی جعفر بن میمون سے ہے کہ میں نے ابوعثمان کو سنا کہ کہا تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ قنوت میں ہاتھوں کو اٹھاتے۔

اسی کی حدیث نمبر ۹۹ میں ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحِيْمِ الْمُحَاذِيّ ثَنَا زَائِدَةُ عَنْ لَيْثٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اِنَّهٗ كَانَ يَقْرَءُ فِيْ آخِرِ رَكْعَةٍ مِنَ الْوِتْرِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فَيَقْنُتُ قَبْلَ رَكْعَةٍ

حضرت ابن مسعود رکوع سے قبل ہاتھ اٹھاتے اور قنوت پڑھتے تھے

حضرت اسود اپنے باپ سے وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں بے شک وہ وتر کی آخر رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے پھر ہاتھ اٹھاتے تو رکوع سے قبل دعائے قنوت پڑھتے۔ امام بخاری اس جگہ فرماتے ہیں:

قَالَ الْبُخَارِیُّ وَ ھٰذِہِ الْاَحَادِیْثُ کُلُّھَا صَحِیْحَۃٌ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِہٖ

فرمایا یہ تمام احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے صحیح منقول ہیں۔

علامہ نیموی کی آثار السنن میں ہے:

وَعَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ النَّخْعِیِّ اَنَّ الْقُنُوْتَ وَاجِبٌ فِی الْوِتْرِ فِیْ رَمَضَانَ وَغَیْرِہٖ قَبْلَ الرَّکُوْعِ وَاِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تَقْنُتَ فَکَبِّرْ وَاِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تَرْکَعَ فَکَبِّرْ اَیْضًا ۔ رَوَاہُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِیْ کِتَابِ الْحَجِّ وَالْاٰثَارِ وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ (مذکورہ کتاب صفحہ ۱۶۱)

دعا قنوت رمضان و غیر رمضان میں رکوع سے قبل واجب ہے

حماد نے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا وتر میں قنوت واجب ہے رمضان میں اور اس کے علاوہ سال میں رکوع سے پہلے اور جب تو قنوت پڑھنا چاہے تو تکبیر کہے اور جب تو رکوع جانا چاہے تو تکبیر کہے۔ اسے محمد بن حسن نے روایت کیا اور اسناد اس کی صحیح ہے۔ یاد رہے کہ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ اپنے پاس سے دعائے قنوت کے وجوب کا حکم نہیں لگا سکتے لا محالہ اس نے صحابہ سے سنا ہو گا اور صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے یقیناً دیکھا ہو گا۔ لہٰذا حدیث مرسل مرفوع ہوئی چنانچہ امام سیوطی نے (الحاوی للفتاوی) جلد ثانی کے صفحہ نمبر ۱۸۱ پر کھانے پر قرآن پڑھنے کے متعلق حدیث جو قول تابعی ہے کو مرفوع مرسل قرار دیا ہے۔ الغرض احناف کا طریقہ وتر پڑھنے کا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور غیر مقلد کا چیلنج جہالت و اندھا پن ہے۔ یہاں تک وتروں کے متعلق غیر مقلدوں کے اعتراضوں کے جوابات ہوئے اب جاء الحق کا آٹھواں باب قنوت نازلہ کے بارے شروع ہوتا ہے۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمتہ اللہ علیہ اس

باب کے آغاز میں فرماتے ہیں۔ قنوت نازلہ پڑھنا منع ہے۔ نماز وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت ہمیشہ پڑھنا سنت ہے اور فجر کے فرض کی دوسری رکعت میں بعد رکوع قنوت نازلہ پڑھنا سخت مکروہ اور خلاف سنت ہے مگر غیر مقلد وہابیوں کا عمل اس کے برعکس ہے وہ وتر میں دعائے قنوت ہمیشہ نہیں پڑھتے بلکہ رمضان کی بعض تاریخوں میں لیکن فجر میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔ دوسری رکعت کے رکوع کے بعد بعض دیوبندی وہابی بھی جو دراصل درپردہ غیر مقلد ہیں بہانہ بنا کر فجر میں قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں۔ اس لئے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں، پہلی میں اس مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات۔

(پہلی فصل)

قنوت نازلہ کے معنی ہیں آفت و مصیبت کے وقت کی دعاء حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایک خاص مصیبت پر چند روز یہ دعا قنوت فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھی پھر آیت قرآنی نے یہ دعا منسوخ فرما دی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کبھی نہ پڑھی دلائل حسب ذیل ہیں۔

نماز فجر میں قنوت کے نسخ کا ثبوت

حدیث نمبر ۱ و ۲ بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عاصم احول کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا اِنَّهٗ كَانَ بَعَثَ اُنَاسًا يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّآءُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا فَاُصِيْبُوْا فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا يَدْعُوْ عَلَيْهِمْ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت نازلہ صرف ایک ماہ پڑھی۔ آپ نے ستر صحابہ کو جو قاری تھے ایک جگہ تبلیغ کے لئے بھیجا وہ شہید کر دیئے گئے تو حضور نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد ان کفار پر بددعا فرماتے ہوئے قنوت نازلہ پڑھی۔

ایک ماہ کی قید سے معلوم ہوا کہ حضور کا یہ فعل شریف ہمیشہ نہ تھا عذر کی وجہ سے صرف ایک ماہ رہا پھر منسوخ ہو گیا۔ اس پر وہابی صاحب کا پہلا اور دوسرا اعتراض لکھتے ہیں۔ پھر منسوخ ہو گیا حدیث کے کن الفاظ کا معنی ہے یقین جانئے کہ یہ مفتی صاحب کا متن حدیث میں اپنی طرف سے تصرف ہے۔

ثانیاً: اگر کہا جائے کہ ایک مہینہ بعد ترک کرنے سے ہمارا یہ استدلال ہے تو جواباً ہے۔ قنوت کے تو مفہوم میں ہی یہ چیز داخل ہے کہ علت ختم ہونے پر قنوت کو ترک کر دیا جائے اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ترک نہ کرتے تو قنوت کا ہمیشہ پڑھنا لازم آتا کیونکہ سرکار مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ

نماز پڑھو جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے دیکھنا۔

بخاری شریف کتاب الاذان باب الاذان للمسافر، الغرض اس حدیث میں ترک کی وجہ علت ختم ہونا ہے نا کہ نسخ! اس کی صراحت حدیث میں بھی موجود ہے۔

قَالَ اَبُوْهُرَیْرَةَ ثُمَّ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَرَكَ الدُّعَاءَ بَعْدَ فَقُلْتُ اَرٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ تَرَكَ الدُّعَاءَ لَهُمْ قَالَ فَقِیْلَ وَمَا تَرَاهُمْ قَدْ قَدِمُوْا

(صحیح مسلم ج۱ص ۲۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بعد دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا چھوڑ دی تو

میں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا چھوڑ دی ہے تو لوگوں نے کہا کہ دیکھتے نہیں ہو کہ جن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے وہ آ گئے یعنی کافروں کے پاس سے چھوٹ آئے۔

سنن ابوداؤد میں ہے:

قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمْ يَدْعُ لَهُمْ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ وَمَا تَرَاهُمْ قَدْ قَدِمُوْا ۔ سنن ابو داؤد مع عون المعبون (ص ۵۴۱ ج ۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (اگلے روز) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی لیکن ان لوگوں کے لئے دعا نہ مانگی تو میں نے اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو دیکھتا نہیں کہ وہ لوگ (ولید اور سلمہ) آ گئے ہیں (مدینہ میں اور کفار کے ہاتھ سے نجات پائی) خلاصہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مقصد کے لئے دعا فرمائی جب وہ پورا ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کو بھی ترک کر دیا اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر وہ وجہ بھی بتا دی کہ قد قدموا، یہی وجہ ہے کہ تمام علماء کے نزدیک مصیبت کے وقت قنوت پڑھنا مشروع ہے چنانچہ مولانا عبدالحئ لکھنوی حنفی فرماتے ہیں:

وَلَا نَزَاعَ بَيْنَ الْاَئِمَةِ فِیْ مَشْرُوْعِيَّةِ الْقُنُوْتِ وَلَا فِیْ مَشْرُوْعِيَّةِ النَّازِلَةِ اِنَّمَا النِّزَاعُ فِیْ بَقَاءِ مَشْرُوْعِيَّةِ لِغَيْرِ النَّازِلَةِ

یعنی آئمہ کے درمیان قنوت کے مشروع ہونے میں کلام نہیں اور نہ ہی مصیبت کے وقت اس کی مشروعیت میں نزاع ہے بلکہ نزاع بلا سبب اس کی مشروعیت کے بقاء میں ہے۔ (التعلیق المجد ص ۱۴۱) ملا علی قاری حنفی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

اَطْبَقَ عُلَمَاؤُنَا عَلٰی جَوَازِ الْقُنُوْتِ عِنْدَ نَازِلَةِ

یعنی ہمارے علماء (احناف) مصیبت کے وقت قنوت پڑھنے کے جواز پر متفق ہیں۔ (مرقات ص ۱۷۸ ج ۳)

الجواب اوّلاً: یہ وہابی جی کا خالص جھوٹ ہے کہ مفتی صاحب نے متن حدیث میں اپنی طرف سے تصرف کیا ہے۔ اپنی طرف سے تصرف تب ہوتا جب کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پھر منسوخ ہو گیا کے الفاظ کا ترجمہ میں اضافہ کرتے نیز نسخ پر کوئی دلیل موجود نہ ہوتی آپ نے ترجمہ حدیث میں اضافہ نہیں کیا بلکہ بعد از ترجمہ حدیث سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے اسے بیان فرمایا ہے اگر اس کا نام اپنی طرف سے متن حدیث میں تصرف ہے تو پھر تمام شارحین حدیث جنہوں نے احادیث سے فوائد و مسائل اخذ کئے اپنی طرف سے تصرف کے فتویٰ کی زد میں آئیں گے خود وہابی بھی نہ بچیں گے۔

ثانیاً: وہابی پر تو لازم تھا کہ قرآن و حدیث سے نماز فجر میں قنوت کی عدم منسوخیت ثابت کرتا ایسا نہ کرنا بلکہ ادھر اُدھر کے اوٹ پٹا گیں مارنا ثابت کرتا ہے کہ اس صاحب کے ہاتھ دعائے قنوت کے عدم منسوخ پر دلائل سے خالی ہیں جب کہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کی تمہید میں فرمایا ہے کہ نماز فجر میں دعا قنوت پڑھنا آیہ قرآنی سے منسوخ ہے تو اس بات کا ثبوت جاء الحق کی اس فصل میں حدیث نمبر ۱۳ و ۱۴ میں ہے جو بخاری و مسلم کے حوالہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کے آخری الفاظ ہیں:

كَانَ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ لَعَنْ فَلَانًا وَّ فَلَانًا لِاَحْيَاءٍ مِّنَ الْعَرَبِ حَتّٰى اَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض نمازوں میں فرمایا کرتے تھے کہ خدایا فلاں فلاں عرب کے بعض قبیلے پر لعنت کر یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی لیس لک الخ نیز اس فصل میں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث سے ثابت کیا ہے کہ

قنوت نازلہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے ایک حادثہ پیش آنے پر ایک ماہ یا چالیس روز پڑھی نہ اس سے قبل پڑھی اور نہ بعد میں مگر افسوس غیر مقلد وہابی اس حقیقت کا انکار کر رہا ہے۔

جس بات کا بڑے وہابیوں نے اقرار کیا نام نہاد دین الحق کا مصنف اس کا انکار کرتا ہے

ثالثاً: وہابی صاحب صرف دعا قنوت نازلہ کے ترک کا سبب علت ختم ہونا مانتا ہے یہ نہیں مانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے منع کیا حالانکہ اس کے گھر کے بزرگوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے اس آیت لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ کا شان نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قنوت سے منع کرنا ہے چنانچہ غیر مقلد وہابیوں کے امام شوکانی صاحب اپنی تفسیر فتح القدیر میں مذکورہ آیت کے تحت یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

وَاَخْرَجَ الْبُخَارِیُّ وَالْمُسْلِمُ وَغَیْرُهُمَا اَیْضًا مِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّدْعُوَ عَلٰی اَحَدٍ اَوْ یَدْعُوَ لِاَحَدٍ قَنَتَ بَعْدَ الرَّکُوْعِ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِیْدَ بْنَ الْوَلِیْدِ وَسَلْمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَ عَیَّاشَ بْنَ اَبِیْ رَبِیْعَةَ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ عَلٰی مُضَرٍ وَاجْعَلْهَا عَلَیْهِمْ سِنِیْنَ کَسِنِّیْ یُوْسُفَ یَجْهَرُ بِذٰلِكَ وَکَانَ یَقُوْلُ فِیْ بَعْضِ صَلٰوتِهٖ فِیْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّ فُلَانًا لِاَحْیَاءٍ مِنْ اَحْیَاءِ الْعَرَبِ حَتّٰی اَنْزَلَ اللّٰهُ (لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ وَفِیْ لَفْظٍ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ لِحْیَانَ وَرِعْلًا وَّ ذَکْوَانَ وَ عُصَیَّةَ عَصَتِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ثُمَّ بَلَغَنَا اَنَّهٗ تَرَكَ ذٰلِكَ لَمَّا نَزَلَ قَوْلُهٗ لَیْسَ لَكَ مِنَ

الْاَمْرِ شَیْءٌ الآیہ
امام بخاری و مسلم وغیرہما نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے خلاف یا کسی کے حق میں دعا کا ارادہ فرماتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے کہ اے اللہ ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ اور ناتواں مومنین کو نجات دے اور اے اللہ مضر قبیلہ پر سختی و عذاب کر اور ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانہ جیسا قحط کر اسے بلند پڑھتے اور اپنی بعض نمازوں سے فجر کی نماز میں پڑھتے۔ اے اللہ عرب کے قبائل سے فلاں فلاں پر لعنت کر یہاں تک کہ آیت اتری لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اور ایک روایت میں لفظ ہیں کہ لحیان رعل اور زکوان پر لعنت کر اور ان بے حکموں پر جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی (راوی) کہتے ہیں پھر ہمیں پہنچا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز فجر میں) قنوت کو ترک فرما دیا جبکہ آیت اتری لَیْسَ لَكَ الخ محمد اسحاق جونا گڑھی غیر مقلد کے ترجمہ قرآن پر حاشیہ میں صلاح الدین یوسف غیر مقلد اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ نے بعض کفار کے لئے قنوت نازلہ کا بھی اہتمام فرمایا جس میں ان کے لئے بددعا فرمائی جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی چنانچہ آپ نے بددعا کا سلسلہ بند فرما دیا۔ غیر مقلدوں کے مفسر سید احمد حسن اسی جگہ لکھتے ہیں۔ اس آیت کے شان نزول علماء نے کئی طرح بیان کی ہے چنانچہ صحیح بخاری اور احمد بن حنبل کی مسند میں حضرت ابن عمر سے اور بخاری کی ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ چند روز تک صبح کی نماز کی دوسری رکعت کے قومہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان ابن امیہ اور حارث بن ہشام اور

سہیل بن عمرو اور قریش کے نام لیکر بددعا کرنا شروع کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تفسیر ابن کثیر جسے غیر مقلد بھی صحیح ترین تفسیر مانتے ہیں۔ میں ہے کہ

وَقَالَ الْبُخَارِیُّ حَدَّثَنَا حِبَانُ بْنُ مُوْسٰی اَنْبَاَنَا عَبْدُ اللّٰهِ اَنْبَاَنَا مُعَمَّرُ عَنِ الزُّهْرِیِّ حَدَّثَنِیْ سَالِمٌ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ وَ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ فِی الرَّكْعَةِ الثَّانِیَةِ مِنَ الْفَجْرِ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّ فُلَانًا ۔ بَعْدَ مَا یَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الآیه وَهٰكَذَا رَوَاهُ النِّسَائِیُّ مِنْ حَدِیْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكَ وَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ كِلَاهُمَا عَنْ معمرٍ بِهٖ وَ قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ حَدَّثَنَا اَبُو النَّضْرِ حَدَّثَنَا اَبُوْ عُقَیْلٍ قَالَ اَحْمَدُ وَهُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُقَیْلِ صَالِحُ الْحَدِیْثِ ثِقَةٌ ۔ حَدَّثَنَا عَمْرُوْ بْنُ حَمْزَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّ فُلَانًا اَللّٰهُمَّ الْعَنْ حَارِثَ بْنَ هِشَامٍ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ سُهَیْلَ بْنَ عَمْرٍو اَللّٰهُمَّ الْعَنْ صَفْوَانَ بْنَ اُمَیَّةَ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ (الْاٰیَةُ)

یعنی امام بخاری نے مذکورہ سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ حضرت سالم نے اپنے باپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ جب آپ نماز فجر کی دوسری رکعت کے رکوع سے سر مبارک اٹھاتے تو پڑھتے اے اللہ فلاں فلاں پر لعنت کر یہ آپ سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد کہنے کے بعد پڑھتے پس اللہ نے اتارا لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ الآیہ اور اسی طرح اسے نسائی نے عبداللہ بن مبارک سے اور عبدالرزاق نے ان دونوں نے معمر کے طریق سے اسے

روایت کیا اور امام احمد نے کہا کہ ہمیں حدیث بیان کی ابوالنضر نے اس نے کہا کہ ہمیں حدیث بیان کی ابو عقیل نے امام احمد نے فرمایا کہ وہ عبداللہ بن عقیل ہیں جو صحیح حدیث والے ثقہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عمرو بن حمزہ نے سالم سے حدیث بیان کی اس نے اپنے باپ عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اے اللہ فلاں فلاں پر لعنت فرما اور اے اللہ حارث بن ہشام پر لعنت کر اے اللہ سہیل بن عمرو پر لعنت فرما اے اللہ صفوان بن امیہ پر لعنت فرما پس یہ نازل ہوئی (لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ)

مذکورہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ آیہ مبارکہ قنوت کے منع پر نازل ہوئی اور منع ہونا منسوخ ہونا ایک ہی بات ہے۔ یہ مسئلہ الگ ہے کہ کبھی کوئی حکم کلیتہً منسوخ ہو جاتا ہے اور کبھی کلیتہً منسوخ نہیں ہوتا محض کوئی وصف منسوخ ہوتا ہے لہٰذا یہاں بھی فقہاء احناف کے نزدیک قنوت نازلہ اصلاً وکلیۃً منسوخ نہیں ہوئی بلکہ مذکورہ آیت سے وصف عموم منسوخ ہوا ہے یعنی بوقت مصیبت جس میں عامۃ المسلمین مبتلا ہوں نماز فجر میں بقدر ضرورت پڑھنا درست ہے مگر غیر مقلدین ہمیشہ نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔

چنانچہ فتاویٰ اہلحدیث میں غیر مقلدوں کے مجتہد العصر عبداللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں۔

غیر مقلدوں کا قنوت نازلہ کے بارے ضعیف حدیث پر عمل

پانچوں نمازوں میں ہمیشہ دعا قنوت پڑھنا بدعت ہے البتہ فجر کی نماز میں کہہ سکتے ہیں کیونکہ حدیث میں جب ضعف تھوڑا ہو تو فضائل اعمال میں معتبر ہے یہاں ضروری سمجھنا ٹھیک نہیں کیونکہ حدیث میں ضعف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں سے بات بات پر صحیح حدیث کا مطالبہ کرنے والے وہابی خود ضعیف حدیث کی بناء پر

نماز فجر میں ہمیشہ قنوت پڑھتے ہیں نیز غیر مقلد وہابیوں کے مجتہد العصر کا یہ حال ہے کہ ثابت تو نماز فجر میں قنوت پڑھنے کا حکم کر رہا ہے مگر دلیل کیا دے رہا ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہے جن کے مجتہد العصر کا یہ حال ہے تو باقیوں کا کیا حال ہوگا۔

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض:

اگر مذکورہ حدیث سے قنوت نازلہ منسوخ ہوگئی ہے تو سوال یہ کہ کیا منسوخ حکم پر عمل کرنا جائز ہے۔ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم منسوخ ہے! کیا علماء بریلی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں جبکہ اسی حدیث کی شرح میں خود مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ خیال رہے کہ قنوت نازلہ کا یا تو جہر منسوخ ہے یا ہمیشہ پڑھنا منسوخ ہے ورنہ ضرورت پر اب بھی آہستہ پڑھی جا سکتی ہے۔ (مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۴ ج ۲) اگر یہ حکم ہی منسوخ ہے تو پھر ضرورت کے وقت پڑھنے کا کیوں فتویٰ دیا جا رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ مفتی صاحب نے محض دفعۃ الوقتی سے کام لیکر فقط پلہ چھڑایا ہے ورنہ حدیث کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ مصیبت کے وقت قنوت پڑھی جا سکتی ہے جیسا کہ خود نبی رحمت رسول مکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے۔

الجواب: ہم نے بفضلہ تعالیٰ ابھی غیر مقلدوں کی تفسیروں سے قنوت نازلہ کا منسوخ ہونا ثابت کر دیا ہے جبکہ ہمارا احناف کا مذہب یہی ہے کہ قنوت نازلہ کلیتہً منسوخ نہیں ہوئی بلکہ اس کا وصف عموم ہمیشہ پڑھنا منسوخ ہے جیسا کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے اور یہی فتاویٰ شامی میں ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

قَوْلُهُمْ بِاَنَّ الْقُنُوْتَ فِی الْفَجْرِ مَنْسُوْخٌ مَعْنَاهُ نُسِخَ عُمُوْمُ الْحُكْمِ لَانُسِخَ اَصْلُهُ (شامی ج ۱ ص ۴۹۶)

یعنی فقہاء کا قول کہ قنوت نازلہ فجر میں پڑھنا منسوخ ہے اس کا معنی ہے کہ عموم

منسوخ کیا گیا ہے یہ معنی نہیں کہ اس کا اصل منسوخ کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمتہ اللہ علیہ نے دفع الوقتی سے کام نہیں لیا بلکہ وہی بیان کیا جو احناف کا قنوت کے متعلق موقف ہے لہٰذا وہابی جی کا ان پر اعتراض بے جا ہے۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۳ ملاحظہ ہو۔ طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا يَّدْعُوْ عَلٰى رِعْلٍ وَّ ذَكْوَانَ فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرَكَ الْقُنُوْتَ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی قبیلہ رعل وزکوان پر بددعا فرمائی جب حضور ان پر غالب آ گئے تو چھوڑ دی۔

اس حدیث میں چھوڑ دینے کا صراحتہً ذکر آ گیا۔

وہابی صاحب کا اس پر پہلا اعتراض:

یہ فقط ایک ہی روایت حدیث ہے مگر رضا خانی علماء کا باوا آدمی ہی نرالا ہے کہ اسے پانچ احادیث باور کرا رہے ہیں جو کہ صریحاً بددیانتی ہے کیونکہ اس کی سند کا دارومدار ابوحمزہ القصاب راوی پر ہے دیکھئے شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۴۴ مسند ابویعلی ج ۱ ص ۳۰ رقم الحدیث ۵۰۰۷ بیہقی ج ۲ ص ۲۱۳ وطبرانی کبیر ج ۱۰ ص ۱۸۳ اسی طرح مسند بزار کی سند میں بھی یہی راوی ہے جیسا کہ علامہ زیلعی نے نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۲۷ میں اور علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۴۰ میں صراحت کی ہے اور یہ مجروح ہے چنانچہ علامہ زیلعی حنفی فرماتے ہیں:

قَالَ ابْنُ حَبَّانٍ فِيْ كِتَابِ الضُّعَفَاءِ كَانَ فَاحِشُ الْخَطَاءِ كَثِيْرُ الْوَهْمِ

یعنی امام ابن حبان رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب الضعفاء میں کہا کہ فاحش غلطیاں کرتا ہے اور کثیر الوہم ہے۔ (نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۲۷) حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے کہا حدیث میں ضعف ہے۔ دوسری بار کہا کہ متروک

الحدیث، امام ابن معین اسے لَیۡسَ بِشَیۡءٍ (ہیچ محض) لَا یُکۡتَبُ حَدِیۡثُ اس کی روایت لکھی ہی نہ جائے کہتے ہیں۔ امام جوزجانی اور دارقطنی فرماتے ہیں۔ ضعیف جدا سخت ضعیف ہے۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ضَعِیۡفٌ ذَاھِبُ الۡحَدِیۡثِ ہے امام ابوحاتم کا کہنا ہے قوی نہیں۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے حافظے کی خرابی کی وجہ سے اس میں کلام کیا گیا۔ امام نسائی کا کہنا ہے کہ ثقہ نہیں۔ حاکم فرماتے ہیں کہ اس کی روایات قائم پختہ نہیں۔ خطیب فرماتے ہیں لا تقوم به حجة اس سے دلیل قائم نہیں کی جاسکتی۔ تہذیب ج ۱۰ ص ۳۹۶ حافظ ابن حجر کا اپنا فیصلہ ہے کہ ضعیف ہے۔ (تقریب ص ۲۵۹)

الجواب اوّلاً: یہ محدثین کرام کا طریقہ ہے کہ سند یا متن مختلف ہونے پر روایت کو تکرار سے لاتے ہیں پھر بریلوی علماء کا باوا آدم کیسے نرالا ہوا۔ زیر بحث روایت کو کتب حدیث کے مصنفین محدثین نے اپنی اپنی سند سے روایت کیا ہے نیز حدیث کا متن بھی مختلف ہے۔ حدیث نمبر ۳ جو طحاوی کے حوالہ سے بیان کی اس میں قبیلہ رعل کا ذکر ہے اور حدیث نمبر ۴ تا ۷ میں اس جگہ عصیہ کا اور مؤخر الذکر میں یہ الفاظ بھی زیادہ ہیں۔

قَالَ الۡبَزَّارُ فِیۡ رِوَایَتِہٖ لَمۡ یَقۡنُتِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اِلَّا شَھۡرًا وَّاحِدًا لَمۡ یَقۡنُتۡ قَبۡلَہٗ وَلَا بَعۡدَہٗ

اس قدر فرق کے باوجود وہابی اسے ایک ہی روایت مان رہا ہے کتنا اندھا پن ہے۔

دروغ گو حافظہ نہیں رکھتا

ثانیاً: اگلے اعتراض کے ضمن میں وہابی صاحب ابوحمزہ کا متابع بھی مان رہا ہے مگر یہاں کہتا ہے کہ اس حدیث کا دارومدار ابوحمزہ پر ہی ہے۔ یہ مقولہ سچ ہوا کہ دروغ گو حافظہ نہیں رکھتا نیز جب یہ خود مانتا ہے کہ ابوحمزہ کا متابع موجود ہے ساتھ کہتا

ہے کہ وہ بھی ضعیف ہے چلو بقول اس کے دونوں ضعیف ہیں مگر سوال ہے کہ وہابیوں کے نزدیک دو ضعیف راویوں کی روایت قوی ہو کر قابل قبول ہو جاتی ہے یا نہیں؟ غیر مقلدوں کے گھر کے مجتہد العصر ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں اگرچہ ان دو میں کچھ کلام ہے مگر دونوں روایتوں اور دو سندوں کے ملنے سے ہر ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہو گئی۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۵۲۵ جس کلیہ کے تحت وہابیوں کی دلیل قوی ہو جاتی ہے ہماری بھی قوی ہونی چاہئے کیونکہ کلیہ اپنے تمام افراد پر یکساں صادق و مؤثر ہوتا ہے مگر کیا کریں غیر مقلد وہابیوں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔

جب راوی کا عمل مروی عنہ کے موافق ہو تو اسے تقویت دیتا ہے

ثالثاً: یہ اصول ہے کہ جب راوی حدیث کا اپنا عمل مروی عنہ کے موافق تو اس حدیث کو تقویت دیتا ہے جبکہ زیر بحث حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل وتر کے سوا قنوت نہ پڑھنا میں بسند حسن ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو:

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اِنَّہٗ کَانَ لَا یَقْنُتُ فِیْ صَلٰوۃِ الْغَدَاۃِ وَاِذَا قَنَتَ فِی الْوِتْرِ قَنَتَ قَبْلَ الرَّکْعَۃِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنْہُ اَیْضًا قَالَ کَانَ عَبْدُاللّٰہِ لَا یَقْنُتُ فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الصَّلٰوۃِ اِلَّا فِی الْوِتْرِ قَبْلَ الرَّکْعَۃِ رَوَاھُمَا الطِّبْرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ وَاِسْنَادُھُمَا حَسَنٌ

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۷۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ وہ نماز فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے اور جب وتر میں قنوت پڑھتے تو رکوع سے پہلے پڑھتے اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نمازوں میں سے کسی میں قنوت نہ پڑھتے مگر وتر میں رکوع سے پہلے ان دونوں کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا اور سند ان دونوں کی حسن ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بہت بڑے عالم فقیہ مجتہد صحابی اور حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر و حضر کے خدمت گار اور آپ کے ہر فعل مبارک کو بخوبی جاننے والے ہیں لہٰذا ان کی روایت وعمل ثابت کرتا ہے کہ فجر میں قنوت نازلہ منسوخ ہے ورنہ وہ اس کا خلاف کیسے کر سکتے تھے۔

رابعاً: اسی فصل میں غیر مقلدوں کی تفسیروں سے حوالے گزرے وہ بھی مانتے ہیں کہ لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ آیہ مبارکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر میں قنوت پڑھنے سے منع پر اتری اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قنوت ترک فرما دی۔ بفضلہٖ تعالیٰ اس جگہ جس قدر ہم نے قنوت نازلہ کے نسخ پر دلائل دیئے ہیں ماننے والوں کو کافی ہیں مگر اندھے کو دوپہر کو بھی سورج نظر نہیں آتا۔ اب وہابی صاحب کا دوسرا اعتراض ملاحظہ ہو لکھتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ابان بن عیاش ان کا متابع موجود ہے جیسا کہ آگے جا کر خود مفتی صاحب نے حدیث نمبر ۱۵ میں اسے ذکر کیا ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بھی ضعیف ہے۔ علامہ زیلعی حنفی نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۳۴ میں لکھتے ہیں: **وابان بن ابی عیاش فقد قیل فیہ اکثر مما قیل فی ابی حمزہ** یعنی ابان پر ابی حمزہ سے بھی بڑھ کر جرح موجود ہے۔ سو فیصد محدثین نے اس کی تضعیف فرمائی ہے کوئی کلمہ توثیق راقم کی نظر سے نہیں گزرا۔ امام فلاس امام احمد بن حنبل امام ابن معین امام نسائی امام دارقطنی امام ابوحاتم امام ابوزرعہ فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ امام جوزجانی فرماتے ہیں ساقط (اعتبار سے گرا ہوا ہے) تہذیب ج ۱ ص ۸۵ طبعہ جدید۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۰۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے متروک الحدیث لکھا ہے (تقریب ص ۱۱) یہ ہے مفتی صاحب کا شیر بہادر جس کے متعلق لکھا ہے کہ حدیث نمبر ۱۵ میں صرف چار راوی ہیں۔ ابان بن عیاش بتاؤ ان میں کون ضعیف ہے۔ حیرت ہے مفتی صاحب نے حکیم الامت کہ کر کتنی دیدہ دلیری سے یہ لکھ دیا ہے جبکہ اس سے قبل علامہ زیلعی حنفی لکھ چکے تھے۔ **وقد روی من عدۃ طرق کلھا واھیۃ لا یجوز الاحتجاج بھا** یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ

کی روایت کئی طرق سے مروی ہے جو تمام کے تمام سخت ضعیف ہیں (لہٰذا ان سے) احتجاج نہیں کیا جا سکتا نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۳۴۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۵۵

الجواب اوّلاً: وہابی صاحب نے خود ہی اپنے جھوٹ سے پردہ اٹھا دیا پہلے تو کہا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کی سند کا دارو مدار ابوحمزہ پر ہی ہے پھر اس کا متابع مان لیا۔ اب علامہ زیلعی کے حوالہ سے ثابت کر دیا کہ اس کے متعدد طرق (اسناد) ہیں فقیر کہتا ہے وہابی جی جب آپ کے مذہب کو دلیل کی حاجت ہو تو دو متکلم فیہ مجروح راویوں کی روایت ایک دوسری سے قوت پا کر قوی ہو جاتی ہے تو ہماری احناف کی دلیل متعدد سے بھی قوی نہیں ہوتی کیا دین میں دہرا معیار چل سکتا ہے ہرگز نہیں۔

ثانیاً: نماز فجر میں قنوت نازلہ کے ترک پر احادیث صحیحہ دلالت کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ پر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے قنوت نازلہ نہ پڑھنے کا ثبوت

وَقَدْ صَحَّ حَدِيْثُ اَبِیْ مَالِكٍ سَعْدِ بْنِ طَارِقِ الْاَشْجَعِیِّ عَنْ اَبِيْهِ صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقْنُتْ وَ صَلَّيْتُ خَلْفَ اَبِیْ بَكْرٍ فَلَمْ يَقْنُتْ وَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ فَلَمْ يَقْنُتْ وَصَلَّيْتُ خَلْفَ عُثْمَانَ فَلَمْ يَقْنُتْ وَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِیٍّ فَلَمْ يَقْنُتْ ثُمَّ قَالَ اَیْ بُنَیَّ اِنَّهَا بِدْعَةٌ رَوَاهُ النِّسَآئِیُّ وَ رَوَی التِّرْمَذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ بِلَفْظٍ مَّا تَقَدَّمَ ۔

اور تحقیق ابی مالک سعد بن طارق الاشجعی کی اپنے باپ سے صحیح حدیث آئی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے قنوت نہ پڑھی اور میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے قنوت نہ پڑھی اور میں نے عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔

انہوں نے قنوت نہ پڑھی اور میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے قنوت نہ پڑھی اور میں نے علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بھی قنوت نہ پڑھی پھر فرمایا اے بیٹا یہ بدعت ہے۔ اسے نسائی اور ترمذی اور ابن ماجہ نے مذکورہ لفظوں سے روایت کیا۔

فقہ السنہ میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے:

رَوٰی اَحْمَدُ وَالنِّسَآئِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالتِّرْمَذِیُّ وَ صَحَّحَہٗ عَنْ مَالِكِ الْاَشْجَعِیِّ قَالَ کَانَ اَبِیْ قَدْ صَلّٰی خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ اِبْنُ سِتَّ عَشَرَۃَ سَنَۃٍ وَّاَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ وَعُثْمَانَ فَقُلْتُ اَکَانُوْا یَقْنُتُوْنَ قَالَ لَا اَیْ بُنِیَّ مَحْدَثٌ

امام احمد ونسائی وابن ماجہ وترمذی نے روایت کی اور اسے صحیح کہا۔ ابی مالک اشجعی سے کہا کہ میرا باپ نماز پڑھتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جب کہ وہ سولہ برس کا تھا۔ پھر ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے تو میں نے ان سے پوچھا کیا یہ حضرات قنوت (نازلہ) پڑھتے تھے اس نے فرمایا اے بیٹا یہ بدعت ہے۔

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قنوت نازلہ کے عدم جواز پر دلائل

امام اہلسنّت الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ رضویہ ج ٣ ص ٤٩٢ پر لکھتے ہیں۔ ابن حبان نے اپنی بالتقاسیم والانواع میں بطریق ابراہیم بن سعد عن الزہری عن سعید وابی سلمۃ حضرت ابوہریرہ سے روایت کی

قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَقْنُتُ فِی الصُّبْحِ اِلَّا اَنْ یَّدْعُوْ لِقَوْمٍ اَوْ عَلٰی قَوْمٍ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح میں قنوت نہ پڑھتے مگر جب کسی قوم کے لئے ان کے فائدے کی دعا فرماتے یا کسی قوم پر ان کے نقصان کی دعا فرماتے۔ فتح القدیر وغنیۃ ومرقاۃ شرح مشکوٰۃ۔ میں فرمایا وہو سند صحیح یہ سند صحیح ہے۔ خطیب بغدادی نے کتاب القنوت میں بطریق محمد بن عبداللہ الانصاری ثنا سعید بن ابی عروبۃ عن قتادہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَقْنُتُ اِلَّا اِذَا دَعَا لِقَوْمٍ اَوْ دَعَا عَلٰی قَوْمٍ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قنوت نہ پڑھتے مگر جبکہ کسی قوم کے لئے یا کسی قوم پر دعا فرمانی ہوتی کتب ثلاثہ مذکور میں ہے۔

ھٰذَا سَنَدٌ صَحِیْحٌ صَاحِبُ تَنْقِیْحِ التَّحْقِیْقِ

یہ سند صحیح ہے صاحب تنقیح التحقیق نے اس کی تصریح کی۔ امام زیلعی نصب الرایہ میں یہ دونوں حدیثیں ذکر کر کے فرماتے ہیں:

قَالَ صَاحِبُ التَّنْقِیْحِ وَ سَنَدُ ھٰذَیْنِ الْحَدِیْثَیْنِ صَحِیْحٌ وَھُمَا نَصٌّ فِیْ اِنَّ الْقُنُوْتِ مُخْتَصٌّ بِالنَّازِلَۃِ

یعنی صاحب تنقیح نے فرمایا ان دونوں حدیثوں کی سند صحیح ہے اور ان میں صاف تصریح ہے کہ قنوت وقت مصیبت کے ساتھ خاص ہے۔ واضح رہے کہ ان احادیث صحیحہ سے ہمارے موقف کی کہ دعا قنوت مصیبت عامہ کے وقت نماز فجر میں پڑھی جا سکتی ہے اور اس کا عموم منسوخ ہے۔ اصل منسوخ نہیں تائید ہے۔ علامہ نیموی نے اپنی آثار السنن کے باب ترک القنوت فی صلوۃ الفجر میں بائیس احادیث بسند صحیح وحسن نقل کی ہیں جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ماہ تک فجر میں قنوت پڑھنا آیا ہے اور صحابہ کرام خلفائے راشدین اور ابن عباس ابن مسعود ابن عمر، ابن زبیر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے نماز فجر میں قنوت نہ پڑھنا مذکور ہے۔ اس کے باوجود بھی

وہابی صاحبان قنوت فی صلوٰۃ الفجر میں مطلق عدم نسخ پر بضد ہیں تو اس کا علاج ہمارے پاس نہیں۔

اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۴ تا ۷:

ابویعلی موصلی، ابوبکر بزار، طبرانی نے کبیر میں، بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَھْرًا یَّدْعُوْ عَلٰی عُصَیَّۃَ وَذَکْوَانَ شَھْرًا فَلَمَّا ظَھَرَ عَلَیْھِمْ تَرَکَ الْقُنُوْتَ وَقَالَ الْبَزَّارُ فِیْ رِوَایَتِہٖ لَمْ یَقْنُتِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا شَھْرًا وَّاحِدًا لَمْ یَقْنُتْ قَبْلَہٗ وَلَا بَعْدَہٗ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی جس میں قبیلہ عصیہ و زکوان پر بددعا فرمائی جب ان پر غالب آ گئے تو چھوڑ دی۔ بزار نے اپنی روایت میں فرمایا کہ حضور نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہ پڑھی۔ وہابی صاحب نے یہاں اس حدیث کا کوئی جواب نہیں دیا البتہ اس سے قبل جو جاء الحق سے حدیث نمبر ۳ طحاوی شریف کے حوالہ سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے گزری۔ اس پر اعتراض میں یہ بہانہ کیا کہ مفتی صاحب نے اسے مکرر ذکر کیا ہے حالانکہ یہ بہانہ اسے ہرگز مفید نہیں کیونکہ ہر ذی شعور دیکھ لے گا ان دونوں حدیثوں کا متن مختلف ہے مکرر کا الزام تو تب درست تھا جبکہ دونوں کے متن و سند ایک ہوتے فقیر کہتا ہے وہابی جی کی اصل مجبوری یہ کہ اگر اس حدیث کو لکھ کر پھر اس کا جواب دیتا جیسے کہ اس نے اپنی کتاب میں طریق اپنایا ہے۔ اس کا جھوٹ سامنے آ جاتا لوگ کہتے وہابی جی ان دو روایتوں کے متن مختلف ہیں تم کیسے کہتے ہو کہ ان کا متن و سند ایک ہی ہے۔ دوسری مجبوری تھی کہ اس حدیث میں واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھی اس

سے پہلے بھی نہ پڑھی اور بعد میں بھی نہ پڑھی اور یہ نسخ کی روشن دلیل ہے لہٰذا اس صاحب نے ان تمام اعتراضوں سے پیچھا چھڑانے کو نہ اس کے الفاظ لکھے اور نہ جواب دیا۔ بہرحال آگے چلتے ہوئے جاء الحق سے حدیث نمبر ۹۰۸ کو لکھتے ہیں۔

رسول اللہ نے صرف ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھی

ابوداؤد ونسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَھْرًا ثُمَّ تَرَکَہٗ یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی پھر چھوڑ دی۔ واضح رہے کہ مذکورہ حدیث کا غیر مقلد صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۲، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت ابو مالک اشجعی سے روایت کی۔

> قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ یَا اَبَتِ اِنَّکَ قَدْ صَلَّیْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ وَعُثْمَانَ وَ عَلِیٍّ ھٰھُنَا بِالْکُوْفَۃِ نَحْوًا مِنْ خَمْسِ سِنِیْنَ کَانُوْا یَقْنُتُوْنَ قَالَ یَا بُنَیَّ مُحْدَثٌ

فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ابا جان آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر وعثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے کوفہ میں تقریباً پانچ سال نماز پڑھی کیا یہ حضرات قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اے بچے یہ بدعت ہے۔ یعنی ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنا بالکل سنت کے خلاف اور بدعت سیئہ ہے۔ غیر مقلد اس کے جواب میں لکھتا ہے۔ جن معنوں میں یہاں بدعت کہا گیا ہے یہ ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ابن ماجہ کی روایت میں صراحت ہے کہ اَکَانُوْا یَقْنُتُوْنَ فِی الْفَجْرِ یعنی کیا یہ حضرات نماز فجر میں (ہمیشہ) قنوت پڑھا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا (ای بنی محدث) کہ اے میرے بیٹے فجر میں (بلاسبب ہمیشہ) قنوت پڑھنا بدعت ہے (ابن ماجہ ص ۸۹) خود مفتی صاحب کو اقرار ہے کہ یہاں ہمیشہ قنوت

پڑھنے کا بیان ہے۔ فرماتے ہیں خیال رہے یہاں ہمیشہ قنوت پڑھنا مراد ہے ورنہ علی مرتضیٰ نے جنگ صفین کے موقع پر قنوت پڑھی ہے۔ (مراۃ المناجیح ج ۲ ص ۲۸۵) خلاصہ کلام یہ کہ یہاں بلاسبب ہمیشہ قنوت پڑھنا (اور وہ بھی صرف نماز فجر میں) جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت سے ثابت ہوا ہے مراد ہے اور یہ ہمارے مخالف نہیں کیونکہ ہم نہ تو بلاسبب پڑھتے ہیں اور نہ ہی نماز فجر میں ہمیشہ پڑھتے ہیں۔

ثانیاً: اگر کہا جائے کہ سبب اور ہمیشہ کی قید اپنے پاس سے لگائی گئی کیونکہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں! تو جواب اس کا یہ کہ دوسری روایات سے یہ بات ثابت ہے تو روایات میں موافقت کے لئے یہ توجیح (صحیح لفظ توجیہ ہے) ضروری ہے۔ چنانچہ علامہ زیلعی حنفی فرماتے:

لَيْسَ فِیْ هٰذَا الْحَدِیْثِ دَلِیْلٌ عَلٰی اِنَّهُمْ مَا قَنَتُوْا قَطُّ بَلْ اِتَّفَقَ اِنَّ طَارِقًا صَلّٰی خَلْفَ كُلِّ مِنْهُمْ وَاَخَذَ بِمَا رَاٰی وَمِنَ الْمَعْلُوْمِ اِنَّهُمْ كَانُوْا یَقْنُتُوْنَ فِی النَّوَازِلِ وَ هٰذَا الْحَدِیْثُ یَدُلُّ عَلٰی اِنَّهُمْ مَا كَانُوْا یُحَافِظُوْنَ عَلٰی قُنُوْتِ رَاتِبٌ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

یعنی اس حدیث میں اس امر کی کوئی دلیل نہیں کہ خلفاء اربعہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قنوت نہ پڑھی تھی بلکہ اس میں اتفاقاً ایسا ہوا کہ جب بھی انہوں نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی انہوں نے قنوت نہ پڑھی اور راوی نے وہ اخذ کیا جو اس نے دیکھا تھا جبکہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ انہوں نے حوادث میں قنوت پڑھی۔ ہاں البتہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے فرائض میں قنوت کو ہمیشہ نہیں پڑھا اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۳۱، الغرض یہاں بلاسبب اور ہمیشہ پڑھنا ہی مراد ہے۔

ثانیاً: جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ نے وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی قنوت نازلہ پڑھی

ہے اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب ثبوت ونفی میں تعارض ہوتو ثبوت مقدم ہوتا ہے چنانچہ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ جب ثبوت ونفی میں تعارض ہوتو ثبوت کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۵۵ تا ۴۵۶

الجواب اوّلاً: وہابی صاحب کا (کَانُوْا) کا معنی ہمیشہ کرنا خالص مغالطہ ہے کیونکہ سیاق حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال ماضی سے ہے لہٰذا مضارع کو ماضی کے معنی میں کرنے کو (کَانُوْا) لایا گیا نہ کہ استمرار پر دلالت کرانے کو۔

ثانیاً: جب ہم کہیں کہ ہر بدعت سیۂ نہیں بلکہ اس کے اقسام سے حسنہ بھی ہے تو وہابی صاحبان ماننے کو ہرگز تیار نہیں ہوتے بلکہ زور دیتے ہیں کہ ہر بدعت گمراہی ہے اسے ثابت کرنے کو یہ حضرات مسلم کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں (وَکُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ) اور ہر بدعت گمراہی ہے مگر جب اپنا مذہب بچانا مقصود تھا مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمتہ اللہ علیہ کی تقلید بھی قبول کر لی ان کی مراۃ شرح مشکوٰۃ کا حوالہ دیدیا میں پوچھتا ہوں وہابی صاحب حنفی سنی بریلوی حضرات کے خلاف فتویٰ صادر کرنا ہو اس وقت تمہیں بدعت کا اور کوئی معنی نظر نہیں آتا جب اپنا مذہب بچانا ہوتو نظر آجاتا ہے یہ کون سا اصول ہے۔

ثالثاً: وہابی صاحب فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھنے کو بدعت مان رہا ہے مگر اسے یہی معلوم نہیں کہ ان کے گھر کا مجتہد العصر عبداللہ روپڑی صاحب فجر میں ہمیشہ قنوت پڑھنے کو درست کہتے ہیں۔ بدعت نہیں مانتے چنانچہ ان کے فتاویٰ اہل حدیث کا حوالہ اسی باپ میں گزرا جس میں لکھتے ہیں۔ پانچوں نمازوں میں ہمیشہ دعا قنوت پڑھنا ہے۔ بدعت البتہ فجر کی نماز میں کہہ سکتے ہیں۔

رابعاً: غیر مقلد صاحب نے علامہ زیلعی کے نصب الرایہ سے ان کی عبارت پیش کی جو کہ ہمارے احناف کے خلاف نہیں کیونکہ انہوں نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم فجر میں قنوت نازلہ ہمیشہ نہیں

پڑھتے تھے بلکہ بوقت مصیبت پڑھتے تھے۔ یہ ہمارا احناف کا مذہب ہے کہ مصیبت عامہ کے وقت فجر میں قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں غیر مقلدوں کے یہی عبارت خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک فجر میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ فتاویٰ اہل حدیث کا ابھی حوالہ گزرا۔

خامساً: اصل بات یہ ہے کہ جاء الحق کی زیر بحث حدیث صحیح الاسناد ہے جب وہابی جی کو اس پر اعتراض ہاتھ نہ آیا تو ادھر ادھر کی فضول بحث چھیڑ دی۔ اسی حدیث کے متعلق امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ جامع ترمذی جزء اول باب فی ترک القنوت جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۳ و ۱۴۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دراز حدیث نقل کی جس میں آخری الفاظ یہ ہیں:

> كَانَ يَقُوْلُ فِیْ بَعْضِ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّ فُلَانًا لِاَحْيَاءٍ مِّنَ الْعَرَبِ حَتّٰى اَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَىْءٌ
>
> حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض نمازوں میں فرمایا کرتے تھے کہ خدایا فلاں فلاں عرب کے بعض قبیلے پر لعنت کر یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ لَيْسَ لَكَ الخ

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ دعاء قنوت فجر کی نماز میں پڑھنا منسوخ ہے۔ دوسرے یہ کہ حدیث شریف آیت قرآنی سے منسوخ ہو سکتی ہے کہ قنوت نازلہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے اور اس کا نسخ قرآن کریم سے ثابت۔ تیسرے یہ کہ دین کے دشمنوں پر بددعا یا لعنت کرنا جائز ہے جن لوگوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی وہ حضور کی ذات شریف کے دشمن نہ تھے بلکہ دین اسلام کے دشمن تھے جب ان پر جہاد کر سکتے ہیں تو بددعا بھی کر سکتے ہیں ہاں حضور نے اپنے ذاتی دشمنوں کو معافیاں دی ہیں۔ ہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ یاد رہے کہ وہابی

صاحب نے مذکورہ حدیث شریف کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۵ ملاحظہ ہو۔ حافظ طلحہ بن محمد محدث نے اپنی مسند میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے روایت کی۔

عَنِ الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ عَنْ اَبَانِ ابْنِ عَيَّاشٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمْ يَقْنُتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفَجْرِ اِلَّا شَهْرًا وَّاحِدًا لِاَنَّهٗ حَارَبَ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَنَتَ يَدْعُوْ عَلَيْهِمْ

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عیاش سے روایت فرماتے ہیں وہ ابراہیم نخعی سے وہ حضرت علقمہ سے وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود سے انہوں نے فرمایا کہ حضور نے نماز فجر میں قنوت نازلہ کبھی نہ پڑھی سوائے ایک مہینہ کے کیونکہ حضور نے مشرکین سے جنگ کی تھی تب ان پر ایک ماہ بددعا فرمائی تھی۔

واضح رہے کہ اس حدیث کا بھی وہابی صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۶ و ۱۷ ملاحظہ ہو۔ حافظ ابن خسرو نے اپنی مسند میں اور قاضی عمر ابن اشنانی نے حضرت امام ابوحنیفہ سے انہوں نے نے حماد سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ مَا قَنَتَ اَبُوْبَكْرٍ وَّ عُمَرُ وَلَا عُثْمَانُ وَلَا عَلِيٌّ حَتّٰى حَارَبَ اَهْلَ الشَّامِ فَكَانَ يَقْنُتُ

نہ ابوبکر و عمر نے نہ حضرت عثمان نے نہ علی مرتضٰی نے قنوت نازلہ پڑھی یہاں تک کہ حضرت علی نے اہل شام سے جنگ کی تو قنوت نازلہ پڑھی۔

اس پر غیر مقلد کا اول و دوم اور سوئم اعتراض: اس کی سند کو خود مفتی صاحب نے

لکھا ہے جس میں حماد بن ابی سلیمان راوی ہے اور وہ مرجئ المذہب تھا جیسا کہ تہذیب میں صراحت ہے (کان یرمی بالارجاء ص ۱۶ ج ۳) اور مرجئ کی روایت مفتی صاحب کے نزدیک سخت ضعیف ہوتی ہے۔

ثانیاً: اس کو بیان کرنے والے ابراہیم نخعی ہیں اور ان کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں۔ امام علی بن مدینی فرماتے ہیں:

اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيّ لَمْ يَلْقَ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یعنی ابراہیم نے نخعی کسی صحابی رسول سے نہیں ملا۔ (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۹)

اگر کہا جائے کہ نصب الرایہ میں اسود بن یزید کا واسطہ موجود ہے تو جواباً عرض ہے کہ ابراہیم مدلس بھی ہے (طبقات المدلیس ص ۶۸) اور ابراہیم نجعی (صحیح لفظ نخعی ہے، محبت علی.) سماع کی صراحت کے بغیر عن اسود بن یزید کہہ رہے ہیں۔ علاوہ ازیں ان دونوں کا متن بھی جدا ہے۔

ثالثاً: سند میں ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ہیں جو کہ بلا شبہ امام ہیں مگر حدیث میں ضعیف ہیں جیسا کہ فاتحہ خلف الامام کے سلسلہ میں تفصیل گزر چکی ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۵۷۔

الجواب اوّلاً: اولاً وہابی صاحب کو تہذیب التہذیب میں امام حماد بن ابی سلیمان کے بارے یہ قول تو نظر آیا کہ وہ مرجئ تھے مگر امام عجلی کا یہ فرمان نظر نہ آیا کہ

قَالَ الْعَجْلِيّ كُوْفِيٌّ ثِقَةٌ وَّكَانَ اَفْقَهُ اِصْحَابِ اِبْرَاهِيْمَ وَقَالَ النِّسَآئِيُّ ثِقَةٌ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۷)

امام عجلی نے فرمایا کہ (حماد) کوفہ کا رہنے والا ثقہ اور امام ابراہیم نخعی کے تمام شاگردوں سے زیادہ فقیہ تھے۔ امام نسائی نے فرمایا وہ ثقہ ہیں۔

(میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵۹۵)

پر ہے وقال ابن معین وغیرہ ثقۃ امام ابن معین وغیرہ نے فرمایا (حماد) ثقہ ہیں مگر افسوس کہ وہابیوں کو بزرگوں کے عیب نظر آتے ہیں خوبیاں نظر نہیں آتیں۔

ثانیاً: وہابی صاحب کا کہنا کہ ابراہیم نخعی کی کسی صحابی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ فقیر کہتا ہے کہ وہابی صاحب نے حقائق کو نظر انداز کر کے علی بن مدینی کی تقلید کی ہے مگر بفضلہٖ تعالیٰ ہم اسے حقائق دکھاتے ہیں۔ حافظ ابوحاتم محمد بن حبان اپنی کتاب الثقات کے الجزء الرابع ص ۸ پر لکھتے ہیں۔

اِبْرَاهِيْمُ بْنُ يَزِيْدَ بْنِ عَمْرِو النَّخْعِيّ اَبُوْعِمْرَانَ سَمِعَ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ وَالْاَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَّ دَخَلَ عَلٰى عَآئِشَةَ رَوٰى عَنْهُ مَنْصُوْرٌ وَّمُغِيْرَةُ وَالْاَعْمَشُ كَانَ مَوْلِدُهٗ سَنَةَ خَمْسِيْنَ وَمَاتَ سَنَةَ خَمْسَ اَوْ سِتَّ وَتِسْعِيْنَ وَهُوَ اِبْنُ سِتّ وَاَرْبَعِيْنَ سَنَةً بَعْدَ مَوْتِ الْحَجَّاجِ بِاَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ وَّكَانَتْ اُمُّهٗ مَلِيْكَةُ بِنْتُ قَيْسٍ اُخْتُ عَلْمَقَةَ بْنِ قَيْسٍ

ابراہیم بن یزید بن عمرو النخعی ابوعمران نے مغیرہ بن شعبہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے احادیث کا سماع کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی حاضر ہوئے اور ان سے منصور و مغیرہ اور اعمش نے روایتیں کیں اور پیدائش ان کی پچاس ہجری کو اور وفات پچانویں یا چھیانویں کو حجاج کی موت کے بعد چار ماہ ہے اور ان کی والدہ کا نام ملیکہ بنت قیس جو علقمہ بن قیس کی بہن ہیں۔

یہ خود ابن حبان کی تحقیق ہے اور جب کوئی محقق موقف ذکر کرتا ہے تو پہلے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح دیکھتا ہے۔ اب ان کی روایت کا مقام دیکھیں۔ تہذیب التہذیب ج ا ص ۱۷۷ پر ہے:

(قَالَ الْاَعْمَشُ كَانَ اِبْرَاهِيْمُ خَيْرًا فِي الْحَدِيْثِ وَقَالَ الشَّعْبِيُّ

مَا تَرَكَ اَحَدًا اَعْلَمَ مِنْهُ وَقَالَ اِبْنُ مُعِيْنٍ مَرَاسِيْلُ اِبْرَاهِيْمَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ مَرَاسِلِ الشَّعْبِيّ)

حضرت اعمش نے کہا کہ ابراہیم (النخعی) حدیث میں بہت اچھے ہیں اور امام شعبی نے کہا کہ انہوں نے اپنے سے بڑھ کر علم والا نہ چھوڑا۔ امام ابن معین نے فرمایا ابراہیم کی مرسل روایتیں مجھے شعبی کی مرسل سے بھی زیادہ پسند ہیں۔ اب علی بن مدینی کے اس قول کا جائزہ لیتے ہیں کہ ابراہیم نخعی نے کسی صحابی سے ملاقات نہیں کی۔ تحفۃ التحصیل فی ذکر رواۃ المراسل میں الحافظ ولی الدین احمد بن عبدالرحیم بیان کرتے ہیں۔

وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِيْنِيّ لَمْ يَلْقَ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيْلَ لَهٗ فَعَآئِشَةَ قَالَ هٰذَا لَمْ يَرْوِهٖ غَيْرُ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ عُرُوْبَةَ عَنْ اَبِيْ مَعْشَرٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ وَهُوَ ضَعِيْفٌ وَّ قَدْ رَاٰى اَبَا جُحَيْفَةَ وَزَيْدَ بْنَ اَرْقَمَ وَابْنَ اَبِيْ اَوْفٰى وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُمْ

علی بن مدینی نے کہا کہ ابراہیم (نخعی) نے اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی سے ملاقات نہیں کی۔ ان سے پوچھا گیا کہ حضرت عائشہ سے بھی (ملاقات نہیں کی) انہوں نے کہا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) ملاقات کی مگر یہ روایت سعید بن ابی عروبہ کے سوا کسی نے نہیں کی اور وہ ضعیف ہیں اور بے شک اس نے حضرت ابو جحیفہ اور زید بن ارقم اور ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہم کی زیارت کی اور ان سے حدیث کی سماعت نہ کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابن مدینی حضرت ابراہیم نخعی کی صحابہ سے ملاقات کے منکر نہیں وہ محض صحابہ سے سماع حدیث کا انکار کرتے ہیں وہ بھی ان کا عذر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کی ملاقات کے ثبوت کی روایت کے راوی ضعیف

ہیں اور انکا یہ عذر دوسری صحیح الاسناد روایت سے دور ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو

(وَرَوَايَـهُ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِیْ مَعْشَرٍ ذَكَرَهَا ابْنُ حَبَانِ بِسَنَدٍ صَحِيْحٍ
اَبِیْ سَعِيْـدٍ عَـنْ اَبِیْ مَعْشَرٍ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَهُمْ اِنَّهُ دَخَلَ عَلٰی
عَآئِشَةَ رضی الله عنها فَرَاٰی عَلَيْهَا ثَوْبًا اَحْمَرَ)

(تہذیب التہذیب ج ا ص ۱۷۸)

اور سعید کی روایت ابی معشر سے جسے ابن حبان نے بسند صحیح بیان کیا سعید کی طرف اس نے ابی معشر سے کہ بے شک انہیں حضرت ابراہیم نے حدیث بیان کی کہ وہ حضرت عائشہ کی خدمت میں آئے تو ان پر سرخ کپڑا دیکھا۔

اب بھی غیر مقلد صاحب ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کی صحابہ رضوان اللہ علیہم سے ملاقات نہ مانے تو ضد کا کوئی علاج نہیں۔ اب رہا امام الآئمہ کاشف الغمہ سراج الامہ پر ضعف کا اعتراض، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جسے وہابی جی بار بار دہرا رہے ہیں امام صاحب کو امام بھی کہتے ہیں اور پھر طرح طرح کے الزام بھی گھڑتے ہیں۔ یہ ان کا تعصب اور سورج پر تھوکنا ہے جس کا جواب ہم نصرت الحق حصہ اول کے باب القراءۃ خلف الامام میں بھرپور طور پر دے چکے ہیں کہ مذاہب اربعہ کے کثیر آئمہ مجتہدین کے اقوال مبارکہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی مدح ثقاہت و فقاہت اور رفعت شان و عظمت پر پیش کر دیئے ہیں اب یہاں دہرانا باعث طول بے حاصل ہے۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۸ ملاحظہ ہوں۔ ابو محمد بخاری نے امام اعظم ابوحنیفہ سے انہوں نے عطیہ عوفی سے انہوں نے ابوسعید خدری صحابی سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ لَمْ يَقْنُتْ اِلَّا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا
يَدْعُوْ عَلٰی عُصَيَّةَ وَ ذَكْوَانَ ثُمَّ لَمْ يَقْنُتْ اِلٰی اَنْ مَّاتَ

انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضور نے چالیس دن کے سوا قنوت نازلہ نہ پڑھی ان چالیس دن میں آپ نے عصیہ زکوان پر بدعا فرمائی پھر وفات تک کبھی نہ پڑھی۔

اس جگہ مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ اٹھارہ احادیث بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ ورنہ قنوت نہ پڑھنے کے متعلق بہت زیادہ احادیث شریفہ موجود ہیں اگر شوق ہو تو طحاوی شریف، صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرماویں۔ اس پر غیر مقلد کے اعتراض اور بے ہودہ گوئی و بدزبانی لکھتے ہیں۔ سند میں امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ہیں جو کہ حجت نہیں۔

ثانیاً: دوسرا مجروح راوی عطیہ عوفی ہیں۔ امام احمد، امام ابوحاتم، امام ہیثم، امام ابوزرعہ، امام جوزجانی، امام نسائی نے اس کی تضعیف کی ہے۔ (تہذیب ص ۲۲۵ ج ۷) امام ابن حجر فرماتے ہیں صدوق یخطی کثیرا التقریب ص ۱۸۰ یعنی سچا تو ہے لیکن کثرت سے غلطیاں کرتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ حوادث و مصیبت کے وقت قنوت نازلہ پڑھنے کا احادیث صحیحہ سے ثبوت ملتا ہے جبکہ مصیبت کے وقت قنوت نازلہ پڑھنے کی ممانعت پر کوئی صحیح حدیث نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ متاخرین احناف نے حوادث میں قنوت نازلہ پڑھنے کا فتویٰ دیا اور مجدد بدعات، دشمن توحید و سنت مولوی احمد رضا خاں نے خاص اس موضوع پر ایک رسالہ لکھ کر اپنے موقف کو بتا دیا ہے کہ حوادث میں قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے۔ خود مفتی صاحب اس مسئلہ میں متذبذب ہیں۔ جاء الباطل (جاء الحق محبت علی) میں کچھ لکھتے۔ مشکوٰۃ کی شرح میں کچھ فرماتے ہیں کبھی فجر کی نماز میں قنوت نازلہ کے پڑھنے کو جواز کی حد تک بتاتے ہیں۔ مگر فجر کی تخصیص پر کوئی دلیل قائم نہیں کر سکے اور نہ کوئی مرجی علامہ فہامہ کر سکتا ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۵۷ تا ۴۵۸۔

الجواب اوّلاً: تہذیب التہذیب سے جس جلد وصفحہ کا حوالہ وہابی صاحب نے

دیا ہے۔

اسی پر ہی حضرت ابن سعد کا قول عطیہ بن سعد العوفی کے متعلق یہ ہے:

وَكَانَ ثِقَةٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ وَلَهٗ اَحَادِيْثُ صَالِحَةٌ وَّمِنَ النَّاسِ مَنْ لَّا يُحْتَجُّ بِهٖ

یعنی عطیہ ان شاء اللہ ثقہ تھے اور ان کی احادیث درست ہیں لیکن بعض لوگ اسے حجت نہیں بناتے

اور میزان الاعتدال ج ۳ ص ۸۰ پر ہے۔ وَقَالَ ابْنُ مُعِيْنٍ صَالِحٌ یعنی امام ابن معین نے فرمایا کہ اس کی (احادیث) درست ہیں۔

ثانیاً: امام علامہ ابوبکر بزار کی طبرانی کبیر کے حوالہ سے جاء الحق کی حدیث نمبر ۴ تا ۷ تحت روایت گزری جس کی صحت پر غیر مقلد نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ زیر بحث روایت کی ہم معنی ہے جس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس کے آخری الفاظ ہیں۔

وَقَالَ الْبَزَّارُ فِيْ رِوَايَتِهٖ لَمْ يَقْنُتِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا شَهْرًا وَّاحِدًا لَّمْ يَقْنُتْ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ

بزار نے اپنی روایت میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہ پڑھی۔

غور طلب بات یہ کہ اگر اس پر وہابی نے اعتراض نہیں کیا تو عطیہ عوفی کی روایت میں کوئی نئی بات نہیں پھر کیا وجہ ہے، شور مچانے کی،

ثالثاً: وہابی صاحب نے اپنے کو محقق ظاہر کرنے کے لئے متاخرین کی قید اپنے پاس سے لگائی کہ متاخرین احناف نے حوادث کے وقت قنوت نازلہ پڑھنے کا فتویٰ دیا ہے حالانکہ یہ صاحب پہلے خود حوادث و مصیبت کے وقت فجر میں قنوت نازلہ پڑھنے پر ملا علی قاری سے علمائے کا اتفاق نقل کر چکا ہے چنانچہ نام نہاد دین الحق کے

ص ۴۵۰ پر اس نے ملا علی قاری کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ سے یہ عبارت لکھی ہے۔

اِطَّفَقَ عُلَمَاؤُنَا عَلٰی جَوَازِ قُنُوْتِ عِنْدَ النَّازِلَةِ

یعنی ہمارے علماء (احناف) مصیبت کے وقت قنوت پڑھنے کے جواز پر مطفق ہیں۔

احناف کی دیگر کتب میں بھی اس مسئلہ میں متاخرین کی تخصیص کا ذکر نہیں یہی ہے کہ ہمارے علماء مصیبت عامہ کے وقت نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں چنانچہ فتاویٰ شامی ج ا ص ۴۵۱ پر ہے:

قَوْلُـهٗ فَيَقْنُتُ الْاِمَـامُ فِی الْـجَهْـرِيَّةِ يُوَافِقُـهٗ مَـا فِی الْبَحْرِ وَالشرنبلالية عَنْ شَرْحِ النّقَايَةِ عَنِ الْغَايَةِ وَاِنْ نَزَلَ بِالْمُسْلِمِيْنَ نَـازِلَةٌ قَـنَـتَ الْاِمَامُ فِیْ صَلَاةِ الْجَهْرِ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِیّ وَاَحْمَدَ وَكَـذٰا فِـیْ شَـرْحِ الشَّـيْـخِ اِسْـمٰعِيْلَ عَنِ الْبَنَايَةِ اِذَا وَقَعَتْ نَازِلَةٌ قَـنَتَ الْاِمَامُ فِی الصَّلٰوةِ الْـجَهْـرِيَةِ لٰكِنَّ فِی الْاَشْبَاهِ عَنِ الْغَايَةِ قَـنَـتَ فِـیْ صَـلٰوةِ الْفَجْرِ وَيُؤَيِّدُهٗ مَا فِیْ شَرْحِ الْمُنْيَةِ حَيْثُ قَالَ بَـعْـدَ كَلَامٍ فَتَـكُـوْنُ مَشْـرُوْعِيَّتُـهٗ اَیْ مَشْـرُوْعِيَّةِ الْـقُنُوْتِ فِی النَّوَازِلِ مُسْتَمِرَّةٌ وَّهُوَ مَحْمَلُ قُنُوْتِ مَنْ قَنَتَ مِنَ الصَّحَابَةِ بَعْدَ وَفَـاتِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَهُوَ مَذْهَبُنَا وَعَلَيْهِ الْجَمْهُوْرُ قَالَ الْـحَـافِـظُ اَبُـوْ جَـعْفَرِ الطَّحَاوِیُّ اِنَّمَا لَا يَقْنُتُ عَنْدَنَا فِیْ صَلٰوةِ الْـفَـجْـرِ مِـنْ غَيْـرِ بَلْيَةِ فَاِنْ وَقَعَتْ فِتْنَةٌ اَوْ بَلْيَةٌ فَلَا بَاْسَ بِهٖ فَعَلَهٗ رَسُـوْلُ الـلّٰـهِ صَـلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَّا قُنُوْتُ فِی الصَّلٰوَاتِ كُـلِّهَـا لِلنَّوَازِلِ فَلَمْ يَقُلْ بِهٖ اِلَّا الشَّافِعِیُّ وَكَاَنَّهُمْ حَمَلُوْا مَارُوِیَ عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِنَّهٗ قَنَتَ فِی الظُّهْرِ وَالْعِشَآءِ كَمَا فِیْ مُسْـلِمٍ وَقَنَتَ فِی الْمَغْرِبِ اَيْضًا كَمَا فِی الْبُخَارِیُّ عَلَى النَّسْخِ

لِعَدْمِ وُرُوْدِ الْمَوَاظِبَةِ وَالتَّكْرَارِ الْوَارِدِیْنَ فی الْفَجْرِ عَنْهُ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اھ وَهُوَ صَرِیْحٌ فِیْ اَنَّ قُنُوْتَ النَّازِلَةِ عِنْدَنَا مُخْتَصٌّ بِصَلٰوةِ الْفَجْرِ دُوْنَ غَیْرِهَا الخ

یعنی صاحب درالمختار کا کہنا کہ امام قنوت جہری نمازوں میں پڑھے یہ موافق ہے۔ اس کے جو بحر اور شرنبلالیہ میں ہے منقول از شرح النقایہ از غایہ کہ جب مسلمانوں پر کوئی آفت آئے تو امام نماز جہری میں قنوت پڑھے اور یہ امام ثوری اور امام احمد کا قول ہے اور ایسے ہی شرح شیخ اسماعیل میں بنایہ سے ہے کہ جب مصیبت عامہ آئے تو امام جہریہ نمازوں میں قنوت پڑھے لیکن الاشباہ میں الغایہ سے منقول ہے کہ امام صرف فجر میں قنوت نازلہ پڑھے اور اس کی تائید میں ہے جو منیہ میں ہے کہ اس نے کلام کے بعد فرمایا کہ اس کا مشروع ہونا یعنی قنوت کا مشروع ہونا حوادث کے وقت ہمیشہ کے لئے ہے اور محمل ہے قنوت کا جس نے صحابہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد قنوت کو پڑھا اور یہی ہمارا مذہب ہے یعنی بوقت مصیبت قنوت پڑھنا اور اس پر جمہور ہیں الحافظ ابوجعفر طحاوی نے فرمایا ہمارے نزدیک فجر میں قنوت کا عدم جواز غیر مصیبت میں ہے لیکن جب فتنہ یا کوئی آفت آئے تو قنوت پڑھنے میں حرج نہیں کیونکہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے تو بہرحال تمام نمازوں میں قنوت پڑھنا حوادث کے وقت اس کا سوا امام شافعی کے کوئی بھی قائل نہیں اور گویا کہ علماء نے محمول کیا اسے نسخ پر جو وارد ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے ظہر وعشاء میں بھی قنوت پڑھی جیسا کہ مسلم میں آیا اور آپ نے مغرت میں بھی قنوت پڑھی جسے بخاری نے روایت کیا واسطہ نہ ہونے اس پر ہمیشگی اور جبکہ فجر کی نماز

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قنوت پڑھنے کی روایتیں تکرار سے آئی ہیں اور وہ صریح ہے اس میں کہ بے شک قنوت نازلہ ہمارے نزدیک مختص ہے نماز فجر کے ساتھ سوا اس کے غیر کے۔

اور فتاویٰ رضویہ شریف میں امام اہل سنت مجدد دین وملت حامی سنت قاطع بدعت امام الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔ غنیۃ شرح منیہ میں ہے:

قَالَ الْحَافِظُ اَبُوْجَعْفَرِ الطَّحَاوِیُّ اِنَّمَا لَا یَقْنُتُ عِنْدَنَا فِیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ مِنْ غَیْرِ بَلِیَّۃٍ فَاِذَا وَقَعَتْ فِتْنَۃٌ اَوْ بَلِیَّۃٌ فَلَا بَاْسَ بِہٖ

یعنی امام ابوجعفر طحاوی نے فرمایا نماز فجر میں ہمارے یہاں قنوت نہ ہونا اس وقت ہے کہ کوئی بلا ومصیبت نہ ہو جب کوئی فتنہ یا کسی قسم کی بلا واقعہ ہو تو نماز صبح میں قنوت پڑھنا مضائقہ نہیں۔

شرح نقایہ برجندی میں ہے فی الملتقط قال الطحاوی فَذَکَرَ نحوہ یعنی امام ناصر الدین محمد سمرقندی نے ملتقط میں امام طحاوی کا قول مذکورہ نقل فرمایا بحر الرائق میں ہے۔ و فی شرح النقایۃ معزیًا الی الغایۃ و نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام الخ یعنی علامہ شمنی نے شرح نقایہ بحوالہ غایہ امام سروجی بیان کیا کہ اگر مسلمانوں پر (معاذ اللہ) کوئی سختی آئے تو امام قنوت پڑھے ج ۳ ص ۴۹۰ مذکورہ حوالہ میں احناف کا موقف دربارہ قنوت نازلہ بلا تخصیص متقدمین و متاخرین مذکور ہے۔

رابعاً: نجدی جی کا امام اہل سنت مجدد دین وملت حامی سنت قاطع شرک و بدعت امام الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجدد بدعات و دشمن توحید کہنا خبث باطنی اور وہابی گندی تہذیب کا مظاہرہ ہے یہ بکنے سے پہلے نجدی ملاں کو نجدیوں کی اللہ سبحانہ تعالیٰ کی توحید کے متعلق گستاخیوں کو بھی ملاحظہ کر لینا چاہیے تھا۔

وہابی توحید کی ایک جھلک

غیر مقلد وہابیوں کے مفسر وحید الزماں حیدر آبادی صاحب آیہ مبارکہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى کا ترجمہ کرتے ہیں۔ وہ بڑے رحم والا تخت پر چڑھا۔ تبویب القرآن ۴۷۰ پھر تخت پر جا بیٹھا۔ (تبویب القرآن ص ۵۰)

یاد رہے چڑھنا، بیٹھنا، جسم و مکان کا مقتضی ہے جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ جسم و مکان سے پاک ہے۔ مگر وہابیوں کی توحید دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا چڑھنا بیٹھنا ثابت کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ نے مجدد الوہابیہ ابن تیمیہ کا عقیدہ یوں لکھا ہے **قولہ بالجسمیۃ و الجھۃ** وہ ابن تیمیہ اللہ تعالیٰ کے جسم اور جہت کا قائل تھا۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۰۰ مطبوعہ مصر) امام الوہابیہ عبداللہ غزنوی کے شاگرد اور وہابیوں کے شہرہ آفاق مصنف قاضی عبدالاحد خانپوری نے اپنے فرقہ وہابیہ کے امام اور سردار مولوی ثناء اللہ امرتسری کا عقیدہ لکھا ہے کہ

وہابیوں کے نزدیک اللہ اپنی مثل پیدا کر سکتا ہے

رب تعالیٰ اپنی مثل پیدا کرنے پر قادر ہے۔ الفیصلۃ الحجازیہ ص ۲۳ اہل ایمان کا عقیدہ سعیدہ ہے کہ دوسرا خدا ممکن نہیں یعنی اللہ کی زیر قدرت دوسرا خدا پیدا کرنا نہیں اگر زیر قدرت ہوگا تو ممکن بھی ہوگا ثناء اللہ کے مذکورہ عقیدہ کے مطابق اللہ کا حقیقی شریک ہونا ممکن ٹھہرا یہ ہے۔ وہابیوں کی توحید پرستی، اس بدحواس نے یہ بھی نہ سوچا کہ جو اللہ کی مثل (معاذ اللہ) ہوگا وہ ازلی ہوگا۔ حادث نہ ہوگا۔ خالق ہوگا۔ مخلوق نہ ہوگا جسے اللہ پیدا کرے گا وہ ازلی نہ ہوا حادث ہوا خالق نہ ہوا۔ مخلوق ہوا مالک نہ ہوا، مملوک ہوا تو پھر اللہ کی مثل کیسے ہوا۔ امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی صاحب لکھتے ہیں۔ سو اس طرح غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہے کر لیجئے یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔ (تقویۃ الایمان) ہر ذی شور جانتا ہے کہ دریافت اسے کیا جاتا جو پہلے موجود نہ ہو اللہ کا علم تو ازلی ہے اور موجود ہے اور ذاتی ہے اور کمی و

زیادتی سے پاک ہے مگر وہابیوں کی خود ساختہ توحید کا تماشہ یہ ہے جو آپ دیکھ چکے۔ اللہ ایسی بدعقیدگی سے محفوظ کرے۔

خامساً: غیر مقلد کا یہ کہنا کہ مفتی صاحب اس مسئلہ میں متذبذب ہیں۔ جاء الحق میں کچھ لکھتے ہیں اور شرح مشکوٰۃ میں کچھ فرماتے ہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس مسئلہ قنوت نازلہ میں متذبذب نہیں وہابی جی کی غلط بیانی ہے۔ خود وہابی صاحب نے مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح سے یہ عبارت لکھی ہے۔ خیال رہے کہ قنوت نازلہ کا یا جہر منسوخ ہے یا ہمیشہ پڑھنا منسوخ ہے ورنہ ضرورت پر اب بھی آہستہ پڑھی جا سکتی ہے۔ (ج ۲ ص ۲۸۴) اور جاء الحق کے اس زیر بحث باب میں آپ لکھتے ہیں یعنی ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنا بالکل سنت کے خلاف ہے اور بدعت سیئہ ہے۔ اگر آپ کے نزدیک آفت عامہ کے وقت قنوت نازلہ نماز فجر میں خلاف سنت و بدعت ہوتی تو ہمیشہ کی قید نہ لگاتے۔

قنوت نازلہ کے عدم جواز پر عقلی دلائل

اب جاء الحق سے اس مسئلہ پر عقلی دلائل ملاحظہ ہوں۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ عقل کا بھی تقاضا ہے کہ قنوت نازلہ نماز میں نہ پڑھی جاوے چند وجہ سے ایک یہ کہ پنجگانہ فرائض کی رکعتیں مختلف ہیں۔ فجر کی دو عصر و عشاء کی چار مغرب کی تین مگر کوئی فرض نماز ارکان یا دعا وغیرہ میں دوسری نماز سے مختلف نہیں۔ سب کے ارکان و دعائیں وغیرہ یکساں ہیں تو جب چار نمازوں میں قنوت نازلہ نہیں چاہیئے تو فجر کے فرضوں میں بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ با جماعت فرائض میں دعائیں اور ذکر مختصر ہیں۔ نوافل میں ان کی آزادی ہے دیکھو رکوع سے اٹھتے وقت اکیلا نمازی سمع اللہ لمن حمدہ بھی کہتا ہے اور ربنا لک الحمد بھی مگر جب جماعت سے پڑھتا ہے تو امام ربنا لک الحمد نہیں کہتا صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے اور مقتدی اس کے برعکس کہ ربنا لک الحمد تو کہتا ہے مگر سمع اللہ لمن حمدہ نہیں کہتا جب ان

نمازوں میں اس قدر اختصار مطلوب ہے تو فجر کے رکوع کے بعد اتنی دراز یعنی دعاء قنوت نازلہ پڑھنا مقصد شرع کے بالکل خلاف ہے۔ رکوع فجر کے بعد جو قومہ ہے۔ اس میں صرف سمع اللہ لمن حمدہ کے بقدر ٹھہرنا چاہئے۔ اگر اس میں قنوت نازلہ پڑھی گئی تو سجدہ میں جو نماز کا اعلیٰ رکن ہے، دیر لگے گی تاخیر فرض اگر بھول کر ہو تو سجدہ سہو واجب کرتی ہے اور اگر عمداً ہو تو نماز فاسد کر دیتی ہے لہٰذا اندرون نماز قنوت نازلہ نہ پڑھنا چاہئے تاکہ نماز کے ارکان میں اتصال رہے۔ مسئلہ فقہی مذہب حنفی یہ ہے کہ جنگ یا دوسری آفات عامہ کے موقع پر بہتر یہی ہے کہ قنوت نازلہ خارج از نماز پڑھے تاکہ صحابہ کرام کے اختلاف سے بچا رہے کیونکہ بعض صحابہ آفات و جنگوں کے موقع پر قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ بعض اسے بالکل منسوخ مانتے تھے لیکن اگر فجر کے فرضوں کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھے تو اگرچہ اچھا نہ کیا مگر جائز ہے۔ ضرورت سے ممنوعات مباح ہو جاتے ہیں لیکن آہستہ پڑھے بلند آواز سے نہ پڑھے فجر کے سوا کسی نماز میں پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جاوے گی کیونکہ اس نے بلا وجہ عمداً سجدہ میں تاخیر کر دی۔ تاخیر فرض مفسد نماز ہے ایک شبہ، بعض لوگ کہتے ہیں کہ آفت عامہ یا جہاد کے موقع پر ہر جہری نماز یعنی فجر، مغرب، عشاء میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہئے کیونکہ شرح نقایہ اور غایۃ الاوطار میں ہے۔

قَنَتَ الْاِمَامُ فِیْ صَلٰوۃِ الْجَھْرِ وَھُوَ قَوْلُ الثَّوْرِیِّ وَاَحْمَدَ

اس موقع پر امام جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھے۔ امام ثوری و احمد کا یہ ہی قول ہے۔

پنجاب میں بہت روز تک بعض جاہل اماموں نے اسی دلیل سے مغرب، عشاء، فجر بلکہ نماز میں قنوت نازلہ پڑھ کر لوگوں کی نمازیں برباد کیں۔ شبہ کا ازالہ، شرح نقایہ اور غایۃ الاوطار میں یہاں کاتب نے غلطی سے بجائے فجر کے جہر لکھ دیا ہے یعنی فا کو جیم بنا دیا چنانچہ اشباہ و النظائر میں اس جگہ بجائے صلوٰۃ الجہر کے صلوٰۃ الفجر ہے اور

طحاوی علی درالمختار اور علامہ ابن عابدین شامی نے منحۃ الخالق علی بحرالرائق میں فرمایا

وَلَعَلَّهٗ مُحَرَّفٌ عَنِ الْفَجْرِ

شاید کہ لفظ جہر فجر سے بگڑ کر بن گیا ہے۔ طحاوی کی عبارت یوں ہے

وَالَّذِیْ یَظْهَرُ لِیْ اَنَّ قَوْلَهٗ فِی الْبَحْرِ وَاِنْ نَزَلَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ نَازَلَةٌ قَنَتَ الْاِمَامُ فِیْ صَلٰوةِ الْجَهْرِ تَحْرِیْفٌ مِّنَ النَّاخِ وَصَوَابُهٗ الْفَجْرَ

بحرالرائق نے جو فرمایا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت پڑے تو امام جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھے میرا خیال ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہاں فجر ہے۔ ہم نے بہت اختصار سے اس کے متعلق کچھ لکھ دیا ہے اگر قنوت نازلہ کی زیادہ تحقیق کرنا ہو تو ہمارا فتاویٰ نعیمیہ ملاحظہ فرمائیں چونکہ اب دیوبندی بھی بعض جگہ قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں۔ اس لئے وہاں اس مسئلہ پر کچھ جم کر بحث کر دی گئی ہے۔ واضح رہے کہ غیر مقلد نے حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمتہ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا عقلی، دلائل کا کچھ جواب نہیں دیا جو کہ غیر مقلد وہابیوں کی کھلی شکست اور احناف اہل السنّت کی واضح فتح ہے نیز معلوم ہوا کہ غیر مقلدوں کا مذہب نقل کے علاوہ عقل کے بھی خلاف ہے۔ اب جاء الحق سے اس باب کی دوسری فصل جو کہ اس مسئلہ پر غیر مقلدوں کے اعتراضات اور ان کے جوابات میں ہے لکھی جاتی ہے۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمتہ اللہ علیہ اس کے آغاز میں فرماتے ہیں۔ غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے اب تک جس قدر اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں وہ ہم نہایت دیانتداری سے مع جوابات پیش کرتے ہیں اگر آئندہ کوئی نیا شبہ نظر سے گزرا تو انشاء اللہ اوس کا جواب بھی عرض کر دیا جاوے گا۔

غیر مقلدوں کی طرف سے قنوت نازلہ کے متعلق اعتراضات اور ان کے جواب

اعتراض نمبر ۱: تم نے قنوت نازلہ نہ پڑھنے کی جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ

تمام کی تمام ضعیف ہیں اور ضعیف حدیثوں سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔ پرانہ سبق، جواب، اس کے جوابات ہم بارہا دے چکے ہیں۔ اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ ہم یہ آیت احادیث مسائل کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں۔ احادیث یا آیات امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیلیں ہیں۔ ان کی احادیث کی یہ اسنادیں نہیں۔ ان کی اسناد نہایت مختصر اور کھری ٹکسالی ہوتی ہے جس میں دو تین راوی ہوتے ہیں۔ وہ بھی نہایت ثقہ اس باب کی پہلی فصل میں آپ حدیث نمبر ۱۸ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ امام صاحب کی اسناد میں صرف دو راوی ہیں۔ عطیہ عوفی ابوسعید خدری اور حدیث نمبر ۱۵ میں صرف چار راوی ہیں۔ ابان ابن عیاش، ابراہیم نخعی، علقمہ، ابن مسعود بتاؤ ان میں کون ضعیف ہے چونکہ امام صاحب کا زمانہ خیر القرون میں سے ہے ان کی اسنادوں میں بہت کم راوی ہیں لہٰذا وہاں ضعیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ضعف تدلیس وغیرہ بیماریاں بعد میں لگیں۔ ہاں تمہاری کسی روایت کا ضعیف ہونا تمہارے لئے قیامت ہے کہ یہی روایتیں تمہاری دلیل ہیں جن پر تمہارے مذہب کا دارومدار ہے اور تمہارا زمانہ حضور سے بہت دور تمہاری روایتوں کی اسنادیں بہت لمبی جن میں ہر طرح کی بیماریاں موجود ہیں لہٰذا ضعیف ضعیف کی رٹ سے کسی غیر مقلد کو ڈراؤ حنفی کے لئے اس سے کچھ خطرہ نہیں۔ باقی جوابات وہ ہیں جو ہم پہلے بابوں میں عرض کر چکے ہیں۔ ہم نے ہر حدیث کی بفضلہٖ تعالیٰ اتنی اسنادیں پیش کی ہیں کہ وہ احادیث حسن ہو گئیں ضعف جاتا رہا۔

اعتراض نمبر ۲: ابن ماجہ نے روایت کی کہ کسی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ حضور نے کب قنوت پڑھی تو جواب دیا:

قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَبَعْدَهٗ

حضور نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور ایک روایت میں ہے کہ رکوع سے پہلے بھی قنوت پڑھی اور بعد بھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قنوت نازلہ پڑھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

جواب، اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث میں قنوت نازلہ کا ذکر نہیں اور صاحب مشکوہ یہ حدیث دعائے قنوت کی بحث میں لائے ہیں جو وتروں میں پڑھی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دعائے قنوت مراد ہے لہٰذا آپ کا استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو یہاں یہ ذکر نہیں کہ حضور نے ہمیشہ پڑھی اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ حضور نے قنوت نازلہ صرف ایک یا سوا ماہ پڑھی پھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دی لہٰذا یہ حدیث منسوخ ہے اور منسوخ سے دلیل پکڑنا سخت جرم۔ تیسرے یہ کہ اگر اس حدیث میں قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو اس میں یہ فیصلہ نہ کیا گیا کہ رکوع سے پہلے پڑھی یا بعد میں تو تم نے بعد رکوع کا فیصلہ کیسے کر لیا۔ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے اس کی اسناد مجروح ہے۔ اسی لئے اسے مسلم و بخاری نے نہ لیا۔ مسلم و بخاری کی روایتیں اس کے خلاف ہیں جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں لہٰذا یہ حدیث مجروح ہے یہ حدیث تمہارے لئے کسی طرح حجت نہیں۔

اعتراض نمبر ۳: طحاوی شریف نے بہت سی اسنادوں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ اتنی اسنادوں والی روایت ضعیف نہیں ہو سکتی۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ حِيْنَ يَفْرُغُ مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مِنَ الْقِرَاءَةِ وَ يُكَبِّرُ وَ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ وَ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ وَ يَقُوْلُ وَهُوَ قَائِمٌ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ ابْنَ الْوَلِيْدِ الخ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز فجر کی قراءۃ سے فارغ ہوتے اور تکبیر

کہہ کر رکوع فرماتے اور رکوع سے سر مبارک اٹھاتے اور سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فرماتے تو کھڑے ہوئے یہ دعا پڑھتے۔ اے اللہ ولید ابن ولید کو نجات دے۔ الخ

طحاوی شریف حنفیوں کی کتاب ہے۔ اس سے قنوت نازلہ کا ثبوت ہے۔

جواب، شاید آپ نے طحاوی شریف کے اس ہی صفحہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی ہی روایت نہ دیکھی اور دیکھتے بھی کیسے وہ آپ کے خلاف تھی۔ ملاحظہ ہو۔ آخری الفاظ:

فَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ وَ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ فَمَا دَعَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِدُعَاءٍ عَلٰی اَحَد

حضور فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے پس یہ آیت اتری پس لک الخ اس کے بعد حضور نے کبھی کسی پر نماز میں بددعا نہ فرمائی۔

لہٰذا آپ کی پیش کردہ تمام احادیث اس آیت کریمہ سے منسوخ ہیں اور منسوخ احادیث اپنی دلیل میں پیش کرنا آپ جیسے بزرگوں کا ہی کام ہے۔

اعتراض نمبر۴: احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے زمانہ میں فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قنوت نازلہ پڑھنا منقول ہے۔ ایسے جلیل القدر صحابہ کا قنوت نازلہ پڑھنا اس کے سنت ہونے کی روشن دلیل ہے۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ الزامی اور تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ روایات تمہارے بھی خلاف ہیں کیونکہ ان میں بحالت جنگ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جنگ کفار کے زمانہ میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خوارج یا بغاۃ کی جنگ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ امن کے زمانہ میں نہیں پڑھتے مگر تم ہمیشہ پڑھتے ہو تم نے آج تک کفار سے کتنی جنگیں کیں۔ تم نے مسلمانوں کو مشرک

بنانے اور مسلمانوں سے لڑنے کے سوا کون سے جہاد کیئے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں کہ قنوت نازلہ کے متعلق صحابہ کرام میں اختلاف رہا۔ بعض صحابہ کرام اسے بالکل منسوخ مانتے اور بدعت فرماتے ہیں جیسے ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ جیسا کہ ہم بحوالہ نسائی و ابن ماجہ پہلی فصل میں عرض کر چکے اور بعض صحابہ کرام بحالت جنگ قنوت نازلہ پڑھتے تھے جیسے حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما اس لیے ہمارے فقہاء فرماتے ہیں کہ اب بھی بحالت جنگ قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے اگرچہ بہتر نہیں لیکن ہمیشہ پڑھنا کسی صحابی کا قول نہیں۔ ہماری ساری گفتگو ہمیشہ پڑھنے کے متعلق ہے۔ آپ کا دعویٰ کچھ اور ہے دلیل کچھ اور۔ تمام وہابیوں کو اعلان عام ہے کہ ایک حدیث مرفوع صحیح ایسی دکھاؤ جس میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنے کا حکم یا ذکر ہو۔ انشاء اللہ قیامت تک نہ ملے گی لہٰذا کیوں ضد کرتے ہو مقلد بن کر صحیح نمازیں پڑھا کرو۔

وہابی کا جواب سے فرار

مذکورہ پوری فصل جس میں مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے غیر مقلد وہابیوں کے اعتراضوں کے محققانہ جوابات دیئے۔ وہابی صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا فرار میں ہی مذہبی بھلائی دیکھی اسی طرح اس صاحب نے متعدد جگہ جواب سے فرار کو ترجیح دی جس کی نشاندہی ہم اسی جگہ کر آئے ہیں۔ یہ ہے غیر مقلدوں کے وکیل کا حال مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس باب کے آخر میں تتمہ بیان فرمایا ہم قارئین کے فائدہ کو اسے یہاں ذکر کر دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں وتر میں دعاء قنوت ہمیشہ پڑھو۔

چونکہ غیر مقلد وہابی وتروں میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔ صرف آخری پندرہ رمضان میں دعاء قنوت پڑھتے ہیں ہم حنفی سال بھر تک پڑھتے ہیں۔ اس لئے بطور اختصار کچھ اس کے متعلق بھی عرض کرتا ہوں۔ ہمیشہ دعا قنوت وتر کے آخر رکعت میں قراءۃ کے بعد رکوع سے پہلے پڑھنا سنت ہے۔ اس کے خلاف

کرنا سخت برا ہے۔ احادیث ملاحظہ ہوں۔ حدیث نمبر ۱ و ۲ امام محمد نے آثار میں اور حافظ ابن خسرو محدث نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔

حضور وتروں کی آخری رکعت میں رکوع سے قبل ہمیشہ قنوت پڑھتے تھے

اِنَّهٗ كَانَ يَقْنُتُ السَّنَةَ كُلَّهَا فِي الْوِتْرِ قَبْلَ الرَّكُوْعِ

کہ وتروں میں تمام سال رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۳ و ۴۔ دار قطنی اور بیہقی نے حضرت موید ابن غفلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ اَبَابَكْرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَ عَلِيًّا يَقُوْلُوْنَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اٰخِرِ الْوِتْرِ وَكَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ ۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی علی مرتضیٰ سے سنا کہ وہ سب حضرات فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی آخری رکعت میں دعا قنوت پڑھتے تھے اور تمام صحابہ بھی یہی کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۵ تا ۸: ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ اٰخِرِ وِتْرِهٖ
اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ الخ

یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری رکعت وتر میں یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ الخ،

یہ احادیث بطور نمونہ عرض کر دیں ورنہ اس بارے میں احادیث بہت ہیں۔ ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ حضور نے یا صحابہ کرام نے صرف آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھی آگے پیچھے نہ پڑھی بلکہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صراحتہً منقول ہوا کہ آپ سارا سال دعاء قنوت پڑھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ سارا سال وتروں میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھنا حضور کی بھی سنت ہے اور صحابہ کرام کی بھی۔ خیال رہے کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس صرف آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھنے کی صرف ایک حدیث ہے جو ابوداؤد نے حضرت حسن بصری سے روایت کی۔ الفاظ یہ ہیں۔

اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰی اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ فَکَانَ یُصَلِّیْ بِھِمْ عِشْرِیْنَ لَیْلَةً وَّلَا یَقْنُتُ بِھِمْ اِلَّا فِیْ نِصْفِ الْبَاقِیْ ۔

حضرت عمر ابن الخطاب نے لوگوں کو ابی بن کعب پر جمع کر دیا وہ انہیں بیس رات تراویح پڑھاتے تھے اور قنوت نہ پڑھتے تھے مگر باقی آدھے رمضان میں۔

غیر مقلد کہتے ہیں کہ آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھنا سنت صحابہ ہے۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اے وہابیو تمہارا پوری حدیث پر ایمان ہے یا آدھی پر، اگر آدھی پر ہے تو کیوں اور اگر پوری پر ہے تو اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابی بن کعب تمام صحابہ کو بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ تم آٹھ تراویح ہمیشہ کیوں پڑھتے ہو صرف بیس رات کیوں نہیں پڑھتے۔ اس قسم کی حرکات کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتَابِ وَ تَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ

کیا بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو اگر اس حدیث

سے پندرہ دن دعاء قنوت ثابت ہوتی ہے تو بیس رکعت تراویح صرف بیس رات بھی ثابت ہوتی ہیں لہٰذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دعاءِ قنوت کا ذکر نہیں ظاہر یہ ہے کہ یہ دعا کوئی اور ہو گی جس میں کفار کی ہلاکت کی دعا کی گئی ہو چونکہ اس زمانہ میں کفار سے جہاد بہت زیادہ ہوتے تھے تو صحابہ کرام آخر رمضان میں جس میں شب قدر بھی ہے اعتکاف کی راتیں بھی کفار کی ہلاکت اور اسلام کی فتح کی دعائیں کرتے ہوں گے۔ اگر اس سے دعاء قنوت مراد ہو تو یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہو گی جو ہم پیش کر چکے جن میں فرمایا گیا کہ صحابہ کرام سارا سال دعاء قنوت پڑھتے تھے جہاں تک ہو سکے احادیث میں تعارض پیدا نہ ہونے دیا جائے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے بھی پندرہ دن دعاء قنوت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ابی بن کعب بیس رات تراویح پڑھائیں جن میں سے آخری نصف میں دعاء قنوت پڑھی تو حساب سے کل دس دن یعنی دسویں رمضان سے بیس رمضان تک دعاء قنوت ہوئی تم پندرہویں سے تیس تک کیوں پڑھتے ہو۔

ہمارا اعلان:

ہم تمام دنیا کے وہابیوں کو اعلان کرتے ہیں کہ کوئی حدیث مرفوع صحیح مسلم بخاری کی ایسی پیش کرو جس میں پندرہ دن دعا قنوت کا حکم ہو۔ آگے پیچھے پڑھنے کی ممانعت ہو قیامت تک نہ لا سکو گے لہٰذا اپنے موجودہ عمل سے توبہ کرو اور ہمیشہ دعاء قنوت پڑھا کرو۔ ہمیشہ رب سے دعا کرنے میں شرم نہ کرو۔ یاد رہے کہ مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مذکورہ تتمہ میں مذہب احناف وتروں میں سارا سال دعاء قنوت پڑھنے کو احادیث مرفوعہ اور عمل صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت کیا ہے اور ساتھ غیر مقلد وہابیوں کو چیلنج کیا ہے کہ دنیا بھر کے غیر مقلد وہابی جمع ہو کر کوئی ایک ہی مرفوع صحیح حدیث دکھاؤ جس میں صرف رمضان کے آخری پندرہ دن دعاء قنوت

پڑھنے کا حکم ہو اور باقی دنوں میں پڑھنے کی ممانعت ہو مگر وہابی جی سے اس کا کوئی جواب نہیں بن سکا جو کہ غیر مقلدوں کی واضح شکست فاحش ہے مگر فرقہ غیر مقلدہ کی ہٹ دھرمی دیکھو کہ اسی خلاف سنت عمل پر اڑے ہوئے ہیں۔ صرف رمضان کے آخری پندرہ دن وتروں میں دعائے قنوت پڑھتے ہیں پھر پورا سال نہیں پڑھتے۔ فقیر نام نہاد اہلحدیثوں سے سوال کرتا ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث جس میں کئی احتمالات موجود ہیں کو مان کر صرف آخری نصف رمضان میں وتروں میں دعا قنوت پڑھتے ہو تو اسی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اس صحیح مرفوع حدیث کو کیوں نہیں مانتے ہو جس میں واضح طور پر تین وتر اور قبل از رکوع دعائے قنوت کا ثبوت ہے۔ حدیث ملاحظہ ہو۔

عَنْ سَعِیْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰی عَنْ اَبِیْہِ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْتِرُ بِثَلَاثِ رَکْعَاتٍ یَقْرَءُ فِیْھَا بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی وَ قُلْ یٰۤاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ وَ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ وَ کَانَ یَقْنُتُ قَبْلَ الرَّکُوْعِ الخ

دارقطنی ج ۲ باب ما یقرء فی رکعات الوتر و القنوت فیہ

حضرت سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزی اپنے باپ عبدالرحمٰن سے راوی وہ ابی بن کعب سے کہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے اس کی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی پڑھتے اور دوسری میں قُلْ یٰۤاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور تیسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اور قنوت قبل از رکوع پڑھتے تھے۔ اسی پر حاشیہ التعلیق المغنی علیٰ سنن الدارقطنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ وَّاَخْرَجَہُ النِّسَائِیُّ وَاَحْمَدُ مِنْ حَدِیْثِ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ وَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبْزٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعِرَاقُ وَكِلَاهُمَا عِنْدَ النَّسَآئِيّ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ

اس کا قول کہ ابی بن کعب سے ہے اور اسے امام نسائی اور امام احمد نے روایت کیا۔ حضرت ابی بن کعت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اور عبدالرحمٰن بن ابزی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی اور علامہ عراق نے فرمایا کہ سند ان دونوں حدیثوں کی صحیح ہے۔

علامہ نیموی اسی حدیث کو ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں۔

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ فَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالنَّسَآئِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے تھے تو دعاء قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔ اسے روایت کیا ابن ماجہ اور نسائی نے اور اسناد اس کی صحیح ہے۔

مذکورہ حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے یہ ذکر نہیں کہ صرف آخر نصف رمضان میں پڑھتے تھے نیز دعا قنوت قبل از رکوع فرماتے تھے مگر نام نہاد اہلحدیث اس پر عمل نہیں کرتے۔

اب بالتوفیقہ تعالیٰ جاء الحق سے نواں باب التحیات میں بیٹھنے کی کیفیت میں شروع ہوتا ہے۔ حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمتہ اللہ علیہ اس کے آغاز میں فرماتے ہیں۔ مرد کے لئے سنت یہ ہے کہ دونوں التحیات میں داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔ عورت دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دے اور زمین پر بیٹھے۔ وہابی غیر مقلد پہلی التحیات میں تو مردوں کی طرح بیٹھتے ہیں مگر دوسری میں عورتوں کی طرح یہ سنت کے خلاف ہے اور بہت برا۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس

مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

التحیات میں خواہ پہلی ہو یا دوسری مرد اپنا پاؤں کھڑا کرے اور اس کی انگلیوں کا سرا کعبہ کی طرف بایاں پاؤں بچھائے اس پر بیٹھے۔ اس پر بہت سی احادیث وارد ہیں۔ بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱: مسلم شریف نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

كَانَ يَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَ يَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى

آپ اپنا بایاں پاؤں شریف بچھاتے تھے اور داہنا پاؤں کھڑا فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۲ و ۳: بخاری و نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ اِنَّمَا السُّنَّةُ فِي الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰى وَ تُثْنِيَ الْيُسْرٰى وَزَادَ النِّسَآئِيُّ وَاسْتِقْبَالُهٗ بِاَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ

سنت یہ ہے کہ تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھائے اور نسائی میں یہ زائد ہے کہ داہنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف کرے۔

حدیث نمبر ۴ تا ۷: بخاری شریف، مالک، ابوداؤد، نسائی نے سیدنا عبداللہ ابن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کی۔

اَنَّهٗ كَانَ يَرٰى عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلٰوةِ اِذَا جَلَسَ قَالَ فَعَلْتُهٗ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيْثُ السِّنِّ فَنَهَانِيْ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ وَ قَالَ سُنَّةُ الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰى وَ تُثْنِيَ رِجْلَكَ الْيُسْرٰى فَقُلْتُ لَهٗ اِنَّكَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ رِجْلَيَّ لَا تَحْمِلَانِ

کہ وہ اپنے والد عبداللہ بن عمر کو دیکھتے تھے کہ آپ نماز میں چہار زانو

بیٹھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں بھی ایسے ہی بیٹھا اس وقت میں نو عمر تھا تو مجھے حضرت عبداللہ نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ تم داہنا پاؤں کھڑا کرو بایاں پاؤں بچھاؤ۔ میں نے کہا کہ آپ تو یہ کرتے ہیں یعنی چہار زانو بیٹھتے ہیں۔ تو فرمایا میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتے یعنی معذوری ہے۔

حدیث نمبر ۸ و ۹: ترمذی شریف اور طبرانی نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِیْنَةَ قُلْتُ لَاُنْظُرَنَّ اِلٰی صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا جَلَسَ یَعْنِیْ لِلتَّشَهُّدِ اِفْتَرَشَ رِجْلَهُ الْیُسْرٰی وَوَضَعَ یَدَهُ الْیُسْرٰی عَلٰی فَخْذِهِ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ یَدَهُ الْیُمْنٰی

فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو میں نے دل میں کہا کہ میں حضور کی نماز دیکھوں گا جب آپ نماز میں بیٹھے یعنی التحیات میں تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھا دیا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور داہنا پاؤں کھڑا کر دیا۔

حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۳۔ امام احمد، ابن حبان، طبرانی نے کبیر میں حضرت رفاعہ ابن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَاِذَا جَلَسْتَ فَاجْلِسْ عَلٰی فَخْذِكَ الْیُسْرٰی

پھر جب تم بیٹھو تو اپنی بائیں ران پر بیٹھو۔

حدیث نمبر ۱۴: طحاوی شریف نے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّهٗ كَانَ یُسْتَحِبُّ اِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ فِی الصَّلٰوةِ اَنْ یَّفْتَرِشَ

قَدَمَهُ الْيُسْرٰى عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَجْلِسُ عَلَيْهَا

آپ مستحب جانتے تھے کہ مرد نماز میں اپنا بایاں پاؤں بچھائے زمین پر اور اس پر بیٹھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشہد میں بایاں پاؤں زمین پر بچھاتے تھے

حدیث نمبر ۱۵: ابوداؤد شریف نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ اِفْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى حَتّٰى اَسْوَدَّ ظَهْرُ قَدَمِهٖ

وہ فرماتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے یہاں تک کہ اس قدم شریف کی پشت سیاہ ہو گئی تھی۔ حدیث نمبر ۱۶ بیہقی شریف نے سیدنا ابوسعید خدری سے ایک دراز حدیث نقل کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَاِذَا جَلَسَ فَلْيَنْصِبْ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَلْيُخْفِضْ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى

جب نماز میں بیٹھے تو اپنے داہنے پاؤں کو کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھائے۔

تشہد میں بایاں پاؤں زمین پر بچھا کر اس پر بیٹھنا سنت ہے

حدیث نمبر ۱۷: طحاوی شریف نے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَاَحْفَظَنَّ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمَّا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ فَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى ثُمَّ قَعَدَ عَلَيْهَا

میں نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی تو دل میں کہا کہ میں حضور کی نماز یاد کروں گا۔ فرماتے ہیں کہ جب حضور التحیات کے لئے بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھایا پھر اس پر بیٹھ گئے۔

حدیث نمبر ۱۸: طحاوی شریف نے حضرت ابوحمید ساعدی سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَاِذَا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ اِضْجَعَ رَجْلَهُ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى عَلٰى صَدْرِهَا وَ يَتَشَهَّدُ

جب حضور التحیات کے لئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور داہنا پاؤں اس کے سینے پر کھڑا کیا اور التحیات پڑھتے تھے۔

یہ اٹھارہ حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ اس بارے میں بہت حدیثیں ہیں۔ ان تمام حدیثوں میں مطلق التحیات کا ذکر ہے۔ اول آخر کی قید نہیں، معلوم ہوا کہ مرد التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ عورتوں کی طرح دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر زمین پر نہ بیٹھے۔ عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ دوسری التحیات میں بھی بائیں پاؤں پر بیٹھے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی التحیات میں مرد بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دو سجدوں کے درمیان اس طرح بیٹھے آخری التحیات میں وہابیوں کا اختلاف ہے۔ پہلی التحیات میں بیٹھنا واجب ہے اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا فرض۔ دوسری التحیات میں بیٹھنے کو اگر فرض مانتے ہو تو اسے سجدوں کی درمیانی نشست کی طرح ہونا چاہئے یعنی بائیں پاؤں پر اور اگر اس نشست کو واجب مانا جائے تو اسے پہلی التحیات کی نشست کی طرح ہونا چاہئے یعنی بائیں پاؤں پر یہ کیا کہ وہ دونوں نشستیں بائیں پاؤں پر ہوں اور آخری نشست زمین پر دونوں پاؤں۔ ایک طرف نکال کر اس نشست کی مثال نماز میں نہیں ملتی۔ غرضیکہ بائیں پاؤں پر بیٹھنا قرین قیاس ہے اور زمین پر سرین رکھ کر بیٹھنا عقل ونقل سب کے ہی خلاف ہے۔ اس سے بچنا چاہئے۔ خیال رہے کہ عورت زمین پر سرین رکھ کر دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر ضرور بیٹھتی ہے مگر پہلی التحیات میں بھی ایسے ہی بیٹھتی ہے اور دو سجدوں کے بیچ میں بھی اس طرح لہٰذا اس کا اس طرح بیٹھنا قرین قیاس ہے کہ اس کی ہر نشست اسی

طرح ہے۔ غرضیکہ عورتوں کی ہر نشست زمین پر ہے۔ مردوں کی ہر نشست بائیں پاؤں پر نہ معلوم وہابیوں کی یہ دورنگی ابلقی نشست کس میں شامل ہے۔ جاء الحق سے مذکورہ فصل پر اعتراضات میں غیر مقلد صاحب نے (ما جاء فی عدم التورک) کے نام سے ایک باب باندھا ہے جس میں جاء الحق کی حدیث نمبر ا پر اعتراضات کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یہ روایت مفتی صاحب کے موقف کی ترجمانی نہیں کرتی کیونکہ احناف کا عقیدہ ہے کہ مرد دونوں التحیات میں داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بایاں بچھا کر اس پر بیٹھے اور عورت دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر زمین پر بیٹھے (ایضاح ج ۲ ص ۹۶ لیکن اس حدیث میں مرد و عورت کی کیفیت تشہد میں کوئی فرق نہیں بتایا گیا۔

ثانیاً: ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت مفصل ہے جس میں پہلے اور دوسرے تشہد کا فرق بتایا گیا ہے اور مذکورہ حدیث مجمل ہے لہٰذا اصولی طور پر ان دونوں میں کوئی جوہری اختلاف نہیں ہے کیونکہ روایت اماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہلے تشہد پر محمول کیا جائے گا بوجہ مجمل ہونے کے۔

ثالثاً: یہ روایت احناف کے خلاف حجت ہے کیونکہ حدیث کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔ یَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوۃَ بِالتَّکْبِیْرِ یعنی نماز کو تکبیر سے شروع کرتے تھے۔ علامہ نووی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

> فِیْہِ اِثْبَاتُ التَّکْبِیْرِ فِیْ اَوَّلِ الصَّلٰوۃِ وَاِنَّہٗ یَتَعَیَّنُ لَفْظُ التَّکْبِیْرِ لِاَنَّہٗ ثَبَتَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَفْعَلُہٗ وَاِنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ وَھٰذَا الَّذِیْ ذَکَرْنَاہُ مِنْ تَعِیْنِ التَّکْبِیْرِ ھُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِیِّ وَاَحْمَدَ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ جَمْھُوْرِ الْعُلَمَاءِ مِنَ السَّلْفِ وَالْخَلْفِ وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَقُوْمُ غَیْرُہٗ مِنْ اَلْفَاظِ التَّعْظِیْمِ مَقَامَہٗ (شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۴)

اس میں نماز کے ابتداء میں تکبیر کا ثبوت ہے اور لفظ تکبیر متعین ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ اس طرح کرتے تھے اور آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز اس طرح پڑھا کرو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو اور جو ہم نے تعین تکبیر کا ذکر کیا ہے۔ یہ قول ہے امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور علماء سلف و خلف کا اور کہا ابوحنیفہ نے کہ تکبیر کی جگہ پر بھی کسی تعظیم والے لفظ سے نماز شروع کی جا سکتی ہے۔ (انتھی) نام نہاد دین الحق ص ۴۰۵۔

وہابی کو یہ علم بھی نہیں کہ عقیدہ کا اطلاق کس پر ہوتا ہے

الجواب اوّلاً: وہابی جی کو یہ علم بھی نہیں کہ عقیدہ کا اطلاق کس پر ہوتا ہے چنانچہ لکھتا ہے کہ احناف کا عقیدہ ہے۔ وہابی جی عقیدہ کا اطلاق فروعی مسائل میں کسی کے موقف پر نہیں ہوتا بلکہ اسے مذہب کہا جاتا ہے لہٰذا کہا جائے گا احناف کا مذہب اس طرح ہے۔ عقیدہ کا اطلاق ضروریات دین میں ہوتا ہے۔

ثانیاً: زیر بحث حدیث مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی ترجمانی کیوں نہیں کرتی کیا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلق فعل مبارک مذکورہ نہیں کہ آپ نماز میں اپنا بایاں پاؤں مبارک بچھاتے اور داہنا پاؤں شریف کھڑا کرتے۔ یہی موقف مفتی صاحب و جملہ احناف کَثَّرَهُمُ اللّٰهُ کا ہے جبکہ غیر مقلد وہابی اس حدیث کا خلاف کرتے ہیں۔ دوسرے تشہد میں عورتوں کی طرح بیٹھتے ہیں۔

ثالثاً: وہابی صاحب کا اعتراض کہ اس میں مرد و زن کے تشہد کا فرق مذکور نہیں۔ فقیر کہتا ہے وہابی صاحب یہ حدیث سے جان چھڑانے کا عذر نہیں یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی حدیث میں نماز کا پورا طریقہ آئے۔ نماز کے طریقہ پر متعدد احادیث مبارکہ وارد ہیں۔ عورت کے تشہد میں فرق پر آپ کو بفضلہٖ تعالیٰ حدیث ہم دکھا دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

مرد و عورت کے تشہد کا فرق

سالم بن غیلان نے حضرت یزید بن ابی حبیب سے روایت کی۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰی اِمْرَءَ تَیْنِ تُصَلِّیَانِ فَقَالَ اِذْ سَجَدْتُّمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ اِلَی الْاَرْضِ فَاِنَّ الْمَرْءَ ةَ لَیْسَتْ فِیْ ذٰلِكَ كَالرَّجُلِ (سنن الکبریٰ بیہقی ج ۱ ص ۲۲۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں۔ تو فرمایا جب تم سجدہ کرو تو بعض اعضاء کو زمین سے ملا لیا کرو کیونکہ عورت اس مسئلہ میں مرد کی طرح نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورت کی کیفیت نماز میں بعض مسائل میں مرد سے مختلف ہے عورت کے لئے شرع نے وہ کیفیت پسند فرمائی جس میں اس کا زیادہ ستر ہو لہذا التحیات میں بھی عورت کے لئے ایک طرف پاؤں نکالنے میں زیادہ ستر ہے۔ بنسبت داہنا پاؤں کھڑا کر کے بائیں پر بیٹھنے کے مگر غیر مقلد خلاف عقل و نقل چلتے ہیں۔

عورت کے تشہد کے فرق میں حضرت ابن عباس کا ارشاد

دوم: عبداللہ ابن الاشج سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح روایت کرتے ہیں۔ اِنَّہٗ سُئِلَ عَنْ صَلٰوۃِ الْمَرْءَ ۃِ فَقَالَ تَجْتَمِعُ وَ تَحْتَضِرُ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۵۲) یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عورت کی نماز کے بارے پوچھا گیا تو فرمایا وہ اپنے اعضاء کو جمع کرے اور سمیٹتے۔

سوم: اسی کے اگلے صفحہ پر ہے:

حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرٍ قَالَ وَكِیْعٌ عَنِ الْعُمْرِیْ عَنْ نَّافِعٍ قَالَ كُنَّ نِسَآءُ اِبْنِ عُمَرَ یَتَرَبَّصْنَ فِی الصَّلٰوۃِ

نافع نے بیان فرمایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی عورتیں نماز میں تربع کرتی تھی یعنی دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر ہاتھوں کی کلائیاں

ساتھ ملاتی تھیں۔

رابعاً: مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زیر بحث حدیث مبارک کو مجمل کہنا صحیح صریح حدیث سے فرار کی بے سود کوشش ہے ورنہ مجمل اسے کہتے ہیں جس میں مذکور فیہا کی وضاحت نہ ہو۔ ابہام باقی رہے زیر بحث حدیث مسلم شریف میں مذکور ہے جس میں نماز کے طریقہ کے کچھ مسائل وضاحت سے بیان ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ مائی عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ نماز بیان کیا ہے اگر پہلے اور دوسرے التحیات کی کیفیت میں فرق ہوتا تو آپ اسے ضرور بیان فرماتیں لیکن چونکہ اس حقیقت کا اقرار وہابی دھرم کے خلاف تھا لہٰذا اور بہانے شروع کر دیئے کہ جی یہ حدیث مجمل ہے۔

خامساً: وہابی صاحب کا دعویٰ کہ یہ روایت احناف کے خلاف ہے پھر اس پر بطور دلیل شرح مسلم سے علامہ نووی رحمتہ اللہ علیہ کی عبارت جس میں انہوں نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ یہ احناف کے خلاف حجت ہے۔ انہوں نے اس کے ظاہر سے تکبیر اولیٰ میں لفظ تکبیر کہنا ثابت کیا ہے پھر آئمہ مجتہدین کے مذاہب کو بیان کیا ہے۔ ہمارے خلاف تو تب حجت ہو جبکہ ہم تکبیر اولیٰ میں لفظ اللہ اکبر کہنے کے منکر ہوں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ تکبیر اولیٰ میں لفظ اللہ اکبر کہنا ہی افضل ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری ج اص ۶۸ پر ہے کہ وَلَوْ شَرَعَ بِالتَّسْبِيْحِ اَوْ بِالتَّهْلِيْلِ صَحَّ وَلٰكِنَّ الْاُوْلٰى اَنْ يَّشْرَعَ بِالتَّكْبِيْرِ اور اگر تسبیح یا تہلیل سے نماز کو شروع کیا۔ صحیح ہے لیکن اولی تکبیر سے شروع کرنا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ان تمام اسماء سے نماز شروع کرنا جائز ہے جو تعظیم وثنا کا معنی دیتے ہیں۔ مطلب ہے کہ ان سے نماز شروع ہو جاتی ہے اس سے اللہ اکبر کی افضلیت کی نفی نہیں ہوتی۔ امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اللہ اکبر کے علاوہ اسماء مبارکہ سے نماز شروع کے جواز پر دلائل سے ہی ہیں۔ (وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى) اور اپنے رب کا نام لے کر

نماز پڑھی۔ اس میں وجہ استدلال یہ کہ رب کے نام کے ذکر کو مطلق رکھا گیا۔ اللہ اکبر سے مقید نہیں کیا گیا اگر تکبیر کے لئے اللہ اکبر فرض یا شرط کہیں گے تو مطلق کا مقید کرنا لازم آئے گا لہٰذا اسے اپنے اطلاق پر چھوڑیں گے اور حدیث پر یوں عمل کریں گے۔ اللہ اکبر افضل واولیٰ ہے۔ فرض وشرط نہیں نیز اللہ فرماتا ہے:

(قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُو الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى)

تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔

سادساً: اللہ اکبر کے علاوہ تکبیر تحریمہ کے جواز کے قائل صرف امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نہیں کہ صرف انہیں پر اعتراض کرو امام شافعی رضی اللہ عنہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ اکبر کے علاوہ اللہ الاکبر سے بھی نماز شروع کرنا جائز ہے (ہدایہ جز اول بدائع الصنائع جزء اول) حالانکہ حدیث میں صرف اللہ اکبر کا ثبوت ہے نیز مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۶۹۔ پر ہے

حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ اَبْنِ اَبِىْ لَيْلٰى عَنِ الْحَكَمِ قَالَ اِذَا سَبَّحَ اَوْهَلَّلَ فِىْ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ اَجْزَاهُ مِنَ التَّكْبِيْرِ

حضرت حکم سے ہے کہ فرمایا جب کسی نے نماز کے شروع میں تسبیح کہی یا تہلیل تو اسے تکبیر میں جائز ہے۔ اسی صفحہ پر ہے:

(حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ زِيَادِ بْنِ اَبِىْ مُسْلِمٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الْعَالِيَةِ سُئِلَ بِاَىِّ شَىْءٍ كَانَ الْاَنْبِيَآءُ يَسْتَفْتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ قَالَ بِالتَّوْحِيْدِ وَالتَّسْبِيْحِ وَالتَّهْلِيْلِ)

زیاد بن ابی مسلم سے ہے کہ میں نے حضرت ابوالعالیہ سے سنا کہ ان سے پوچھا گیا انبیاء علیہم السلام نماز کس کے ساتھ شروع کرتے تھے۔ فرمایا توحید اور تسبیح وتہلیل کے ساتھ۔ اسی جگہ ہے۔

حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنِ الشَّعْبِىِّ قَالَ بِاَىِّ اَسْمَآءِ اللّٰهِ

اِفْتَتَحْتَ الصَّلٰوۃَ اَجْزَاکَ

حضرت شعبی سے ہے فرمایا اللہ کے جس نام کے ساتھ تو نے نماز کو شروع کیا تجھے جائز ہے۔

اب دلائل کو جو بھی انصاف کی آنکھوں سے دیکھے گا اس پر امام الائمہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا موقف درست ہونا واضح ہو جائے گا۔ سابعاً وہابی صاحب نے بزعم خود علامہ نووی کی عبارت کو اپنے دعویٰ پر بطور دلیل تو پیش کر لیا مگر اس کے ساتھ ہی علامہ مذکور نے جو فرمایا کہ اس میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل ہے اسے خیانتاً چھوڑ دیا حالانکہ ہمارا کلام اسی مسئلہ میں تھا ملاحظہ ہو۔

قَوْلُهَا كَانَ يَفْرُشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَ يَنصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى مَعْنَاهُ يَجْلِسُ مُفْتَرِشًا فِيْهِ حُجَّةٌ لِاَبِىْ حَنِيْفَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ مَنْ وَافَقَهُ اِنَّ الْجُلُوْسَ فِى الصَّلٰوةِ يَكُوْنُ مُفْتَرِشًا سَوَاءٌ فِيْهِ جَمِيْعُ الْجُلْسَاتِ (شرح مسلم للعلامہ نووی ج ۱ ص ۱۹۵)

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تشہد نماز) میں اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور داہنا کھڑا رکھتے تھے۔ اس کا معنی ہے کہ حضور بایاں پاؤں بچھاتے تھے۔ اس میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور جو آپ کے موافق ہوا اس کی دلیل ہے کہ نمازی تشہد میں بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھے اس حکم میں نماز کے سب جلسے برابر ہیں۔

اب جاء الحق کے زیر بحث باب کی حدیث نمبر ۲ و ۳ پر غیر مقلد کے اعتراض ملاحظہ ہوں پہلے اعتراض کے تحت لکھتے ہیں۔ امام نسائی نے اس پر دو باب قائم کئے ہیں جس میں پہلے کا عنوان یہ ہے كَيْفَ جُلُوْسُ لِلتَّشَهُّدِ الْاَوَّلِ

(مجتبیٰ ج ۱ ص ۱۳۶ و کبریٰ ج ۱ ص ۲۴۸)

یعنی پہلے تشہد میں کس طرح بیٹھنا چاہئے اور امام مالک رحمتہ اللہ نے بھی اسے

پہلے تشہد پر محمول کیا ہے چنانچہ موطا امام مالک بروایت امام محمد میں ہے

وَكَانَ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ يَاْخُذُ بِذٰلِكَ فِى الرَّكْعَتَيْنِ الْاَوْلَيَيْنِ

(موطا امام محمد ص ۱۱۰)

یعنی امام مالک بن انس رحمتہ اللہ نے اس روایت کو پہلی دو رکعتوں پر محمول کیا ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۰۶

الجواب اوّلاً: امام نسائی رحمتہ اللہ علیہ کا اس نام سے باب باندھنا آپ تب دلیل بنائیں جبکہ انہوں نے باب ثانی بھی تشہد کی کیفیت میں باندھا ہو جس میں کوئی ایسی حدیث دی ہو جو آپ کے مذہب کی ترجمانی کرتی ہو کہ تشہد ثانی میں دونوں پاؤں ایک جانب نکالنے کا ثبوت فراہم کرتی ہو،

ثانیاً: وہابی اس قدر مخبوط الحواس ہوا کہ اوپر لکھ رہا ہے موطا امام مالک بروایت امام محمد میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے امام محمد رضی اللہ عنہ سے روایت اپنی موطا میں نقل کی ہے پھر نیچے حوالہ موطا امام محمد کا دیدیا یہ کیسی بے عقلی ہے۔

ثالثاً: وہابی جی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کا اپنا مذہب نماز کے تمام قعدات میں تورک ہے اگر زیر بحث حدیث کو پہلے تشہد پر محمول کرتے ہیں تو ان کے خلاف ہے چنانچہ موطا امام محمد پر حاشیہ (التعلیق المجد) میں ص ۱۱۳ پر ہے:

هذا الذی نسبه قد نسبه غیره الی الشافعی و اصحابه و المذهب مالك فالذی رءیته فی کتب اصحابه المعتمدة کاستذکار ابن عبدالبر و شرح زرقانی و رسالة ابن ابی زید وغیرها هو التورك فی جمیع القعدات

یہ جسے ان کی طرف منسوب کیا اس کے علاوہ نے اسے شافعی اور اس کے اصحاب کی طرف منسوب کیا ہے اور امام مالک کا مذہب جو میں نے

اس کے اصحاب کی معتمد کتب مثل استذکار ابن عبدالبر اور شرح زرقانی اور رسالہ ابن ابی زید وغیرہا میں دیکھا تورک ہے نماز کے تمام قعدوں میں۔

وہابی صاحب کا یہ حال ہے کہ مذہب کو دلیل فراہم کرنے کو جو ہاتھ لگے بلا تحقیق لکھ دیتے ہیں اب غیر مقلد صاحب کا دوسرا اعتراض دیکھیں۔ روایت میں یہ صراحت موجود نہیں کہ پاؤں کو بچھا کر زمین پر بیٹھے یا پیر مبارک پر حافظ ابن حجر فرماتے ہین کہ:

لَمْ یُبَیّنْ فِیْ هٰذِهِ الرَّوَایَةِ مَا یَصْنَعُ بَعْدَ ثَنِیْهَا هَلْ یَجْلِسُ فَوْقَهَا اَوْ یَتَوَرّكُ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۴۳)

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی حنفی مرحوم فرماتے ہیں:

لَمْ یُبَیّنْ فِیْ هٰذِهِ الرَّوَایَةِ مَا یَصْنَعُ بَعْدَ ثَنِیْهَا هَلْ یَجْلِسُ فَوْقَهَا اَوْ یَجْلِسُ عَلٰی وَرْكِهٖ (التعلیق المجد ص ۱۱۱)

ان دونوں عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت میں یہ صراحت نہیں کہ پاؤں بچھانے کے بعد پاؤں کے اوپر بیٹھے یا تورک کرے جبکہ اس کے برعکس یہ ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پاؤں پر نہیں بلکہ سرین پر بیٹھا کرتے تھے چنانچہ موطا امام مالک میں ہے:

وَجَلَسَ عَلٰی وَرْكِهِ الْاَیْسَرِ وَلَمْ یَجْلِسْ عَلٰی قَدْمِهٖ

(موطا امام مالک ص ۲۷ وطحاوی ج ۱ ص ۱۷۷)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر بائیں کولہے پر بیٹھ کر تورک کرتے تھے اور پاؤں پر نہ بیٹھا کرتے تھے اگر یہ کہا جائے کہ نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں آخری الفاظ یہ ہیں وَالْجُلُوْسُ عَلَی الْیُسْرٰی یعنی بائیں پاؤں پر بیٹھے! اس کا جواب دیتے ہوئے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

حَدِیْثُ اَبِیْ حَمِیْدٍ الْمُفَصَّلُ بَیْنَ الْجُلُوْسِ الْاَوَّلِ وَالثَّانِیِّ عَلٰی اَنَّ الْصِّفَةَ الْمَذْکُوْرَةِ قَدْ یُقَالُ اِنَّهَا لَا تُخَالِفُ حَدِیْثَ اَبِیْ حُمَیْدٍ لِاَنَّ فِی الْمَوْطَا اَیْضًا عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِیْنَارٍ التَّصْرِیْحُ بِاَنَّ جُلُوْسَ (اِبْنِ) عُمَرَ الْمَذْکُوْرَةَ کَانَ فِی التَّشَهُّدِ الْاٰخِیْرِ وَرَوَی النَّسَائِیُّ اِلٰی اَنْ قَالَ وَ یَجْلِسُ عَلَی الْیُسْرٰی فَاِذَا حُمِلَتْ هٰذِهِ الرِّوَایَةُ عَلَی التَّشَهُّدِ الْاَوَّلِ وَ رِوَایَةُ مَالِكٍ عَلَی التَّشَهُّدِ الْاٰخِیْرِ اِنْتَهٰی عَنْهَا تَعَارُضُ وَافَقَ ذٰلِكَ التَّفْصِیْلُ الْمَذْکُوْرُ فِیْ حَدِیْثِ اَبِیْ حُمَیْدٍ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۴۳)

ابی حمید رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے اور دوسرے تشہد کے بیان میں مفصل ہے پس اس صفت مذکورہ کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث ابوحمید رضی اللہ عنہ کے مخالف نہیں کیونکہ عبداللہ بن دینار کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مذکورہ تشہد آخری تھا اورنسائی کی روایت میں یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھا جائے پس اس روایت (نسائی) کو پہلے تشہد پر حمل کیا جائے گا اور موطا کی روایت کو آخری تشہد پر دفع تعارض کے لئے محمول کیا جائے گا تو یہ روایت مذکورہ تفصیل سے حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ کی روایت کے موافق ہے (انتھی)

الغرض مذکورہ روایت ہمارے موافق اور مفتی صاحب کے مخالف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام طحاوی حنفی نے اس سے تورک کا ثبوت پیش کیا ہے۔ شرح معانی الاثار ج ۱ ص ۱۷۷ اگرچہ تعصب کی وجہ سے اسے دونوں تشہدوں پر محمول کیا ہے۔ اس کے برعکس اس روایت سے امام محمد نے اپنے مذہب پر استدلال کیا تھا جس کی مولانا عبدالحئ لکھنوی نے پرزور تردید کی ہے۔ ان کے الفاظ ہیں کہ

فِيْهِ نَظَرٌ فَاِنَّ اَثَرَ اِبْنِ عُمَرَ هٰذَا الَّذِیْ رَوَاهُ هٰهُنَا مُجْمَلٌ لَا يَكْشِفُ الْمَقْصُوْدَ لِاَنَّ ثَنِیِ الرِّجْلِ الْيُسْرٰی عَامٌ مِنْ اَنْ يَّجْلِسَ عَلَيْهَا اَوْ يَجْلِسُ عَلَی التَّوَرُّكِ (التعلیق الممجد ص ۱۱۱)

یعنی امام محمد کے استدلال میں کلام ہے کیونکہ جو یہاں ابن عمر کا اثر بیان کیا گیا ہے وہ مجمل ہے جس سے ہمارے احناف کا مقصود حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اس میں تو یہ ہے کہ بائیں پاؤں کو بچھایا اور یہ معلوم نہیں کہ پاؤں پر بیٹھے یا سرین پر بیٹھ کر تورک کیا تھا۔ (انتھی)

اس لئے مولانا لکھنوی نے مذکورہ تفصیل (جو راقم نے لکھی ہے) بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ ہمارے موافق نہیں بلکہ شافعیہ کی دلیل ہے جن کے نزدیک تورک مسنون ہے اس کے بعد انہوں نے طحاوی کی صراحت درج کی ہے کہ بعض لوگوں نے اس کو دونوں تشہدوں میں تورک کے جواز پر پیش کیا ہے (انتھی) ملخصاً متجر ماً

نام نہاد دین الحق ص ۴۰۶ تا ۴۰۷

الجواب اوّلاً: غیر مقلد صاحب کا یہ اعتراض کہ (روایت میں اس کی صراحت موجود نہیں کہ پاؤں کو بچھا کر زمین پر بیٹھے یا پیر مبارک پر فقیر کہتا ہے جب وہابی صاحب کو زیر بحث روایت کی صحت پر کوئی اعتراض ہاتھ نہ آیا تو پیچھا چھڑانے کے لئے بہانے بنانے شروع کر دیئے ورنہ حدیث میں تشہد کی کیفیت پر صراحت موجود ہے۔ متن حدیث ملاحظہ ہو

تشہد مسنون یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بایاں زمین پر بچھائے

ابن عمر کا ارشاد

قَالَ اِنَّمَا السُّنَّةُ فِی الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰی وَ تُثْنِیَ الْيُسْرٰی زَادَ النِّسَآئِیُّ وَاسْتِقْبَالُهُ بِاَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ

یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا نماز میں سنت یہ ہے کہ تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھائے نسائی میں یہ زائد ہے کہ داہنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف کرے۔

انگلیاں تب ہی قبلہ کی طرف ہوں گی جب پاؤں کھڑا ہو گا۔ نیز حدیث میں نصب (کھڑا) کرنے کے الفاظ موجود ہیں داہنا پاؤں کھڑا کرنا اور انگلیاں قبلہ کی طرف کرنا حدیث سے واضح طور پر ثابت ہے۔

حدیث سے مراد میں وہابی کی ناکام کوشش

ثانیاً: جب وہابی صاحب کو اقرار ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی نسائی کی روایت میں بائیں پاؤں پر بیٹھنے کی صراحت موجود ہے جس کے آخری الفاظ ہیں۔ وَالْجُلُوْسُ عَلَى الْيُسْرٰى یعنی بائیں پاؤں پر بیٹھے اور اس کی صحت پر بھی اعتراض نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ حدیث کو چھوڑ کر عبدالحئی صاحب اور حافظ ابن حجر کی تقلید میں کہا جائے کہ اس میں احتمال ہے معلوم نہیں زمین پر بیٹھے یا پاؤں پر کیا اسی کا نام اہلحدیث ہونا ہے کہ جب خلاف مذہب ہو تو حیلے بہانے شروع کر دیئے۔

ثالثاً: ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مطلق کیفیت تشہد کے بیان میں ہے اسے بلا دلیل پہلے تشہد سے خاص کرنا مکابرہ ہے۔ امام بیہقی نے بھی اس طرح کی بات کی تھی (بیہقی ج ۲ ص ۱۲۹) جس کی تردید علامہ ابن ترکمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے کی (قُلْتُ اِطْلَاقُهٗ يَدُلُّ عَلٰى اِنَّ السُّنَّةَ ذٰلِكَ فِي التَّشَهُّدَيْنِ وَهُوَ خَلَافُ مَذْهَبِ الْبَيْهَقِيِّ" (الجوہر النقی مع البیہقی صفحہ مذکورہ) یعنی میں کہتا ہوں کہ حدیث اپنے اطلاق کے ساتھ اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ سنت دونوں تشہدوں میں ہے اور وہ بیہقی کے مذہب کے خلاف ہے۔

جب قول و فعل میں تعارض ہو عمل قول پر ہو گا

رابعاً: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مالک بن دینار کی جو حدیث موطا امام مالک

میں ہے جس سے حافظ ابن حجر تورک ثابت کرتے ہیں وہ فعلی ہے ان کے صاحبزادہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ کیا اور نسائی کی حدیث قولی ہے اس میں آپ کا واضح ارشاد ہے کہ وَالْجُلُوْسُ عَلَی الْیُسْرٰی یعنی نمازی تشہد میں بایاں پاؤں پر بیٹھے اور یہ اصول ہے کہ جب حدیث قولی و فعلی میں تعارض ہو تو عمل قولی پر ہوتا ہے۔

خامساً: مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ کی حدیث کو عذر پر محمول کیا جائے گا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تورک عذر کے سبب کیا۔

سادساً: علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ کا کہنا کہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث دونوں تشہد بیان کرنے میں مفصل ہے۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارض نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ صحیح ہے اور ابوحمید ساعدی کی حدیث اسناداً ضعیف اور متناً مضطرب ہے جسے ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ نصرت الحق حصہ اول رفع الیدین کی بحث میں ذکر کر دیا ہے۔ مزید ثبوت درکار ہو تو الجوہر النقی مع البیہقی ج ۲ ص ۱۲۸ طحاوی ج ۱ ص ۱۵۶ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۵۱ ملاحظہ کریں۔ واضح رہے کہ حدیث نمبر ۴ تا ۷ جسے مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بخاری مالک ابوداؤد اور نسائی کے حوالہ سے لکھا ہے اس کا جواب وہابی جی بلا ڈکار ہضم کر گئے ہیں اور جاء الحق کی حدیث نمبر ۹۰۸ پر اعتراض میں لکھتے ہیں۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت پہلے تشہد کے بارے میں ہے جس کی صراحت انہیں کی حسب ذیل روایت سے ہوتی ہے۔ وَاِذَا جَلَسَ فِی الرَّکْعَتَیْنِ اِضْجَعَ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ الْیُمْنٰی (سنن نسائی مجتبیٰ ج ۱ ص ۱۳۶ و ایضاً الکبریٰ ج ۱ ص ۲۴۸) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پڑھ کر بیٹھے تو بایاں پاؤں کھڑا کیا اور داہنا پاؤں بچھایا لہٰذا یہ ہمارے موافق ہے کیونکہ ہمارے عمل کی تو مفتی صاحب نے خود صراحت کی ہے کہ وہابی پہلی التحیات میں ہماری طرح بیٹھتے ہیں۔

ثانیاً: مفتی صاحب اور ان کے ہم مذہب لوگوں کے لئے کوئی روایت اتنی دیر تک مفید نہیں جتنی دیر تک یہ آخری تشہد کے بارے میں اپنے موقف پر کوئی حدیث پیش نہ کریں اور اس میں مرد و عورت کی تفریق بھی موجود ہو کہ آخری تشہد میں مرد پاؤں پر بیٹھے اور عورت دونوں تشہدوں میں دونوں پاؤں نکال کر بیٹھے۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۰۸

الجواب اوّلاً: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے زیر بحث حدیث میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تشہد بیان کیا ہے اگر پہلے و دوسرے تشہد میں فرق ہوتا تو آپ اسے ضرور بیان کرتے۔

ثانیاً: وہابی صاحب نے نسائی کی حدیث کے الفاظ بطور دلیل پیش کئے کہ اس سے پہلا تشہد مراد ہے یہ وہابی جی کا خالص مغالطہ ہے ورنہ فی الرکعتین سے تشہد اولیٰ کی تخصیص ہرگز ثابت نہیں ہوتی اگر پہلا تشہد بتانا مقصود ہوتا تو دوسرے کی کیفیت بھی ذکر کرتے۔

ثالثاً: اگر وہابی صاحب پہلے تشہد پر محمول کرنے میں بضد ہیں تو پھر حضرت وائل سے کوئی وہ صحیح حدیث دکھائیں جس میں دوسرے تشہد کا طریقہ وہابی مذہب کے مطابق ذکر کیا ہو بتاؤ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ساری زندگی پہلا تشہد ہی بیان کرتے رہے۔ دوسرا نہ بتایا۔

رابعاً: وہابی صاحب کا ہم سے صحیح حدیث کا مطالبہ تو یہ نری بدنیتی ہے ورنہ مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے تشہد کی کیفیت کے بیان پر متعدد احادیث مبارکہ پیش کی ہیں جو احناف کے موقف کی ترجمانی کرتی ہیں کیا سب صحابہ پہلا تشہد بتاتے رہے دوسرا بتانے کی طرف توجہ نہ فرمائی۔

خامساً: وہابی صاحب کا ہم سے مطالبہ کہ صحیح حدیث سے مرد و عورت کے تشہد کا فرق ثابت کرو۔ یہ ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ اسی فصل میں ثابت کر دیا ہے مگر وہابیوں کی

جہالت کا ہمارے پاس علاج نہیں۔

سادساً: وہابی صاحب ہم سے تو جگہ جگہ صحیح حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں ان سے ہمارا بھی مطالبہ ہے کہ سارے وہابی مل کر کوئی صحیح حدیث دکھائیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا تشہد وہابی طریقہ کی طرح بیٹھنے کا فرمایا ہو اب جاء الحق کے زیر بحث باب سے حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۳ پر غیر مقلد کے اعتراض ملاحظہ ہوں۔ مفتی صاحب نے بددیانتی سے کام لیا ہے ایک ہی حدیث کو تین باور کرایا ہے حالانکہ یہ صرف ایک ہی حدیث ہے اگر بریلوی علماء کہیں کہ تین کتب میں جو آئی ہے تو راقم کہتا ہے کہ ان تین کی کیا تخصیص یہ حدیث کتاب الام، سنن دارمی، سنن نسائی، ابوداؤد، جامع ترمذی، مستدرک حاکم وغیرہ میں بھی آتی ہے۔

ثانیاً: اہلحدیث کے نزدیک نماز میں چار مقام پر سکون سے بیٹھنا سنت ہے۔ (اوّل) دوسجدوں کے درمیان (دوم) دوسرا سجدہ کرکے دوسری اور تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوتے وقت (سوم) پہلے تشہد میں (چہارم) دوسرے تشہد میں جبکہ مذکورہ حدیث میں دوسجدوں کے درمیان بیٹھنے کا ذکر ہے نہ کہ تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت کا۔ آیئے پوری حدیث ملاحظہ کریں۔ رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

> جَاءَ رَجُلٌ فَصَلّٰی فِی الْمَسْجِدِ ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعِدْ صَلَاتَکَ فَاِنَّکَ لَمْ تَصَلِّ فَقَالَ عَلِّمْنِی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ اُصَلِّی قَالَ اِذَا تَوَجَّھْتَ اِلَی الْقِبْلَۃِ فَکَبِّرْ ثُمَّ اقْرَءْ بِاُمِّ الْقُرْآنِ وَمَا شَآءَ اللّٰہُ اَنْ تَقْرَاَ فَاِذَا رَکَعْتَ فَاجْعَلْ رَاحَتَیْکَ عَلٰی رُکْبَتَیْکَ وَمَکِّنْ رُکُوْعَکَ وَامْدِدْ ظَھْرَکَ فَاِذَا رَفَعْتَ فَاَقِمْ صُلْبَکَ وَارْفَعْ رَءْسَکَ حَتّٰی تَرْجِعَ الْعِظَامُ اِلٰی مَفَاصِلِھَا فَاِذَا سَجَدْتَّ فَمَکِّنْ لِلسُّجُوْدِ

فَاِذَا رَفَعْتَ فَاجْلِسْ عَلٰى فَخِذِكَ الْيُسْرٰى ثُمَّ اصْنَعْ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ وَّ سَجْدَةٍ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ الحدیث واللفظ للمصابیح السنۃ ج ۱ ص ۳۱۵ کتاب الام ج ۱۰۲ و مسند امام احمد ج ۴ ص ۳۴۰ و سنن دارمی ج ۱ ص ۳۰۵ و ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۴ و نسائی ج ۱ ص ۱۲۵ و ترمذی مع تحفہ ج ۱ ص ۲۴۸ و مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۴۱ و موارد الطمان ج ۱ ص ۱۳۱ و ابن حبان بترتیب الاحسان ج ۴ ص ۱۳۹ رقم الحدیث ۱۷۸۴)۔

یعنی ایک شخص آیا اس نے مسجد میں نماز پڑھی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور سلام کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کو دوبارہ دوہرا لے (پڑھ) تو نے نماز نہیں پڑھی تو صحابی نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سکھلا دیجئے کہ میں کس طرح پڑھوں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جس وقت تو قبلہ کو منہ کرے تو اللہ اکبر کہے پھر سورۃ فاتحہ پڑھ اور پھر جو اللہ چاہے پھر جس وقت رکوع کرے تو اپنے ہاتھ کو اپنے گھٹنوں پر رکھ اور ٹھہر اپنے رکوع میں اور پھیلا اپنی کمر کو اور جب رکوع سے سر اٹھائے تو سیدھی کر اپنی پیٹھ کو یہاں تک کہ تمام ہڈیاں اپنے جوڑوں کو لوٹ آئیں اور جب سجدہ کرے تو سجدہ میں ٹھہر اور جب سجدہ سے سر اٹھائے تو بیٹھ بائیں ران پر پھر اس طرح ہر رکعت اور ہر سجدہ میں کر یہاں تک کہ تو اطمینان کرے۔ (انتھی)

یہی روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں مذکورہ کیفیت دوسجدوں میں بیٹھنے کی بتائی گئی ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۵ و مسلم ج ۱ ص ۱۷۰) خلاصہ کلام یہ کہ اس حدیث میں مذکورہ کیفیت دوسجدوں میں بیٹھنے کی بتلائی گئی ہے جس کے حنفی برق رفتاری کی وجہ سے عملی طور پر منکر ہیں مگر قربان جائیے مفتی صاحب کے دجل وفریب پہ کہ مذکورہ حدیث کو تشہد پر محمول کر رہے ہیں پھر اس کوڑ پہ کھاج کہ مفتی صاحب نے ان کتب احادیث سے نقل کی ہیں جو عام آدمی کے پاس نہیں ہوتیں

تا کہ اس ہیرا پھیری پر کوئی مطلع نہ ہو جائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

ثالثاً: اگر بریلوی علماء تعصب کی وجہ سے اس پر ہی بضد رہیں کہ مذکورہ کیفیت تشہد کی ہے (جو کہ ہماری توضیحات کی روشنی میں قطعاً غلط ہے تو بھی ان کا مدعا واضح نہیں ہوتا کیونکہ حضرت رفاعہ بن رافع سے روایت کرنے والے یحییٰ بن خلاد ہیں اور ان سے علی بن یحییٰ ہیں اور ان سے ان کے پانچ شاگردوں نے روایت اخذ کی ہے۔ اول اسحاق بن ابی طلحہ دوم محمد بن اسحاق سوم محمد بن عمرو چہارم ابن عجلان پنجم داؤد بن قیس وغیرہ اور داؤد بن قیس کی روایت میں صراحت کہ (فَصَلّٰی رَکۡعَتَیۡنِ) سنن نسائی مجتبیٰ ج ۱ ص ۱۵۴ و ایضا کبریٰ ج ۱ ص ۳۹۱ یعنی آنے والے شخص نے دو رکعت نماز پڑھی! اس روایت کی بناء پر حافظ ابن حجر نے کہا ہے وَبِہٖ اَشَارَ بِاَنَّہٗ صَلّٰی نَفۡلاً وَالۡاَقۡرَبُ اَنَّھَا تَحِیَّۃُ الۡمَسۡجِدِ (فتح الباری ج ۲ ص ۲۲۰) اس میں یہ دلیل ہے کہ اس شخص نے نفل پڑھے تھے اور یہ بہت قریب ہے کہ اس نے تحیۃ المسجد پڑھے ہوں (انتھی) اس سے واضح ہے کہ اس صحابی کی نماز میں دوسری تشہد آتی ہی نہیں لیکن مفتی صاحب اناڑیوں کی طرح کھینچ تان کر آخری تشہد کی کیفیت پر ہی اصرار کرتے نظر آ رہے ہیں۔

مفتی صاحب کی بددیانتی نہیں بلکہ وہابی کی بے عقلی ہے

الجواب اوّلاً: وہابی صاحب یہ اعتراض بار بار کرتے آ رہے ہیں کہ مفتی صاحب کتب حدیث کے اعتبار سے حدیث کا نمبر شمار کرتے ہیں لیکن وہابی صاحب کو یہ عقل نہیں کہ جب کوئی محدث کسی حدیث کو اپنی کتاب میں روایت کرتا ہے تو وہ بھی اس سند میں شامل ہو جاتا ہے لہٰذا اس اعتبار سے ہر محدث صاحب کتاب کی سند الگ ہے اور محدثین کرام سند مختلف ہونے سے حدیث کا نمبر شمار کرتے ہیں لہٰذا یہ مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی بددیانتی نہیں وہابی جی کی بے عقلی ہے۔

ثانیاً: خود غیر مقلد نے کہا ہے کہ حضرت رفاعہ کی حدیث کو علی بن یحییٰ سے ان

کے پانچ شاگردوں نے روایت کیا ہے جب یہ بات ہے تو محدثین کا طریقہ ہے کہ جتنی سندوں سے حدیث آئے اتنی بار اسے بیان کرتے ہیں اور ہر روایت کو الگ نمبر دیتے ہیں۔

ثالثاً: غیر مقلد کا یہ کہنا کہ مذکورہ حدیث میں دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا ذکر ہے۔ **فقیر** کہتا ہے کہ حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ فَاِذَا جَلَسْتَ فِیْ وَسْطِ صَلَاتِكَ طبرانی کبیر ج ۵ ص ۳۹ یعنی جب تو اپنی نماز کے درمیان میں بیٹھے تو درمیان میں تشہد دو سے زیادہ رکعتوں والی نماز میں آتا ہے نہ کہ دو والی میں۔

رابعاً: وہابی صاحب پر اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِهٖ آدمی دوسرے کو اپنے پر قیاس کرتا ہے صادق آتا ہے۔ دجل و فریب وہابیوں کی فطرت میں رچا ہوا ہے اسی لئے دجل و فریب کو مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی طرف بھی منسوب کر رہا ہے فقیر کہتا ہے وہابی صاحب کسی حدیث سے بے جا استدلال کرنے کی احناف کو حاجت نہیں ہمارے پاس اپنے موقف کے مطابق تشہد کی کیفیت ثابت کرنے کو بہت دلائل ہیں اگر تم زیر بحث حدیث مطلق تشہد کے متعلق نہ ماننے پر بضد ہو تو ہم بفضلہٖ تعالیٰ تمہیں اس پر واضح حدیث دکھا دیتے ہیں۔

حضور کا طریقۂ نماز

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ حُسَیْنِ الْمُعَلِّمِ عَنْ بُدَیْلِ بْنِ مَیْسَرَةَ عَنْ اَبِی الْجَوْزَاءِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِیْرِ وَالْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَكَانَ اِذَا رَكَعَ لَمْ یُشَخِّصْ رَءْسَهٗ وَلَمْ یُصَوِّبْهُ وَلٰكِنَّ بَیْنَ ذٰلِكَ وَكَانَ اِذَا رَفَعَ رَءْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ لَمْ یَسْجُدْ حَتّٰی یَسْتَوِیَ قَآئِمًا وَّكَانَ اِذَا رَفَعَ رَءْسَهٗ مِنَ

السُّجُوْدِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰی يَسْتَوِیَ قَاعِدًا وَّكَانَ يَقُوْلُ فِیْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ اَلتَّحِيَّاتُ وَكَانَ اِذَا جَلَسَ يَفْرُشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰی وَ يَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰی الخ (ابوداؤد شریف جزء اول ص ۱۲۱)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو تکبیر سے شروع فرماتے اور قراءۃ کو الحمد للہ رب العلمین سے اور جب رکوع فرماتے تھے تو سر مبارک کو زیادہ اونچا نہ کرتے اور نہ اسے زیادہ جھکاتے تھے بلکہ اس کے درمیان رکھتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو سجدہ نہ کرتے جب تک کہ سیدھا نہ ہو لیتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تھے تو دوسرے سجدہ کو نہ جاتے جب تک کہ سیدھا نہ بیٹھ جاتے اور ہر دو رکعت میں التحیات پڑھتے اور جب بیٹھتے تھے (تشہد کے لئے) تو اپنا بایاں پاؤں بچھا دیتے اور داہنا پاؤں کھڑا کرتے۔ اس میں وکان اذا جلس یقول فی کل رکعتین التحیات پر عطف ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اور جب بیٹھتے تھے ہر دو رکعت میں تو اپنا بایاں پاؤں بچھا دیتے اور داہنا پاؤں کھڑا کرتے نیز اس میں وَكَانَ اِذَا جَلَسَ مطلق کا معنی دے رہا ہے۔ اسے مقید کرنا تصرف فی الحدیث ہے۔

(فائدہ) اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ شریف سورت فاتحہ کا جزء نہیں ورنہ اسے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتحہ کے ساتھ بلند پڑھتے۔

خامساً: غیر مقلد کا بخاری ج ۱ ص ۱۰۵ اور مسلم ج ۱ ص ۱۷۰ کے حوالہ سے کہنا کہ یہی روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں مذکورہ کیفیت دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی بتائی گئی ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت تو ان دونوں کتابوں میں اسی جگہ موجود ہے مگر یہ وہابی جی کا خالص مغالطہ ہے کہ مذکورہ کیفیت اس میں دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی بتائی گئی

ہے کیونکہ اس میں بیٹھنے کی کیفیت کا ذکر ہی نہیں اس میں تو تعدیل ارکان کا فرمایا گیا ہے لیکن وہابی جی نے خواہ مخواہ اسے اپنی دلیل بنالیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ جاء الحق کی حدیث نمبر ۱۴ پر غیر مقلد کے اعتراض: یہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ ابراہیم نخعی کا قول ہے مگر مفتی صاحب اس پر بھی حدیث نمبر ۱۴ کا عنوان لگا رہے ہیں جو کہ صریحاً بددیانتی ہے۔

ثانیاً: ابراہیم نخعی سے روایت کرنے والا مغیرہ ہے۔ طحاوی ج ۱ ص ۱۸۰ اگر یہ ابوعبداللہ مغیرہ بن سعد ہے تو یہ خبیث شیعہ تھا اور مدعی نبوت۔ محدثین کی ایک جماعت کے علاوہ خود ابراہیم نخعی نے اسے کذاب کہا ہے۔ میزان ج ۴ ص ۱۶۰ اور اگر مغیرہ بن مقسم ہیں تو یہ گو ثقہ ہیں لیکن ابراہیم نخعی کی روایت میں ضعیف ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے صراحت کی ہے میزان ج ۵ ص ۱۶۵ اور محدثین نے کہا ہے کہ ابراہیم سے یہ تدلیس کرتے ہیں امام ابن فضیل فرماتے ہیں کہ

كَانَ يُدَلِّسُ وَلَاسِيَمَا عَنْ اِبْرَاهِيْمَ ۔ (تقریب ص ۲۵۲)

یعنی ثقہ تو ہیں لیکن تدلیس کرتے ہیں۔ خاص طور پر ابراہیم نخعی سے (انتھی)

اور زیر بحث روایت عن عن سے ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۱۰

الجواب اوّلاً: ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ جلیل القدر تابعی ہیں اور تابعین کے اقوال محدثین کرام نے کتب احادیث میں بیان کئے ہیں اور انہیں دلیل بھی بنایا ہے مثلاً بخاری ج ۱ ص ۱۰۷ پر عطاء تابعی کا قول نقل کیا ہے کہ وقال عطاء لہٰذا حضرت ابراہیم نخعی کا ارشاد لکھ کر اسے حدیث نمبر ۱۴ کا عنوان دینا مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی بددیانتی نہیں اسے بددیانتی کہنا وہابی جی کی جہالت ہے۔

ثانیاً: حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ یہ اپنے پاس سے نہیں کہہ رہے کہ یہ مستحب ہے کہ مرد نماز کے تشہد میں اپنا بایاں پاؤں زمین پر بچھائے اور اس پر بیٹھے بلکہ جاء الحق میں حدیث نمبر ۱۵ جو ابوداؤد شریف میں حضور صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم

سے ہے (وہ اس کے راوی بھی ہیں اس میں واضح بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں بچھاتے یہاں تک کہ اس قدم شریف کی پشت سیاہ ہوگئی۔

غیر مقلد کی فریب کاری

ثالثاً: جب وہابی صاحب کو یہ معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ امام ابراہیم نخعی سے روایت کرنے والے کون سے مغیرہ ہیں تو اس پر جرح ثابت کرنے میں کیا فائدہ اصل میں یہ صاحب بھی ان لوگوں کے زمرہ میں آتا ہے کہ مولوی آں باشد کہ چپ نشود در اصل بات یہ ہے کہ یہاں وہابی صاحب نے انتہائی دجل وفریب کا مظاہرہ کیا ہے وہ یہ کہ میزان الاعتدال اور حافظ ابن حجر کی طبقات میں واضح ہے کہ امام ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے مغیرہ بن مقسم ہیں مگر وہابی صاحب نے فریب کاری سے کام لیکر کہہ دیا کہ معلوم ہی نہیں کہ ابراہیم نخعی سے روایت کرنے والے کون سے مغیرہ ہیں اگر ابوعبداللہ مغیرہ بن سعد ہیں تو یہ خبیث شیعہ ہیں اور اگر مغیرہ بن مقسم ہیں تو یہ گو ثقہ ہیں لیکن ابراہیم نخعی کی روایت میں یہ ضعیف ہیں۔ جیسا کہ امام بن حنبل نے اس کی صراحت کی ہے حالانکہ ایسا کوئی چکر نہیں یہ واضح ہے کہ امام نخعی سے روایت کرنے والے مغیرہ بن مقسم ہیں جو امام ثقہ فقیہ ہیں یہ سارا کچھ اسی جگہ میزان الاعتدال میں مذکورہ ہے جہاں سے وہابی جی نے صرف اپنے مطلب کے حصول کے لئے امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول لکھا ہے اور جن آئمہ ومحدثین کے اقوال حضرت مغیرہ کی مدح وشان میں ہیں ان کو بددیانتی سے چھوڑ دیا۔ فقیر یہاں پوری عبارت لکھ رہا ہے تا کہ قارئین پر اس کا دجل واضح ہو۔

مُغِیْرَۃُ بْنُ مِقْسَمٍ اِمَامٌ ثِقَۃٌ لٰکِنَّ لَیَّنَ اَحْمَدُ بْنُ حَنبلٍ رَوَایَتَہٗ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ النَّخْعِیِّ فَقَطْ مَعَ اِنَّھَا فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَرَوٰی عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ وَالشَّعْبِیِّ وَالْمُجَاھِدِ وَعَنْہُ شُعْبَۃُ وَھُشَیْمٌ وَّ فُضَیْلٌ وَّ

جَرِيْرٌ وَّرَوٰى حَجَاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ شُعْبَةَ ۔ كَانَ مُغِيْرَةُ اَحْفَظَ مِنَ الْحَكَمِ وَقَالَ اِبْنُ فُضَيْلٍ كَانَ يُدَلِّسُ فَلَا يُكْتَبُ اِلَّا مَا قَالَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ وَ قَالَ اَبُوْبَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ مَا رَءَيْتُ اَفْقَهُ مِنْهُ وَ قَالَ اَبُوْحَاتِمٍ عَنْ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ عَامَةُ مَا رَوٰى اِنَّمَا سَمِعَهُ مِنْ حَمَّادٍ وَجَعَلَ يُضَعِّفُ حَدِيْثَهُ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ وَحْدَهُ وَقَالَ اِبْنُ مُعِيْنٍ ثِقَةٌ مَّامُوْنٌ (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۱۶۵)

مغیرہ بن مقسم امام ثقہ ہیں لیکن امام احمد بن حنبل نے فقط ابراہیم نخعی سے اس کی روایت کو ضعیف کہا ہے باوجودیکہ اس کی روایت صحیحین میں آئی ہے اور اس نے حضرت ابووائل اور شعبی اور مجاہد سے روایتیں کی ہیں اور ان سے شعبہ اور ہشیم اور فضیل اور جریر نے روایتیں کیں اور حجاج بن محمد نے شعبہ سے بیان کیا کہ مغیرہ حکم سے بھی زیادہ حافظ تھے اور ابن فضیل نے کہا کہ وہ تدلیس کرتے تھے۔ اس کی وہی حدیث لکھی جائے جو اس نے کہا کہ ہمیں ابراہیم نے حدیث بیان کی اور ابوبکر بن عیاش نے فرمایا کہ میں نے اس سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہ دیکھا اور ابوحاتم نے احمد بن حنبل سے بیان کیا کہ عام طور پر جو اس نے روایت کیا حماد سے سنا اور ابراہیم اکیلے سے اس کی روایت کو ضعیف کہتے اور ابن معین نے اسے ثقہ مامون کہا۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ امام احمد مغیرہ کو صرف ابراہیم نخعی کی روایت میں ضعیف کہتے ہیں۔ مطلق ضعیف نہیں کہتے اور ابن فضیل اس کی طرف تدلیس منسوب کرتے ہیں مگر ابراہیم نخعی سے ان کی روایت کو معتبر مانتے ہیں۔ اب امام احمد اور ابن فضیل کے قول ایک دوسرے سے متضاد ہوئے کیونکہ امام احمد ابراہیم نخعی سے ان کی روایت کو ضعیف کہتے ہیں جبکہ علامہ ذہبی کی اپنی تحقیق یہ ہے کہ حضرت مغیرہ امام ثقہ ہیں۔

امام شعبہ اسے حکم سے بھی زیادہ حافظ کہتے ہیں۔ ابوبکر بن عیاش نے فرمایا کہ میں نے مغیرہ سے زیادہ کسی کو فقیہ نہ دیکھا۔ امام ابن معین ثقہ مامون قرار دیتے مگر وہابی نے سب کو چھوڑ کر امام احمد کا قول اس سے لے لیا اور ابن فضیل کا قول تقریب سے حالانکہ ابن فضیل کا قول مذکورہ میزان کی عبارت میں موجود تھا مگر یہ وہابی صاحب کو مفیدہ نہیں تھا۔ اب اس پر ایک گواہی اور ملاحظہ ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ طبقات المدلسین ص ۴۶ پر لکھتے ہیں:

> اَلْمُغِيْرَةُ بْنُ مِقْسَمٍ الضَّبِيُّ الْكُوْفِيُّ صَاحِبُ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ ثِقَةٌ مَشْهُوْرٌ وَصَفَهُ النِّسَائِيُّ بِالتَّدْلِيْسِ وَ حَكَاهُ الْعَجْلِيُّ عَنِ بْنِ فُضَيْلٍ وَقَالَ اَبُوْدَاؤدَ كَانَ لَا يُدَلِّسُ
>
> مغیرہ بن مقسم ضبی کوفی ابراہیم نخعی کے شاگرد ہیں۔ ثقہ مشہور ہیں اور نسائی نے اس کی طرف تدلیس منسوب کی ہے اور اسے عجلی نے ابن فضیل سے حکایت کیا اور ابوداؤد نے فرمایا کہ وہ تدلیس نہیں کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کی تدلیس میں اختلاف ہے مگر ان کی مطلق ثقاہت کا کسی کو انکار نہیں۔ اب جاء الحق کے زیر بحث باب کی حدیث نمبر ۱۵ پر غیر مقلد کے اعتراض ملاحظہ ہوں۔ یہ روایت ابوداؤد کے عام نسخوں میں نہیں دیکھی گئی ابوداؤد ص ۱۳۸ ج ۱ بتصحیح مولانا فخر الحسن گنگوہی اور ابوداؤد ص ۱۴۵ ج ۱ بتصحیح مولانا محمود حسن خان صاحب یہاں البتہ مولانا شمس الحق محدث عظیم آبادی نے اس کو عون المعبود کے متن میں ص ۳۶۲ ج ۱ میں درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابوداؤد کے عام نسخوں میں یہ روایت نہیں ہے لیکن میں نے (ابوداؤد) کے ایک صحیح نسخہ میں اسے پایا ہے اور مزی نے (الاطراف) میں اسے ذکر کیا ہے۔ عون المعبود شرح سنن ابوداؤد ص ۳۶۳ ج ۱ لیکن اس کی سند میں امام سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ ہیں جو بلاشبہ ثقہ ثبت حافظ ہیں مگر مدلس

ہیں۔ انہیں امام عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ نے (تہذیب ۴/ ۱۶۲، امام یحیٰ بن سعید ایضاً ۱۱/ ۱۹۲) امام بخاری (التمہید ۱/ ۳۴) اور ابن ترکمانی حنفی نے الجوہر النقی ۸/ ۲۶۲ میں مدلس قرار دیا ہے۔ بریلوی مکتب فکر کے محدث اعظم مولوی ابو یوسف محمد شریف کوٹلوی نے امام سفیان کو مدلس قرار دیا۔ فقہ الفقیہ ص ۱۳۴ اور زیر بحث روایت میں سماع کی صراحت نہیں بلکہ صیغہ عن مروی ہے لہٰذا حجت نہیں۔

ثانیاً: روایت کے الفاظ مفتی صاحب کے موافق نہیں کیونکہ صراحت نہیں ہے کہ پاؤں مبارک کو بچھا کر کولہے پر بیٹھے تورک کرتے تھے یا پاؤں پر ہی بیٹھا کرتے تھے۔

ثالثاً: روایت میں پہلے تشہد کا کوئی ذکر نہیں۔ علاوہ ازیں مرد و عورت کا فرق بھی نہیں بتایا گیا جو مفتی صاحب کا دعویٰ اور احناف کا عمل ہے۔

رابعاً: الفاظ سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابراہیم نخعی روایت کر رہے ہیں۔ حالانکہ ابراہیم نخعی کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں چہ جائیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔ الغرض یہ روایت صغیر تابعی کی مرسل ہے جس کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں۔ اس اعتبار سے یہ روایت معضل ہوئی جو قابل قبول نہیں ہوتی۔

خامساً: پاؤں مبارک کے سیاہ ہونے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ تورک نہیں فرمایا کرتے تھے راقم نے جب سے ہوش سنبھالی ہے تب سے تورک کرتا ہے لیکن اس کے باوجود پاؤں کی پشت سیاہ ہو گئی ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۱۱ تا ۴۱۲

الجواب اوّلاً: جب آپ کو اپنے ہی گھر سے گواہی مل گئی تھی کہ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کی زیر بحث روایت ابوداؤد شریف کے صحیح نسخے میں موجود ہے تو پھر اتنی سطور سیاہ کرنے کی کیا حاجت تھی۔

جو راوی وہابی مذہب کے خلاف روایت کر دے وہ زیر عتاب آجاتا ہے

ثانیاً: غیر مقلد کا امام سفیان ثوری رضی اللہ عنہ مدلس کہنا تو اس میں اصل بات یہ ہے کہ امام سفیان ثوری نے وہابی مذہب کے خلاف روایت کر دی ہے۔ اس لئے وہ زیر عتاب آ گئے اور مدلس ٹھہرے جب ان کی روایت وہابی مذہب کے موافق تھی تو وہ محض ثقہ ہی نہ تھے بلکہ اوثق تھے اور آئمہ نقاد اور تمام محدثین عظام کے نزدیک امام ثوری کو امام شعبہ پر جو بلند پایہ محدث ہیں ترجیح حاصل تھی اس جگہ غیر مقلد کی عبارت پیش کر دیتا ہوں تا کہ کسی کو ابہام نہ رہے لکھتے ہیں اگر کہا جائے کہ امام شعبہ اور سفیان دونوں ثقہ ہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ آئمہ نقاد اور تمام محدثین عظام کے نزدک امام سفیان ثوری امام شعبہ سے زیادہ حافظہ وضبط والے ہیں جن کا اعتراف خود امام شعبہ نے کیا ہے کہ سفیان مجھ سے زیادہ حافظ والا ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۳۱۶ اب قارئین پر وہابی صاحب کی مذہب پرستی واضح ہوگئی کہ جس امام ثوری کو آئمہ نقاد اور تمام محدثین کے نزدیک ثقہ سے بھی بڑھ کر ثقہ ثابت کیا تھا اب اسی کو مدلس کہہ رہا ہے جب کہ وہابی صاحب یہ بھی فرماتے ہیں تدلیس ایک جھوٹ کی قسم ہے تو جھوٹا ثقہ ہو ہی نہیں سکتا مگر قربان جائیں کہ یہ صاحب امام سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کو ثقہ سے بڑھ کر ثقہ بھی کہتے ہیں۔ مدلس بھی۔

ثالثاً: غیر مقلد کو اتنا علم بھی نہیں کہ عن پر صیغہ کا اطلاق درست ہے یا نہیں وہابی جی صیغہ کا اطلاق افعال پر ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ یہ صیغہ وحد ہے یہ تثنیہ یہ جمع ہے عن پر کلمہ یا لفظ کا اطلاق ہوگا۔ صیغہ کا نہیں یہ حال ہے وہابیوں کے محقق صاحب کا تو باقیوں کا خدا ہی حافظ ہے۔

رابعاً: وہابی صاحب کو زیر بحث حدیث سے فرار کے لئے یہ بہانہ مفید نہیں کہ امام ابراہیم نخعی کی روایت مرسل ہے لہٰذا قابل قبول نہیں کیونکہ ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کی مرسل صحیح و حجت ہے التعلیق المجد علی مؤطا محمد صفحہ ۵۴ پر ہے۔ و جماعة من الائمة صححوا مراسیله آئمہ کرام سے جماعت نے ان کی مرسل روایات کو صحیح

قرار دیا ہے۔

خامساً: غیر مقلد نے اس دعویٰ پر کوئی حوالہ نہیں دیا کہ ابراہیم نخعی کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں مگر ہم بفضلہٖ تعالیٰ بحوالہ صحابہ سے ان کا سماع ثابت کر دیتے ہیں۔ کتاب الثقات کے جزء رابع ص ۸ پر حافظ ابو حاتم محمد بن حبان لکھتے ہیں:

ابراهيم بن يزيد بن عمرو النخعي ابو عمران ۔ سَمِعَ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ وَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَدَخَلَ عَلٰى عَآئِشَةَ

یعنی ابراہیم بن یزید بن عمرو النخعی ابو عمران رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے حدیث کا سماع کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی گئے۔

تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۷۸ پر ہے۔

وَرِوَايَةُ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِىْ مَعْشَرٍ ذَكَرَهَا ابْنُ حَبَّانَ بِسَنَدٍ صَحِيْحٍ اِلٰى سَعِيْدٍ عَنْ اَبِىْ مَعْشَرٍ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَهُمْ اَنَّهُ دَخَلَ عَلٰى عَآئِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا فَرَاٰى عَلَيْهَا ثَوْبًا اَحْمَرَ ۔

اور سعید کی روایت ابو معشر سے جسے ابن حبان نے سعید تک صحیح سند سے ذکر کیا۔ اس میں سعید ابو معشر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے انہیں بیان کیا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے تو ان پر سرخ رنگ چادر دیکھی۔

اب اس سے حضرت ابراہیم نخعی کا صحابہ رضوان اللہ علیہم سے سماع و ملاقات ثابت ہوئے۔ اسی تہذیب التہذیب کی جلد ۱ ص ۱۷۷ پر ہے۔

قَالَ الْاَعْمَشُ كَانَ اِبْرَاهِيْمُ خَيْرًا فِى الْحَدِيْثِ وَقَالَ الشَّعْبِىُّ مَا تَرَكَ اَحَدًا اَعْلَمَ مِنْهُ وَقَالَ ابْنُ مُعِيْنٍ مَرَاسِيْلُ اِبْرَاهِيْمَ اَحَبُّ اِلَىَّ مِنْ مَرَاسِيْلِ الشَّعْبِىِّ

اعمش نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم حدیث میں بہت خوب تھے اور شعبی نے فرمایا اس نے اپنے بعد کسی ایک کو نہ چھوڑا جو علم میں ان سے زیادہ ہو اور امام ابن معین نے کہا کہ ابراہیم کی مرسل روایات مجھے شعبی کی مرسل روایتوں سے بھی زیادہ پسند ہیں۔

جاء الحق کے زیر بحث باب سے حدیث نمبر ۱۶ پر غیر مقلد کے اعتراض لکھتے ہیں اگر بیہقی سے مراد مفتی صاحب السنن الکبریٰ للبیہقی ہے تو یہ غلط بیانی ہے۔ راقم نے پوری کتاب کنگھال ماری ہے مگر کہیں اس کا وجود نہیں پایا جاتا اور نہ ہی کوئی منکرین تورک ہمیں یہ روایت دکھا سکتا ہے۔

ثانیاً: الفاظ آپ کے پیش نظر ہیں اس میں صراحت ہی نہیں کہ دو سجدوں کے درمیان اس طرح بیٹھے یا پہلے تشہد یا دوسرے تشہد میں لہٰذا اسے تورک کے رد پر پیش کرنا غلط بیانی ہے۔

ثالثاً: یہ بھی صراحت نہیں کہ پاؤں بچھا کر تورک کیا یا پاؤں کے اوپر بیٹھے؟ تو دریں صورت یہ مفتی صاحب کی دلیل کیسے بن گئی۔

رابعاً: مذکورہ عبارت کی عربی زبان بھی درست نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصیح و بلیغ عربی بولتے تھے۔

الجواب اوّلاً: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی زیر بحث روایت سنن الکبریٰ بیہقی ج ۲ باب صفۃ الرکوع میں موجود ہے اگر کور چشم دوپہر کو بھی سورج نہ دیکھے تو اس میں سورج کا کیا قصور ہے۔ نیز یہی حدیث کامل ابن عدی ج ۶ تحت ترجمہ طریف بن شہاب بھی موجود ہے۔ اس کے باوجود انکار کرنا وہابیوں کے لئے مقام شرم ہے۔

ثانیاً: غیر مقلد کا یہ کہنا کہ اس میں صراحت ہی نہیں کہ دو سجدوں کے درمیان اس طرح بیٹھے یا پہلے تشہد میں یا دوسرے میں۔ فقیر کہتا ہے کہ یہ وہابی صاحب کا انکار

حدیث کے لئے ایک بہانہ ہے جسے یہ بار بار دہرا رہا ہے ورنہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی فصل میں حدیث نمبر ۱۷ کے تحت طحاوی کے حوالہ سے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث لکھی ہے جس میں واضح ہے کہ **فَلَمَّا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ فَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى ثُمَّ قَعَدَ عَلَيْهَا** یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم التحیات کے لئے بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھایا پھر اسی پر بیٹھ گئے۔ حدیث نمبر ۱۸ جو طحاوی کے حوالہ سے حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے ہے کہ **فَاِذَا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ اِضْجَعَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى عَلٰى صَدْرِهَا وَيَتَشَهَّدُ** جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم التحیات کے لئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور داہنا پاؤں اس کے سینے پر کھڑا کیا اور التحیات پڑھتے تھے۔ اب ان دونوں حدیثوں میں بلا قید اول و ثانی تشہد واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التحیات پڑھنے کو اس کیفیت سے بیٹھتے کہ داہنا پاؤں مبارک کھڑا کرتے اور بایاں پاؤں شریف بچھا کر اس پر بیٹھتے مگر وہابی صاحب نے مکاری یہ چلی کہ ان دونوں حدیثوں کا جواب ہی گول کر دیا تاکہ کوئی سوال ہی نہ کر دے کہ حضرت جی آپ تو بار بار فرما رہے تھے کہ مفتی صاحب کی پیش کردہ احادیث میں بیٹھنے کی کیفیت واضح نہیں۔ اب ان میں تو کیفیت واضح ہے انہیں کیوں نہیں مانتے کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک نہیں؟ لہٰذا اس صاحب نے اس سوال سے پیچھا چھڑانے کو جواب گول کر دیا تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

ثالثاً: وہابی صاحب کا یہ ارشاد کہ زیر بحث حدیث کی عربی زبان (عبارت) درست نہیں۔ جی محض ڈھکوسلوں سے کام نہیں چلے گا آپ کو چاہئے تھا کہ نشاندہی کرتے کہ متن حدیث میں کون سی لفظی خرابی ہے۔ غیر مقلد خلاصہ کے عنوان سے اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ اٹھارہ احادیث بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ قارئین کرام آپ ہماری گزارشات کو مکرر پڑھ لیجئے۔ مفتی

صاحب نے کل سات دلائل دیئے ہیں جن میں دو گجراتی ایجاد ہیں۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً نہیں۔ بقایا پانچ ہیں ایک ابراہیم نخعی کا ضعیف قول ہے۔ دوسری روایت میں دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا ذکر ہے۔ تیسری میں پہلے تشہد کا بیان ہے اور باقی دو روایات ہماری توجیحات (صحیح لفظ توجیہات ہے) کی روشنی میں ہمارے موقف کے موافق ہیں۔ دنیا بھر کے بریلویوں کو کھلا چیلنج۔

ہماری طرف سے دعوت عام ہے کوئی ایک ایسی صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کرو جس میں آپ کے مسلک کی ترجمانی ہو یعنی مرد دونوں تشہدوں میں بائیں پاؤں پر بیٹھے اور عورت دونوں تشہدوں میں پاؤں نکال کر بیٹھے؟ راقم الحروف وعدہ کرتا ہے کہ ایسے محقق بریلویت کو حق محنت میں ایک ہزار روپیہ انعام دینے کے علاوہ اس کی قرآن فہمی و حدیث دانی کا قائل ہو جائے گا۔ یہ بریلوی کیا اگر تمام دنیا کے مرجی علامہ فہامہ اور منکرین تورک اکٹھے ہو جائیں اور سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود بھی ہمیں ایسی حدیث نہیں دکھا سکتے انشاء اللہ تعالیٰ۔ نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۱۲ تا ۴۱۳

الجواب اوّلاً: وہابی صاحب یہاں یہ تو نہیں بتایا کہ وہ کون سی دو روایتوں کو گجراتی ایجاد کہہ رہے ہیں البتہ ان کے مذکورہ اعتراضوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان دو روایتوں سے ان کی مراد ایک حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ابوداؤد کے حوالہ سے لکھا ہے تو اسے وہابی صاحب کا گجراتی ایجاد کہنا نری بے حیائی ہے۔ اس پر یہ صادق آتا ہے (اِذَا فَاتَ حَیَائُكَ قُلْ مَا شِئْتَ) جب تیرا حیاء فوت ہو جائے تو جو چاہے کہے ورنہ یہ خود عون المعبود کے حوالہ سے لکھ چکا ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی کی روایت ابوداؤد کے صحیح نسخہ میں موجود ہے پھر بھی اسے گجراتی ایجاد کہنا جھوٹ، خیانت، بے حیائی نہیں تو اور کیا ہے۔

ثانیاً: مکتبہ امدادیہ ملتان کی طرف سے شائع شدہ ابوداؤد جو بتصحیح محمود حسن شیخ

الحدیث مدرسہ دیو بند ہے اس میں الگ بین الخط ابوداؤد کی ان احادیث کو لکھا ہے جو صحیح نسخوں میں پائی جاتی ہیں تو انہیں میں زیر بحث ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بھی لکھا ہے اور نیچے لکھا ہے ہکذا فی نسخۃ القاری و کذا ہو فی نسخۃ مقروۃ علی مولانا شاہ اسحاق رحمتہ اللہ علیہ ابوداؤد ج ا ص ۱۴۵ یعنی اسی طرح یہ حدیث قاری کے نسخہ میں ہے اور ایسے ہی یہ اس نسخہ میں موجود تھی جو مولانا شاہ اسحاق پر پیش کیا گیا مگر وہابی صاحب خوف خدا سے بے نیاز ہو کر اسے گجراتی ایجاد کہہ رہے ہیں۔

ثالثاً: دوسری حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ہے جسے اس صاحب نے گجراتی ایجاد کہا میں کہتا ہوں یہ بلا تحقیق ہے کیونکہ وہابی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے صرف سنن الکبریٰ للبیہقی کے کسی نسخہ کو دیکھا تو حکم لگا دیا کہ حدیث بیہقی میں موجود نہیں۔ ممکن ہے سنن بیہقی کے کسی پرانے نسخہ میں یہ حدیث ملتی ہو جہاں سے مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے حدیث کو لکھا نیز امام بیہقی کی سنن الکبریٰ للبیہقی کے علاوہ کثیر کتب ہیں۔ ممکن ہے کہ حدیث ان کی کسی کتاب میں موجود ہو جبکہ مفتی صاحب نے سنن الکبریٰ للبیہقی کی قید نہیں لگائی مطلق بیہقی کہا لہٰذا بلا تحقیق کہہ دینا کہ یہ حدیث نبوی نہیں گجراتی ایجاد ہے بالکل نامناسب ہے۔

رابعاً: وہابی صاحب کا یہ دعویٰ کہ ایک ان دلائل میں ابراہیم نخعی کا ضعیف قول ہے۔ اس کا جواب ہم نے بفضلہ تعالیٰ دیدیا ہے۔ اسے دہرانا فضول ہے۔

خامساً: وہابی صاحب کا یہ چیلنج کہ کوئی ایک صحیح صریح مرفوع حدیث پیش کرو جس میں آپ کے مسلک کی ترجمانی ہو کہ مرد دونوں تشہدوں میں بائیں پاؤں پر بیٹھے اور عورت دونوں تشہدوں میں پاؤں نکال کر بیٹھے۔ اس کے جواب میں نمبر ا ہم اپنے دلائل کی صحت ثابت کریں گے نمبر ۲ یہ ثابت کریں گے کہ احادیث ہمارا موقف پر دلالت کرتی ہیں نمبر ۳ ثابت کریں گے کہ عورت دونوں تشہدوں میں پاؤں ایک طرف نکال کر بیٹھے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ وَهُوَ حَسْبِيْ وَكَافِيْ

تشہد سے متعلق احناف کے موقف پر احادیث کی صحت

حوالہ نمبر ۱، جاء الحق کے زیر بحث باب میں حدیث نمبر ۹۰۸ جو کہ ترمذی وطبرانی کے حوالہ سے ہے اسے نقل کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ اَكْثَرِ اَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَاَهْلِ الْكُوْفَةِ (جامع الترمذی ج ۱ باب) **كيف جلوس فى التشهد** اور یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے اور اسی کے قائل سفیان ثوری اور ابن مبارک اور اہل کوفہ ہیں۔

حوالہ نمبر ۲ خود غیر مقلدوں کے امام شوکانی اپنی نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۸۲ پر لکھتے ہیں:

حَدِيْثُ وَائِلٍ اَخْرَجَهُ اَيْضًا اِبْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمَذِيُّ وَقَالَ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَحَدِيْثُ رِفَاعَةَ اَخْرَجَهُ اَيْضًا اَبُوْدَاؤُدَ بِاللَّفْظِ الَّذِيْ سَبَقَ فِي الْبَابِ الْاَوَّلِ وَلَا مَطْعَنَ فِيْ اِسْنَادِهٖ وَاَخْرَجَهُ اَيْضًا اِبْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَابْنُ حِبَّانَ وَّ قَدِ احْتَجَّ بِالْحَدِيْثَيْنِ الْقَائِلُوْنَ بِاسْتِحْبَابِ فَرْشِ الْيُسْرٰى وَ نَصْبِ الْيُمْنٰى فِي التَّشَهُّدِ الْاَخِيْرِ وَهُمْ زَيْدُ بْنُ عَلِيٍّ وَّالْهَادِيُّ وَالْقَاسِمُ وَالْمُؤَيِّدُ بِاللّٰهِ وَاَبُوْحَنِيْفَةَ وَاَصْحَابُهٗ وَالثَّوْرِيُّ

حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اسی طرح ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا اور کہا حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت رفاعہ کی حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ان الفاظ سے جو باب اول میں گزرے اور اس کی سند میں طعن کو گنجیش نہیں اور اسے ابن ابی شیبہ اور ابن حبان نے بھی روایت کیا اور تحقیق ان دو حدیثوں کے ساتھ ان حضرات نے دلیل پکڑی جو تشہد آخیر میں بایاں پاؤں بچھانے اور داہنا کھڑا رکھنے کے

استحباب کے قائل ہیں اور وہ حضرت زید بن علی اور ہادی اور قاسم اور موید باللہ اور ابوحنیفہ اور سفیان ثوری ہیں۔

اس میں شوکانی صاحب نے مذکورہ دو حدیثوں کی صحت کا اقرار کیا ہے اور ساتھ یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ اس کیفیت تشہد کے صرف امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہی قائل نہیں بلکہ اور بھی جلیل القدر آئمہ کرام قائل و فاعل ہیں۔

حوالہ نمبر ۳ علامہ نیموی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں رَوَاهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَالطَّحَاوِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ (آثار السنن باب ما جاء فی عدم التورک) اسے سعید بن منصور اور طحاوی نے روایت کیا اور سند اس حدیث کی صحیح ہے۔

حوالہ نمبر ۴ اسی باب میں ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ان الفاظ سے ہے:

قَالَ مِنْ سُنَّةِ الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ قَدَمَ الْيُمْنٰى وَاسْتِقْبَالُ بِاَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ وَالْجُلُوْسُ عَلَى الْيُسْرٰى۔ رَوَاهُ النِّسَآئِيُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ

فرمایا نماز کی سنت سے ہے کہ تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کر اور اس کی انگلیوں کا رخ قبلہ کو ہو اور بیٹھنا بائیں پاؤں پر ہو۔ اسے امام نسائی نے روایت کیا اور اسناد اس کی صحیح ہے۔

حوالہ نمبر ۵ تا ۷ امام دار قطنی نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کیفیت تشہد پر تین احادیث لائے ہیں جو کہ حضرت ابن عمر کے بیٹوں حضرت نافع اور حضرت عبداللہ بن عبداللہ سے ہیں کہ فرمایا نماز میں سنت یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھائے اور داہنا کھڑا کرے۔ ان تینوں کو لکھنے کے بعد امام دار قطنی فرماتے ہیں۔ ھذہ کلھا صحاح۔ یہ روایات صحیح ہیں۔ دار قطنی ج ۱ ص ۳۶۷۔

حوالہ نمبر ۸ تا ۱۰ دار قطنی پر التعلیق مجدی میں انہیں احادیث کے متعلق ہے۔ اسنادہ صحیح ان کی اسناد صحیح ہے۔

نیز مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمتہ اللہ علیہ نے بخاری و مسلم ابوداؤد جامع ترمذی نسائی موطا امام مالک اور دیگر معتبر کتب حدیث سے احادیث پیش کی ہیں جن میں سے سوا ابراہیم نخعی کی روایت کے خود وہابی صاحب نے بھی اور کسی حدیث کی صحت پر اعتراض نہیں کیا ہاں اعتراض اسے یہ ہے جسے وہ بار بار بہانہ فرار بنا رہا ہے کہ جی ان میں یہ تصریح نہیں کہ پہلے تشہد میں ایسا کیا یا دوسرے میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے یا زمین پر بیٹھے لہٰذا یہ احادیث احناف کے لئے حجت نہیں اب ہم بفضلہٖ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں تشہد کے باب میں مذکورہ احادیث احناف کے لئے حجت ہیں۔ شارح صحیح مسلم علامہ نووی رحمتہ اللہ علیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

قَوْلُهَا وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى مَعْنَاهُ يَجْلِسُ مُفْتَرِشًا فِيْهِ حُجَّةٌ لِاَبِىْ حَنِيْفَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَمَنْ وَافَقَهُ اِنَّ الْجُلُوْسَ فِى الصَّلٰوةِ يَكُوْنُ مُفْتَرِشًا سَوَاءٌ فِيْهِ جَمِيْعُ الْجُلَسَاتِ (مسلم ج ۱ ص ۱۹۵)

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور داہنا کھڑا کرتے تھے اس کا معنی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاؤں بچھا کر بیٹھے اس میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے اور جو اس مسئلہ میں ان کے موافق ہوا دلیل ہے کہ بے شک نماز میں بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھنا (مسنون) ہے اس کیفیت میں تمام تشہد برابر ہیں۔

اب وہابی کی بے عقل دیکھو جو کہتا ہے کہ ان احادیث میں احناف کی دلیل

نہیں۔ شارح صحیح بخاری علامہ عینی رحمتہ اللہ علیہ نے اس جیسے ایک اعتراض کا نفیس جواب دیا اور ساتھ قعدہ کی کیفیت کے متعلق حضرت ابن حجر کی حدیث سے وجہ استدلال کو یوں بیان فرمایا:

فَاِنْ قُلْتُ مِنْ اَیْنَ عُلِمَ اِنَّ الْمُرَادَ مِنْ قَوْلِہٖ فَلَمَّا قَعَدَ لِلتَّشَھُّدِ اِفْتَرَشَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی ثُمَّ قَعَدَ عَلَیْھَا وَھِیَ قَعْدَۃُ الْاٰخِیْرَۃَ؟ قُلْتُ عُلِمَ مِنْ قَوْلِہٖ ثُمَّ جَعَلَ یَدْعُوْ اِنَّ الدُّعَآءَ لَا یَکُوْنُ اِلَّا فِیْ اٰخِرِ الصَّلٰوۃِ (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۵۰)

اگر تو کہہ کہ کہاں سے جانا گیا کہ اس کے قول سے کہ جب تشہد کو بیٹھا بایاں پاؤں بچھایا پھر اس پر بیٹھا مراد اس کی آخری قعدہ ہے؟ میں کہتا ہوں یہ اس کے ان الفاظ سے جانا گیا کہ پھر دعا مانگنے لگے بلاشبہ دعا نہیں ہوتی مگر نماز کے آخری تشہد میں۔

امام طحاوی رحمتہ اللہ علیہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں جس میں انہوں نے مسنون طریقہ پر تشہد نہ بیٹھنے پر عذر پیش کیا کہ ان رجلای لاتحملانی میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھاتے۔

فَکَانَ مَعْنٰی ذٰلِکَ اِنَّھُمَا لَوْ حَمَلَتَانِیْ قَعَدْتُّ عَلٰی اَحَدِھِمَا وَاَقِمْتُ الْاُخْرٰی (طحاوی ج ۱ ص ۱۷۷)

گو معنی اس کا یہ ہے کہ اگر وہ میرا بوجھ اٹھاتے تو میں ان دونوں پاؤں میں سے ایک پر بیٹھتا اور دوسرے کو کھڑا کرتا۔

اسی کے تحت انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

قولہ ان رجلای لا تحملانی و تمسک بہ الطحاوی انہ یدل علی ان الرجلین تستعملان فی القعدۃ و ھذا اصدق علی مذھبنا للجلوس فیہ علی الیسری و نصب الیمنی بخلاف فی

التورك ان اليسرى او اليمنى لا تستعملانى فيه

(فیض الباری علی صحیح البخاری ج ۲ ص ۳۱۱)

یعنی اس سے امام طحاوی نے دلیل پکڑی کہ دونوں پاؤں قعدہ میں استعمال ہوتے ہیں اور یہ صادق آتا ہے ہمارے مذہب پر تشہد بائیں پر بیٹھنے کے لئے اور داہنا کھڑا کرنے میں بخلاف تورک میں کہ اس میں بایاں یا داہنا استعمال ہی نہیں ہوتے۔

خود انہی کے گھر کی گواہی لیجئے شارح ابوداؤد شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد صاحب حدیث کے ان الفاظ ثم جلس فافترش رجله اليسرى کی شرح میں لکھتے ہیں۔ وجلس على باطنها و نصب اليمنى عون المعبود ج ۱ ص ۳۶۱ یعنی اس کا معنی ہے کہ بائیں پاؤں کے باطن پر بیٹھے اور داہنا پاؤں کھڑا کیا۔ فقیر کہتا ہے کہ اگر غیر مقلد کو معلوم ہوتا کہ اس کے بڑے کیفیت تشہد کے بارے کیا کہہ چکے ہیں تو یہ نہ کہتا کہ مذکورہ احادیث میں احناف کے مذہب پر کوئی دلیل نہیں۔ نواب صدیق حسن صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں۔

واز هیئات قعده آنست که بر پائے چپ بنشیند و پائے راست استاده کند و تقدیم پائے چپ و نصب پائے راست و جلوس بر مقعدهم مروی شده و بالجمله بهر صفت که بنشیند از تربیع و تورك و افتراش جائز باشد و اختلاف آئمه در سنیت است و اشبه آں نماید که مؤدی بر صفت مرویه هر صفت که باشد مؤدی سنت ست ۔ (عرف الجادی ص ۲۸)

یعنی قعدہ کی کیفیتوں سے یہ ہے کہ بائیں پاؤں پر بیٹھے اور داہنا پاؤں کھڑا کرے اور تقدیم بایاں پاؤں اور کھڑا کرنا داہنا پاؤں ہے اور مقعد پر بیٹھنا بھی مروی ہوا ہے اور خلاصہ یہ کہ جس کیفیت پر بھی بیٹھے تربیع اور

تورک اور افتراش سے جائز ہے اور اختلاف آئمہ سنت ہونے میں ہے اور زیادہ مشابہ وہ دکھائی دیتا ہے جو مرویہ طریقہ پر ادا ہو خواہ کوئی طریقہ ہو وہ سنت کے موافق ہے۔ اس کے مشابہ ان کی عبارت مسک الختام میں بھی ہے۔

اس میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ نواب صدیق حسن صاحب نے جو تشہد کی کیفیات مروی کا ذکر کیا ہے کہ احناف کے مذہب بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا اور داہنا پاؤں کھڑا کرنا ان میں صرف شامل ہی نہیں کیا بلکہ اسے ذکر میں مقدم کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ طریقہ ان کے نزدیک زیادہ صحیح ہے۔ اب وحید الزمان غیر مقلد صاحب کی سنیں وہ کیا کہتے ہیں لکھتے ہیں:

ثُمَّ یَجْلِسُ مُفْتَرِشًا یَفْرُشُ رِجْلَهُ الْیُسْرٰی وَ یَجْلِسُ عَلَیْهَا وَیَنْصِبُ الْیُمْنٰی وَیَسْتَقْبِلُ بِاَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ (نزل الابرار ج ۱ ص ۸۱)

پھر بیٹھے پاؤں بچھا کر اس طرح کہ بایاں پاؤں بچھائے اور اس پر بیٹھے اور داہنا کھڑا کرے اور انگلیوں کا رخ قبلہ کو کرے۔

اس میں واضح ہے کہ وحید الزمان غیر مقلد ہونے کے باوجود احناف کے مذہب کے مطابق طریقہ تشہد بیان کر رہے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک مسنون طریقہ یہی ہے مگر نام نہاد دین الحق کے مصنف کے تعصب کا تماشا دیکھو کہ کہتا ہے احناف کے پاس کیفیت تشہد پر کوئی صریح دلیل نہیں۔

مرد وزن کے تشہد پر غیر مقلد کا مطالبہ ہم پورا کر دیتے ہیں

اب رہا غیر مقلد کا یہ مطالبہ کہ مرد وعورت کے تشہد کی کیفیت کا فرق حدیث صحیح میں دکھاؤ گو ہم پیچھے بھی کچھ بیان کر چکے ہیں یہاں مزید بیان کرتے ہیں تاکہ وہابی صاحب کی تسلی وتشفی ہو جائے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَتِ الْمَرْءَةُ فِی الصَّلٰوۃِ وَضَعَتْ فَخْذَھَا عَلٰی فَخْذِھَا الْاُخْرٰی وَاِذَا سَجَدَتْ اِلْصَقَتْ بَطْنَھَا فِیْ فَخْذَیْھَا کَاَسْتَرُ مَا یَکُوْنُ لَھَا وَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَنْظُرُ اِلَیْھَا وَ یَقُوْلُ یَا مَلٰئِکَتِیْ اَشْھَدُکُمْ اِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَھَا ۔ (سنن الکبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۲۲۳)

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورت نماز میں تشہد بیٹھے تو ایک ران کو دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے ملا دے گو کہ یہ اس کا زیادہ ستر ہے جو اس کے لئے ہونا چاہئے بے شک اللہ اس کی طرف نظر فرماتا ہے اور فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اے میرے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ بے شک میں نے اسے بخش دیا۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۲ پر ہے۔

حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصُ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ اِذَا سَجَدَتِ الْمَرْءَةُ فَلْتَحْتَضِرْ وَلْتَضُمَّ فَخْذَیْھَا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہے کہ فرمایا جب عورت سجدہ کرے تو سکڑ جائے اور رانوں کو ملالے یعنی پیٹ سے۔

اسی کے اسی صفحہ پر ہے:

حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرٍ قَالَ نَا اَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمُقْرِیّ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ اَیُّوْبَ عَنْ یَزِیْدَ ابْنِ حَبِیْبٍ عَنْ بُکَیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الْاَشَجِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ سُئِلَ عَنْ صَلٰوۃِ الْمَرْءَةِ فَقَالَ تَجْتَمِعُ وَ تَحْتَضِرُ

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عورت کی نماز کا پوچھا گیا تو فرمایا وہ اپنے

اعضاء کو جمع کرے اور سکڑ جائے۔ اس میں دلیل اول حدیث مرفوع ہے جس میں واضح ہے کہ عورت تشہد میں ایک ران کو دوسری ران سے ملائے یہ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ وہ پاؤں ایک جانب نکالے۔

دلیل ثانی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے جو کہ حدیث کی ترجمانی کرتا ہے کہ عورت سکڑ کر اور اعضاء کو ملا کر سجدہ کرے جب سجدہ میں یہ حکم ہے کیونکہ اس صورت میں اس کے لئے ستر کا اہتمام ہے تو تشہد میں بھی اسے وہی ہیئت اچھی ہے جس میں اس کے لئے ستر کا اہتمام ہو اور وہ یہی ہے جس کا حکم حدیث میں گزرا کہ عورت تشہد میں ایک ران کو دوسری سے ملا کر بیٹھے۔

تیسری دلیل امام المفسرین عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے جس میں عورت کے لئے اعضاء ملانے اور سمٹ کر بیٹھنے کا حکم ہے مگر وہابی حضرات الٹی چال چلتے ہیں مرد و زن کے سجدہ و تشہد بیٹھنے کا فرق نہیں کرتے۔ اب زیر بحث باب کی دوسری فصل شروع ہوتی ہے۔ اس میں مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مقلدوں کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ اس کے آغاز میں فرماتے ہیں۔ اب تک اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں غیر مقلدوں کے جس قدر دلائل ہم کو مل سکے ہیں ہم انہیں مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔

تشہد سے متعلق غیر مقلدوں کے اعتراضوں کے جواب

اعتراض نمبر ۱: طحاوی شریف نے حضرت یحیٰی ابن سعید سے روایت کی۔

اَنَّ الْقَاسِمَ ابْنَ مُحَمَّدٍ اَرَاهُمُ الْجُلُوْسَ فَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَثَنّٰى رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَ جَلَسَ عَلٰى وَرِكِهِ الْيُسْرٰى وَلَمْ يَجْلِسْ عَلٰى قَدَمَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَرَانِىْ هٰذَا عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ وَحَدَّثَنِىْ اَنَّ اَبَاهُ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ۔

کہ قاسم ابن محمد نے ان کو نماز میں بیٹھنا سکھایا تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کیا اور

بایاں پاؤں بچھایا اور اپنی بائیں سرین پر بیٹھے۔ آپ دونوں قدموں پر نہ بیٹھے۔ پھر قاسم نے فرمایا کہ یہی مجھے عبداللہ ابن عبداللہ ابن عمر نے دکھایا اور مجھے خبر دی کہ ان کے والد حضرت عبداللہ ابن عمر ایسا ہی کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر زمین پر بیٹھنا سنت صحابہ ہے اور صحابہ کرام نے یہ عمل اسی لئے کیا کہ حضور کو ایسے ہی کرتے دیکھا۔ جواب اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر نماز کی ہر التحیات میں اسی طرح بیٹھتے تھے مگر تم کہتے ہو کہ پہلی التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دوسرے میں اس طرح بیٹھے۔ لہٰذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ حدیث اس روایت کے بھی خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر دونوں التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے وہ حدیث نہایت قوی تھی۔ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے۔ قیاس شرعی کے بھی خلاف اور جب حدیثوں میں تعارض ہو تو جو حدیث قیاس شرعی کے موافق ہو گی اسے ترجیح ہو گی۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث سے تمہارا قول ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس میں یہ تصریح نہیں کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما زمین پر سرین رکھ کر بیٹھتے تھے یہ ہے کہ دونوں قدموں پر نہ بیٹھتے تھے۔ واقعی نمازی دونوں قدموں پر نہیں بیٹھتا۔ بلکہ صرف ایک قدم یعنی بائیں پر بیٹھتا ہے لہٰذا اس میں تمہاری کوئی دلیل نہیں۔ اس کا غیر مقلد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس بے چارے کی مجبوری یہ ہو گی کہ اس کا جواب دینا اپنا گریبان کھولنے کے مترادف تھا کیونکہ اس مذکورہ حدیث کو اپنی دلیل سینہ زوری سے بناتے ہیں حقیقۃً ان کا مذہب اس میں ثابت نہیں نیز حدیث ضعیف بھی ہے جیسا کہ مفتی صاحب نے بیان فرمایا۔ اب جاء الحق سے وہابیوں کا دوسرا اعتراض اور مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس کا جواب ملاحظہ ہو۔

اعتراض نمبر ۲: طحاوی شریف اور ابوداؤد نے محمد ابن عمرو ابن عطاء سے ایک

طویل حدیث روایت کی جس کا ملخص یہ ہے:

سَمِعْتُ اَبَا حُمَيْدِ السَّاعِدِيَّ فِيْ عَشْرَةٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَعْلَمُكُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ اَنَّهٗ كَانَ فِي الْجَلْسَةِ الْاُوْلٰى يُثْنِيْ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا حَتّٰى اِذَا كَانَتِ السَّجْدَةُ الَّتِيْ يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِهِ التَّسْلِيْمُ اَخَّرَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَقَعَدَ مُتَوَرِّكًا عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْسَرْ فَقَالُوْا تِسْعًا صَدَقْتَ

میں نے ابوحمید ساعدی کو دس صحابہ کی جماعت میں فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سب میں حضور کی نماز کو زیادہ جانتا ہوں۔ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلی التحیات میں اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور اس پر بیٹھتے تھے جب وہ سجدہ فرما لیتے جس کے آخر میں سلام ہے تو اپنا بایاں پاؤں ایک جانب نکال دیتے اور اپنے بائیں سرین پر زمین پر بیٹھتے تو صحابہ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔

اس حدیث میں صاف طور پر فرمایا گیا کہ پہلی التحیات میں پاؤں پر اور دوسری التحیات میں زمین پر بیٹھنا سنت ہے اور ابوحمید ساعدی نے یہ حدیث دس صحابہ کی جماعت میں ذکر کی اور ان سب نے اس کی تصدیق فرمائی۔ معلوم ہوا کہ عام صحابہ کا وہی طریقہ تھا جس پر ہم عامل ہیں۔ یہ غیر مقلد وہابیوں کی مایہ ناز حدیث ہے۔

وہابی جھوٹے راوی کی روایت کو دلیل مانتے ہیں

جواب۔ یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض گڑھی ہوئی ہے کیونکہ اس کا راوی محمد ابن عمرو ابن عطاء ہے جو بہت جھوٹا ہے وہ کہتا تھا۔ سَمِعْتُ اَبَا حُمَيْدٍ وَّاَبَا قَتَادَةَ میں میں نے ابوحمید اور ابوقتادہ سے سنا حالانکہ حضرت ابوقتادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ انہی کے زمانہ میں شہید ہوئے حضرت علی نے ہی ابوقتادہ کی نماز

جنازہ پڑھی اور محمد ابن عمر خلافت حیدری کے بعد پیدا ہوا پھر ابو قتادہ سے کیسے ملا۔ ایسا جھوٹ آدمی ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ نہ اس کی حدیث قابل عمل ہے۔ دیکھو طحاوی شریف اسی باب کا آخر ابو حمید ساعدی کی صحیح حدیث وہ ہے جو طحاوی شریف نے اسی باب میں بروایت عباس ابن سہل روایت کی جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے جس میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے اور التحیات پڑھتے تھے۔ افسوس ہے کہ آپ ایسی واہی اور ضعیف بلکہ جھوٹے راویوں کی روایتوں پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کرتے ہیں اور جب حنفی اپنی تائید میں صحیح حدیث پیش کریں تو اس پر حیلوں بہانوں سے ضعیف ضعیف کی رٹ لگاتے ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جائے تب بھی گزشتہ ان احادیث کے خلاف ہو گی جو ہم عرض کر چکے ہیں۔ ہماری تمام احادیث چونکہ قیاس شرعی کی تائید سے قوت حاصل کر چکی ہیں لہٰذا وہی قابل عمل ہیں۔ یہ حدیث بالکل نا قابل عمل۔

غیر مقلد کا اس پر پہلا و دوسرا اعتراض:

مذکورہ حدیث صحیح ہے محدثین کرام نے اس کی صحت کو واضح کیا ہے اور فقہاء احناف نے اسے صحیح یقین کر کے یہ تاویل بلا دلیل کی ہے کہ معذوری کی وجہ سے ایسا کیا تھا (عام کتب فقہ)

ثانیاً: مذکورہ حدیث میں قطعاً نہیں سمعت ابا قتادہ یہ مفتی صاحب کا صریحاً جھوٹ ہے اور جو شرح معانی الآثار میں طحاوی نے کہا وہ ایک اور طریق سے مروی روایت پر طحاوی کا اعتراض ہے اور نہ ہی طحاوی نے محمد بن عمرو کو کذاب کہا ہے۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۰۱۔

الجواب اوّلاً: غیر مقلد کا بلا حوالہ کہہ دینا کہ محدثین کرام نے اسے صحیح کہا ہے غیر معتبر ہے جبکہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمتہ اللہ علیہ نے رفع یدین کی بحث میں مذکورہ روایت کو بحوالہ ضعیف ثابت کیا ہے۔

ثانیاً: غیر مقلد کا کہنا کہ فقہاء احناف نے اسے صحیح یقین کر کے یہ تاویل بلا دلیل کی ہے کہ معذوری کی وجہ سے ایسا کیا تھا۔ فقیر پوچھتا ہے کہ وہابی جی جب آپ احناف کے دلائل کو خلاف مذہب دیکھ کر تاویل اور احتمالات گھڑنے لگتے ہیں اس وقت آپ پر لازم آتا ہے کہ آپ نے ان دلائل کو صحیح یقین کر لیا ہے اگر تم پر یہ لازم نہیں آتا تو احناف پر بھی نہیں آتا نیز یہ بھی وہابی صاحب کی غلط بیانی ہے کہ احناف نے بلا دلیل تاویل گھڑی ہے حالانکہ احناف کے پاس اس تاویل پر دلیل ہے وہ یہ کہ جاء الحق کے زیر بحث باب کی پہلی فصل میں بہت سی احادیث مرفوعہ سے عدم تورک ثابت ہے اگر ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بالفرض صحیح مانا جائے تو اس تورک کو حالت عذر پر محمول کیا جائے گا ورنہ یہ عدم تورک کی احادیث جن کی صحت کو ہم نے اوپر ثابت کیا ہے کے خلاف ہوگی اور ابو حمید ساعدی کی اس روایت کے بھی جس سے عدم تورک ثابت ہے لہٰذا اس کے پیش نظر اس کی یہ تاویل ضروری ہے۔

ثالثاً: ہمارے اصل اعتراض سے غیر مقلد پیچھا نہیں چھڑا سکتے کیونکہ زیر بحث روایت پر ہمارا اصل اعتراض یہ ہے کہ اس کے راوی محمد بن عمرو بن عطاء کہتے ہیں کہ میں نے ابو حمید ساعدی کو جماعت صحابہ میں جن میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے ایسا کہتے سنا جیسا کہ ابو داؤد و طحاوی کی روایت اس پر شاہد ہے۔ ابو داؤد کے لفظ یہ ہیں:

"قال احمد قال اخبرنی محمد بن عمرو بن عطاء قال سمعت ابا حمید الساعدی فی عشرة من اصحاب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم منهم ابوقتادة" ۔ (ابوداؤد، ج:۱، ص۱۳۸)

میں نے ابو حمید ساعدی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صحابہ میں سنا ان میں ابو قتادہ بھی تھے۔ حالانکہ نہ اس نے ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے سنا اور نہ ان صحابہ سے جن کا ذکر اس کے ساتھ کیا جیسا کہ امام طحاوی نے اس کے اس جھوٹ کی نشاندہی کی چنانچہ فرماتے ہیں:

وہابی مجہول راوی کی روایت کو دلیل بناتے ہیں

”وَاَمَّا حَدِیْثُ عَبْدِ الْحَمِیْدِ بْنِ جَعْفَرٍ فَاِنَّھُمْ یُضَعِّفُوْنَ عَبْدَ الْحَمِیْدِ فَلَا یُقِیْمُوْنَ بِہٖ حُجَّۃً فَکَیْفَ یُحْتَجُّوْنَ بِہٖ فِیْ مِثْلِ ھٰذَا وَمَعَ ذٰلِکَ فَاِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ لَمْ یَسْمَعْ ذٰلِکَ الْحَدِیْثَ مِنْ اَبِیْ حُمَیْدٍ وَّلاَ مِمَّنْ ذُکِرَ مَعَہٗ فِیْ ذٰلِکَ الْحَدِیْثِ بَیْنَھُمَا رَجُلٌ مَجْھُوْلٌ“ ۔ (معانی الاثار للطحاوی، ج:۱، ص۱۵۶)

اور عبد الحمید بن جعفر کی حدیث تو بے شک (محدثین نے) عبد الحمید کو ضعیف کہا ہے پس وہ اسے حجت نہیں بناتے اور اس کے ساتھ یہ بھی کہ بے شک محمد بن عمرو بن عطاء نے اسے ابوحمید ساعدی سے نہیں سنا اور نہ ان سے جن کا ذکر اس کے ساتھ کیا ان دونوں کے درمیان کوئی مجہول راوی چھوٹ گیا ہے

غیر مقلدوں کا منقطع حدیث پر عمل:

علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ مزید باب صفۃ الجلوس فی الصلوٰۃ میں لکھتے ہیں:

”وَالَّذِیْ رَوَاہُ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو فَغَیْرُ مَعْرُوْفٍ وَّلا مُتَّصَلٌ عِنْدَنَا عَنْ اَبِیْ حُمَیْدٍ لِاَنَّ فِیْ حَدِیْثِہٖ اَنَّہٗ حَضَرَ اَبَا حُمَیْدٍ وَّاَبَا قَتَادَۃَ وَوَفَاۃُ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَبْلَ ذٰلِکَ بِدَھْرٍ طَوِیْلٍ لِاَنَّہٗ قُتِلَ مَعَ عَلِیٍّ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا وَصَلّٰی عَلَیْہِ عَلِیٌّ فَاَیْنَ سَنَّ مُحَّمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ مِّنْ ھٰذَا“ ۔

اور وہ جسے ابوحمید سے محمد بن عمرو بن عطاء نے روایت کیا ہمارے نزدیک غیر معروف ہے اور اس کی اسناد بھی متصل نہیں کیونکہ اس کی حدیث میں ہے کہ وہ ابوحمید او رابوقتادہ کے پاس حاضر ہوئے حالانکہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی وفات ان سے پہلے طویل زمانہ ہو چکی تھی اس لیے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور (خلافت) میں شہید

ہوئے اور حضرت علی نے ان پر نماز جنازہ پڑھی تو پھر محمد بن عمرو بن عطاء اس زمانہ میں کیسے پیدا ہوئے؟ علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر علامہ عینی نے بھی اعتماد کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

”ثُمَّ اَجَابَ الطَّحَاوِیُّ عَنْ حَدِیْثِ اَبِیْ حُمَیْدِ الَّذِیْ اِحْتَجَّ بِهِ الشَّافِعِیُّ وَغَیْرُهٗ بِمَاملخصه اِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ لَّمْ یَسْمَعْ هٰذَا الْحَدِیْثَ عَنْ اَبِیْ حُمَیْدٍ وَّلَا عَنْ اَحَدٍ ذُکِرَ مَعَ اَبِیْ حُمَیْدٍ وَ بَیْنَهُمَا رَجُلٌ مَّجْهُوْلٌ وَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو ذکر فِی الْحَدِیْثِ اَنَّهٗ حَضَرَ اَبُوْ قَتَادَةَ وَسَنُّهٗ لَا یَحْمَلُ ذٰلِكَ فَاِنَّ اَبَا قَتَادَةَ قُتِلَ قَبْلَ ذٰلِكَ بِدَهْرٍ طَوِیْلٍ لِاَنَّهٗ قُتِلَ مَعَ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَصَلّٰی عَلَیْهِ عَلِیٌّ“۔ (عمدۃ القاری جلد نمبر ٦، صفحہ نمبر ۱۵۰، ۱۵۱)

پھر امام طحاوی نے اس حدیث کا جواب دیا جس سے حجت پکڑی امام شافعی وغیرہ نے کہ بے شک محمد بن عمرو بن عطاء نے اس حدیث کو نہ تو ابوحمید ساعدی سے سنا اور نہ ان سے جن کا ذکر اس کے ساتھ ہوا (کہ یہ حضرات وہاں موجود تھے) ان دونوں کے درمیان سند میں کوئی مجہول راوی چھوٹ گیا اور محمد بن عمرو نے حدیث میں ذکر کیا کہ حضرت ابوقتادہ وہاں موجود تھے حالانکہ ان کا زمانہ اس کے (موجود ہونے کا) احتمال نہیں رکھتا پس بے شک ابوقتادہ اس سے پہلے طویل زمانہ شہید ہو چکے تھے اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ساتھ شہید ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی۔

وہابیوں کا تورک کے مسئلہ میں ضعیف روایت پر عمل:

علاوہ ازیں تورک کے قائلین کے زیر بحث روایت میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ ایک راوی عبدالحمید بن جعفر نہایت ضعیف ہونے کے ساتھ قدری المذہب ہے چنانچہ

علامہ ابن الترکمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قُلْتُ رَوَاهُ عَنْ مُّحَمَّدٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ وَّهُوَ اِنْ خَرَجَ لَهٗ فِي الصَّحِيْحِ فَقَدْ تُكُلِّمَ فِيْهِ ضَعَّفَهُ الْقَطَانُ وَكَانَ الثَّوْرِيُّ يَحْمِلُ عَلَيْهِ لِاَجْلِ الْقَدْرِ" ۔ (الجوہر النقی مع البیہقی: ج ۲، ص ۱۲۷)

اسے روایت کیا محمد سے اس نے عبد الحمید بن جعفر سے اور اگرچہ اس سے صحیح روایت کی گئی مگر اس میں کلام ہے امام قطان نے اسے ضعیف کہا اور امام ثوری نے بھی اس پر یعنی ضعف پر محمول کیا ہے اسکے قدری ہونے کی وجہ سے۔ جبکہ غیر مقلد قدری کی روایت کو بارہا ضعیف کہہ چکا ہے مگر جب اپنے مذہب کو دلیل درکار ہو تو سب کچھ ٹھیک ہے بہر کیف ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ غیر مقلدوں کی اس مسئلہ پر بنیادی دلیل ابو حمید ساعدی کی روایت کے ضعف اور خرابیوں کو ثابت کر دیا ہے مزید اس پر اگلے اعتراض کے تحت بیان آ رہا ہے۔

غیر مقلد صاحب کا تیسرا اعتراض:

یہ دعویٰ کہ ابوقتادہ خلافتِ حیدری میں فوت ہوئے بلا دلیل ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مات سنة اربع خمسين وقيل ثماني وثلثين والاول اصيح واشهر" ۔ (تقریب ص ۳۱۰)

یعنی ابوقتادہ کی وفات ۵۲ ہجری میں ہوئی تھی اور کہا گیا کہ ۳۸ ہجری میں ہوئی لیکن پہلی بات ہی زیادہ صحیح اور معروف ہے۔

امام بیہقی معرفۃ السنن والاثار میں لکھتے ہیں:

"ان ابا قتاده قتل مع على رواية شازة رواها الشعبى والصحيح الذى اجمع عليه اهل التاريخ انه بقى الى سنة اربع و خمسين" ۔ (کنا فی نصب الرایہ سرالہ)

ابو قتادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے یہ روایت شاذ ہے جبکہ صحیح یہ ہے اور اسی پر اہل تاریخ کا اتفاق ہے کہ آپ ۵۴ ہجری تک زندہ رہے (اس کے بعد وفات پائی) امام بخاری، امام ترمذی، امام لیث امام ابن مندہ اور واقدی کی بھی یہی تحقیق ہے کہ آپ کی وفات ۵۴ ہجری میں ہوئی۔ (تہذیب ۹/۳۷۵) اور جو فریق ثانی کی طرف سے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھانے کی روایت بیان کی جاتی ہے اسے نقل کر کے امام بیہقی فرماتے ہیں:

”ھکذا روی وھو غلط لان اباقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بقی بعد علی رضی اله تعالیٰ عنہ مدۃ طویلۃ“ ۔ (السنن الکبریٰ ۴، ص ۳۷)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ پر نماز جنازہ پڑھائی غلط ہے کیونکہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایک طویل مدت تک زندہ رہے۔ امام بیہقی کے اس فیصلے کے علاوہ اس کی سند میں موسیٰ بن عبد اللہ بن یزید ہے (بیہقی ج ۴، ص ۳۶ و مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳، ص ۳۰۴) اور اس کی حضرت علی سے ملاقات ثابت نہیں ہے اور صحابہ کرام سے اس کی روایت مرسل ہے (مراسل ابو حاتم ص ۲۱۵) نام نہاد دین الحق ص ۴۰۲۔

الجواب اولاً: وہابی صاحب فرما رہے ہیں کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی وفات خلافت حیدری میں ہوئی پھر اسے بلا دلیل ثابت کرنے کو پہلے حافظ بن حجر کی عبارت لائے جس میں انہوں نے دو روایتوں کا ذکر کیا ہے ایک یہ کہ حضرت ابو قتادہ کا وصال ۵۴ ہجری کو ہوا دوسری یہ کہ ۳۸ ہجری کو ہوا۔ حافظ ابن حجر نے پہلی روایت کو جس میں ۵۴ ہجری مذکور ہے کو زیادہ صحیح کہا ہے جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دوسری روایت غلط ہے پھر وہابی صاحب دعویٰ بلا دلیل کس لئے کہتے ہیں پھر وہابی صاحب امام بیہقی کی دو متضاد عبارتیں لائے ہیں ایک ان کی معرفۃ السنن والآثار سے جس میں اس روایت کو شاذ کہا جس میں ہے کہ حضرت ابو قتادہ حضرت علی کی خلافت میں

شہید ہوئے۔ دوسری سنن الکبریٰ بیہقی سے جس میں اس روایت کو کہ ان کا وصال خلافت علی رضی اللہ عنہ میں ہوا سرے سے غلط کہہ رہے ہیں حالانکہ شاذ کا معنی غلط نہیں لہٰذا ان کی یہ دونوں عبارتیں متضاد ہیں مگر چونکہ وہابی صاحب کے مفاد میں ہیں اس لئے آنکھیں بند کیے ہوئے ان کی تقلید کر رہا ہے حالانکہ اس بیہقی کی ذیل میں اسی جگہ علامہ ابن الترکمانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۴۵ ہجری نے اس پر بیہقی کا تعاقب کیا ہے۔

علامہ ابن الترکمانی نے امام بیہقی کا تعاقب کیا

چنانچہ فرماتے ہیں:

"قُلْتُ مَا ذَكَرَهُ الْبَيْهَقِيُّ اَوَّلاً اِنَّ عَلِيًّا صَلّٰى عَلٰى اَبِىْ قَتَادَةَ ۔ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ وَاَخْرَجَهُ اَيْضًا اِبْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ فِىْ مُصَنَّفِهٖ فَرَوَاهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَوَكِيْعٍ قَالَا ثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اَبِىْ خَالِدٍ فَذَكَرَهٗ وَقَالَ اَبُوْ عُمَرَ فِى الْاِسْتِيْعَابِ رُوِىَ مِنْ وُجُوْهٍ عَنْ اَبِىْ مُوْسَى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدِ الْاَنْصَارِىِّ وَعَنِ الشَّعْبِىِّ اَنَّهُمَا قَالَا صَلّٰى عَلِىٌّ عَلٰى اَبِىْ قَتَادَةَ فَكَبَّرَ عَلَيْهِ سَبْعًا قَالَ الشَّعْبِىُّ وَكَانَ بَدْرِيًّا وَقَالَ قَالَ الْحَسَنُ بْنُ عُثْمَانَ مَاتَ اَبُوْ قَتَادَةَ سَنَةَ اَرْبَعِيْنَ وَقَالَ الْكَلَابَاذِىُّ قَالَ اِبْنُ سَعْدٍ انا الهيثم بن عدى قَالَ تُوُفِّىَ بِالْكُوْفَةِ وَعَلِىٌّ بِهَا وَهُوَ صَلّٰى عَلَيْهِ وَقَدْ قَدَّمْنَا فِىْ بَابِ كَيْفِيَّةِ الْجُلُوْسِ فِى التَّشَهُّدِ الْاَوَّلِ وَالثَّانِىِّ اِنَّ هٰذَا قَوْلَ هُوَ الصَّحِيْحُ وَاِنَّ مَنْ قَالَ تُوُفِّىَ سَنَةَ اَرْبَعَ وَخَمْسِيْنَ فَلَيْسَ بِصَحِيْحٍ وَظَهَرَ بِهٰذَا اِنَّ مَا ذَكَرَهُ الْبَيْهَقِىُّ اَوْلاً لَيْسَ بِغَلَطٍ" ۔

(الجوہر النقی مع البیہقی: ج۴ ص۳۶ تا ۳۷)

میں کہتا ہوں جس روایت کو بیہقی نے اولاً ذکر کیا کہ بے شک حضرت علی نے ابوقتادہ پر نماز جنازہ پڑھی اس کے سب راوی ثقل ہیں اور اسے روایت کیا ابن شیبہ نے اپنی

مصنف میں تو روایت کیا اس نے اسے عبد اللہ بن نمیر اور وکیع سے ان دونوں نے کہا ہمیں بیان کیا اسمٰعیل بن ابی خالد نے اور ابو عمر نے الاستعاب میں کہا کہ یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے موسی بن عبد اللہ بن یزید انصاری سے اور شعبی سے ان دونوں نے کہا کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھی جس میں انہوں نے سات تکبیریں کہیں۔

شعبی نے کہا کہ وہ بدری صحابی تھے اور کہا کہ حسن بن عثمان نے بیان کیا فوت ہوئے حضرت ابوقتادہ چالیس ہجری کو اور الکلابازی نے کہا کہ بیان کی ابن سعد بن؟؟؟ نے کہا ہمیں بیان کیا ھیثم بن عدی نے کہ فوت ہوئے کوفہ میں۔ اور حضرت علی بھی وہاں تھے انہوں نے ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ اور تحقیق ہم نے پہلے ذکر کر دیا کفیۃ الجلوس کے باب میں پہلے اور دوسرے تشہد میں اور یہ قول صحیح ہے۔ اور جس نے کہا کہ ان کا وصال ہوا ۴۴ ہجری میں پس وہ صحیح نہیں۔

اور اس بیان سے ظاہر ہوا کہ بے شک وہ جو امام بیہقی نے کہا کہ یہ غلط ہے حقیقت میں غلط نہیں۔ صاحب الجوھر النقی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

”وَقَالَ الْقَطَّانُ مَا مَلْخِصُهٗ فَيَجِبُ الثَّبْتُ فِیْ قَوْلِهٖ فِيْهِمْ اَبُوْ قَتَادَةَ فَاِنَّ اَبَا قَتَادَةَ قُتِلَ مَعَ عَلِیٍّ وَّهُوَ صَلّٰی عَلَيْهِ هٰذَا هُوَالصَّحِيْحُ وَقُتِلَ عَلٰی سَنَةِ اَرْبَعِيْنَ وَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍ وَّلَمْ يُدْرِكْ ذٰلِكَ وَقُتِلَ تُوَفّٰی اَبُوْ قَتَادَةَ سَنَةَ اَرْبَعَ وَخَمْسِيْنَ وَلَيْسَ بِصَحِيْحٍ“۔

(الجوہر النقی مع البیہقی جلد دوم صفحہ نمبر ۱۲۸)

حضرت قطان نے کہا جس کا محصل یہ کہ پس لازم ہے اس کے اس قول میں ثابت کرنا جس میں کہا کہ ان صحابہ میں ابوقتادہ بھی موجود تھے پس بے شک ابوقتادہ شہید ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور اس نے اس پر نماز جنازہ پڑھی اور یہ صحیح ہے کہ

حضرت علی ۴۵ ہجری میں شہید ہوئے اور محمد بن عمرو نے یہ زمانہ پایا ہی نہیں اور جو کہا گیا کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ۴۵ ہجری کو وفات پائی یہ صحیح نہیں۔ اس میں علامہ ابن الترکمانی نے اس روایت کو صحیح کہا جس میں آیا کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا وصال کوفہ میں خلافت حیدری میں ہوا اور حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور اس روایت کو لیس بصحیح۔ صحیح نہیں ہے کہا جس میں آیا ہے کہ ان کا وصال ۵۴ ہجری کو ہوا مگر وہابی صاحب کو تعصب نے اس قدر مخبوط کیا کہ کہہ دیا احناف کے پاس اس دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں کہ حضرت ابوقتادہ کی وفات خلافت حیدری میں ہوئی۔ اب یہاں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ علامہ ابن الترکمانی کا مقام کیا ہے۔

علامہ حافظ ذھبی ان کے متعلق لکھتے ہیں:

”ابن الترکمانی علی بن عثمان ابراھیم بن مصطفیٰ المار دینی الحنفی قاضی القضاۃ الامام العلامۃ الحافظ علاء الدین“۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۵ص۷٦)

یعنی ابن ترکمانی علی بن عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ ماردینی حنفی علاء الدین قاضی القضاۃ ہیں امام علامہ حافظ ہیں۔

علامہ ابن الترکمانی کے مذکورہ تحقیق پر شعیب الارنؤوط جو کہ ناصر البانی غیر مقلد کے شاگرد ہیں اعتماد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ذَکَرَ ذٰلِكَ فِی السُّنَنِ الْکُبْریٰ“۔ (۳٦/۴)۔ وَتَعَقَّبَهُ اِبْنُ الْتُرْکَمَانِیُّ) فَقَالَ فِیْ حَدِیْثِ عَلِیٍّ اِنَّهُ صَلّٰی عَلٰی اَبِیْ قَتَادَةَ فَکَبَّرَ سَبْعًا، رِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَاَخْرَجَهُ اَیْضًا اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ فِیْ مُصَنَّفِهٖ فَرَوَاهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَیْرٍ وَوَکِیْعٍ قَالَا حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ اَبِیْ خَالِدٍ عَنْ مُّوْسَی بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ یَزِیْدَ الْاَنْصَارِیِّ اِنَّ عَلِیًّا...... وَقَالَ اَبُوْ عُمَرَ فِی الْاِسْتِیْعَابِ رُوِیَ مِنْ

وُجُوْہٌ عَنْ مُّوْسَی بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ یَزِیْدِ الْاَنْصَارِیِّ وَالشَّعْبِیِّ اَنَّھُمَا قَالَا صَلّٰی عَلِیٌّ عَلٰی اَبِیْ قَتَادَۃَ فَکَبَّرَ عَلَیْہِ سَبْعًا ۔ قَالَ الشَّعْبِیُّ وَکَانَ بَدْرِیًّا ۔ وَقَالَ قَالَ الْحَسَنُ بْنُ عُثْمَانَ مَاتَ اَبُوْ قَتَادَۃَ سَنَۃَ اَرْبَعِیْنَ وَقَالَ الْکَلَاباذِیُّ قَالَ اِبْنُ سَعْدٍ اَخْبَرَنَا الْھَیْثَمُ بْنُ عَدِیٍّ قَالَ تُوُفِّی بِالْکُوْفَۃِ وَعَلِیٌّ بِھَا وَھُوَ صَلّٰی عَلَیْہِ وَقَدْ قَدَّمْنَا فِیْ بَابِ کَیْفِیَّۃِ الْجُلُوْسِ فِی التَّشَھُّدِ الْاَوَّلِ وَالثَّانِیِّ اِنَّ ھٰذَا الْقَوْلَ ھُوَ الصَّحِیْحُ وَاِنَّ مَنْ قَالَ تُوُفِّی سَنَۃَ اَرْبَعَ وَخَمْسِیْنَ فَلَیْسَ بِصَحِیْحٍ" ۔ (تعلیق وتخریج علی سیر اعلام النبلاء: ج ۲، ص ۴۵۳)

"یعنی ذکر کیا اسے بیہقی نے سنن الکبریٰ ج ۴ ص ۳۶ پر اور اس کا تعاقب کیا ابن ترکمانی نے پس کہا علی کی حدیث میں ہے کہ اس نے ابوقتادہ پر نماز پڑھی تو سات تکبیریں کہیں۔ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں اور اسے روایت کیا ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں پس روایت کیا اس نے عبداللہ بن نمیر اور وکیع سے دونوں نے کہا ہمیں بیان کیا اسماعیل بن ابی خالد نے موسیٰ بن عبداللہ بن یزید سے کہ بے شک علی"۔

ابوعمر نے الاستیعاب میں کہا کہ یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہے موسیٰ بن عبداللہ بن یزید انصاری سے اور شعبی سے دونوں نے اپنی روایت میں کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوقتادہ پر نماز جنازہ پڑھی تو سات تکبیریں کہیں شعبی نے کہا کہ (حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ) بدری تھے اور کہا بیان کیا حسن بن عثمان نے کہ ابوقتادہ ۴۵ ہجری میں فوت ہوئے اور کلاباذی نے بیان کیا کہ ابن سعد نے کہا کہ خبر دی ہم کو ھیثم بن عدی نے کہ وفات پائی (ابوقتادہ) نے کوفہ میں اور وہاں اس وقت حضرت علی تھے تو انہوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کا ذکر ہم کیفیت جلوس پہلے اور دوسرے تشھد میں کے باب ہیں کر چکے ہیں کہ بے شک یہ روایت صحیح ہے اور جس نے کہا کہ ۵۴ ہجری میں فوت

ہوئے صحیح نہیں۔

الحافظ المحدث القرطبی المالکی الاستیعاب میں لکھتے ہیں:

"وَقِیْلَ بَلْ مَاتَ فِیْ فَلَافَةِ عَلِیٍّ بِالْکُوْفَةِ وَھُوَ اِبْنُ سَبْعِیْنَ سَنَةً وَّصَلّٰی عَلَیْہِ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَکَبَّرَ عَلَیْہِ سَبْعًا، رُوِیَ مِنْ وُجُوْہٍ عَنْ مُّوْسٰی بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ یَزِیْدِ الْاَنْصَارِیِّ وَعَنِ الشَّعْبِیِّ اِنَّھُمَا قَالَا صَلّٰی عَلِیٌّ عَلٰی اَبِیْ قَتَادَةَ وَھُوَ عَلَیْہِ کَبَّرَ سَبْعًا قَالَ الشَّعْبِیُّ وَکَانَ بَدْرِیًّا، حَدَّثَنَا خَلْفُ بْنُ قَاسِمٍ فَاالْحَسَنُ بْنُ دشیتق قَالَ اَبُوْ بِشْرٍ الْاُوْلَابِیْ قَالَ اَخْبَرَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ سَعْدَانِ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ نَا ھشیم نا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ اَبِیْ خَالِدٍ وَزَکَرِیَّا عَنِ الشَّعْبِیِّ اِنَّ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَبَّرَ عَلٰی اَبِیْ قَتَادَةَ سِتًّا وَّکَانَ بَدْرِیًّا ھٰکَذَا قَالَ ستا وَرَوَاہُ زِیَادُ بْنُ اَیُّوْبَ وَغَیْرُہٗ عَنْ ھُشَیْمٍ عَنْ زَکَرِیَّا عَنِ الشَّعْبِیِّ اِنَّ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَبَّرَ عَلٰی اَبِیْ قَتَادَةَ سَبْعًا وَکَانَ بَدْرِیًّا وَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ عُثْمَانَ وَمَاتَ اَبُوْ قَتَادَةَ سَنَةَ اَرْبَعِیْنَ وَشَھِدَ اَبُوْ قَتَادَةَ مَعَ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَشَاھِدَہٗ کُلَّھَا فِیْ خلَافَتِہٖ"۔

(الاستیعاب علی الاصابۃ للفقیہ الحافظ المحدث القرطبی المالکی ص۱۶۲، ج۴)

اور کہا گیا بلکہ فوت ہوئے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور وہ اس وقت ستر برس کے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان پر ساتھ تکبیریں کہیں روایت کیا گیا اسے کثیر طرق سے موسیٰ بن عبد اللہ بن یزید انصاری سے اور شعبی سے ان دونوں نے کہا حضرت علی نے ابوقتادہ پر نماز پڑھی اور سات تکبیریں کہیں اور شعبی نے کہا وہ بدری تھے اور اسماعیل بن ابی خالد اور زکریا نے شعبی سے روایت کیا انہوں نے چھ تکبیروں کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ بدری تھے اور روایت

کیا زیاد بن ایوب وغیرہ نے ھیثم سے اس نے زکریا سے اس نے شعبی سے روایت کیا اس میں ہے کہ حضرت علی نے ابوقتادہ پر سات تکبیریں کہیں اور وہ بدری تھے اور حسن بن عثمان نے بیان کیا کہ حضرت ابوقتادہ ۴۰ ہجری میں فوت ہوئے اور حضرت علی کی خلافت میں ان کے ساتھ تمام جہادوں میں موجود رہے۔ مذکورہ عبارات میں علامہ ابن الترکمانی کی گواہی کے بعد کہ یہ روایت صحیح ہے کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ خلافت حیدری میں شہید ہوئے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور صاحب الاستیعاب علامہ ابوعمر کی گواہی کے بعد کہ اس روایت کے متعدد طرق ہیں وہابی صاحب کا اس کے رواۃ پر اعتراض غیر مسموع ہوا۔

ثانیاً: ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی زیر بحث روایت متناً بھی مضطرب ہے اس کا اندازہ ان کتب حدیث سے ہوسکتا ہے جن میں حضرت ابوحمید ساعدی کی حدیث کے مختلف متون کو نقل کیا گیا ہے۔ اب جاء الحق سے غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۳ ملاحظہ ہو۔

ترمذی شریف نے عباس ابن سہیل ساعدی سے روایت کی:

”قَالَ اِجْتَمَعَ اَبُوْ حُمَیْدٍ وَّ اَبُوْ اُسَیّدٍ وَّسَھْلُ ابْنُ سَعْدٍ وَّ مُحَمَّدُ ابْنُ عَلْقَمَۃَ فَذَکَرُوْا صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَلَسَ یَعْنِی لِلتَّشَھُّدِ فَافْرَّشَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَاَقْبَلَ بِصَدْرِ الْیُمْنٰی عَلٰی قِبْلَتِہٖ وَوَضَعَ کَفَّہُ الْیُمْنٰی عَلٰی رُکْبَتِہِ الْیُمْنٰی وَکَفَّہُ الْیُسْرٰی عَلٰی رُکْبَتِہِ الْیُسْرٰی وَاَشَارَ بِاَصْبَعِہٖ یَعْنِیْ سَبَابَۃَ“ ۔

ایک بار ابوحمید ابواسید سہیل ابن سعد اور محمد ابن مسلمہ جمع ہوئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابوحمید فرمانے لگے ہیں کہ تم سب سے زیادہ حضور کی نماز کو جانتا ہوں حضور التحیات کیلئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھا دیا اور داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف کر دیا اور اپنی

ہتھیلی داہنے گھٹنے پر رکھی بائیں ہتھیلی بائیں گھٹنے پر رکھی اور اپنی انگلی (کلمے کی انگلی) سے اشارہ فرمایا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ہی طرح التحیات میں بیٹھتے تھے جیسے ہم بیٹھتے ہیں ورنہ آپ کے داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف نہ ہوتا۔ بلکہ یہ پاؤں کھڑا ہوتا۔

جواب: غیر مقلد جس روایت کو تورک پر دلیل بناتے ہیں وہ ان کے خلاف ہے

اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر التحیات میں زمین پر بیٹھتے تھے۔ تم پہلی التحیات میں تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے ہو۔ دوسری میں زمین پر۔ یہ کیوں جو تم جواب دو گے۔ وہ ہی ہمارا جواب ہوگا اپنی فکر کرو۔

دوسرے یہ کہ تمہاری دوسری التحیات میں تین کام ہوتے ہیں۔ بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کا زمین پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔

تعجب ہے کہ اسے آپ نے اپنی تائید میں کیسے سمجھ لیا یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ داہنے پاؤں کے سینے کا قبلہ کی طرف ہونا تمہارے بھی خلاف ہے۔

تیسرے یہ کہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے نیز خود انہی ابوسعید ساعدی سے اس کے خلاف بھی منقول ہے وہ تمام احادیث اس حدیث سے زیادہ قوی ہیں اور یہ نا قابل عمل۔

چوتھے یہ کہ اس ہی ترمذی میں اس ہی جگہ حضرت ابووائل کی وہ حدیث بھی موجود ہے جس میں حنفیوں کی طرح بیٹھنا مذکور ہے اس کے متعلق امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور فرمایا کہ اکثر علما کا اس پر عمل ہے۔ آپ نے ایسی صحیح وصاف

حدیث کو کیوں چھوڑا اور مجمل حدیث پر کیوں عمل کیا جو آپ کے بھی موافق نہیں۔

معلوم ہوا کہ آپ حدیث کے متبع نہیں۔ اپنی رائے کی اتباع کرتے ہیں آپ اپنا نام اہل حدیث نہیں۔ بلکہ اہل رائے یا اہل ضِد رکھیں۔ واضح رہے کہ غیر مقلد وہابی صاحب نے مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے ان مدلل جوابات کا کوئی جواب نہیں دیا جو کہ احناف کی واضح فتح ہے۔ اب جاء الحق سے غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۴ ملاحظہ ہو۔ بائیں پاؤں پر بیٹھنے کے متعلق آپ نے جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔

کسی روایت کا ضعیف ہونا احناف کو مضر نہیں:

قابل حجت نہیں (پرانہ سبق) جواب کسی حنفی کو آپ منتر سے نہ ڈرایا کریں حنفی پر روایت کے ضعیف ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑتا حنفی بحمدہ تعالیٰ اتنی حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ اگر بفرض محال وہ سب ضعیف بھی ہوں تو بھی قوی ہو جائیں۔ نیز امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر مجتہد سراج امت کا قبول کر لینا ہی اس کو قوی کرنے کے لئے کافی ہے۔ حنفی مذہب کے دلائل یہ روایات نہیں۔ یہ تو تائیدیں۔ حنفیوں کی دلیل قول امام ہے ہمارا ایمان کتاب پر بھی ہے سنت پر بھی اور اجماع امت و قیاس مجتہد پر بھی ہمارے سامنے یہ آیت کریمہ ہے:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُو الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں (مجتہدین امت) کی۔ اس پر غیر مقلد صاحب کا پہلا اعتراض۔ حدیث کا ضعف دو طرح سے آتا ہے یا تو ضعیف راوی امام ابوحنیفہ سے متاخر ہو گا یا مقدم اگر راوی متقدمین سے ہے تو روایت بہر حال ضعیف ہے اور کسی مجتہد کا اسے قبول کر لینا کوئی صحت کی دلیل نہیں کیونکہ اس کا عمل کوئی ایسا منتر نہیں جس سے راوی کا غلطی کرنا لقمہ کو قبول کرنا حافظہ کی خرابی وغیرہ یا راوی کا جھوٹ بولنا دھل جائے گا اور راوی متاخرین سے ہے تو اس کی دلیل چاہیے کہ یہ روایت خیر القرون میں صحیح تھی اور مجتہد

کو یہ صحیح مل بھی گئی تھی اور اس کی وجہ سے ہی مجتہد نے یہ موقف اختیار کر لیا تھا۔

(نام نہاد دین الحق ص ۴۱۳)

الجواب اولاً: مجتہد کے قبول کر لینے سے حدیث اس لئے قوی بن جاتی ہے کہ امام مجتہد کے پاس اس قدر قابلیت و لیاقت ہوتی ہے کہ وہ حدیث کو ہر جہت سے دیکھ کر اگر اس کے معیار پر پوری آئے تب ہی اسے قبول کرتے ہیں لہٰذا ان کا قبول کرنا دلیل ہے کہ حدیث میں کوئی فنی خرابی نہیں ورنہ مجتہد اسے قبول نہ کرتا اس لئے وہ قوی ہو جاتی ہے مثلاً بخاری و مسلم کو سب کتب احادیث میں اس لئے صحت میں فوقیت دیتے ہیں کہ ان کا قبول کرنے کا معیار بلند تھا حدیث کو اچھی طرح پرکھ کر قبول کرتے تھے حالانکہ یہ دونوں صاحب محدث تھے جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ امام مجتہد اور محدث ہیں ان کا قبول کرنا صحت کی دلیل کیوں نہ ہو۔

امام مجتہد کا کسی روایت کو قبول کرنا صحت کی دلیل ہے

اب بدلیل ثابت کرتا ہوں کہ امام مجتہد کا قبول کرنا حدیث کو قوی کرتا ہے:

”مِنۡهَا الۡمُسَلۡسَلُ بِالۡاَئِمَةِ الۡحُفَّاظِ الۡمُتَّقِيۡنَ حَيۡثُ لَا يَكُوۡنُ غَرِيۡبًا كَالۡحَدِيۡثِ الَّذِىۡ يَرۡوِيۡهِ اَحۡمَدُ بۡنُ حَنۡبَلٍ مَثَلاً وَ يُشَارِكُهٗ فِيۡهِ غَيۡرُهٗ عَنۡ مَّالِكِ بۡنِ اَنَسٍ فَاِنَّهٗ يُفِيۡدُ الۡعِلۡمَ عِنۡدَ سَامِعِهٖ بِالۡاِسۡتِدَلَالِ مِنۡ جِهَتِىۡ جَلَالَةِ رُوَاتِهٖ وَاِنَّ فِيۡهِمۡ مِنَ الصَّفَاتِ اللَّائِقَةِ الۡمُوۡجِبَةِ لِلۡقُبُوۡلِ مَا يَقُوۡمُ مَقَامَ الۡعَدَدِ الۡكَثِيۡرِ مِنۡ غَيۡرِهِمۡ وَلَا يَتَشَكَّكُ مَنۡ لَّهٗ اَدۡنٰى مَمَّارَسَتَهُ بِالۡعِلۡمِ وَاَخۡبَارِ النَّاسِ اَنَّ مَالِكًا مَثَلاً لَوۡ شَافَهَهُ بِخَبَرٍ لَعُلِمَ اِنَّهٗ صَادِقٌ فِيۡهِ فَاِذَا اَنۡضَافَ اِلَيۡهِ اَيۡضًا مَنۡ هُوَ فِىۡ تِلۡكَ الدَّرَجَةِ اَزۡدَادُ قُوَّةً وَ بَعُدَ عَمَّا يُخۡشٰى عَلَيۡهِ مِنَ السَّهۡوِ“۔ (شرح نخبۃ الفکر ص: ۴۱)

اس میں سے وہ حدیث جو مسلسل مروی ہو آئمہ حفاظ اتقان والوں سے اس طرح

کہ وہ غریب نہ ہوگی جیسے وہ حدیث جسے مثلاً روایت کیا احمد بن حنبل نے اور شامل ہوا اس میں اس کے علاوہ شافعی اور پھر شریک ہوا اس میں اس کے علاوہ مالک بن انس پس بے شک وہ سامع کو علم کا فائدہ دے گی استدلال کے ساتھ اس کے راویوں کی جلالت کے سبب اس لئے کہ بلاشبہ ان میں ایسی صفات لائقہ ہیں جو قبول کو لازم کرتی ہیں تو وہ عدد کثیر کے قائم مقام ہو جاتی ہیں ان کے غیر کی بنسبت اور نہ شبہ میں آئے گا ہر وہ شخص جسے علم حدیث اور لوگوں کے اخبار سے کچھ تعلق ہے کہ بے شک مالک مثلاً متوجہ ہوئے خبر پر تو جانا جائے گا کہ وہ اس میں سچے ہیں پھر جب اس نے اسے اس میں شامل کیا جسے یہ مقام حاصل ہے تو اس روایت کی قوت بڑھ جائے گی اور اس سے بعید ہو جائے گی کہ اس پر غلطی کا اندیشہ کیا جائے۔ اب دیکھو اصول کی رو سے خبر غریب یا عزیز یقین کا فائدہ نہیں دیتی مگر جس حدیث کو امام مجتہد سے امام مجتہد نے روایت کیا وہ یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ اس میں وجہ یہ بیان کی کہ آئمہ مجتہدین میں وہ صفات لائقہ ہوتی ہیں جو روایت قبول کرنے کو لازم کرتی ہیں اور ایسی ایک ہستی عام لوگوں کے عدد کثیر کے قائم مقام ہوتی ہے حدیث کو قوی بنا دیتی ہے اور غلطی کے شبہ سے دور کر دیتی ہے۔ تو یہی مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کو امام کا قبول کرنا حدیث کو قوی کر دیتا ہے مگر وہابی صاحب کی سمجھ شریف میں نہ آیا۔

اہل علم کے عمل سے حدیث کو تقویت ملتی ہے

دوم:

”عَنْ عَلِیٍّ وَّمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الصَّلٰوۃَ وَالْاِمَامُ عَلٰی حَالٍ فَلْیَصْنَعْ کَمَا یَصْنَعُ الْاِمَامُ قَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ لِمَا نَعْرِفُ اَحَدًا اَسْنَدَہٗ اِلَّا مَا رُوِیَ مِنْ ھٰذَا الْوَجْہِ قَالَ وَالْعَمَلُ عَلٰی ھٰذَا عِنْدَ اَھْلِ الْعِلْمِ قَالَ النَّوَوِیُّ وَاِسْنَادُہٗ ضَعِیْفٌ نَقَلَہٗ

مِيْرَكُ فَكَانَ التِّرْمَذِيُّ يُرِيْدُ تَقْوِيَّةَ الْحَدِيْثَ بِعَمَلٍ اَهْلِ الْعِلْمِ" ۔

(مرقات: ج۲، ص۹۸ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

حضرت علی اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے آئے تو جس حال پر امام ہو اس کے ساتھ شامل ہو جائے پھر اس طرح کرے جس طرح امام کرتا ہو۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے ہم کسی کو نہیں جانتے جو اس کی سند بیان کرتا ہو مگر وہی جو اس سند سے روایت کی گئی ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ سند اس کی ضعیف ہے اسے روایت کیا میرک نے پس گویا کہ امام ترمذی اہل علم کے ذکر سے حدیث کی تقویت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ جب عام اہل علم کے عمل سے حدیث قوی ہو جاتی ہے اور اس کے سابقہ ضعف کا تدارک ہو جاتا ہے تو امام مجتہد کے عمل سے قوی کیوں نہ ہو۔ سوم) غیر مقلد کے اپنے گھر کی گواہی وہابیہ کے محدث نذیر حسین دہلوی لکھتے ہیں۔ اس حدیث شریف میں اگرچہ قردے ضعف ہے مگر تعامل اہل علم کا اس حدیث شریف کے ضعف کو رفع کرتا ہے جیسا کہ اصول حدیث میں ہے کہ تعامل اہل علم سے حدیث کا ضعف رفع ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ نذیریہ ج۱، ص۲۱۱۔ (چہارم) انہیں کے گھر کی دوسری گواہی۔ طائفہ وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری ایک حدیث شریف کے ضعف کے جواب میں لکھتے ہیں۔ امام بیہقی اور امام ابن منذر کا روایت کر کے اس سے استدلال کرنا اور صدیوں سے محدثین کا اس پر تعامل قابل عمل ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ ج۱، ص۵۲۵۔ اب وہابی صاحب کو چاہیئے کہ یہی سوال اپنے گھر کے بزرگوں سے کرے کہ جناب اہل علم کے تعامل میں یا امام بیہقی و ابن منذر کے استدلال میں کونسا منتر ہے جو حدیث کے سابقہ ضعف کو رفع کر کے قوی و قابل عمل بنا دیتا ہے۔

ثانیاً: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر تابعی ہیں ان کے دور میں راویوں میں ضعف بہت کم تھا تقویٰ و طہارت علم و عمل ثقاہت فقاہت کثرت میں تھے اگر کوئی راوی بغرض کسی روایت میں ضعیف آ بھی گیا ہو تب بھی امام صاحب کے ہر مسئلہ پ

احادیث کثیرہ ہیں جس سے ضعف دور ہو جاتا ہے۔

دو سندوں کے ملنے سے روایت کو تقویت:

خود وہابیوں کے امام ثناء اللہ امرتسری صاحب فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۲۵ پر لکھتے ہیں اگر چہ ان دو میں کچھ کلام ہے مگر دونوں روایتوں اور دو سندوں کے ملنے سے ہر ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہو گئی۔ انہیں کے محدث عبد اللہ روپڑی صاحب فتاویٰ اہل حدیث ج ۲، ص ۱۳۷ پر لکھتے ہیں۔ اگر ضعف تھوڑا ہوتا تو مل کر حسن یا صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتی۔ جب دو ضعیف مل کر ایک دوسری کو قوی کرتی ہیں اور اگر ضعف تھوڑا ہو تو مل کر حسن یا صحیح کو پہنچ کا جاتی ہے تو اگر متعدد صحیح احادیث میں ایک ضعیف ہو تا وہ کیوں نہ قوی ہو کر درجہ صحت کو پہنچے گی۔

غیر مقلد صاحب کا دوسرا اعتراض لکھتے ہیں۔ مفتی صاحب نے اپنا موقف غلط تسلیم کر لیا: مفتی صاحب نے جب یہ دیکھا کہ احادیث صحیحہ تو صریحاً ہمارے مخالف ہیں اور ہم اپنے موقف پر کوئی وزنی دلیل تو کجا کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی پیش نہیں کر سکتے تو انہوں نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ:

"حنفی مذہب کی دلیل یہ روایات نہین یہ تو تائیدی ہیں حنفیوں کی دلیل تو قول امام ہے۔ گویا مفتی صاحب نے تسلیم کر لیا ہے کہ احادیث میں تو ہمارے دلائل موجود نہیں یہاں قول امام جو حنفیوں کی اصل دلیل ہے وہ موجود ہے اور اس سے وابستہ ہمیں انکار نہیں کہ امام صاحب کا موقف واقعی عدم تورک ہے رہا مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ ان روایات سے امام صاحب کے موقف کی تائید ہوتی ہے تو یہ قطعاً غلط باطل اور مردود ہے۔

نام نہاد دین الحق ص ۴۱۳

الجواب اولاً: مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث مسئلہ میں احناف کے موقف پر کثیر احادیث پیش کی ہیں اور ہم بفضلہ تعالیٰ ان کی صحت ثابت کر آئے ہیں اور یہ بھی احناف کے مذہب کی دلیل ہیں نیز خود غیر مقلدوں کی کتب سے حوالے گذرے

جن میں نواب صدیق حسن غیر مقلد اور وحید الزماں غیر مقلد نے احناف کے طریقہ تشہد کو مسنون مانا ہے اگر اس پر کوئی دلیل نہیں تو وہ اسے مسنون کیوں کہتے ہیں۔

ثانیاً: وہابی صاحب نے مذہب وہابیہ کے دلائل کا محض زبانی دعویٰ کیا ان کی صحت پر کوئی دلیل پیش نہ کی شاید یہ اس لئے صحیح ہیں کہ وہابی مذہب کی تائید میں ہیں ان کے پاس کوئی صحیح صریح مرفوع حدیث نہیں جس سے ان کا مذہب ثابت ہو کہ پہلے تشہد میں مرد داہنا پاؤں کھڑا کرلے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دوسرے تشہد میں دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر بیٹھے مگر اصل بات یہ کہ وہابی جی پر یہ صادق آتا ہے کہ جب کسی میں حیاء نہ ہو تو جو چاہے کہہ۔

اب اس مسئلہ پر بحث ہم اختصاراً ختم کر کے جاء الحق سے دسواں باب بیس تراویح کے بارے میں شروع کرتے ہیں مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس کے آغاز میں فرماتے ہیں ہم بیس رکعت تراویح کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ چکے ہیں جس کا نام ہے لمعات المصابیح علی رکعات التراویح جس میں بہت تفصیل سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اس کتاب کو مکمل کرنے کے لئے کچھ بطور اختصار یہاں عرض کیا جاتا ہے جس کو تفصیل دیکھنی ہو وہ ہمارا مذکورہ رسالہ ملاحظہ کرے خیال رہے کہ ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر اتفاق ہے کہ تراویح آٹھ رکعت نہیں۔ ہاں اکثر مسلمان بیس پڑھتے ہیں اور بعض مسلمان چالیس البتہ غیر مقلد وہابی وہ فرقہ ہے جسے نماز گراں ہے محض نفس پر بوجھ سمجھ کر تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر سو رہتے ہیں اور کچھ روایتوں کا بہانہ بناتے ہیں۔ اس لیے ہم اس مسئلہ کو دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں پہلی فصل میں بیس رکعت تراویح کے دلائل دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

پہلی فصل بیس رکعت تراویح کا ثبوت:

بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنت صحابہ سنت عامۃ المسلمین

ہے آٹھ رکعت تراویح خلاف سنت ہے دلائل ملاحظہ ہوں۔ حدیث نمبر ۱ تا ۵۔ ابن ابی شیبہ۔ طبرانی کبیر میں۔ بیہقی۔ عبد ابن حمید۔ اور امام بغوی نے سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس تراویح پڑھتے تھے

"اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً سِوَی الْوِتْرِ وَزَادَ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ غَیْرِ جَمَاعَةٍ"۔

"بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے"۔

وتر کے علاوہ بیہقی نے یہ زیادہ فرمایا کہ بغیر جماعت تراویح پڑھتے تھے ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے جن روایات میں آیا ہے کہ آپ صرف تین دن تراویح پڑھیں وہاں باجماعت پڑھنا مراد ہے یعنی بغیر جماعت تو ہمیشہ پڑھتے جماعت سے صرف تین دن پڑھیں۔ لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ تراویح سنت مؤکدہ علی العین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کو رغبت بھی دی۔ اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض۔ اس کی سند مین ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان راوی ہے (السنن الکبری للبیہقی ج ۲، ص ۹۶ و ابن ابی شیبہ ج ۲، ص ۳۹۴) امام بیہقی نے مذکورہ روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

"تَفَرَّدَ بِهٖ اَبُوْ شَیْبَةَ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ عُثْمَانَ الْعبسی کوفی وهو ضعیف"۔

یعنی اسے بیان کرنے میں ابراہیم منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔ جماعت محدثین نے اسے ضعف و متروک کہا ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"قَالَ اَحْمَدُ وَ یَحْیٰی وَاَبُوْ دَاؤُدَ ضَعِیْفٌ وَقَالَ یَحْیٰی اَیْضًا لَیْسَ بِثِقَةٍ وَقَالَ الْبُخَارِیُّ سَکَتُوْا عَنْهُ وَقَالَ التِّرْمَذِیُّ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ

وَقَالَ النِّسَآئِیُّ وَالدَّوْلَابِیُّ مَتْرُوْكُ الْحَدِیْثِ وَقَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ ضَعِیْفُ الْحَدِیْثِ سَكَتُوْا عَنْهُ وَتَرَكُوْا حَدِیْثَهٗ وَقَالَ الْجَوْزِ جَانِیُّ سَاقِطٌ وَّقَالَ صَالِحٌ جَزْرَة ضَعِیْفٌ لَا یُكْتَبُ حَدِیْثُهٗ رَوٰی عَنِ الْحَكَمِ اَحَادِیْثَ مَنَا كِیْر وَقَالَ اَبُوْ عَلِیِّ النِّیْسَا بُوْرِیْ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ"۔ (تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۱۴۴)

امام احمد، امام یحییٰ۔ امام ابوداؤد نے اسے ضعیف کہا ہے اور ایضا کہا یحییٰ نے کہ ثقہ نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محدثین نے اس سے خاموش اختیار کی ہے یعنی یہ اس قابل نہیں کہ اس کا ذکر بھی کیا جائے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے۔ امام نسائی اور دولابی نے اسے متروک الحدیث کہا ہے۔ امام ابوحاتم فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث ضعیف ہے اور محدثین نے اس کا نام لینا پسند نہیں کیا اور اس کی روایت کو چھوڑ دیا تھا۔

امام جوزجانی فرماتے ہیں کہ اعتبار سے گرا ہوا ہے اور امام صالح فرماتے ہیں کہ سخت ضعیف ہے کہ اس کی روایت لکھی ہی نہ جائے امام حاکم سے روایت ہے کہ اس کی روایات مناکیر ہیں۔ ابوعلی نیشاپوری نے کہا کہ یہ احادیث میں پختہ نہیں (انتھی) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ تقریب) ۱۴۔ امام ابن عدی امام عقیلی احناف سے مولانا عبدالحیٔ لکھنوی مولانا انور شاہ کشمیری مولانا نیموی مرحوم نے اس کی تفعیف کی ہے (الکامل ج ۱، ص ۲۱۴۔ الضعفاء الکبیر ج ۱، ص ۱۰ عرف الشذی ۱۰۱ و التعلیق المجد ص ۱۴۲)

بلکہ خود مفتی صاحب نے جاء الباطل (جاء الحق) ص ۲۴۳، ج ۲ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں ابراہیم بن عثمان واسطی ہے جو محدثین کے نزدیک منکر الحدیث ہے (انتھی) چونکہ وہاں مفتی صاحب کے مذہب کے خلاف حدیث میں آیا ہے تو محدثین کے نزدیک منکر الحدیث تھا لیکن یہاں مفتی صاحب کو اس کی ضرورت تھی جس کی وجہ سے انہوں نے خاموشی سادلی ہے تف ہے ایسی دیانت پہ۔

اسی طرح بریلوی مکتب فکر کے مناظر اعظم مولوی محمد عمر اچھروی نے اور مولوی محمد بشیر نے ابوشیبہ کو ضعیف کہا ہے۔

(مقیاس نبوت ۲، ص ۱۴۱ اوختم نبوت کا بیان ص ۱۰۲۔ نام نہاد دین الحق ۵۲۷ تا ۵۲۸)

الجواب۔ بعون الوھاب وھو موفق للصواب۔

اولاً۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر تو وہابی صاحب تب ناراض ہوں یا ان کی دیانت پر تف کہیں جب کہ انہوں نے زیر بحث حدیث کے راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کو ثقہ کہا ہوا ایسا نہیں تو ایسی بات کہنا محض زبان درازی ہے۔

ایک ہی راوی کی روایت وہابیوں کے لئے دلیل مفتی صاحب کے لئے جرم:

ثانیاً: خود وہابی جی نے ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کی روایت کو نام نہاد دین الحق ص ۱۷۶ پر چھٹی حدیث کے عنوان سے لکھا ہے اور اپنے مذہب قرأت فاتحہ علی الجنازہ پر بطور دلیل پیش کیا ہے لیکن چونکہ وہابی صاحب یہاں اس پر سخت کلام کر چکے بلکہ اس قدر حد گزر چکے تھے کہ کہہ دیا کہ محدثین ابراہیم بن عثمان کا نام لینا ہی گوارا نہیں کرتے تھے حالانکہ سکتوا عنہ کا یہ معنی نہیں جو اس صاحب نے کیا ہے وہاں یہ فکر دلگیر تھی کہ کوئی سوال ہی نہ کر دے کہ وہابی جی پہلے تو آپ اس پر جرح میں جو آتا تھا کہے چکے ہیں اب یہاں اسی کی روایت کو دلیل کس منہ سے بنا رہے ہو لہٰذا کہہ دیا کہ ہم نے یہاں اس کی روایت کو بطور شاھد پیش کیا ہے اب بتاؤ وہابی کے پاس تو اسے دلیل بنانے پر جواز بھی آ گیا اور اسے اپنے مذہب پر شاھد بھی بنا لیا مگر مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا اس کی روایت کو بیان کرنا ہی جرم ٹھہرا یہ ہے وہابیوں کے تضاد کا حال۔

ثالثاً۔ اس کے علاوہ بھی غیر مقلدوں نے ابراہیم بن عثمان کی ضعیف روایت کو دلیل بنایا ہے محمد صادق سیالکوٹی غیر مقلد وہابی نے اپنی کتاب صلوٰۃ الرسول کے ص ۴۳۴ پر نماز جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھنے کے ثبوت پر اسے دلیل بنایا ہے۔ عبد الوھاب دہلوی صاحب نے بھی نماز جنازہ میں فاتحہ کے ثبوت پر اسے پیش کیا

ہے۔ (مکمل نماز ص ۳۳۳، ج ۲)

تلقی بالقبول سے حدیث کا ضعف دور ہو جاتا ہے:

رابعاً: ہماری پیش کردہ زیر بحث روایت کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے اس لئے حجت ہے کیونکہ آئمہ اربعہ اور انکے مقلدین میں سے بیس تراویح سے کم پر کسی کا بھی عمل نہیں صرف وہابی غیر مقلد ہی اپنی نفس سھولت کے لئے آٹھ تراویح پڑھتے ہیں نیز وہابی اکابر بھی مانتے ہیں کہ تلقی بالقبول سے حدیث کا ضعف جاتا رہتا ہے اور قابل عمل ہو جاتی ہے چنانچہ امام الوہابیہ نذیر حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں۔ اس حدیث شریف میں قدرے ضعف ہے مگر تعامل اہل علم کا اس حدیث شریف کے ضعف کو رفع کرتا ہے جیسا کہ اصول حدیث میں ہے کہ تعامل اہل علم سے حدیث کا ضعف رفع ہوتا ہے۔ فتاوی نذیریہ ج ۱، ص ۲۱۱۔ وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری ایک حدیث کے ضعف کے جواب میں لکھتے ہیں۔ امام بیہقی اور امام ابن منذر کا روایت کر کے اس سے استدلال کرنا اور پھر صدیوں سے محدثین کا اس پر تعامل قابل عمل ہے۔ اب اس کلیہ کے تحت جسے اکابر وہابیہ بھی تسلیم کرتے ہیں ابراہیم بن عثمان کی زیر بحث روایت قابل عمل ہے کیونکہ صحابہ تابعین آئمہ مجتہدین فقہاء و محدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس کے مطابق عمل چلا آرہا ہے۔

حدیث کی تائید سے ضعیف کا ضعف دور ہو جاتا ہے وہابیوں کا اقرار:

خامساً: اسے احادیث صحیح کی تائید حاصل ہے اور یہ وہابیوں کو بھی مسلم ہے کہ صحیح حدیث کی تائید سے ضعیف روایت بھی قوی بن جاتی ہے چنانچہ فتاوی علمائے حدیث ج ۵، ص ۱۰۶ پر ایک حدیث کے ضعف کے جواب میں لکھتے ہیں۔ حافظ نے تلخیص میں کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کی تائید ایک حدیث سے ہو جاتی ہے۔ اب اس میں تو یہ بھی صراحت نہیں کہ وہ حدیث کسی درجہ کی ہے جس سے اس کی تائید ہوتی ہے جبکہ ہم تو احادیث صحیحہ سے تائید کی بات کر رہے ہیں جن کی صحت کو انشاء اللہ تعالیٰ ہم

آگے بیان کریں گے۔ غیر مقلد کا دوسرا اعتراض۔ یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث کے مخالف ہے۔ لہٰذا حجت نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ زیلی حنفی تخریج حدیث ھدایہ میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور صحیح حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مخالف ومعارض بھی ان کے الفاظ ہیں:

”رَوٰی اِبْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ فِیْ مُصَنَّفِهٖ وَالطِّبْرَانِیُّ فِیْ مُعْجَمِهٖ وَعَنْهُ الْبَیْهَقِیُّ مِنْ حَدِیْثِ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ عُثْمَانَ اَبِیْ شَیْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مَقْسَمٍ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَكْعَةً سِوَی الْوِتْرِ (انتهی) وَرَوَاهُ الْفِقِیْهِ اَبُو الْفَتْحِ سَلِیْمُ بْنُ اَیُّوْبَ الرَّازِیْ فِیْ كِتَابِ الرَّغِیْبِ فَقَالَ ؟؟؟ بِثَلَاثِ وَهُوَ مَعْلُوْلٌ بِاَبِیْ شَیْبَةَ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ عُثْمَانَ جَدِّ الْاِمَامِ اَبِیْ بَكْرِ بْنِ اَبِیْ شَیْبَةَ وَهُوَ مُتَّفَقٌ عَلٰی ضُعْفِهٖ وَلَیَّنَهُ اِبْنَ عدی فِی الْكَامِلْ ثُمَّ اِنَّهٗ مُخَالِفٌ لِلْحَدِیْثِ عَنْ اَبِیْ سَلْمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اِنَّهٗ سَاَلَ عَآئِشَةَ كَیْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ؟ قَالَتْ مَا كَانَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشَرَ رَكْعَةً ۔

(نصب الرایہ ج۲، ص۱۵۳

”ابن ابی شیبہ اور طبرانی اور ان سے بیہقی نے ابراہیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس کے طریق سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعات وتر کے علاوہ پڑھتے تھے اور فقیہ ابوفتح سلیم بن ایوب نے اپنی تالیف الرغیب میں روایت کی ہے کہ تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ لیکن یہ روایت معلول ہے ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے کیونکہ اس کی ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے اور ضعیف کہا ہے امام ابن عدی

نے الکامل میں اس کے علاوہ یہ صحیح حدیث کے مخالف و معارض بھی ہے کہ ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان المبارک میں کیسی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے"۔ انتھی)

علامہ ابن ہمام ھدایہ کی شرح میں تحریر کرتے ہیں کہ:

"وَاَمَّا مَا رَوٰى اِبْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ فِىْ مُصَنَّفِهٖ وَالطِّبْرَانِىُّ وَعِنْدَ الْبَيْهَقِىّ مِنْ حَدِيْثِ اِبْنِ عَبَّاسٍ اِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّىْ فِىْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ ۔ فَضَعِيْفٌ بِاَبِىْ شَيْبَةَ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُثْمَانَ جَدِّ الْاِمَامِ اَبِىْ بَكْرِ بْنِ اَبِىْ شَيْبَةَ مُتَّفَقٌ عَلٰى ضُعْفِهٖ مَعَ مُخَالِفَةِ فَتَحْصِلُ مِنْ هٰذَا اِنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ سُنَّةٌ اِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةَ بِالْوِتْرِ فِىْ جَمَاعَةٍ فَعَلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَرَكَهٗ لِعُذْرٍ" ۔ (فتح القدیر ج، ص ۴۰۷)

"اور جو روایت کی ہے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اور طبرانی اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں بیس رکعتیں وتر کے علاوہ پڑھیں تو یہ (روایت) ہے ضعیف ابن ابی شیبہ کے دادا ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے جس کی تضعیف پر محدثین کرام متفق ہیں اور یہ صحیح حدیث (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کے مخالف بھی ہے اور اس تقریر سے یہ بات حاصل ہوگئی کہ گیارہ رکعتیں قیام رمضان سنت ہے وتر کے ساتھ جماعت میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی رکعت پڑھیں پھر عذر کی وجہ سے (کہ کہیں فرض ہی نہ ہو جائیں) چھوڑ دیں"۔ (انتھی)

مولانا عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ:

”وَلَمْ يَثْبُتْ رَوَايَةُ عِشْرِيْنَ رَكْعَةٍ مِّنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا هُوَ الْمُتَعَارَفُ الْآنَ اِلَّا فِيْ اِبْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ مِنْ حَدِيْثِ اِبْنِ عَبَّاسٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ ۔ وَقَالُوْا اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ وَقَدْ عَارِضَةٌ حَدِيْثَ عَآئِشَةَ وَهُوَ صَحِيْحٌ وَكَانَتْ عَآئِشَةَ اَعْلَمُ بِحَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِهَا وَقَدْ كَانَ الْاَمْرُ فِيْ زَمَنِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ذٰلِكَ“ ۔

(فتح سر المنان فی تائید مذہب النعمان ص ۶۹۲، قلمی بحوالہ خاتم اختلاف ص ۷۰)

”یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت ثابت نہیں جیسا کہ آج کل کا عام معمول ہے صرف ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں بیس رکعت آئی ہیں۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہونے کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث کے معارض بھی ہے (جس میں گیارہ رکعت پڑھنے کا ثبوت ہے) اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عمل تھا اور ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت نماز کو دوسروں کی نسبت زیادہ جانتی تھیں۔ اسی طرح علامہ سیوطی اور زرقانی نے موطا کی شرح میں کہا ہے کہ۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ضعیف ہونے کے علاوہ صحیح حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مخالف و معارض بھی ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحئی لکھنوی حنفی لکھتے ہیں:

”وقال جماعة من العلماءِ منهم الذيلعي وابن همام والسبوطی وزرقانی ان هذا الحديث مع ضعفه معارض بحديث عائشة الصحيح التعليق الممجد ۴۱۱)

”علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے جن میں سے ذیلعی سیوطی اور زرقانی ہیں

کہ یہ حدیث (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ضعیف ہونے کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث کے مخالف و معارض ہے"۔ (انتھی)

یہی بات حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ج ۴، ص ۲۰۵ میں کہی ہے۔ معروف بریلوی عالم مولانا غلام رسول سعید فرماتے ہیں کہ بیس تراویح کی حدیث مرفوع سنداً ضعیف ہے (شرح صحیح مسلم ج ۲، ص ۴۹۶) مولوی ابو یوسف محمد شریف بریلوی لکھتا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ بلحاظ سند ضعیف ہے۔ (دلائل المسائل ص ۹۱) نام نہاد دین الحق ص ۵۲۸ تا ۵۳۰)

الجواب اولاً۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو تراویح کے بارے مانوں تو یہ تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس میں رمضان اور اسکے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رات کی نماز کا معمول گیارہ رکعت مذکور ہوا ہے اگر آٹھ رکعت تراویح پڑھو تو تین وتر ثابت ہوتے ہیں لیکن تم نفس پرستی کے لئے تراویح آٹھ رکعت اور وتر ایک رکعت پڑھتے ہو تو باقی دو رکعت کس کھاتے میں ڈالتے ہو تمہارا آٹھ رکعت تراویح کا دعویٰ تب مسموع ہوگا جبکہ احناف کی طرح تین وتر تسلیم کرو۔

بیس تراویح کی حدیث اور حدیث عائشہ صدیقہ میں کوئی تعارض نہیں:

ثانیاً نمبر۱: توجیہات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اور ان احادیث میں جن میں بیس رکعت تراویح کا ثبوت ہے کوئی تعارض نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں تصریح موجود ہے کہ اس میں اس نماز کا ذکر ہے جو رمضان کی راتوں میں بھی پڑھی جاتی ہے اور رمضان کے علاوہ بھی جب کہ تراویح صرف رمضان المبارک میں ہی پڑھی جاتی ہیں لہٰذا حدیث عائشہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کا بتایا گیا ہے نہ کہ تراویح کا اس لیے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے باب صلوٰۃ اللیل یعنی تہجد کے باب میں ذکر کیا اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ میں نقل کیا تراویح تو غیر رمضان میں نہیں پڑہی جاتیں نمبر۲) حدیث کی اندرونی شہادت بھی واضح کرتی ہے کہ اس میں تہجد کا ذکر ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ وتر پڑھنے سے پہلے ہی سو جاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا یعنی میری نیند تمہاری نیند جیسی نہیں کہ دل پر غفلت طاری ہو جائے اس سے معلوم ہوا کہ جس نماز کا ذکر زیر بحث حدیث میں ہے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محوخواب ہونے کے بعد ادا فرماتے تھے حالانکہ تراویح عشاء کے بعد سونے سے قبل ادا ہوتی ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو تراویح پر محمول کرنا خلاف حقیقت ہے نمبر۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں چار چار رکعت پڑھنے اور پھر تین وتر پڑھنے کا آیا ہے اس کے درمیان یا آخر میں ترویحہ (آرام) کا ذکر نہیں حالانکہ تراویح کی ہر چار رکعت پر ترویحہ ہے جس کی جمع تراویح ہے اور یہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے طریقہ چلا آرہا ہے معلوم ہوا کہ جس نماز کا ذکر حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے وہ تہجد ہے۔ نمبر۴) اس حدیث کے تمام طرق دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابوسلمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان شریف میں تہجد کا پوچھا اور اسی کا جواب حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیا البتہ راویوں میں کسی نے بہ سبب اختصار لفظ اللیل کو چھوڑ دیا اور کس نے لفظ رمضان کو چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں سوال کے لفظ یہ ہیں:

"کَیْفَ کَانَتْ صَلٰوۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ"۔

اس حدیث میں راوی نے اللیل کا ذکر نہیں کیا لیکن امام بخاری نے باب میں اللیل کا ذکر کیا ہے چنانچہ فرمایا۔ (باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ)

اہل علم پر مخفی نہیں کہ امام بخاری ترجمہ ابواب میں ایسے لفظ ہی ذکر کرتے ہیں جو احادیث میں دوسری سند میں موجود ہوں دیکھو یہی حدیث مسند امام احمد ج ۶، ص ۲۰۰ بروایت یحییٰ عن ابی سلمہ ان الفاظ سے آئی ہے:

"قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَۃَ عَنْ صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً" ۔ (الحدیث)

اس حدیث میں سوال میں لیل کا لفظ موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابوسلمہ کا سوال تہجد سے تھا لہٰذا جواب میں بھی تہجد ہی کا بتایا گیا ہے کیونکہ جواب سوال کے موافق ہوتا ہے۔ اب ان عبارات کا جائزہ لیتے ہیں جو غیر مقلد کے اعتراض کے ضمن میں اس دعویٰ کے ثبوت پر لائی گئیں کہ ابراہیم بن عثمان کی حضرت ابن ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث ضعیف ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث کے مخالف ہے۔ اور وہابی صاحب نے التعلیق الممجد سے عبارت لائے مگر وہی جس سے مقصد پورا ہوتا تھا اس کے متصل ہی وہ عبارت خیانتاً چھوڑ دی جو خلاف مقصد تھی وہ یہ کہ صاحب التعلیق الممجد عبدالحیٔ لکھنوی صاحب نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "وَفِيْهِ نَظْرٌ اِذْ لَا شَكَّ فِيْ صِحَّةِ حَدِيْثِ عَآئِشَةَ وَفِيْ ضُعْفِ حَدِيْثِ اِبْنِ عَبَّاسٍ لٰكِنَّ الْاَخْذَ بِالرَّاجِحِ وَتَرْكَ الْمَرْجُوْحِ اِنَّمَا يَتَعَيَّنُ اِذَا تَعَارَضَا تَعَارُضًا لَا يُمْكِنُ الْجَمْعَ وَهُنَا الْجَمْعُ مُمْكِنٌ ۔ (التعلیق الممجد مع موطا ص۱۴۲)

> "یعنی یہ کہنا کہ حدیث ابن عباس حدیث حضرت عائشہ کے معارض ہے محل نظر ہے جبکہ حضرت عائشہ کی حدیث کی صحت اور حضرت ابن عباس کی حدیث کے ضعف میں کوئی شک نہیں لیکن راجح کو اختیار کرنا اور مرجوح کو ترک کرنا اس وقت ہے جب کہ دو کے درمیان ایسا تعارض ہو کہ جمع ناممکن ہو"۔

اس میں تو وہابی صاحب کے دعویٰ تعارض کا رد ہے۔

دوم: دلائل المسائل سے صرف ایک جملہ اپنے مطلب کا لکھ لیا کہ اگر چہ یہ حدیث بلحاظ سند ضعیف ہے۔ مگر صاحب کتاب حضرت علامہ ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلی نے اعتراض ضعف کے رفع کے لئے جو مدلل جوابات دیئے ان کو خلاف مذہب جان کر چھوڑ

دیا فقیر قارئین پر حقیقت واضح کرنے کو انہیں من وعن لکھ رہا ہے فرماتے ہیں۔ یہ حدیث اگر چہ بلحاظ سند ضعیف ہے لیکن امت کا عمل اس کو تقویت دیتا ہے۔ امام سیوطی شرح نظم الدرر میں فرماتے ہیں:

المقبول ما تلقاه العلماء بالقبول و ان لم یکن له اسناد صحیح۔

کہ حدیث مقبول وہ ہے جس کو علماء نے قبول کرلیا ہو اگر چہ اس کی سند صحیح نہ ہو۔ حافظ سخاوی شرح الفیہ میں فرماتے ہیں:

اذا تلقت الامت الضعیف بالقبول یعمل به علی الصحح۔

جس ضعیف حدیث کو امت نے قبول کرلیا ہو یعنی عملاً تو صحیح مذہب میں اس پر عمل کیا جائے گا چونکہ اس حدیث کو علماء امت نے قبول فرمایا صحابہ اس پر عمل کیا ائمہ اربعہ نے اس کو اپنا معمول بھی ٹھہرایا لہٰذا لامحالہ یہ حدیث مقبول ہوگی۔ علامہ ابن مرعی البشر ھیتمی مالکی شرح اربعین نوویہ میں لکھتے ہیں:

محل کونه لا یعمل بالفعیف فی الاحکام مالم یکن تلقته الناس بالقبول فان کان کذلك تعین و صادر حجة بعمل به فی الاحکام وغیرها۔ (التحفۃ المرضیہ: ص۲۲۴)

یعنی ضعیف حدیث پر احکام میں عمل نہ کیا جانا اس صورت میں ہے کہ لوگوں نے قبول نہ کیا ہو۔ اگر قبول کرلیا ہو تو وہ احکام میں وغیرھا میں حجت ہوتی ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے امام سیوطی تعقبات میں نماز تسبیح کے ذکر میں بیہقی سے نقل کرتے ہیں۔

تداولها الصلحون بعضهم عن بعض وفی ذلك تقویه للحدیث المرفوع۔

اس حدیث (تسبیح) کو صالحین نے دست بدست لیا اور اس میں حدیث مرفوع کی تقویت ہے صلحاء کے عمل سے حدیث کو تقویت ہوگئی۔ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ باب ما علی الماموم میں بحوالہ نووی لکھتے ہیں۔ **وکان الترمذی یرید تقویة الحدیث**

بعمل اهل العلم۔ ترمذی اہل علم کے عمل کرنے سے حدیث کی تقویت کا ارادہ کرتے تھے۔ علامہ نووی تعقبات میں فرماتے ہیں۔ وقد صرح غیر واحد بان من دلیل صحة الحدیث قبول اهل العلم وان لم یکن اسناد یعتمد علی مثله۔ یعنی بہت محدثین نے تصریح کی ہے کہ حدیث کی صحت کی دلیل اہل علم کا اس پر عمل ہے اگرچہ اس کی سند قابل اعتماد نہ ہو۔ مولوی ثناء اللہ رسالہ اہل حدیث ۱۹ اپریل ۰۷ء کے ص ۱۰ میں لکھتے ہیں۔ بعض ضعف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں انتھی میں کہتا ہوں نجاست کے ساتھ پانی کا رنگ و مزہ بو بدلنے سے پانی کا ناپاک ہونا حدیث ضعیف سے ثابت ہے مگر امت نے اس پر عمل کیا اور اسے قبول کرلیا تو حدیث اگرچہ ضعیف تھی۔ اہل علم کے عمل کرنے سے اس کو تقویت ہو گئی اس طرح سونے کے نصاب کی حدیث ضعیف ہے مگر علماء نے اسے قبول کیا اور اسی پر عمل کیا۔ اس طرح بعض حدیثیں ایسی ہیں جو سنداً صحیح ہیں۔ مگر ان پر عمل نہیں۔ مثلاً بلا عذر جمع بین الصلوٰتین کہ اس کی حدیث صحیح ہے مگر عملاً متروک ہے دیکھو ترمذی کتاب العلل۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں زیر آیت۔ قل یا اہل الکتاب تعالوا لکھتے ہیں۔ فترکھم العمل بحدیث دلیل علی کونہ منسوخاً او مؤوّلاً۔ یعنی ائمہ اربعہ اور اکابر علماء کا کسی حدیث پر عمل نہ کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ وہ حدیث منسوخ ہو گی یا مؤوّل دلائل المسائل ص ۹۱ تا ۹۳۔ ان دلائل سے تو یہ ثابت ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جس میں بیس تراویح کا ثبوت ہے یہ حجت اور قابل عمل ہے مگر غیر مقلد صاحب اپنے مقصود کے حصول کے لئے ضعف ثابت کرنے کے درپے ہیں۔

غیر مقلد کی خیانت:

سوم: فتح القدیر سے بھی غیر مقلد اپنے مقصد کی عبارت لکھی جو خلاف مقصد تھی اسے خیانتاً نہ لکھا حالانکہ اسی کے ساتھ ہی صاحب فتح القدیر علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بیس تراویح کا صحیح حدیث سے ثبوت:

"نَعَمْ ثَبَتَتِ الْعِشْرِيْنَ رَكْعَةً مِّنْ زَمَنِ عُمَرَ فِى الْمُوْطَا عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رَوْمَانَ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِىْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِثَلٰثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَّرَوَى الْبَيْهَقِىُّ فِى الْمَعْرِفَةِ عَنِ السَّآئِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنَّا نَقُوْمُ فِىْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ ۔ قَالَ النووى فِى الْخُلَاصَةِ اِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ" ۔ (فتح القدیر ج ۱، ص ۴۰۷)

ہاں بیس رکعت تراویح ثابت ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے موطا میں یزید بن رومان سے روایت ہے کہ کہا لوگ حضرت عمر بن خطاب کی خلافت کے دور میں بیس رکعت (باجماعت) پڑھتے تھے یعنی تین وتر سمیت۔ اور امام بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں سائب بن یزید سے روایت کیا کہ ہم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔ علامہ نووی شافعی نے خلاصہ میں فرمایا کہ اسناد اس حدیث کی صحیح ہے۔

(چہارم) علامہ سعیدی صاحب کی شرح مسلم سے بھی وہابی نے اپنے مطلب کا صرف ایک جملہ لکھ لیا آگے مضرِ مذہب جان کر چھوڑ دیا حالانکہ آگے انہوں نے بیس رکعت تراویح کی مشروعیت کو ثابت کیا ہے ملاحظہ ہو ہر چند کہ بیس رکعت کی حدیث سنداً ضعیف ہے لیکن حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی سمیت اس دور کے تمام صحابہ کا بیس رکعت تراویح پر اجماع ہو چکا ہے اور یہ بات بکثرت آثار صحابہ سے ثابت ہے اس لئے بیس رکعت تراویح کی مشروعیت بے غبار ہے۔ شرح صحیح مسلم للعلامہ سعیدی ج ۲، ص ۴۹۶۔

حضرت عائشہ کی روایت تہجد کے بارے ہے نہ کہ تراویح کے بارے:

(پنجم) یہ بھی غلط ہے کہ شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بیس تراویح کی

روایت کو حضرت عائشہ کی حدیث کے معارض کہتے ہیں صحیح یہ ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو تہجد کے بارے میں مانتے ہیں۔

چنانچہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوہ باب قیام شہر رمضان کے آغاز میں فرماتے ہیں:

> "وصحیح آنست کہ آنچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزارد ہماں نماز تہجد وے بود کہ یازدہ رکعت باشد و ابن ابی شیبہ از ابن عباس روایت آوردہ کہ آنچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزارد بست رکعت بودہ"۔

اور صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو گیارہ رکعت نماز پڑھی وہ آپ کی تہجد تھی یعنی تین وتر آٹھ رکعت تہجد) اور ابن ابی شیبہ حضرت ابن عباس سے روایت لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعت (تراویح) پڑھی۔ ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ غیر مقلد صاحب عبارتوں کو توڑ مروڑ کر لانے میں بہت مہارت رکھتے ہیں۔ جاء الحق سے حدیث نمبر ٦۔

خلافت فاروقی میں بیس تراویح پڑھی جاتی تھیں:

امام مالک نے یزید ابن رومان سے روایت کی:

> "كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانَ بِثَلٰثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً"۔
>
> "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں لوگ تیئس رکعت پڑھا کرتے تھے"۔

اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ دوسرے یہ کہ وتر تین رکعت ہیں اس لیے کل تیئس رکعتیں ہوئیں۔ اس پر غیر مقلد کے اعتراض میں لکھتے ہیں۔ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ راوی اس کے یزید بن رومان ہیں اور انہوں نے حضرت عمر فاروق کا زمانہ نہیں پایا جیسا کہ علامہ ذیلعی (صحیح زیلعی ہے) اور علامہ نیموی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے یزید بن رومان لم یدرک عمر۔ یزید بن رومان نے حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ نصب الرایہ ص ۱۵۴، ج ۲۔ والتعلیق الحسن ص ۲۵۳۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: رواه مالك عن يزيد بن رومان ورواه البيهقي لكنه مرسل فان يزيد بن رومان لم يدرك عمر۔ مجموع شرح المھذب ج ۴، ص ۳۳۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں اور امام بیہقی نے یزید بن رومان سے روایت کی ہے۔

لیکن یہ مرسل ہے کیونکہ یزید بن رومان نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں پانچویں طبقہ کا راوی قرار دیا ہے تقریب ص ۲۸۰ اور مقدمہ تقریب میں انہوں نے صراحت کی ہے کہ:

الخامسة الصغرىٰ منهم الذى راؤ الواحد والا ثنين ولم يثبت لبعضهم السماع من الصحابة، ص ۳، یعنی پانچوں طبقہ صغار تابعین کا ہے جنہوں نے ایک آدھ صحابہ کو دیکھا ہو اور زیادہ سے سماع ثابت نہ ہو۔ یزید کی بالاتفاق ۱۳۰ میں وفات ہوئی تھی (تہذیب التہذیب ج ۱۱، ص ۳۲۵) وخلاصہ ج ۳، ص ۱۶۹۔ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ یکم محرم ۲۳ ہجری میں پیش آیا۔ (الفاروق ص ۱۸۰) اگر ہم بالفرض یزید کی عمر ایک صدی بھی تسلیم کر لیں تو تب بھی ان کی پیدائش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سات سال بعد ہوئی ہے لہٰذا اصول حدیث کی رو سے ان کی روایت منقطع ہے اور منقطع کے بارے میں مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض گڑھی ہوئی ہے کیونکہ اس کا راوی بہت بڑا جھوٹا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے ابوحمید اور قتادہ سے سنا حالانکہ ابوقتادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شہید ہوئے اور یہ خلافت حیدری کے بعد پیدا ہوتا ہے پھر ابوقتادہ سے کیسے ملا؟ ایسا جھوٹا آدمی ہرگز قابل اعتماد نہیں اور نہ اس کی حدیث قابل عمل ہے۔ فكذلك نقول هذا حديث ضعيف جدا لان يزيد بن رومان ولد بعد خلافة عمر بن الخطاب و كيف يقول كان الناس يقومون فى زمن عمر فى رمضان بثلث و عشرين ركعة۔

ثانیاً: پہلے تفصیل کے ساتھ صحیح سند سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا لہٰذا اس صحیح روایت کے سامنے اس منقطع کی کوئی حیثیت نہیں۔ نام نہاد دین الحق ص ۵۳۲۔

الجواب اولاً: وہابی صاحب نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا خیانتاً ترجمہ غلط کر دیا۔ عبارت کا صحیح ترجمہ ہے کہ پانچوں طبقہ صغار تابعین کا ہے جنہوں نے ایک یا دو صحابہ کو دیکھا اور کچھ کے لئے سماع ثابت نہ ہوا۔ جب کہ وہابی جی اس کا ترجمہ کر رہے ہیں۔ پانچوں طبقہ صغار تابعین کا ہے جنہوں نے ایک آدھ صحابہ کو دیکھا ہو اور زیادہ سے سماع ثابت نہ ہو۔ اس میں ایک یا دو کی جگہ ترجمہ ایک آدھ کر دیا اور بعض کا معنی کچھ ہے جس کا ترجمہ زیادہ گھڑ دیا۔ تاکہ مقصود پانے میں آسانی ہو۔

ثانیاً: وہابی جی کا یہ جھوٹ ہے کہ مفتی صاحب منقطع روایت کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ گڑھی ہوئی ہے وہ تو ایک مخصوص روایت کے بارے میں گڑھی ہوئی فرماتے ہیں کیونکہ اس میں اس کے راوی محمد بن عمرو بن عطاء کا جھوٹ ثابت ہے۔ جاء الحق حصہ دوم، صفحہ ١٠١) پر منقطع روایت کو کوئی بھی جھوٹی نہیں کہتا مگر وہابیوں کا جیسے مقصد حاصل ہو ویسے کہہ دیتے ہیں **العیاذ باللہ من ذلك۔**

ثالثاً: امام بیہقی نے یزید بن رومان کی زیر بحث روایت کو روایت کیا ہے مگر اس کی صحت پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ السائب بن یزید کی روایت جس میں ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو رمضان میں گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا اس سے موافقت کرتے ہوئے کہا:

”وَيُمْكِنُ الْجَمْعُ بَيْنَ الرِّوَايَتَيْنِ فَإِنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ ثُمَّ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ بِعِشْرِيْنَ وَ يُوْتِرُوْنَ بِثَلٰثٍ“۔

(بیہقی ج ٢، ص ۴٩٦)

ان دو روایتوں میں موافقت ممکن ہے کہ پہلے گیارہ رکعت پڑھتے ہوں پھر بیس

رکعت تراویح اور تین وتر کو معمول بنالیا۔ بیان کا مقصد یہ کہ اگر یزید بن رومان کی روایت قابل حجت نہ ہوتی اور گیارہ رکعت والی وہابی کے دعویٰ کے مطابق زیادہ صحیح ہوتی تو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ ان میں جمع وموافقت کیوں کرتے سیدھا کہہ دیتے کہ یزید بن رومان کی روایت گیارہ رکعت کی روایت کے معارض نہیں ہوسکتی لہٰذا یہ قابل عمل نہیں۔

غیر مقلد نے خلاف مذہب عبارت کو خیانتاً چھوڑ دیا:

رابعاً: غیر مقلد صاحب نے علامہ نیموی کی التعلیق الحسن سے مفید المذہب عبارت کو تو بطور دلیل لکھ لیا مگر اس جگہ علامہ نے یزید بن رومان رضی اللہ عنہ کی روایت لکھنے کے بعد فرمایا۔ رواہ مالک واسنادہ مرسل قوی۔ (آثار السنن ص۲۰۰) امام مالک نے روایت کیا اور اسناد اس کی مرسل قوی ہے اسے خلاف مذہب جان کر چھوڑ دیا۔ بہر حال جب زیر بحث روایت علامہ نیموی کی تحقیق پر مرسل قوی ہے اور علامہ نیموی وہ ہیں جو بلا رعایت مذہب حدیث کا مقام بیان کر دیتے ہیں اس لئے غیر مقلد صاحب بھی ان سے اکثر حوالے دیتے رہتے ہیں۔ تو یہ دیکھنا ہے مرسل روایت کا حکم کیا ہے اس کے بارے حافظ ابن حجر عسقلانی نے نخبۃ الفکر اور الشاہ عبدالحق محدث دہلوی مقدمہ مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ:

مرسل حدیث کا حکم:

احناف اور مالکیہ کے ہاں مرسل مطلقاً مقبول ہے اور امام شافعی کے نزدیک بھی مقبول ہے جبکہ یہی روایت کسی اور طریق سے آئے جو اس مرسل کے تائید کرے عام ازیں کہ وہ بھی مرسل ہو یا مسند۔ اس بنا پر یزید بن رومان کے روایت امام شافعی کے ہاں بھی مقبول ہے کیوں کہ اس کی تائید السائب بن یزید کی صحیح روایت کرتی ہے جس کے الفاظ یوں ہیں:

”عَنِ السَّآئِبِ ابْنِ یَزِیْدَ قَالَ کَانُوْا یَقُوْمُوْنَ عَلٰی عَھْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً“۔

(سنن البیہقی ج۲، ص۴۹۶)

''سائب بن یزید سے ہے کہ فرمایا لوگ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیس رکعت پڑھتے تھے''۔

بیس تراویح کا راوی بالاتفاق ثقہ ہے:

اب زیر بحث روایت کے راوی حضرت یزید بن رومان کا مقام ملاحظہ کریں تہذیب التہذیب۔ج ۱۱، ص ۳۲۵ پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یَزِیْدُ بْنُ رومَانَ الْاَسْدِیُّ اَبُوْ روحِ الْمَدَنِیْ مَوْلٰی آلِ الزُّبَیْرِ رَوٰی عَنْ اِبْنِ الزُّبَیْرِ وَاَنَسٍ وَعُبَیْدِ اللهِ وَ سَالِمٍ اَبْنَیْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ وَصَالِحِ بْنِ خَوَاتِ بْنِ جُبَیْرٍ وَّ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ وَالزُّهْرِیِّ وَهُوَ مِنْ اِقْرَانِهٖ وَاَرْسَلَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَعَنْهُ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ وَعُبَیْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ وَ اَبُوْ حَازِمٍ سَلْمَةَ بْنِ دِیْنَارٍ وَمُعَاوِیَةُ بْنُ مُزَرْدٍ وَ اِبْنُ اِسْحَاقَ وَخَارِجَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ سُلَیْمَانَ بْنِ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَّ مَالِكٌ وَّ یَزِیْدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلْكِ النَّوْفِلِیُّ وَ جَرِیْرُ بْنُ حَازِمٍ وَ جَمَاعَةٌ قَالَ النِّسَائِیُّ ثِقَةٌ وَ ذَکَرَهُ ابْنِ حِبَّانَ فِی الثِّقَاتِ قَالَ ابْنُ سَعْدٍ عَنِ الْوَاقِدِیِّ وَغَیْرِهٖ مَاتَ سَنَةَ ثَلٰثِیْنَ وَمِائَةَ وَکَانَ عَالِمًا کَثِیْرِ الْحَدِیْثِ ثِقَةٌ قُلْتُ وَقَالَ اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْنِ مُعِیْنٍ ثِقَةٌ''۔

(تہذیب التہذیب: ج ۱۱، س ۳۲۵ وتہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۲۰، ص ۳۰۶)

یزید بن رومان اسدی ابوروح المدنی آل زبیر کے غلام اس نے ابن زبیر اور انس اور عبید اللہ اور سالم بن عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹوں اور صالح بن خوات بن جبیر اور عروہ بن زبیر اور زہری سے روایتیں کی اور اس کے ہمعصر تھے اور ان سے ہشام بن عروہ اور عبید اللہ بن عمر اور ابوحازم سلمہ بن دینار معاویہ بن مزرد اور ابن اسحاق اور خارجہ بن عبد اللہ بن سلیمان بن زید بن ثابت اور امام مالک اور یزید ابن عبد الملک النوفلی اور

جدیر بن حازم اور ایک جماعت نے روایتیں کی اور نسائی نے کہا ثقہ ہے اور ابن حبان نے اس کا ذکر ثقات میں کیا اور ابن سعد نے واقدی وغیرہ سے بیان کیا کہ وہ ۱۳۰ ہجری میں فوت ہوئے اور عالم کثیر حدیث بیان کرنے والے ثقہ تھے میں کہتا ہوں کہ اسحاق بن منصور نے ابن معین سے اس کی توثیق بیان کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یزید بن رومان جلیل القدر تابعی ہیں جنہوں نے متعدد صحابہ سے روایتیں کیں اور ان کی ثقاہت پر کس کو کلام نہیں اگر ان کی زیر بحث روایت مرسل بھی ہے تو پھر بھی مقویات و مؤیدات کی موجودگی میں تمام آئمہ کے نزدیک قابل عمل ہے یہی وجہ ہے کہ بیس سے کم تراویح کسی امام کے ہاں مسنون نہیں اس کی مسنونیت کا قائل صرف نفس پرست وہابی ٹولہ ہے۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۷۔ بیہقی نے معرفہ میں صحیح اسناد سے حضرت سائب ابن یزید سے روایت کی:

"قَالَ کُنَّا نَقُوْمُ فِیْ عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَالْوِتْرَ"۔

"ہم صحابہ کرام عمر فاروق کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے"۔

اس پر غیر مقلد کا اعتراض اس کی سند میں دو راوی ابو طاہر اور ابو عثمان بصری ہیں۔ بحوالہ نصب الرایہ ج ۲، ص ۱۵۴۔ اور ان کی عدالت ثقات بیان کرنا فریق ثانی پر آج تک ادھار ہے۔ اول الذکر ابو طاہر کے بارے میں علامہ تاج الدین سبکی نے لکھا ہے کہ امام الفقہاء لیکن اس سے ان کی عدالت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس قسم کے الفاظ تو متکلم فیہ راویوں کے متعلق بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ مثلاً ہارث اعور کو من کبار التابعین اور حس بن عمار کو من کبار الفقہاء فی زمانہ اور نعیم بن حماد کو احداً الائمۃ الاعلام۔

حافظ ذھبی نے میزان میں لکھا ہے خود علمائے احناف نے سب کی صراحت کے باوجود لکھا ہے کہ۔ وکان مع ذلك فقیر (التعلیق الحسن ص ۲۵۲) یعنی اس کے باوجود ابو طاہر محتاج عدالت ہے۔ اسی طرح مؤخر الذکر ابو عثمان بصری کا ترجمہ بھی کتب رجال سے نہیں ملتا جس کا اقرار کرتے ہوئے علامہ نیموی حنفی فرماتے ہیں کہ:

"ولم اقف من ترجم له (ایضا" ۔

"میں نے اس کا ترجمہ کتب رجال میں نہیں پایا"۔

بعض نے اس کو عمرو بن عبد اللہ قرار دیا ہے مگر کتب رجال ابو عثمان عمرو بن عبد اللہ کے تراجم سے خالی ہے۔ الغرض اس روایت کی سند میں دو راوی مجہول الحال ہیں جس سے اس کا ضعف اظہر من الشمّس ہے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ درمیان میں مجہول الحال راوی ہے لہٰذا یہ روایت نام لینے کے قابل نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اس سے دلیل پکڑی جائے۔ مگر یقین جانے کہ مذکور اصول پر مفتی صاحب کا ایمان حلق کے اوپر اوپر ہی تھا ورنہ اس سے دلیل نہ پکڑتے۔ نام نہاد دین الحق ص ۵۳۲۔

الجواب اوّلاً: زیر بحث روایت کے راویوں کی عدالت ثقاہت بیان کرنا احناف کے ذمہ تب لازم ہو جبکہ کسی محدث نے ان کی عدالت پر انگلی اٹھائی ہو رہے وہابی تو ان کی تو کیڑے نکالنا عادت ہے اگر یہ بات نہیں تو روایت کے ضعف پر دعویٰ کو ثابت کرتے کہ کس محدث نے اسے ضعیف کہا ہے۔

ثانیاً: ہمارے پاس بالفرض ان کی ثقاہت پر اور نہ بھی دلیل ہو یہ تو ہے کہ علامہ سبکی نے ابوطاہر کو امام الفقہاء لکھا ہے وہابی صاحب بتائیں کہ ان کے پاس ان کی جرح پر کون سی دلیل ہے جس کی بنا پر حدیث کو ضعیف کہہ دیا۔ یہ محض مذہب پرستی ہے۔

ثالثاً: وہابی جی آنکھوں سے تعصب کی عینک اتار کر دیکھ لیں یہی روایت امام بیہقی نے اپنی سنن الکبریٰ میں بھی روایت کی ہے جس میں یہ دو راوی جن پر غیر مقلد کو اعتراض ہے موجود ہی نہیں بلکہ تمام رواۃ ثقہ ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"وَقَدْ اَخْبَرَنَا اَبُوْ عبد الله الحسين بن محمد بن الحسين بن فنجويه الدينوری بالدامغان ثنا احمد بن محمد بن اسحاق السنی انبأ عبد الله بن محمد بن عبد العزيز البغوی ثنا علی بن الجعد انبأ ابن ابی ذئب عن يزيد بن حضيفه عن السائب

بن یزید قَالَ کَانُوْا یَقُوْمُوْنَ عَلٰی عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رکعةً" ۔ الخ)

"یعنی حضرت سائب بن یزید سے ہے کہ صحابہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں رمضان مبارک میں بیس رکعت تراویح (باجماعت) پڑھتے تھے اس میں جن دوراویوں پر غیر مقلد کو اعتراض ہے وہ موجود ہی نہیں"۔

بیس تراویح پر روایت کی سند صحیح ہے:

اس روایت کو بیان کے بعد علامہ نیموں فرماتے ہیں رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ وَ اِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ ۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا اور اسناد اس کی صحیح ہے۔ (آثار السنن: ص۱۹۹) اسی صفحہ پر اس کے حاشیہ التعلیق الحسن میں پوری سند بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: قُلْتُ اِسْنَادُهٗ کُلُّهُمْ ثِقَاتٌ ۔ میں کہتا ہوں اس کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔ پھر بحوالہ ان کی توثیق ثابت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قُلْتُ هٰذَا الْاَثَرُ قَدْ صَحَّحَ اِسْنَادُهٗ غَیْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْحُفَّاظِ کَالنووی فِی الْخَلَاصَةِ وَابْنُ الْعِرَاقِیُّ فِیْ شَرْحِ التَّقْرِیْبِ وَالسُّیُوْطِیْ فِی الْمَصَابِیْحِ۔ ایضاً۔ ص ۲۰۰۔ میں کہتا ہوں اس اثر کی اسناد کو حفاظ سے کئی حضرات نے صحیح کہا ہے جیسا کہ علامہ نووی نے خلاصہ میں ابن عراقی شرح تقریب میں سیوطی نے مصابیح میں اسی طرح صاحب نصب الرایہ ج ۲، ص ۱۵۱ پر لکھتے ہیں۔

بیس تراویح کی روایت کی صحت پر علامہ نووی کی گواہی:

عَنِ السَّآئِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ کُنَّا نَقُوْمُ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَّالْوِتْرَ قَالَ النَّوَوِیُّ فِی الْخَلَاصَةِ اِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ ۔

حضرت سائب بن یزید سے ہے کہ فرمایا ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے نووی نے خلاصہ میں کہا کہ اسناد اس

کی صحیح ہے۔ اس پر غیر مقلد کے گھر کی گواہی بھی ملاحظہ ہو:

وحید الزمان غیر مقلد وہابی صاحب تسیر الباری ترجمہ وتشریح صحیح بخاری ج ۲، ص ۳۳۳ پر لکھتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صاحب سے بہ سند صحیح بیس رکعت پڑھنا منقول ہے۔ زجاجۃ المصابیح باب قیام شہر رمضان میں ہے: وَعَنِ السَّآئِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ کُنَّا نَقُوْمُ فِیْ عَھْدِ عُمَرَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَالْوِتْرِ ۔ رواہ البیہقی فی المعرفۃ واسنادہ صحیح قال النووی فی الخلاصۃ اسنادہ صحیح۔ سائب بن یزید سے ہے کہ ہم (صحابہ وتابعین) عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔ اسے امام بیہقی نے معرفت میں صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا اور علامہ نووی نے خلاصہ میں فرمایا کہ سند اس کی صحیح ہے۔

بیس تراویح کی صحت پر علامہ عراقی کی گواہی:

علامہ زین الدین ابی الفضل عبد الرحیم بن الحسین العراقی المتوفی ۸۰۶ ہجری اپنی طرح التثریب فی شرح التقریب الجزء الثالث کے صفحہ ۹۷ پر لکھتے ہیں:

وَفِیْ سُنَنِ الْبَیْھَقِیّ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ عَنِ السَّآئِبِ بْنِ یَزِیْدَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْـہُ قَالَ کَانُوْا یَقُوْمُوْنَ عَلٰی عَھْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً۔

اور سنن بیہقی میں باسناد صحیح حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے ہے کہ لوگ عمر بن خطاب کے زمانہ خلافت میں رمضان مبارک میں بیس رکعت قیام کرتے تھے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس قدر صحیح روایت جس کی صحت پر محدثین متفق ہیں کو ضعیف کہنا محض تعصب و مذہب پرستی ہے کہ دین پرستی۔

رابعاً: اسی روایت کو محدث علی ابن الجعد رضی اللہ عنہ نے جو کہ امام بخاری کے بھی اساتذہ سے ہیں اپنی مسند ابن الجعد طبع بروت ص ۴۱۳ پر انتہائی مختصر اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں یہ راوی موجود نہیں جن پر غیر مقلد کو اعتراض ہے ملاحظہ ہو:

”حدثنا علی انا ابن ابی ذئب عن یزید بن خُصَیْفَۃَ عَنِ

السَّآئِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ: كَانُوْا یَقُوْمُوْنَ عَلٰی عَهْدِ عُمَرَ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رَكْعَةً'' ۔ الخ

''حضرت سائب بن یزید سے ہے کہ فرمایا صحابہ کرام عہد فاروقی میں رمضان کے مہینہ میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے''۔ ایضاً

محدث جلیل عبدالرزاق رضی اللہ عنہ جو کہ امام بخاری رضی اللہ عنہ کے دادا استاد ہیں اپنی مصنف عبدالرزاق میں مختصر اسناد سے زیر بحث روایت کو بیان فرماتے ہیں:

عبد الرزاق عن الاسلمی عن الحارث بن عبد الرحمن ابن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال كنا ننصرف من القیام علی عهد عمر و قددنا فروع الفجر و كان القیام علی عهد عمر ثلاثة وعشرین ركعة۔ (ج۴، ص۲۶۱)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فجر کے قریب قیام رمضان یعنی تراویح سے فارغ ہوتے اور تھا قیام خلافت عمر میں بیس تراویح و تین وتر۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ معرفۃ السنن والآثار کی جس روایت پر غیر مقلد کو اعتراض ہے اس کے نہایت ثقہ متابع موجود ہیں جس سے اگر بالفرض ضعف مان لیا جائے تب بھی دور ہو جاتا ہے۔

خامساً: وہابی صاحب کا کہنا ہے کہ: خود علمائے احناف نے سبکی صراحت کے باوجود لکھا ہے کہ: **و كان مع ذلك فقیر**۔ یعنی اس کے باوجود ابو طاہر محتاج عدالت ہے۔

وہابی کی خیانت جھوٹ:

فقیر کہتا ہے ان مذکورہ دو سطروں میں وہابی جی کا جھوٹ بھی ہے اور خیانت و جہالت بھی جھوٹ یہ کہ علمائے احناف نے نہیں لکھا کہ: **و کان مع ذلك فقیر** بلکہ یہ علامہ سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں لکھا ہے علامہ نیموی حنفی تو محض ناقل ہیں۔ خیانت یہ کی کہ نیموی نے التعلیق الحسن میں علامہ سبکی کی جو عبارت ابو طاہر کے

متعلق تھی اسے آگے اور پیچھے سے چھوڑ کر صرف ایک جملہ لکھا وکان مع ذلک فقیرا اور اسے بھی علامہ نیموی حنفی کی طرف منسوب کر دیا پوری عبارت اس خوف سے نہ لکھی کہ کوئی سوال نہ کر دے کہ وہابی صاحب عبارت میں تو ابو طاہر کے احوال واوصاف خوب انداز سے مذکور ہیں پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ وہ مجہول الحال ہے جہالت کا مظاہرہ یہ کیا کہ فقیر کا معنی محتاج عدالت گھڑ دیا۔ حالانکہ یہ معنی اس کا ہرگز نہیں۔ نیز فقیراً کو فقیر لکھ دیا حالانکہ یہ کان کی خبر ہے منصوب لکھا جائے گا پھر عبارت سے معلوم ہو رہا ہے کہ لفظ فقیراً اس جگہ ابو طاہر کی مدح میں آیا ہے جس کا معنی ہے فقیر طبع جو معنی اس کا وہابی جی نے کیا اس سے، بجائے مدح کے ذم میں ہو جائے گا جبکہ کسی مسلمان کی خوبی کو برائی میں بدلنا عندالشرع سخت برا ہے۔

غیر مقلد نے ثقہ راوی کو مجہول کہہ دیا:

اب ہم بحوالہ حضرت ابو طاہر کی ثقاہت وعدالت کو ثابت کرتے ہیں پہلے ہم علامہ تاج الدین ابو نصر عبد الوهاب بن علی بن عبد الکافی السبکی الشافعی المتوفی ۷۷۱ کی عبارت لکھتے ہیں جس سے غیر مقلد کا جھوٹ وخیانت وجہالت عیاں ہو جائیں گے لکھتے ہیں:

> **محمد بن محمد بن محمش، بفتح الميم بعدها حاء مهملة ساكنة ثم ميم مكسورة ثم شين معجمة بن علی بن داؤد الفقيه الشيخ ابو طاهر الزيادی۔ امام محدثين و الفقهاء بنيسابور فی زمانه و كان شيخًا اديبًا عارفا بالعربية سلمت اليه الفقهاء الفتياء بمدينة نيسابور و المشيخة وله يدطولیٰ فی معرفة الشروط و مصنف فيه كتاباً و كان مع ذلك فقيراً وبقی يملی ثلاث سنين۔ ولد سنة سبع عشرة و ثلاثمائة وسمع الحديث سنة خمس و عشرين و ثلاثمائة وبعدها وتفقه سنة ثمان و عشرين۔ وسمع من ابی حامد بن بلال، و**

محمد بن الحسين القطان، و عبد الله بن بعقوب الكرمانى، والعباس بن قوهيار، ومحمد بن الحسن بن المحمد اباذى، و ابى عثمان عمرو بن عبد الله البصرى، وابى على الميدانى، و حاجب بن احمد الطوسى، وعلى بن حمشاذ، وابى العباس محمد بن يعقوب الاصم، وابى عبد الله محمد بن عبد الله الصفار، وادرك ابا حامد الشرقة ولم يسمع منه ۔ وروى عنه ابوعبد الله الحاكم وذكره فى تاريخه، وقدمات قبله، والحافظ ابوبكر البيهقى، وابوصالح المؤذن، والاستاذ ابوالقاسم القشيرى، وعبد الجبار بن برزة، و محمد ابن محمد السامانى، وعلى بن احمد الواحدى، و ابوسعد بن رامش، و ابوبكر ابن يحيى المزكى، والقاسم بن الفضل الثقفى و حديثه يعلو فى الثقفيات و خلق يطول ذكرهم ۔

۱ خ) (طبقات الشافعیہ الکبری الجزء الثانی ص ۴۷۰)

یعنی محمد بن محمد بن محمش فتح میم اس کے بعد حاء مھملہ ساکنہ ہے پھر میم مکسورہ پھر شین معجمہ ہے۔ بن علی بن داؤد۔ فقیہ شیخ ابوطاہر زیادی ہیں جو کہ امام المحدثین وفقہاء ہیں نیشاپور میں اپنے دور کے شیخ ادیب عارف بالعربی تھے فقہاء نے نیشاپور شہر میں اسے منصب افتاء اور مشیخت سونپ دیا تھا اور اسے معرفت شروط پر عبور حاصل تھا اس میں انہوں نے مکمل کتاب لکھی اس کے باوجود فقیر طبع تھے اور تین برس املاء کرتے رہے اور وہ تین سو سترہ ہجری کو پیدا ہوئے اور تین سو پچیس ۳۲۵ ہجری کو اور اس کے بعد سماع حدیث کا آغاز کیا اور فقہ کا حصول اٹھائیس برس میں شروع کیا اور اس نے ان اساتذہ سے حدیث کا سماع کیا۔ ابوحامد بن بلال اور محمد بن حسین قطان اور عبداللہ بن یعقوب الکرمانی اور عباس بن قوھیار اور محمد بن حسن محمد اباذی اور ابوعثمان عمرو بن عبداللہ بصری اور ابوعلی

میدانی اور حاجب بن احمد طوسی اور علی بن حمشاذ اور ابو عباس محمد بن یعقوب الاصم اور ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الصفار اور ابو حامد الشرقہ کو پایا مگر ان سے سماع نہ کیا۔ آپ کے تلامذہ جنہوں نے سماع حدیث کیا۔ ابو عبد اللہ حاکم اور اس نے ذکر کیا اس کا اپنی تاریخ میں اور ان سے پہلے فوت ہوئے اور حافظ ابو بکر البیہقی اور ابو صالح مؤذن اور استاذ ابو القاسم قشیری اور عبد الجبار بن برزہ اور محمد بن محمد سامانی اور علی بن احمد الواحدی اور ابو سعد بن رامش اور ابو بکر بن یحی المزکی اور قاسم بن فضل ثقفی اور اس کی حدیث ثقفیات میں بلند پایہ تھی اور ان کے علاوہ خلق کثیر نے سماع کیا جن کا ذکر طویل ہے۔ الحافظ الامام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذھبی المتوفی ۷۴۸ ہجری اپنی سیر اعلام النبلاء: ج ۱۷، ص ۲۷۶ پر حضرت ابو طاہر کے متعلق لکھتے ہیں۔ ابن محمش) الفقیہُ العلامۃ القدوۃ شیخ خرسان) ابو طاہر، محمد بن محمد ابن محمش بن علی بن داؤد الزیادی الشافعی النیسابوری الادیب کان یسکن بمحلۃ میدان زیاد بن عبد الرحمٰن فنسب الیھا، وکان والدہ من العابدین ولد ابو طاہر سنۃ سبع وعشرین وثلاث مائۃ، واسمعہ ابوہ سنۃ خمس وعشرین وبعدھا من ابی حامد بن بلال ومحمد بن الحسین القطان، عبد اللہ بن یعقوب الکرمانی، والعباس بن محمد بن قوھیار وابی عثمان عمرو بن عبد اللہ البصر ی، محمد بن الحسن المحمد اباذی، ومحمد بن عمر بن حفص الجوجیری، وعبدوس بن الحسین وابی العباس الامم، ابی علی المید انی، وحاجب بن احمد الطّوسی وعلی بن حمشاذ، ومحمد بن عبد اللہ الصفار، وعدۃ وکاد ان یسمع من ابن الشرقی۔ وکان اماماً فی المذاھب متبحراً فی علم الشروط، لہ فیہ مصنف بصیراً بالعربیۃ کبیراً الشان وکان امام اصحاب الحدیث ومسندھم ومفتیھم۔ یعنی ابن محمش، فقیہ علامہ قدوہ خراسان کے شیخ ہیں۔ ابو طاہر محمد بن محمد بن محمش بن علی بن داؤد الزیادی شافعی نیشا پوری ادیب ہیں یہ محلّہ میدان زید بن عبد الرحمٰن میں سکونت رکھتے تھے تو اس کی طرف منسوب ہوئے اور ان کے والد عابدوں سے تھے اور ان کے باپ نے انہیں ۳۲۵ ہجری میں اور اس کے بعد سماع حدیث کی غرض سے بھیجا ابو حامد بن بلال اور محمد بن حسین القطان اور عبد اللہ بن یعقوب کرمانی اور عباس

بن محمد بن قوھیار اور ابوعثمان عمرو بن عبداللہ بصری اور محمد بن حسن المحمد اباذی اور محمد بن عمر بن حفص الجور جیری اور عبدوس بن حسین اور ابو عباس الاصم اور ابوعلی میدانی اور حاجب بن احمد طوسی اور علی بن حمشاذ اور محمد بن عبداللہ الصفار اور ان کے علاوہ متعدد اساتذہ کے پاس اور قریب تھا ابن الشرقی سے سماع کرتے اور مذہب میں امام تھے اور علم شروط میں سمندر اس کی اس میں مستقل کتاب تھی اور عربی کے ماہر اور بڑی بلند شان والے تھے اور اصحاب حدیث کے امام اور ملجاء اور ان کے مفتی تھے۔

علاوہ ازیں عزالدین ابن الاثیر الجزری متوفی ۶۳۰ھ نے بھی انکا ذکر خیر اللباب فی تھذیب الانساب جزء ثانی ص ۸۴ پر کیا ہے اور ھدیہ العارفین ج ۲ ص ۵۹ پر اسماعیل البغدادی نے ان کا ترجم خوب الفاظ سے لکھا ہے مگر افسوس وھابی جی کی حقیقت پوشی پر کہ جس حضرت ابوطاہر محمد بن محمد بن محمش بن علی بن داؤد رضی اللہ عنہ کا محدثین کرام خوب انداز سے اچھے القاب واوصاف کے ساتھ ذکر کیا اور جرح پر ایک لفظ بھی نہیں کہا اسے مجہول کہے رہا ہے ایسے مذہب پرستوں متعصب لوگوں سے خیر کی امید کیا ہوسکتی ہے۔

سادساً۔ زیر بحث روایت کے ایک اور راوی ابوعثمان عمرو بن عبداللہ بصری کے بارے وہابی صاحب نے لکھا ہے کہ اس کا ترجمہ بھی کتب رجال سے نہیں ملتا۔

وہابی صاحبان تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں:

فقیر جواباً کہتا ہے ضرور ملتا ہے بشرطیکہ وہابی صاحبان تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں۔ چنانچہ (سیر اعلام النبلاء: ج ۱۷ ص ۳۶۴) پر علامہ ذھبی لکھتے ہیں:

> الامام القدوة الزاهد الصالح، ابوعثمان عمرو بن عبد الله بن درهم النيسا بوری المطوی الغازی المعروف بالبعری۔ سمع محمد بن عبد الوهاب الفراء واحمد بن معاذ وغيرهما۔ حدث عنه الحافظ ابوعلی وابو اسحاق المزکی وابو عبد الله بن مندة والحسن بن المؤمل وابو طاهر بن محمش،

والعلوی وآخرون۔

یعنی امام قدوہ زاہد صالح ہیں ابوعثمان عمرو بن عبداللہ بن درھم نیشاپوری مطوی غازی المعروف بصری انہوں نے سماع احادیث کیا محمد بن عبدالوھاب الفراء اور احمد بن معاذ سے اور ان دونون کے علاوہ سے بھی اور اس سے حدیث بیان کی حافظ ابوعلی اور ابواسحاق المز کی اور ابوعبداللہ بن مندہ اور حسن بن علی بن مؤمل اور ابوطاہر محمش اور علوی اور دیگر محدثین نے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابوعثمان عمرو بن عبداللہ بصری رضی اللہ عنہ جلیل القدر محدث تھے جس سے عظیم الشان محدثین نے احادیث کا سماع کیا لیکن غیر مقلدا سے مذہب پرستی میں مجہول کہہ رہا ہے۔ سابعاً۔ غیر مقلد کا یہ بھی خالصاً جھوٹ ہے کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجہول راوی کی وجہ سے کہا ہے کہ یہ روایت نام لینے کے قابل نہیں ہے چہ جائیکہ اس سے دلیل پکڑی جائے۔ اس مقام پر اصل بات یہ ہے کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہابیوں کی دلیل ابوحمید ساعدی کی روایت میں کئی خرابیاں ثابت کیں آخر میں نتیجۃً فرمایا۔ غرض یہ کہ اس حدیث میں ایک نہیں بہت خرابیاں ہیں۔ یہ منکر بھی ہے مضطرب بھی مدلس یا موضوع بھی ہے مجہول بھی ہے دیکھو حاشیہ ابوداؤد یہی مقام ایسی روایت تو نام لینے کے قابل بھی نہیں چہ جائیکہ دلیل پکڑی جائے۔ جاء الحق ج ۲، ص ۶۵ ۔ مگر وہابی جی نے اپنا مذہبی مقصد پورا کرنا تھا اس لئے باقی چھوڑ کر اپنے مقصد کا جملہ لکھ لیا آگے پھر ہماری روایت کے دوراویوں کو اپنے پاس سے مجہول کہہ دیا تا کہ لوگ دھوکا کھائیں کہ حنفی حضرات تو ایک راوی مجہول کی روایت قبول نہیں کرتے اس میں تو دوراوی مجہول ہیں یہ قابل قبول کیسے ہوئی اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۸ ملاحظہ ہو۔

ابن منیع نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں بیس تراویح باجماعت پڑھنے کا حکم دیا:

اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَهٗ اَنْ تُصَلِّیَ بِاللَّیْلِ فِیْ رَمَضَانَ قَالَ اِنَّ

النَّاسَ يَصُوْمُوْنَ النَّهَارَ وَلَا يُحْسِنُوْنَ اَنْ يَّقْرَءُوْا فَلَوْ قَرَاْتَ بِاللَّيْلِ قَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ هٰذَا شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ فَقَدْ عَلِمْتُ وَلٰكِنَّهٗ حَسَنٌ فَصَلّٰى بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً۔

حضرت عمر نے انہیں حکم دیا کہ تم لوگوں کو رات تراویح نماز پڑھاؤ کیونکہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور قرآن کریم اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے بہتر یہ ہے کہ تم ان پر قرآن پڑھا کرو رات میں حضرت ابی نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین یہ وہ کام ہے جو اس سے پہلے نہ تھا آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں لیکن یہ اچھا کام ہے تو حضرت ابی نے انہیں بیس رکعتیں پڑھائیں۔ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ عہد فاروقی سے پہلے مسلمانوں میں تراویح جاری تھی مگر با جماعت اہتمام سے ہمیشہ تراویح کا رواج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہوا اصل تراویح سنت رسول اللہ ہے اور جماعت کا اہتمام سنت فاروقی ہے۔

بیس تراویح پر تمام صحابی کا اجماع ہے:

دوسرے یہ کہ بیس رکعت تراویح پر تمام صحابہ کا اجماع ہوا کیونکہ حضرت ابی بن کعب نے تمام صحابہ کو بیس رکعت پڑھائیں۔ صحابہ کرام نے پڑھیں کسی نے اعتراض نہ کیا۔ تیسرے یہ کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے عرض کیا جماعت تراویح کی باقاعدہ جماعت اہتمام سے بدعت ہے اس سے پہلے نہ ہوئی۔ فاروق اعظم نے فرمایا بالکل ٹھیک ہے واقعی یہ بدعت ہے مگر اچھی ہے۔ چوتھے یہ کہ جو کام حضور کے زمانہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے اگرچہ عہد صحابہ میں رائج ہو کہ تراویح کی جماعت اگرچہ زمانہ فاروقی میں ہوئی مگر اسے بدعت حسنہ فرمایا گیا۔ نوٹ: وہابی نے اس حدیث کو اعتراض کی غرض سے مفتی صاحب کی چوتھی دلیل کے عنوان کے تحت لکھا ہے مگر اس کے متن کا ایسا حلیہ بگاڑا کہ اللہ کی پناہ یہ ہے ان نام نہاد اہلحدیثوں کا حال اگر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک لفظ کا آگا پیچھا ہو جائے تو شور ڈالتے ہیں لیکن خود کا یہ حال ہے کہ

حدیث کا حلیہ ہی بگاڑ کے رکھ دیا۔ اب وہابی صاحب کا اعتراض ملاحظہ ہو لکھتے ہیں۔ مفتی صاحب کو اقرار ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والے ابن منیع ہیں۔ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی سن وفات ۱۹ ہجری ہے (الکمال فی اسماء الرجال) ص ۵۸۶۔ امام احمد بن منیع بن عبدالرحمٰن البغوی کی پیدائش سن ۱۶۰ اور وفات ۲۴۴ ہجری میں ہوئی تھی (تہذیب التہذیب: ج۱ ص۳۷ طبع جدید) اور درمیان میں تقریباً ڈیڑھ صدی کا زمانہ ہے تو دریں صورت ابن منیع کی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور سماع نہ ہوا لہٰذا یہ روایت منقطع ٹھہری اور کسی بھی روایت کا مقطع (صحیح منقطع ہے) ہونا اس کی عدم صحت کے لئے کافی ہے جیسا کہ خود مفتی صاحب کو اقرار ہے جس کی ضروری تفصیل مفتی صاحب کی دوسری دلیل میں گزر چکی ہے۔ نام نہاد دین الحق: ص ۵۳۳۔

غیر مقلد جھوٹ سے ذرا نہیں شرماتا:

الجواب اولاً۔ اصل بات یہ ہے کہ غیر مقلد جھوٹ بولتے ذرا نہیں شرماتے یہی وجہ ہے کہ اپنا مقصد پورا کرنے کو جھوٹ بول کر منسوب مفتی صاحب کی طرف کر دیتے ہیں اس جگہ کہہ رہے ہیں کہ منقطع روایت کی عدم صحت کا مفتی صاحب کو اقرار ہے حالانکہ جاء الحق کے جس مقام کا حوالہ وہابی صاحب نے دلیل نمبر۲ کے تحت دیا ہے وہاں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مخصوص منقطع روایت کی عدم صحت کا کہا ہے جس کے راوی محمد بن عمرو بن عطاء نے پورا واقعہ پاس سے گھڑا کہ میں نے حضرت ابوحمید ساعدی کو دس صحابہ جن میں ابوقتادہ بھی موجود تھے کہتے سنا حالانکہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ان کی پیدائش سے بھی پہلے خلافتِ حضرت علی میں شہید ہو چکے تھے۔ لہٰذا اس روایت کو اس پر محمول کرنا راہِ فرار لینا ہے۔

ثانیاً: وہابی صاحب مفتی صاحب کا مقلد نہیں کہ اس کی بات کو دلیل بنائے ان کا دعویٰ ہے ہم اہلحدیث کسی کی تقلید نہیں کرتے ہم قرآن وحدیث مانتے ہیں ہماری دلیل صرف قرآن وحدیث ہے لہٰذا نہیں چاہئے کہ قرآن وحدیث سے منقطع کی تعریف مع

الحکم پیش کریں۔

ثالثاً: امام ابن منیع بہت بڑے محدث حافظ وثقہ ہیں ابن حجر نے انہیں ثقہ حافظ تسلیم کیا ہے تقریب التہذیب ص ۱۷) لہٰذا ان کی منقطع روایت حجت ہے انہوں نے درمیان کے رواۃ کو تب ہی حذف کیا کہ ان کے نزدیک ثقہ تھے۔

رابعاً: اس روایت کے شواھد موجود ہیں جن سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا دور فاروقی میں بیس رکعت تراویح پڑھانا مذکور ہے لہٰذا یہ قابل حجت ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"حدثنا حمید بن عبد الرحمن عن حسن عن عبد العزیز بن رفیع قال: کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلاثٍ"۔ (ج ۲، ص ۲۸۵)

"عبدالعزیز بن رفیع سے ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو رمضان مبارک میں مدینہ شریف میں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے"۔

اور تین وتر امام ابن ابی شیبہ اپنی سند سے ایک روایت بیان کرتے ہیں:

"وکیع عن نافع عن بن عمر قال کان ابن ابی ملیکة یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة"۔ الخ (مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۲، ص ۲۸۵)

"حضرت نافع ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کرتے حضرت ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے"۔

علامہ نیموی فرماتے ہیں رواہ ابوبکر بن ابی شیبہ واسنادہ صحیح۔ آثار السنن ص ۲۰۱ ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا اور اسناد اس کی صحیح ہے۔ علامہ بغوی کی شرح السنہ کے حاشیہ پر ہے۔ واسنادہ صحیح۔ ج ۴، ص ۱۲۲۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

بیس تراویح کی صحت پر غیر مقلدوں کے گھر کی گواہی:

خود غیر مقلدوں کے علامہ وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

صاحب سے بہ سند صحیح بیس رکعت پڑھنا منقول ہے ترجمہ وتشریح صحیح بخاری ج ۲، ص ۳۳۳۔ امام ترمذی اہل علم کا تراویح کے متعلق معمول لکھتے ہیں جس میں آٹھ تراویح کا ذکر تک نہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

> **واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرأی بعضهم ان یصلی احدی واربعین رکعة مع الوتر وهو قول اهل المدینة والعمل علی هذا عندهم بالمدینة واکثر اهل العلم علی ما روی عن علی و عمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعةً وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعةً ۔ جامع الترمذی جلد اوّل باب ما جاء فی قیام شهر رمضان ۔**

اور اختلاف کیا اہل علم نے قیام رمضان میں بعض کے نزدیک ہے کہ وتروں کے ساتھ اکتالیس رکعتیں پڑھی جائیں یہ قول اہل مدینہ کا ہے اور ان کے ہاں مدینہ میں اسی پر عمل ہے اور اکثر اہل علم اس پر ہیں جو روایت ہوئی حضرت علی اور حضرت عمر اور ان کے علاوہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت اور یہی قول سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے امام شافعی نے فرمایا کہ میں اسی پر اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو پایا کہ وہ بیس رکعت تراویح پڑھتے۔ یہی امام بغوی شرح السنہ ج ۴، ص ۱۳۲، ۱۳۳ پر لکھا ہے فائدہ اول اس سے معلوم ہوا کہ امام ترمذی کے نزدیک حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیس رکعت تراویح کا معمول ثابت بیس رکعت تراویح سے کم کسی کا معمول نہیں رہا اس بحث کے آخر میں ہم عرض کرتے ہیں خود وہابیوں کے امام ابن تیمیہ کو بھی حضرت ابی بن کعب کے بیس تراویح پڑھانے کا اقرار ہے چنانچہ اپنے فتاویٰ الکبریٰ ج ۱، ص ۱۷۶ پر لکھتے ہیں قام بهم ابی کعب فی زمن عمر بن الخطاب عشرین رکعة۔ یعنی حضرت

ابی بن کعب (صحابہ تابعین) کے ساتھ بیس رکعت تراویح قیام کیا۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۹ پیش کرتے ہیں۔۔

حضرت علی نے اپنی خلافت میں بیس تراویح کا حکم دیا:

بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی سے روایت کی۔

عن علی رضی اللہ عنہ دعا القرآء فی رمضان فامر منهم رجلاً یصلی بالناس عشرین رکعة قال و کان علی رضی اللہ عنہ یوتر بهم۔

کہ علی رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھاؤ حضرت علی انہیں وتر پڑھاتے تھے۔ اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض۔ روایت کی اصل الفاظ ملاحظہ کیجئے۔ بیہقی نقل کرتے ہیں کہ: یعنی جو فقیر نے تصحیح کے ساتھ روایت کو اوپر لکھ دیا۔ آگے وہابی صاحب لکھتے ہیں۔

قارئین کرام! ملاحظہ کریں مفتی صاحب نے متن روایت میں کتنا تصرف کیا ہے عن کو ان اور رضی اللہ عنہ کو ابن ابی طالب بنا دیا ہے اور **یوتر بهم** کا اصلی معنی چھوڑ دیا ہے اور خمس ترویحات اپنی طرف سے داخل کر دیا ہے اور **یوتر بهم** کا معنی کیا ہے انہیں وتر پڑھاتے تھے۔ یہ ہیں علم کے ٹھیکے دار جن پر یہ مثل صادق آتی ہے لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل۔

الجواب اولاً: روایت کے صحیح ترجمہ سے واضح ہے کہ متن میں غلطی مصنف جاء الحق رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں کیونکہ آپ نے ترجمہ بالکل صحیح متن کے مطابق کیا ہے جو متن حدیث درست کر کے ہم نے اوپر لکھا ہے۔

لہٰذا یہ غلطی کاتب کی ہے اور یہ قرین القیاس بھی ہے کیونکہ جو الفاظ اس جگہ غلط لکھے گئے وہ اس کے ساتھ ہی آگے والی روایت کے ہیں جو کاتب کی غلطی سے یہاں لکھے گئے ہیں۔

ثانیاً: وہابی صاحب نے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر متن روایت میں تصرف کا الزام لگایا مگر یہ بھی بتاتے کہ مفتی صاحب کی غرض اس سے کیا تھی جب کہ اس کی دلیل میں دیئے گئے صحیح متن میں ان کا موقف واضح ہے اصل میں وہابی صاحب دوسروں کو خود پر قیاس کرتا ہے نیز وہابی جی مفتی صاحب پر الزام تراشی سے پہلے اپنے گریبان کو جھانک کر دیکھے ابھی پیچھے ہم نے حدیث میں اس کی فحش غلطی کی نشاندہی کی ہے۔

ثالثاً: وہابی نے یہ الزام بھی جھوٹا لگایا ہے کہ مفتی صاحب (یُوْتِرُبِھِمْ) کا غلط ترجمہ کیا ہے فقیر کہتا ہے اگر وہابی اپنے اس دعویٰ میں سچا تھا تو بتا دیتا کہ اس کا صحیح معنیٰ کیا ہے یہ محض لوگوں کو دھوکا دینے کی حرکت ہے غیر مقلد کا دوسرا اعتراض۔ اس کی سند میں حماد بن شعیب راوی ہے اس کے بارے میں علامہ ذھبی لکھتے ہیں۔

> ضَعَّفَهُ اِبْنُ مُعِيْنٍ وَقَالَ يَحْيٰى لَا يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ فِيْهِ نَظَرٌ وَّقَالَ النِّسَآئِيُّ ضَعِيْفٌ وَّقَالَ اِبْنُ عدى اَكْثَرُ حَدِيْثُهٗ مِمَّا لَا يُتَابِعُ عَلَيْهِ وَقَالَ الْعَقِيْلِىُّ لَا يُتَابِعُهٗ اِلَّا مَنْ هُوَ دُوْنُهٗ اَوْ مِثْلُهٗ وَقَالَ اِبْنُ حَاتِمٌ لَيْسَ بِالْقَوِىِّ ۔ (میزان: ج۱، ص۵۹۶) ۔

اس کی امام ابن معین نے تضعیف کی ہے اور امام یحی فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث لکھی ہی نہ جائے امام بخاری کا کہنا ہے کہ فیہ نظر امام نسائی فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے اور ابن عدی نے کہا کہ اس کی اکثر روایات کا کوئی متابع موجود نہیں اور عقیلی فرماتے ہیں کہ کوئی اس کا متابع نہیں مگر اس سے بھی بدتر اور امام ابوحاتم انہیں لیس بالقوی یعنی احادیث میں پختہ نہیں) قرار دیتے ہیں۔ علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ قلت حماد بن شعیب ضعیف ہے۔ اس کے بعد نیموی صاحب نے اپنی بات کو مدلل کرنے کی غرض سے میزان کی مذکورہ عبارت کو نقل کیا ہے جس میں امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ بھی موجود ہے کہ فیہ نظر اور امام ابن ہمام حنفی نے اپنی تالیف التحریر میں صراحت کی ہے کہ جس راوی کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فیہ نظر کہیں اس سے احتجاج نہ کیا

جائے ان کے الفاظ ہیں:

’’اِذْ قَالَ الْبُخَارِیُّ فِیْهِ نَظَرٌ فَحَدِیْثُهٗ لَا یُحْتَجُّ بِهٖ وَلَا یُسْتَشْهَدُ بِهٖ وَلَا یُصْلِحُ لِلْاِعْتِبَارِ ‘‘ بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۲ص ۷۵۔

یعنی جس راوی کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فیہ نظر کے الفاظ کہہ دیں تو اس کی روایت سے نہ تو احتجاج کیا جا سکتا ہے اور نہ بطور شاید کے پیش کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی وہ اعتبار کے لائق ہوتی ہے۔ نام نہاد دین الحق ۵۳۴ھ

الجواب اولاً۔ امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ اکثر اہل علم کا عمل بیس تراویح پر ہے جو کہ مروی ہے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے لہٰذا اس روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور جس روایت کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو وہ قوی اور قابل حجت ہو جاتی ہے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں متعدد علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل علم کی موافقت حدیث شریف کی صحت کی دلیل بن جاتی ہے اگر چہ اس کے لئے کوئی سند قابل اعتماد نہ ہو تعقبات علی الموضوعات ۱۲۔

ثانیاً: اس روایت کو اس سے بھی قوت ملتی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے (شاگردوں) رمضان شریف میں لوگوں کو بیس تراویح کے ساتھ تین وتر پڑھاتے تھے جیسا کہ امام بیہقی اپنی سند سے بیان کرتے ہیں ورویناعن شیر بن شکل وکان من اصحاب علی رضی اللہ عنہ

’’اِنَّهٗ كَانَ یَؤُمُّهُمْ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رَكْعَةٍ وَیُوْتِرُ بِثَلَاثٍ وَّفِیْ ذٰلِكَ قُوَّةٌ‘‘ (لما اخبر نا) ابوسنن سنن البیہقی ج ۲ص ۴۹۶ بن لافضل القطان بغداد)

اور روایت کی ہم کو شتیر بن شکل سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب (شگردوں) سے تھے کہ وہ لوگوں کی امامت کرتے تھے رمضان شریف میں بیس تراویح کے ساتھ تین وتر پڑھتے۔ امام بیہقی نے فرمایا کہ اس میں قوت ہے اس کے لئے جو ہم کو روایت کی ابوالحسن بن فضل القطان بغداد نے میں آگے پوری سند سے زیر بحث روایت کو

بیان کیا اب بیہقی شریف نے حضرت ابوالحسناء سے روایت کی۔

”اَنَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اَمَرَ رَجُلًا یُّصَلِّیْ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ تراویح یعنی بیس رکعت پڑھائیں۔ اس پر غیر مقلد کے اعتراض ملاحظہ ہوں لکھتے ہیں۔ مفتی صاحب نے امام بیہقی کے الفاظ نقل کرنے میں بددیانتی کی ہے کیونکہ انہوں نے نقل روایت کے بعد آگے اپنا محدثانہ فیصلہ بھی دیا ہے کہ فی ھذا الاسناد ضعف (السنن الکبریٰ للبیہقی (صحیح بیہقی ہے) ج ۲ ص ۴۹۷) یعنی اس کی سند ضعیف ہے، مفتی صاحب اس محدثانہ فیصلہ کو جان بوجھ کر حذف کر گئے ہیں۔ انا اللہ (صحیح انا للہ ہے)

ثانیاً: مذکورہ جرح پر نقد کرتے ہوئے علامہ ابن الترکمانی حنفی فرماتے ہیں کہ

الاظھر ان ضعفہ من جھۃ ابی سعد سعید بن المرزبان البقال فانہ متکلم فیہ فان کان کذٰلك فقد تابعہ علیہ غیرہ قال ابن ابی شیبۃ ثنا وکیع عن الحسن صالح عن عمرو بن قیس ابی الحسناء ان علیا الخ (الجوھر النقی ج ۲ ص ۴۹۶)

واضح رہے کہ اس سند کا ضعف سعید بن مرزبان کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ متکلم فیہ ہے اگر بات یہی ہے تو اس کا متابع موجود ہے جیسا کہ امام ابن ابی شیبہ نے وکیع عن الحسن عن عمرو عن ابی الحسناء کے طریق سے روایت کی ہے (انتھی) علامہ ابن الترکمانی کا یہ معارضہ کئی وجہ سے مردود ہے۔

اولاً: بات صرف ابوسعد البقال کی نہیں بلکہ ان کے استاد ابی الحسنا بھی متکلم فیہ ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ۔ مجہول الحال اور ساتویں طبقہ کے راویوں سے ہے (تقریب ص ۲۹۴ فی الکنی) حافظ صاحب کی اس صراحت سے معلوم ہوا کہ ابی الحسناء مجہول ہونے کے علاوہ اس کا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد سے سماع بھی ثابت نہیں ہے کیونکہ

ساتواں طبقہ اتباع التابعین کا ہے جیسا کہ خود انہوں نے مقدمہ میں صراحت کی ہے کہ کبار اتباع التابعین کمالک والثوری (مقدمہ تقریب ص ۳) یعنی یہ کبار اتباع تابعین کا ہے جیسے امام مالک اور سفیان ثوری ہیں۔ گویا یہ روایت سنداً منقطع ہے۔

ثانیاً: فریق ثانی پہ لازم ہے کہ وہ کتب رجال سے ایسے ابی الحسناء کی نشاندہی کرے جس کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہو اور اس کے شگرد عمرو بن قیس اور ابوسعد البقال ہوں۔ محض یہ کہہ دینے سے کہ ابن ابی شیبہ میں ابوسعد کا عمرو بن قیس متابع موجود ہے بات نہیں چلے گی کیونکہ ابوسعد بقال اور عمرو بن قیس جو بظاہر ابوالحسناء کے شگرد معلوم ہوتے ہیں ان دونوں کی سندوں میں عن ابی الحسناء کا لفظ موجود ہوتا ہے اور عن کے متعلق اصول حدیث میں یہ صراحت ہے کہ اس لفظ کے ساتھ روایت کرنے کی صورت میں راوی مروی عنہ کے مابین لقاء اور عدم القاء سماع اور عدم سماع دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ:

> وعنعنة المعاصر محمولة على السماع بخلاف غير المعاصر فانها تكون مرسلة اومنقطعة فشرط حملها على السماع ثبت المعاصر الامن المدلس فانها ليست محمولة على السماع

(شرح نخبہ ص ۹۸)

یعنی معاصر کا ہیں۔ اس کا عن عن تو مرسل منقطع ہوگا۔ لہٰذا کسی راوی کے عن عن کو سماع پر محمول کرنے کے لئے (معاصرت کا ثبوت شرط ہے یہاں اگر راوی مدلس ہو تو معاصرت کے ثبوت کے باوجود) اس کا عن عن سماع پر محمول نہیں ہوگا۔ انتھی) اس اصول پر خاصی طویل اور پر مغز گفتگو کے بعد مولانا نذیر احمد رحمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اگر اصول کی یہ باتیں ذہن نشین ہوگئی تو اب سنئے کہ جب آپ پورے جزم یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ابوسعد بقال کی متابعت عمرو بن قیس نے کی ہے تو اس کا معنی یہ ہوا کہ آپ یہ بھی دعویٰ کر رہے ہیں کہ ابوسعد بقال اور عمرو بن قیس دونوں ابوالحسناء کے

معاصر ہیں اور یہ روایت انہوں نے بلا ارسال وانقطاع کے براہ راست ابوالحسناء سے لی ہے۔ لیکن کیا ان دعوؤں میں سے کوئی ایک دعویٰ بھی آپ رجال کی کتابوں سے ثابت کر سکتے ہیں؟ اور ایک آپ کیا میں کہتا ہوں کہ اگر سارے علماء احناف مل کر بھی زور لگائیں تو ان دعوؤں کا ثبوت رجال کی کتابوں سے ناممکن ہے اس لئے کہ رجال کی تمام متداول کتابیں کھنگال ڈالئے آپ کو کہیں بھی کسی ایسے راوی کا تذکرہ نہیں ملے گا جس کا نام یا کنیت ابوالحسناء ہو اور اسکے استاذ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور شگرد ابوسعد بقال اور عمرو بن قیس ہوں انوار مصابیح بجواب رکعات تراویح ص ۲۸۶)۔ نام نہاد دین الحق ص ۵۳۵ تا ۵۳۷۔

الجواب اولاً۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خیانت تو تب بنتی کہ وہ متن راویت میں کمی وزیادتی کرتے نیز اس جگہ ان کا عنوان حدیث سے دلائل دینا ہے نہ کہ محدثین کے اقوال پیش کرنا۔

ثانیاً: وہابی صاحب کو موافق مذہب کے وقت تو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا محدثانہ فیصلہ نظر آیا لیکن اسی باب میں جو امام بیہقی نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد شتیر بن شکل کا رمضان مبارک میں لوگوں کو بیس تراویح پڑھانا اس روایت کو قوت دیتا ہے جو عطاء بن سائب کے طریق عن ابی عبدالرحمٰن سلمی عن علی رضی اللہ عنہ عنہ مروی ہے۔ جس میں ہے کہ حضرت علی نے ایک شخص کو رمضان میں لوگوں کو بیس تراویح پڑھانے کا حکم دیا نظر نہ آیا کیونکہ یہ خلاف مذہب ہے تو وہابی صاحبان خلاف مذہب کسی کی نہیں مانتے۔

ثالثاً: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

(وَاَکْثَرُ اَھْلُ الْعِلْمِ عَلٰی مَا رُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ وَّ عُمَرَ وَ غَیْرِھِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً)۔

اور اکثر اہل علم کا عمل اس پر ہے جو حضرت علی اور حضرت عمر اور ان دو کے علاوہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے بیس رکعت اس سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح کو بیان کرنے والے کئی صحابہ رضوان اللہ علیہم ہیں اور پھر ان سے بے شمار تبع تابعین نے

بیان کیا اور اسے معمول بنایا اسی طرح یہ سلسلہ ہم تک جاری ہے مسلمان اس پر مشرق مغرب اور شمال جنوب میں عمل کرتے ہیں رمضان مبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں لہٰذا یہ روایت جو تواتر کو پہنچی ہوئی ہے اور یہ اصول حدیث ہے کہ خبر متواتر کے راویوں پر بحث نہیں ہوتی اسے قبول کرنا واجب ہوتا ہے۔

جس حدیث کو امت قبول کر لے درجہ تواتر کو پہنچ جاتی ہے

امام سخاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں جب امت کسی ضعیف حدیث کو قبول کر لے تو صحیح یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے گا اور وہ حدیث شریف بمنزلہ حدیث متواتر ہوگی اور اس سے قطعی حکم کو منسوخ کر دیا جائے گا۔ (فتح المغیث ج ۱ ص ۳۳۳)۔

جب امت کے عمل ضعیف حدیث کو متواتر کا درجہ مل جاتا جو ہو ہی متواتر خلفائے ثلاثہ کے دور میں بے شمار صحابہ نے بیس تراویح کو معمول با جماعت بنایا۔

رابعاً: اگر ابو الحسناء مجہول ہے تو پھر حافظ ابن حجر نے اسے ساتویں طبقہ میں کیسے شمار کیا اسے یہ کیونکر معلوم ہوا یہ ساتویں طبقہ کے دور میں ہوا ہے۔

خامساً: ہم ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ابو الحسناء مجہول نہیں ان کا ترجمہ موجود ہے۔

چنانچہ۔ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۳۳ کے صفحہ ۲۴ تا ۲۴۹ پر حافظ جمال الدین لکھتے ہیں:

ابو الحسناء الکوفی اسمہ الحسن، ویقال الحسین روی عن الحکم بن عتیبة، روی عنه شریك بن عبد الله النخعی روی له ابو داوٗد، والترمذی والنسائی فی (مسند علی) وقد وقع لنا حدیث بعلو اخبرنا به ابو الفرج بن قدامة وابو الحسن ابن البخاری، و ابو الغنائم بن علانٍ، واحمد بن شیبان و زینب بنت مکی، قالوا اخبرنا حنبل بن عبد الله قال اخبرنا ابو القاسم بن الحصین قال اخبرنا ابو علی المذهب، قال اخبرنا ابو بکر ابن مالك، قال حدثنا عبد الله بن احمد، قال حدثنی عثمان ابن

ابی شیبة، قال حدثنا شريك، عن ابی الحسناء عن الحكم عن حنشٍ، قال رأيت علی بن ابی طالب يضحی بكبشين فقلت له ما هذا؟ فقال: اوصانی رسول الله ان اضحی عنه ۔ رواه ابو داؤد عن عثمان فوافقناه فيه بعلو ورواه الترمذی والنسائی عن محمد بن عبيد المحاربی عن شريك نحوه فوقع لنا بدلاً علياً وقال الترمذی غريب لا نعرفه الا من حديث شريك ۔ امام ابو البشر محمد بن احمد بن حماد الدولابی المتوفی ۳۱۰ ہجری نے حضرت ابو الحسناء کا ترجمہ اپنی الکنی والاسماء ج۱، کے ۳۲۴ پر اپنی سند۔ کے ساتھ یوں بیان کیا ہے: حدثنا العباس بن محمد عن یحییٰ بن معين قال: ابو الحسناء روى عنه شريك والحسن بن صالح كوفی۔

ماشاءاللہ کیا خوب ترجمہ (حال) ہے امام ابو الحسناء رضی اللہ عنہ کا جس سے معلوم ہوا کہ ان کے دو معروف وثقہ شاگرد ہیں شریک بن عبداللہ نخعی اور حسن بن صالح کوفی اور ان کی روایت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے منقطع نہیں بلکہ بواسطہ حکم بن عتیبہ عن حنش اور حضرت حنش فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضرت علی کو دو مینڈھے قربانی کرتے دیکھا۔ مگر وہابی کی جہالت دیکھو کہ انہیں مجہول اور ان کی روایت کو منقطع کہہ رہا ہے۔

سادساً: محدثین وفقہاء کرام نے کلیہ بیان کیا ہے جس سے دو ثقہ راوی روایت کر لیں وہ مجہول نہیں رہتا بلکہ معروف ہو جاتا ہے۔

(۱) واقل ما ترتفع به الجهالة ان يروى عن الرجل اثنان من المشهورين بالعلم التصرليف من قسم السنن الى الصحيح والضعيف ج۱، ص ۲۷۷۔ یہی خطیب بغدادی نے کہا ہے۔

(۲) النكت على مقدمه ابن الصلاح۔ ص۲۶۵۔

(۳) ومن روى عنه عدلان وعيناه لا فقد ارتفعت عنه عنده الجهالة النكت على مقدمه ابن الصلاح للامام بدر الدين محمد بن عبد الله

بن بهادر الذر کشی۔ص۲۶۴

(۳)وعبارة الدارقطنی: من روی عنه ثقتان فقد ارتفعت جهالته وثبتت عدالته (فتح المغیث شرح الغیة الحدیث للامام شمس الدین محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاوی جلد ۱ ص ۳۵۱ طبع دار الکتب العلمیه بیروت لبنان)

(۴) (واقل ما یرفع الجهالة) عنه (روایة اثنین مشهورین) فاکثر عنه (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی جلد۱ص۲۷۳ للامام جلال الدین السیوطی طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۵) ثم من روی عنه عدلان عیناه ارتفعت جهالة عینه

(تقریب النواوی جلد۱ص۱۷۲)

(۶) قال الخطیب: المجهول عند اهل الحدیث من لم یعرفه العلماء ولا یعرف حدیثه من جهة واحد واقل ما یرفع الجهالة روایة اثنین مشهورین (تقریب النواوی جلد۱ص۲ ۱۷ تاص۱۷۳ للشیخ الاسلام ابوزکریا النواوی)۔

(۷) ان الراوی قد یخرج عن کونه مجهولا مردودا بروایة واحدة عنه (مقدمه ابن صلاح فی علوم الحدیث لابن صلاح ص۱۶۰)

مذکورہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ جس سے دو ثقہ راوی روایت کر لیں اس سے جہالت اٹھ جاتی ہے عدالت ثابت ہو جاتی ہے اس کلیہ کے تحت بھی حضرت ابوالحسناء کی عدالت ثابت ہے کیونکہ ان سے دو ثقہ راویوں کا روایت کرنا ثابت ہو چکا ہے۔

سابعاً: اس وہابی سے قبل اس کے بڑے ناصر الدین البانی نے بھی علامہ ذھبی و حافظ ابن حجر کی تقلید میں ابوالحسناء کی جہالت کا دعویٰ کیا تھا جس کے جواب میں الشیخ اسماعیل بن محمد انصاری نے لکھا جو اس جگہ کی مناسبت سے نقل کر دیتا ہوں:

واما اعتماد الالبانی فی اثر ابی الحسناء علی الذهبی فی ابی الحسناء لا یعرف و قول الحافظ فیه مجهول ۔ فالجواب عنه

ان الدولابی روی فی الاسماء والکنی) عن العباس بن محمد عن یحییٰ بن معین انه قال: ابو الحسناء روی عنه شریك والحسن بن صالح الکوفی ، والمقرر فی قواعد الحدیث ان روایة اثنین عن الراوی ترفع عنه اسم الجهالة کما بینه الدار قطنی فی (سننه) وابن عبد البر (فی الاستذکار) والخطیب (فی الکفایة) وغیرهم ۔ تصحیح حدیث صلاۃ التراویح عشرین رکعة والرد علی الالبانی فی تضعیفه) ص٢٦۔

ناشر دار الافتاء بالریاض سعودی عرب، ۔یعنی البانی کا ذھبی کے قول کہ ابوالحسنا کا حال معلوم نہیں اور اس کے بارے میں حافظ ابن حجر کے قول کہ مجہول ہے پر اعتماد کر کے ابوالحسناء کی روایت کو ضعیف کہنا۔ تو اس کا جواب ہے کہ علامہ دولابی نے (الاسماء والکنی) میں روایت کیا عباس بن محمد سے اس نے یحیٰ بن معین سے اس نے بیان کیا کہ ابوالحسناء سے شریک اور حسن بن صالح کوفی نے روایت کیا اور یہ قواعد حدیث میں ثابت ہے کہ جس راوی سے دو شخص روایت کریں اس پر سے جہالت کا اطلاق اٹھ جاتا ہے جیسا کہ دار قطنی نے اسے اپنی سنن اور ابن عبد البر نے (الاستذکار) اور خطیب نے الکفایہ میں بیان کیا اور ان کے علاوہ نے بھی۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موقف بیس رکعت تراویح پر احادیث سے دلائل دینے کے بعد فرمایا کہ۔ بطور نمونہ چند حدیثیں پیش کی گئیں ورنہ بیس رکعت کی احادیث بہت ہیں اگر شوق ہو تو ہماری لمعات المصابیح اور صحیح البہاری ملاحظہ کریں اس پر غیر مقلد کے اعتراض لکھتے ہیں۔

قارئینِ کرام: اولاً مفتی صاحب نے صرف ایک حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی پیش کی ہے جو محدثین اور علمائے احناف کے علاوہ خود گجراتی خراد پر بھی ضعیف ہے اور صحیح حدیث کے مخالف و معارض بھی ہے اور پانچ آثار پیش کئے ہیں جن کے ضعیف و مردود

اور منقطع السند ہونے کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ثانیاً: رہا یہ کہ فلاں فلاں کتاب کا مطالعہ فرمایئے۔

تو ہم اپنے قارئین کو جزو یقین (صحیح جزم و یقین ہے) کے ساتھ بتاتے ہیں کہ یہ مفتی صاحب نے رعب جمانے اور فتح حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کیونکہ اگر ان میں کوئی صحیح حدیث موجود ہوتی تو مفتی صاحب یقیناً اسے پیش کرتے اور ایسی روایت (ابن عباس رضی اللہ عنہما) قطعاً پیش نہ کرتے جس کے راوی کو وہ خود جاء الباطل (جاء الحق) میں ضعیف کہے چکے تھے ان کا ضعیف راوی کی روایت کو پیش کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ ان کے کسی دلائل میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اکابر احناف نے پرزور الفاظ میں لکھا ہے کہ نماز تراویح گیارہ رکعات ہی ہیں چنانچہ ملا علی قاری مشکوٰۃ کی شرح میں فرماتے ہیں:

ان التراویح فی الاصل احدی عشر بالوتر فی جماعة فعله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ۔ (مرقاۃ بحوالہ حاشیہ مشکوہ ص ۱۱۵)

بلاشبہ نماز تراویح اصل گیارہ رکعات ہی ہے وتر اور جماعت کے ساتھ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھیں (آٹھ تراویح اور تین وتر) علامہ ابن ہمام ھدایہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

ان قیام رمضان سنة احدی عشرة رکعة بالوتر فی جماعة فعله صلی اللہ علیه وسلم ۔ (فتح القدیر: ج ۱، ص ۴۰۷)

ترجمہ وہی ہے جو ملا علی قاری کی عبارت کا ہے) علامہ شامی درمختار کی شرح میں لکھتے ہیں:

وذکر فی الفتح ان مقتضی الدلیل کون المسنون منها ثمانیة والباقی مستحبا (فتاویٰ شامی ج ۲، ص ۴۵)

یعنی فتح میں ذکر کیا گیا ہے کہ دلیل کے اعتبار سے تراویح آٹھ رکعت ہی مسنون ہے

اور باقی مستحب۔ زین الدین الشہیر بابن نجیم حنفی کنز الدقائق کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

قد ثبت ان ذلك كان احدى عشرة ركعة كما ثبت في الصحيحين من حديث عائشه فاذن يكون المسنون على اصول مشائخنا ثمانية منها والمستحب اثنا عشرة۔

البحر الرقائق (صحیح البحر الرائق ہے) ج۲، ص۶۷

یعنی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ (نماز تراویح) وتر کے ساتھ گیارہ رکعات ہی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہے لہٰذا ہمارے مشائخ کے اصول کے مطابق آٹھ مسنون اور بارہ رکعات مستحب ہیں۔ (انتھی) (نام نہاد دین الحق ص ۵۳۸ تا ۵۳۰)

خلفائے راشدین کے دور میں بالاتفاق صحابہ بیس تراویح باجماعت پڑھی جاتی تھیں:

الجواب اولاً: خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے مبارک دور میں بیس رکعت تراویح باجماعت پڑھا جانا اور کسی صحابی کا اس پر اعتراض نہ کرنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی صحت کو ثابت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔

ثانیاً: حضرت سائب بن یزید کی روایت کو ہم پیش کر چکے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صحابہ بیس تراویح اور وتر پڑھتے تھے اور اس کی صحت پر محدثین کی شہادتیں بھی ہم نے لکھ دیں ہیں اور موطا امام مالک میں امام مالک نے اپنی سند کے ساتھ حضرت یزید بن رومان سے روایت کی جس میں خلافت فاروقی میں بیس رکعت تراویح و وتر باجماعت پڑھنے کا ثبوت ہے۔ موطا امام مالک وہ کتاب ہے جس کے متعلق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی حجۃ اللہ البالغہ کے ص ۱۰۶ پر فرماتے ہیں:

قَالَ الشَّافِعِیُ اَصح الكتب بعد كتاب الله مؤطا مالك وَاتَّفَقَ

اَهْـلُ الْـحَـدِيْـثِ عَلٰى اَنَّ جَمِيْعَ مَا فِيْهِ صَحِيْحٌ عَلٰى رَاْیِ مَالِكٍ وَمَنْ اِتَّفَقَهُ وَاَمَّا عَلٰى رَای غَيْرِهٖ فَلَيْسَ فِيْهِ مُرْسَلٌ وَلَا مُنْقَطِعٌ اِلَّا قَـدْ اِتَّـصَلَ السَّـنَدُ بِهٖ مِنْ طُرُقٍ اُخْرٰى فَلَا جرم اِنَّهَا صَحِيْحَةٌ مِّنْ هٰذَا الْوَجْهِ۔ انتهی)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ قرآن کے بعد سب کتب سے زیادہ صحیح موطا مالک ہے اور محدثین کا اس پر اتفاق ہوا ہے کہ موطا میں جتنی حدیثیں ہیں امام مالک اور ان کے موافقین کے نزدیک سب صحیح ہیں ان کے علاوہ دوسرے محدثین کے نزدیک موطا میں کوئی حدیث مرسل اور منقطع نہیں جس کی سند دوسرے طرق سے متصل نہ ہو اس وجہ سے وہ بھی صحیح ہے۔

ثالثاً: حضرت شتیر بن شکل جو کہ علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے ہیں کی روایت کہ وہ رمضان مبارک میں لوگوں کو بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے کو امام بیہقی نے نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس میں قوت ہے اس روایت کے لئے (جو اسی کے ساتھ ہے کہ) حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے قاریوں کو بلا کر ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس تراویح پڑھائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں وتر پڑھاتے تھے۔ دوسری روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے بیس رکعت کے ثبوت پر حضرت ابوالحسناء سے ہے اس پر اعتراض کا ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ جواب دیا ہے۔ نیز خود غیر مقلدوں کے امام وحید الزمان کا حوالہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس تراویح کی صحت پر ہم نے اس بحث میں پیش کر دیا ہے۔ مگر نام نہاد اہل حدیث کی ہٹ دھرمی دیکھو کہ بیس رکعت تراویح کی سب روایات کو ضعیف مردود کہہ رہا ہے شاید یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ قبر و حشر میں وہابی دین کے بارے پوچھا جائے گا۔ ہاں پوچھا ضرور جائے گا مگر تمہارے کرتوتوں کے بارے۔

غیر مقلد کی نقل عبارات میں خیانت:

رابعاً: وہابی صاحب نے اپنے مذہب کو تقویت دینے کے لئے کتب احناف میں

سے ملا علی قاری کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور ابن ہمام کی فتح القدیر اور فتاویٰ شامی اور بحر الرائق کے حوالے دیئے مگر سب میں ڈنڈی مار گئے صرف اپنے مقصد کی عبارتیں لکھ لیں ہم اس کی خیانت ظاہر کرنے کو مذکورہ کتب کے ساتھ وہ بھی عبارتیں لکھ رہے ہیں جن کو وہابی جی نے خلاف مذہب جان کر چھوڑ دیا۔ ملاحظہ ہو۔ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری لکھتے ہیں:

وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِی الْمَعْرِفَةِ عَنِ السَّآئِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنَّا نَقُوْمُ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ، قَالَ النَّوَوِیُّ فِی الْخُلَاصَةِ اِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ وَفِی الْمَوْطَا رَوَايَةٌ بِاِحْدٰی عَشْرَةِ وَجُمِعَ بَيْنَهُمَا بِاَنَّهٗ وَقَعَ اَوْلاً ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْاَمْرُ عَلَى الْعِشْرِيْنَ فَاِنَّهُ الْمُتَوَارُثُ فَتَحْصِلُ مِنْ هٰذَا كُلِّهٖ اِنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ سُنَّةٌ اِحْدٰی عَشَرَةَ بِالْوِتْرِ فِیْ جَمَاعَةٍ فَعَلَهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ثُمَّ تَرَكَهُ لِعُذْرٍ اِفَادَ اَنَّهٗ لَوْلَا خَشْيَةُ ذٰلِكَ لَوَاظَبت بِكُمْ وَلَا شَكَّ فِیْ تَحْقِيْقِ الْاَمْنِ مِنْ ذٰلِكَ بِوَفَاتِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَيَكُوْنُ سُنَّةٌ وَكَوْنُهَا سُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ وَقَوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِیْ سُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳، ص ۱۹۴)۔

یہی علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے۔

فتح القدیر ج ۱، ص ۴۶۸) امام بیہقی نے اپنی معرفق میں حضرت سائب بن یزید سے روایت کی کہ تھی ہم حضرت عمر بن خطاب کے دور میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے امام نووی نے خلاصہ میں فرمایا کہ سند اس روایت کی صحیح ہے اور موطا کی ایک روایت میں گیارہ رکعت آیا ان دو کے درمیان جمع کیا گیا کہ یہ پہلے واقع ہوا پھر امر بیس رکعت پر ٹھہرا پس یہ مسلسل آرہا پس اس تمام سے حاصل ہوا کہ قیام رمضان وتر کے ساتھ

گیارہ رکعت سنت ہے۔ جماعت میں اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا پھر عذر کے سبب ترک فرمایا یعنی جماعت کو اس سے فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اگر یہ خوف نہ ہوتا یعنی جماعت فرض ہونے کا) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ساتھ ضرور اس پر ہمیشگی فرماتے اور اس سے امن کی تحقیق میں کوئی شبہ نہیں رہا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد تو اب یہ سنت ہوا یعنی جماعت) اور ہونا اس کا خلفائے راشدین کی سنت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔

شرقاً غرباً لوگوں کا عمل بیس تراویح پر ہے:

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قَوْلُهٗ هِیَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً هُوَ قَوْلُ الْجَمْهُوْرِ وَعَلَيْهِ عَمَلُ النَّاسِ شَرْقًا وَّ غَرْبًا وَّعَنْ مَّالِكٍ سِتٌّ وَّ ثَلَاثُوْنَ وَ ذُكِرَ فِی الْفَتْحِ اِنَّ مَقْتَضَی الدَّلِيْلِ كَوْنُ الْمَسْنُوْنُ مِنْهَا ثَمَانِيَّةٌ وَّالْبَاقِیُّ مُسْتَحَبًّا وَّتَمَامُهٗ فِی الْبَحْرِ وَ ذَكَرْتُ جَوَابَهٗ فِيْمَا عَلَّقْتُهٗ عَلَيْهِ۔

(فتاویٰ شامی ج۱، ص۵۶۱)

اور صاحب درالمختار کا قول کہ تراویح بیس رکعت ہیں اور وہ قول جمہور کا ہے اور اسی پر لوگوں کا عمل ہے شرقاً و غرباً اور امام مالک سے چھتیس رکعت منقول ہے اور فتح میں ذکر ہوا کہ مقتضی دلیل ہے کہ اس سے گیارہ رکعت مسنون ہیں اور باقی مستحب ہیں اور اس کا تمام بیان بحر میں ہے اور میں نے اس کا جواب ذکر کیا اس میں جو میں نے اس پر تعلیق لکھی۔

بحرالرائق میں امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد فرماتے ہیں:

ثُمَّ وَقَعَتِ الْمَوَاظِبَةُ عَلَيْهَا فِیْ اِثْنَاءِ خَلَافَةِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَوَافَقَهُ عَامَةُ الصَّحَابَةِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ كَمَا وَرَدَ ذٰلِكَ فِی السُّنَنِ ثُمَّ مَا زَالَ النَّاسُ مِنْ ذٰلِكَ الصَّدْرِ اِلٰی يَوْمِنَا

هٰذَا عَلٰى اِقَامَتِهَا مِنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ وَّكَيْفَ لَا وَقَدْ ثَبَتَ عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ) كَمَا رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤد وَاَطْلَقَهٗ فَشَمَلَ الرِّجَالُ وَالنِّسَآءُ كَمَا صُرِّحَ بِهٖ فِيْ (الخانية و الظهيرية) وقوله (عشرون ركعة) بِيَانٌ لِكَمِّيَّتِهَا وَهُوَ قَوْلُ الْجَمْهُوْرِ لِمَا فِي الْمَوْطَا عَنْ يَّزِيْدَ بْنِ رَوْمَانَ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِيْنَ رَكْعَةً) وَعَلَيْهِ عَمَلُ النَّاسِ شَرْقًا وَّغَرْبًا لٰكِنَّ ذَكَرَ الْمُحَقِّقُ فِيْ (فتح القدير) مَاحَاصِلُهٗ اِنَّ الدَّلِيْلَ يَقْتَضِيْ اَنْ تَكُوْنَ سُنَّةٌ مِنَ الْعِشْرِيْنَ مَا فَعَلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا ثُمَّ تَرَكَهٗ خَشْيَةً اَنْ تُكْتَبَ عَلَيْنَا وَالْبَاقِيْ مُسْتَحَبٌّ وَقَدْ ثَبَتَ اِنَّ ذٰلِكَ كَانَ اِحْدٰى وَعَشْرَةُ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ كَمَا ثَبَتَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ مِنْ حَدِيْثِ عَآئِشَةَ فَاِنْ يَّكُوْنَ الْمَسْنُوْنُ عَلٰى اُصُوْلِ مُشَائِخِنَا ثَمَانِيَّةٌ مِنْهَا وَالْمُسْتَحَبُّ اِثْنَا عَشْرَ (انتهٰى) وَذَكَرَ الْعَلَّامَةُ الْحَلْبِيُّ اَنَّ الْحِكْمَةَ فِيْ كَوْنِهَا عِشْرِيْنَ اِنَّ السُّنَنَ شُرِعَتْ مُكَمِّلَاتٌ لِلْوَاجِبَاتِ وَهِيَ عِشْرُوْنَ بِالْوِتْرِ فَكَانَتِ التَّرَاوِيْحُ كَذٰلِكَ لِنَفْعِ الْمُسَاوَاةِ بَيْنَ الْمُكَمَّلِ وَالْمُكَمِّلِ۔ انتهى)

پھر واقع ہوئی اس پر ہمیشگی یعنی تراویح کی جماعت پر) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور موافقت کی اس پر عامۃ الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جیسا کہ یہ وارد ہوا کتب سنن میں پھر ہمیشہ رہے اسی پر لوگ اس دور سے ہمارے اس دن تک اس کی اقامت پر بغیر کسی کے انکار کے اور یہ کیسے نہ ہوتا تحقیق ثابت ہوا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد کہ تم پر لازم ہے میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت اسے

مضبوطی سے تھامو۔ جیسا کہ اسے روایت کیا امام ابوداؤد نے اور اسے اطلاق پر چھوڑا تو اس حکم میں مرد و عورت سب شامل ہیں جس طرح کہ اس کی تصریح خانیہ و ظہیر یہ میں ہے اور اس کا قول کہ بیس رکعت یہ تعداد کا بیان ہے اور وہ جمہور کا قول ہے اس بنا پر جو موطا میں ہے یزید بن رومان سے روایت کہ فرمایا لوگ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیس تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے اور اسی پر لوگوں کا شرقاً و غرباً عمل ہے۔

لیکن شیخ محقق نے فتح القدیر میں ذکر کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ بے شک دلیل کا مقتضاء یہ ہے کہ بیس میں سے وہ سنت ہو جو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا پھر اسے ترک کیا اس خوف سے کہ ہم پر فرض نہ ہو جائیں اور باقی مستحب ہوں اور تحقیق یہ ثابت ہوا کہ وہ گیارہ رکعات ہیں وتروں سمیت جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے حضرت عائشہ کی حدیث سے پس ہو مسنون ہمارے مشائخ کے اصول پر اس سے آٹھ رکعت اور باقی بارہ مستحب۔

اور علامہ حلبی نے بیان کیا کہ بیس رکعت تراویح میں حکمت یہ ہے کہ سنتیں مشروع ہوئی ہیں واجبات کو مکمل کرنے کے لیے اور یہ (واجبات) وتروں سمیت بیس رکعت ہیں تو تراویح بھی اسی طرح ہوئیں تا کہ مکمل کرنے والے اور مکمل ہونے والے میں برابری کا فائدہ دیں۔

ان عبارات سے ثابت ہے کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے دور مبارکہ سے امت کا عمل بیس تراویح پر ہے سوال یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ تراویح معین تھیں تو خلفائے راشدین نے اس پر اضافہ کیوں کیا اور کسی صحابی نے اس اضافہ کا انکار کیوں نہ کیا؟ ایسا ہرگز ممن نہیں بات یہ ہے کہ یا تو ان کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت تراویح ثابت تھیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے یا پھر کوئی تعداد معین نہ تھی مگر خلفاء راشدین نے اسے معین کر دیا پھر بھی امت پر عمل لازم ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد بیان ہوا کہ تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے جب کہ بعض اکابر غیر مقلد اس کے قائل ہیں

کہ حدیث مرفوع میں تراویح کی تعداد معین نہیں۔

بعض اکابر غیر مقلدوں کا نظریہ ہے کہ تعداد تراویح معین نہیں:

چنانچہ غیر مقلدوں کے علامہ شوکانی صاحب نیل الاوطار ج ۳، ص ۶۵ پر لکھتے ہیں:

"فقصر الصلوٰة المسماة بالتراویح علی عدد معین وتخصیصها بقرأة مخصوصة لم یرد به سنة"۔

"یعنی نماز جس کا نام تراویح ہے کے عدد معین پر اور اسکی تخصیص قرأت مخصوصہ پر کوئی سنت وارد نہیں ہوئی"۔

اور غیر مقلدوں کے نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتے ہیں وبالجملہ عدد معین در مرفوع نیامدہ۔ عرف الجادی باب در بیان قیام رمضان۔ خلاصہ یہ کہ عدد معین حدیث میں نہیں آیا۔ غیر مقلدوں کے علامہ وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں: ولا یتعین لصلوٰة لیالی رمضان یعنی التراویح کا عدد معین (نزل الابرار: ج ۱، ص ۱۲۶)۔ رمضان کی راتوں کی نماز یعنی تراویح کا کوئی عدد معین نہیں ہوا۔

پرانے وہابیوں کا نظریہ اور نئے وہابی کا اور:

مگر نیا وہابی نام نہاد دین الحق کا مصنف دعویٰ کرتا ہے کہ حدیث صحیح میں آٹھ تراویح کا عدد معین ہے اس سے سوال ہے کہ تمہارے ان بڑوں کوئی حدیث نہیں ملی۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اپنے موقف بیس رکعت تراویح پر مزید عقلی ونقلی دلائل پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

بیس تراویح پر عقلی دلائل:

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہوں نہ کہ آٹھ چند وجوہ سے ایک یہ کہ دن رات میں بیس رکعت فرض وواجب ہیں۔ ۱۷ رکعت فرض تین رکعت واجب ماہ رمضان میں بیس تراویح پڑھی جائیں۔ ان رکعات کی تکمیل اور مدارج بڑھانے کے لئے۔ لہٰذا آٹھ رکعات تراویح بالکل خلاف قیاس ہیں۔ دوسرے یہ کہ صحابہ کرام تراویح

کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھتے تھے بلکہ قرآن کریم کے رکوع کو رکوع اسی لئے کہتے ہیں کہ اتنی آیات میں حضرت عمر و عثمان و صحابہ کرام رکوع کرتے تھے اور ستائیسویں شب کو ختم قرآن ہوتا تھا۔ آٹھ رکعت ہوتیں تو چاہیے تھا کہ قرآن کریم کے رکوع کل دو سو سولہ ہوتے۔ حالانکہ قرآن کریم کے کل رکوع ۵۵۷ ہیں بیس رکعت کے حساب سے ۵۴۰ رکوع ہوتے ہیں۔ کوئی وہابی صاحب آٹھ رکعت تراویح مان کر قرآن کریم کے رکوع کی تعداد کی وجہ بیان فرمائیں تیسرے یہ کہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے ترویحہ ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر راحت کرنے کو کہتے ہیں اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو بیچ میں ایک ترویحہ ہوتا اس صورت میں اس کا نام تراویح جمع نہ ہوتا جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے۔

علماء امت کا عمل۔ ہمیشہ سے قریباً ساری امت کا عمل بیس رکعت تراویح پر رہا۔ چنانچہ ترمذی شریف باب شہر رمضان میں اس طرح فرماتے ہیں:

وَاَکْثَرُ اَھْلُ عِلْمِ عَلٰی مَا رُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ وَّ عُمَرَ وَ غَیْرِھِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَّھُوَ قَوْلُ سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ وَابْنِ الْمُبَارَکِ وَالشَّافِعِیْ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ ھٰکَذَا اَدْرَکْتُ بَلَدَ مَکَّۃَ یُصَلُّوْنَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً۔

اور اکثر علماء کا عمل اسی پر ہے جو حضرت عمر و علی و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے یعنی بیس رکعت تراویح اور یہی سفیان ثوری ابن مبارک اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے امام شافعی نے فرمایا کہ ہم نے مکہ والوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے پایا۔

عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۳۵۵ میں ارشاد فرمایا:

قَالَ اِبْنُ عَبْدِ الْبِرِّ وَھُوَ قَوْلُ جَمْھُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَبِہٖ قَالَ الْکُوْفِیُوْنَ وَالشَّافِعِیُّ وَاَکْثَرُ الْفُقَھَاءِ وَھُوَ الصَّحِیْحُ عَنْ اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ مِنْ غَیْرِ خلَافٍ مِّنَ الصَّحَابَۃِ

ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح ہی جمہور علماء کا قول ہے یہی کوفی حضرات اور امام شافعی اور اکثر علماء فقہاء فرماتے ہیں اور یہی صحیح ہے ابی بن کعب سے منقول ہے اس میں صحابہ کا اختلاف نہیں۔

بیس رکعت تراویح پر اجماع ہے:

مولانا علی قاری شرح نقایہ میں بیس رکعت تراویح کے بارے میں فرماتے ہیں: **فصار اجماعا لما روی البیهقی باسناد صحیح کانوا یقیمون علی عهد عمر عشرین رکعة وعلی عهد عثمان و علی عشرین** ۔ بیس رکعت تراویح پر مسلمانوں کا اجماع ہے کیونکہ بیہقی نے صحیح اسناد سے روایت کی صحابہ کرام اور سارے مسلمان حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ علامہ ابن حجر ہیتمی فرماتے ہیں۔ **اجماع الصحابه علی ان التراویح عشرون رکعة** ۔ تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ ان تمام حوالوں سے معلوم ہوا بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ بیس رکعت تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے بیس رکعت تراویح پر عام مسلمانوں کا عمل ہے بیس رکعت تراویح حرمین شریفین میں پڑھی جاتی ہیں بیس رکعت تراویح عقل کے مطابق ہیں۔ بیس رکعت تراویح قرآنی رکوعات کی تعداد کے مناسب ہیں۔ بلکہ آج حرمین طیبین میں نجدیوں کی سلطنت ہے مگر اب بھی وہاں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی ہے۔ جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے نہ معلوم ہمارے یہاں کے وہابی کس غیر مقلد کی تقلید کرتے ہیں۔ جو آٹھ تراویح پڑھتے ہیں۔ آٹھ رکعت تراویح سنت رسول کے خلاف سنت صحابہ کے خلاف سنت مسلمین کے خلاف سنت علماء مجتہدین کے خلاف سنت حرمین طیبین کے خلاف ہاں ہوا نفس کے مطابق ہے کہ نماز نفس امارہ پر بوجھ ہے۔ رب تعالیٰ نفس امارہ کے پھندوں سے نکالے اور سنت رسول پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

واضح رہے کہ حضرت علامہ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے

مذکورہ عالمانہ محققانہ عقلی دلائل کا غیر مقلد کوئی جواب نہیں دے سکا جو کہ مذہب احناف کی فتح مبین ہے نیز اس سے معلوم ہوا کہ وہابی مذہب نقل کے علاوہ خلاف عقل بھی ہے۔

البتہ جو عبارتیں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیس تراویح پر اجماع امت ثابت کرنے کو پیش کی ہیں ان پر اس نے بہت بھونڈے اور دل سوز الفاظ میں اعتراض کیے ہیں ملاحظہ ہوں لکھتا ہے: چونکہ علامہ بدرالدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر تابعین عظام رحمۃ اللہ عنہم (صحیح علیہم ہے) اور نسل بعد نسل عامۃ المسلمین کے وسیع پیمانہ تعامل امت پر کافی روشنی پڑتی ہے اس لئے ہم یہاں ان کا مکمل کلام نقل کرتے ہیں تا کہ گجرات کے اس منہ پھٹ مفتی کی بددیانتی، فریب کاری، مکاری، عیاری، غلط بیانی بلکہ دجل و تبلیس سے پورا پورا پردہ اٹھ سکے جو انہوں نے علامہ عینی کا ادھورا کلام نقل کر کے عوام کو مغالطہ دیا ہے کہ بیس رکعت پر امت اسلام کا اجماع ہے چنانچہ علامہ موصوف لکھتے ہیں:

وَقَدِ اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِیْ الْعَدَدِ الْمُسْتَحَبِّ فِیْ قِیَامِ رَمَضَانَ عَلٰی اَقْوَالِ کَثِیْرَۃٍ

(ا) فَقِیْلَ اِحْدٰی وَاَرْبَعُوْنَ وَقَالَ التِّرْمَذِیُّ رَاٰی بَعْضُھُمْ اَنْ یُّصَلِّیْ اِحْدٰی وَاَرْبَعِیْنَ رَکْعَۃً مَّعَ الْوِتْرِ وَھُوَ قَوْلُ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ وَالْعَمَلُ عَلٰی ھٰذَا عِنْدَھِمْ بِالْمَدِیْنَۃِ قَالَ شَیْخُنَا رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَھُوَ اَکْثَرُ مَا قِیْلَ قُلْتُ ذَکَرَ اِبْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِی الْاِسْتِذْکَارِ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ یَزِیْدَ کَانَ یُصَلِّیْ اَرْبَعِیْنَ رَکْعَۃً وَّیُوْتِرُ بِسَبْعٍ کَذَا ذَکَرَہٗ وَلَمْ یَقُلْ اِنَّ الْوِتْرَ مِنَ الْاَرْبَعِیْنَ

(٢) فَقِیْلَ ثَمَانُ وَ ثَلَاثُوْنَ رَوَاہُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ مِّنْ طَرِیْقِ اِبْنِ اِیْمَنَ عَنْ مَّالِکٍ قَالَ یَسْتَحِبُّ اَنْ یَّقُوْمَ النَّاسُ فِیْ رَمَضَانَ بِثَمَانٍ وَّثَلَاثِیْنَ رَکْعَۃً وَیُسَلِّمُ الْاِمَامُ وَالنَّاسُ ثُمَّ یُوْتِرُبِھِمْ بِوَاحِدَۃٍ قَالَ

هٰذَا الْعَمَلُ بِالْمَدِيْنَةِ قَبْلَ الْحِرَّةِ مُنْذُ بِضْعٍ وَّمِائَةِ سَنَةً اِلَى الْيَوْمِ هٰكَذَا رَوٰى اِبْنُ اَيْمَنَ عَنْ مَّالِكٍ وَكَاَنَّهٗ جَمَعَ رَكْعَتَيْنِ مِنَ الْوِتْرِ مَعَ قِيَامِ رَمَضَانَ وَسَمَّاهَا مِنْ قِيَامِ رَمَضَانَ وَاِلَّا فَالْمَشْهُوْرُ عَنْ مَّالِكٍ سِتٌّ وَّثَلَاثُوْنَ وَالْوِتْرُ بِثَلٰثٍ وَّالْعدد وَاحد

(۳) وَسِتٌّ وَّ ثَلَاثُوْنَ وَهُوَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْعَمَلُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَرَوٰى اِبْنُ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ يُحَدِّثُ عَنْ نَّافِعٍ قَالَ لَمْ اَدْرِكِ النَّاسَ اِلَّا وَهُمْ يُصَلُّوْنَ تِسْعًا وَّ ثَلَاثِيْنَ رَكْعَةً وَّيُوْتِرُوْنَ مِنْهَا بِثَلَاثٍ ۔

(۴) وَقِيْلَ اَرْبَعٌ وَّ ثَلَاثُوْنَ عَلٰى مَا حُكِىَ عَنْ زرارة بْنِ اَوْفٰى اِنَّهٗ كِذٰلِكَ كَانَ يُصَلِّىْ بِهِمْ فِى الْعَشْرِ الْاٰخِيْرِ ۔

(۵) فَقِيْلَ ثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ وَهُوَ الْمَرْوِىُّ عَنْ زَرَارَة بْنِ اَوْفٰى فِى الْعِشْرِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ مِنَ الشَّهْرِ وَكَانَ سَعِيْدُ بْنِ جُبَيْرٍ يَفْعَلُهٗ فِى الْعَشْرِ الْاَخِيْرِ ۔

(۶) وَقِيْلَ اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ وَهُوَ مَرْوِىٌّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ ۔

(۷) وَقِيْلَ عِشْرُوْنَ وَحَكَاهُ التِّرْمَذِىُّ عَنْ اَكْثَرِ اَهْلِ الْعِلْمِ فَاِنَّهٗ رُوِىَ عَنْ عُمَرَ وَ عَلِيٍّ وَّ غَيْرِهِمَا مِنَ الصَّحَابَةِ وَهُوَ قَوْلُ اَصْحَابِنَا الْحَنَفِيَّةِ اَمَّا اَثَرُ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ فَرَوَاهُ مَالِكٌ فِى الْمَوْطَا بِاِسْنَادٍ مُنْقَطِعٍ فَاِنْ قُلْتَ رَوٰى عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِى الْمُصَنَّفِ عَنْ دَاوٗدَ بْنِ قَيْسٍ وَّغَيْرُهٗ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ عَنِ السَّآئِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ جَمَعَ النَّاسَ فِىْ رَمَضَانَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَّعَلٰى تَمِيْمِ الدَّارِىِّ عَلٰى اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ رَكْعَةً يَّقُوْمُوْنَ بِالْمِئَتَيْنِ وَيَنْصَرِفُوْنَ بِفُرُوْعِ الْفَجْرِ ۔

قُلْتُ قَالَ اِبْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَرَوَى الْحَارِثُ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً قَالَ اِبْنُ عَبْدِ الْبَرِّ هٰذَا مَحْمُوْلٌ عَلٰى اَنَّ الْوَاحِدَةَ لِلْوِتْرِ وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَرَوَى الْحَارِثُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِىْ زَبَابٍ عَنِ السَّآئِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانَ قِيَامُ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً قَالَ اِبْنُ عَبْدِ الْبَرِّ هٰذَا مَحْمُوْلٌ عَلٰى اَنَّ الثَّلَاثَ لِلْوِتْرِ وَقَالَ شَيْخُنَا وَمَا حَمَلَهُ عَلَيْهِ فِى الْحَدِيْثَيْنِ صَحِيْحٌ بِدَلِيْلِ مَا رَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ مِّنْ رِوَايَةِ يَزِيْدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّآئِبِ بْنِ يَزِيْدَ اِنَّهُمْ يَقُوْمُوْنَ فِىْ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً فِىْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَمَّا اَثَرُ عَلِيٍّ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ فَذَكَرَهُ وَكِيْعٌ عَنْ حَسَنِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ عَنْ اَبِى الْحَسْنَاءِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ اَمَرَ رَجُلاً يُّصَلِّىْ بِهِمْ فِىْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَّاَمَّا غَيْرُهُمَا مِنَ الصَّحَابَةِ فَرُوِىَ ذٰلِكَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ الْمَرْوَزِىْ قَالَ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنَ يَحْيٰى اَخْبَرَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَّاثٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ يَّزِيْدَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ يُّصَلِّىْ لَنَا فِىْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيَنْصَرِفُ وَعَلَيْهِ لَيْلٌ قَالَ الْاَعْمَشُ كَانَ يُصَلِّىْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَّيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ وَاَمَّا الْقَائِلُوْنَ بِهٖ مِنَ التَّابِعِيْنَ فشتير بْنُ شكل وَابْنُ اَبِىْ مَلِيْكَةَ وَالْحَارِثُ الْهَمْدَانِىْ وَعَطَاءُ بْنُ اَبِىْ رِيَاحٍ وَاَبُو الْبَخْتَرِىْ وَسَعِيْدُ ابْنُ اَبِى الْحَسَنِ الْبَصْرِىْ اَخُوا الْحَسَنِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِىْ بَكْرٍ وَّعِمْرَانَ الْعَبْدِىْ وَقَالَ اِبْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَهُوَ قَوْلُ جُمْهُوْرِ الْعُلَمَآءِ وَبِهٖ قَالَ الْكُوْفِيُوْنَ وَالشَّافِعِىُّ وَاَكْثَرُ الْفُقَهَآءِ وَهُوَ صَحِيْحٌ عَنْ اُبَيِّ بْنِ

كَعْبٍ مِّنْ غَيْرِ خلَافٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ ۔

(۸) وَقِيْلَ سِتٌّ وَّعِشْرُوْنَ فَهُوَ مَرْوِىٌّ عَنْ اَبِىْ مَجْلَذٍ اِنَّهٗ كَانَ يُصَلِّىْ بِهِمْ اَرْبَعَ تَرْوِيْحَات وَيَقْرَءُ لَهُمْ سَبْعَ الْقُرْآن فِىْ كُلِّ لَيْلَةٍ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ مِنْ رَّوَايَةِ عِمْرَانَ بْنِ حُدَيْرٍ عَنْ اَبِىْ مِجْلَذٍ ۔

(۹) وَقِيْل ثَلَاثَ عَشَرَةَ وَاَخْتَارَهٗ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ رَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ مِّنْ طَرِيْقِ اِبْنِ اِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنِىْ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيْدَ ابْنَ اُخْتِ نَمْر عَنْ جَدِّهِ السَّآئِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنَّا نُصَلِّىْ فِىْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فِىْ رَمَضَانَ ثَلَاثَ عَشَرَ ةَ رَكْعَةً ۔ وَلٰكِنَّ وَاللهِ مَا كُنَّا نَخْرُجُ اِلَّا فِىْ وَجَاهِ الصُّبْحِ كَانَ قَارِىٌّ يَقْرَءُ فِىْ كُلِّ رَكْعَةٍ بِخَمْسِيْنَ آيَةً وَّسِتِّيْنَ آيَةً قَالَ اِبْنُ اِسْحَاقَ وَمَا سَمِعْتُ فِىْ ذٰلِكَ حَدِيْثًا هُوَ اَثْبَتُ عِنْدِىْ وَلَا اَحرى بِاَنْ يَّكُوْنَ مِنْ حَدِيْثِ السَّآئِبِ وَذٰلِكَ اَنَّ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً وَّقَالَ شَيْخُنَا لَعَلَّ هٰذَا كَانَ فِعْلُ عُمَرَ اَوَّلاً ثُمَّ نَقَلَهُمْ اِلٰى ثَلَاثَ وَعِشْرِيْنَ ۔

(١) وَقِيْلَ اِحْدٰى وَعَشَرَ ةَ رَكْعَةً اَخْتَارَهٗ مَالِكٌ لِّنَفْسِهٖ اِخْتِيَارُ اَبُوْبَكْرِ بْنُ الْعَرَبِىْ، (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری: ج۵، ص۴۵۶ تا ۳۵۷)

اور تحقیق اختلاف کیا علماء نے قیام رمضان کے مستحب عدد میں اور یہ اقوال کثرت سے ہیں۔

اولاً: بعض نے کہا کہ اکتالیس اور ترمذی نے کہا ہے کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ وتر سمیت اکتالیس رکعتیں پڑھے یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور ان کے یہاں اسی پر عمل ہے

ہمارے (عینی کے) استاذ محترم کا کہنا ہے کہ قیام رمضان کے عدد رکعات کے اقوال میں سے یہ قول زیادہ تعداد کا ہے۔ میں (عینی) کہتا ہوں کہ ابن عبدالبر نے (موطا امام مالک کی شرح) استذکار میں اسود بن یزید کے متعلق ذکر کیا ہے کہ وہ چالیس رکعت (تراویح) اور سات وتر پڑھتے تھے۔ راوی نے اسی طرح کہا ہے یہ نہیں کہ وتر چالیس میں شامل تھے۔

ثانیاً: اور بعض کہتے ہیں (اڑتیس) اسے محمد بن نصر نے ابن ایمن کے طریق سے مالک سے ذکر کیا فرمایا کہ مستحب یہ ہے کہ رمضان میں لوگوں کو (اڑتیس) پڑھائے۔ پھر امام اور لوگ سلام پھیر دیں پھر انہیں (امام) ایک رکعت وتر پڑھائے۔ مالک نے فرمایا کہ مدینہ میں یہ عمل واقعہ حرہ سے قبل آج تک ایک سو سال سے زیادہ چلا آرہا ہے۔ ابن ایمن نے مالک سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وتر کی دو رکعتیں قیام رمضان کے ساتھ شامل کر دی ہیں اور انہیں قیام رمضان کا نام دے دیا ہے ورنہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مشہور روایت چھتیس رکعات اور تین وتر کی ہے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں تعداد ایک ہی ہے۔

ثالثاً: بعض نے کہا کہ چھتیس رکعات اور اس پر عمل ہے اہل مدینہ کا اور ابن وھب نے روایت کی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمر سے سنا وہ نافع سے بیان کرتے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو اس طرح ہی پایا کہ وہ انتالیس رکعت پڑھتے تھے جس میں تین وتر ہوتے تھے۔

رابعاً: بعض کہتے ہیں چونتیس رکعات جیسا کہ زرارہ بن اوفی سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ آخری عشرہ میں لوگوں کو اسی طرح پڑھاتے تھے۔

خامساً: بعض کہتے ہیں کہ اٹھائیس رکعات اور یہ عدد زرارہ بن اوفی سے رمضان کے پہلے دو عشروں میں بیان کیا گیا ہے اور سعید بن جبیر بھی آخری عشرہ میں اتنی رکعات پڑھتے تھے۔

سادساً: بعض کہتے ہیں کہ چوبیس رکعات اور یہ سعید بن جبیر سے مروی ہے۔ سابعاً: بعض کہتے ہیں بیس رکعات امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول اکثر اہل علم سے بیان کیا ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام سے بیان کیا گیا ہے اوری ہمارے حنفی ساتھیوں کا قول ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اثر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں منقطع سند کے ساتھ بیان کیا ہے اگر کہو کہ عبد الرزاق نے مصنف میں داؤد بن قیس وغیرہ سے محمد بن یوسف سے بیان کیا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رمضان میں لوگوں کو ابی بن کعب اور تمیم داری اکیس رکعات پر جمع کیا وہ سو سو آیتوں والی سورتوں کے ساتھ قیام کرتے تھے اور طلوع فجر کے قریب (مسجد سے گھروں کو) پلٹتے تھے۔ (وہابی لکھتا) پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ روایت شاذ ہے جو کہ ضعیف کی ایک قسم ہے۔

میں (عینی) کہتا ہوں کہ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ یہ اس امر پر محمول ہے کہ ایک رکعت کے لئے ہوتی تھی اور فرمایا کہ حارث بن عبد الرحمٰن بن ابی زباب نے سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تئیس رکعت قیام تھا۔ ابن عبد البر نے فرمایا ہے کہ یہ اس پر محمول ہے کہ اس میں وتر تین تھے اور ہمارے شیخ نے فرمایا کہ ابن عبد البر نے دونوں اثروں کو جس امر پر محمول کیا ہے وہ درست ہے اس کی دلیل وہ روایت ہے جو محمد بن نصر نے یزید بن خفیفہ سے اور انہوں نے سائب بن یزید سے بیان کی ہے کہ وہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رمضان المبارک میں بیس رکعت قیام کرتے تھے۔ اور جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے وہ وکیع نے حسن سے انہوں نے عمرو سے انہوں نے ابو الحسناء سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ انہیں رمضان میں بیس رکعت پڑھائے۔ اور جو ان کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں تو حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ تعداد بیان کی گئی۔ اسے محمد بن نصر مروزی نے روایت کیا ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ نے خبر

دی انہوں نے زید بن وھب سے بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں رمضان المبارک میں نماز پڑھاتے تھے تو وہ نماز سے فارغ ہوتے تو ابھی رات کا کچھ حصہ باقی ہوتا اعمش نے کہا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیس رکعات اور تین وتر پڑھاتے تھے اور تابعین میں سے اسے عدد کے قائل ابن شکل، ابن ابی ملیکہ، حارث، عطاء، ابوبختری، سعید، عبد الرحمٰن، عمران عبدی اور کہا ابن عبد البر نے کہ یہ جمہور کا قول ہے اور اہل کوفہ اور شافعی اور اکثر فقہاء کا یہی قول ہے اور ابی بن کعب سے بھی یہی ثابت ہے اور صحابہ کہتے ہیں کہ سولہ رکعت یہ ابومجلز سے مروی ہے کہ وہ لوگوں کو چار ترویحات پڑھاتے تھے اور ہر رات قرآن کا ساتواں حصہ پڑھتے تھے اسے محمد بن نصر نے عمران بن جریر نے ابومجلز سے بیان کیا ہے۔

تاسعاً: بعض کہتے ہیں کہ تیرہ رکعات اسے محمد بن اسحاق نے پسند کیا ہے محمد بن نصر نے ابن اسحاق کے طریق سے روایت کی ہے کہ محمد بن یوسف نے اپنے دادا سائب بن یزید سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہم رمضان المبارک میں تیرہ رکعات پڑھتے تھے لیکن اللہ کی قسم ہے صبح کے بالکل قریب جا کر فارغ ہوتے تھے۔ قاری ہر رکعت میں پچاس سے لے کر ساٹھ آیات کی تلاوت کرتا تھا۔ ابن اسحاق نے کہا کہ میں نے اس مسئلہ میں جنتی احادیث سنی ہیں ان میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ ثابت سائب کی اصل حدیث ہونے میں یہی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز تیرہ رکعت تھی اور میرے (عینی) کے شیخ نے فرمایا کہ شاید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فعل پہلے کا ہو اور بعد میں آپ نے انہیں تیئس کی طرف منتقل کر دیا ہو۔

عاشراً: بعض کہتے ہیں کہ گیارہ رکعات اور یہ امام مالک نے اسی کو اختیار کیا ہے انتھی) عینی کی عبارت اور اس کے ترجمہ کے بعد وہابی بطور تبصرہ لکھتے ہیں۔

قارئین کرام! ملاحظہ کریں کہ مفتی جی نے علامہ عینی کا ادھورا کلام نقل کر کے عوام کو

مغالطہ دیا ہے۔ بیس رکعت نماز تراویح پر امت کا اجماع ہے حالانکہ علامہ عینی کے کلام کا واضح مفہوم یہ ہے کہ بیس رکعت پر امت اسلام کا قطعاً اجماع نہیں بلکہ علمائے ملت کے کم از کم تراویح کی تعداد کے متعلق دس اقوال ہیں وہ عدد سنت میں نہیں بلکہ مستحب عدد میں ہیں مگر کمال ہے کہ مفتی صاحب الٹی گنگا بہا رہے ہیں۔ (نام نہاد دین الحق ص ۵۳۹ تا ۵۴۵)

قارئین حضرات! وہابی تہذیب کا خود نظارہ کر لیں کہ نام نہاد اہلحدیث نے مذکورہ تحریر کے شروع میں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کس قدر گندی زبان استعمال کر کے اپنی گندی ذہنیت کا اظہار کیا۔

اب مذکورہ عبارت کے جوابات ملاحظہ ہوں۔

اولاً: اگر مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ علامہ عینی کی عمدۃ القاری شرح بخاری سے اپنے موقف سے متعلقہ عبارت نقل کریں اور غیر متعلقہ کو چھوڑیں تو وہ بددیانتی، فریب کاری، مکاری، عیاری، غلط بیانی، بلکہ دجل وتبلیس ٹھہرے جب خود وہابی جی کا وطیرہ ہی یہ ہو کہ کتب سے مفید مذہب عبارات لکھ کر اپنے خود ساختہ مذہب کو دلیل مہیا کر دیں اور آگے پیچھے سے خلاف مذہب عبارات کو قصداً چھوڑ دیں تو ان پر ان جملوں کا اطلاق نہیں ہوتا جو کام دوسروں کے لئے برا اور شیطانی ہے وہابیوں کے حق وہی عین عبادت وثواب بن جاتا ہے لگتا ہے وہابیوں نے شرع مطہرہ کو اپنے باپ کی وراثت سمجھ لیا ہے کہ جو چاہیں جائز قرار دیں اور جو چاہیں ناجائز وحرام۔

ثانیاً: رکعات تراویح میں اختلاف جس کا ذکر علامہ عینی نے کیا یہ ہمارے اس دعویٰ کے خلاف نہیں کہ بیس تراویح پر اجماع امت ہے بلکہ غیر مقلد کے اس دعویٰ کے خلاف ہے جو کہتا ہے کہ آٹھ رکعت تراویح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث سے ثابت ہیں اگر اس حدیث سے آٹھ تراویح ثابت ہوتے ہیں تو پھر تیرویں صدی کی پیداوار غیر مقلدوں سے پہلے صحابہ، تابعین تبع تابعین، آئمہ مجتہدین، فقہاء ومحدثین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کو معلوم نہ ہوا کہ حدیث صحیح سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہیں۔ نیز

تعداد رکعات تراویح پر جتنے اقوال مذکورہ ہوئے ان میں صرف امام مالک اور ابوبکر ابن العربی کے متعلق آیا کہ وہ گیارہ رکعت کو اختیار کرتے تھے اور امام مالک رضی اللہ عنہ صرف اپنی ذات کے لیے گیارہ رکعت اختیار کرتے تھے فتوی ان کا چھتیس رکعت تراویح پر تھا حالانکہ یہ بھی خلاف عقل ہے کہ فتوی اور عمل کچھ اور ہو۔ پھر لطف کی بات یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد رات کی نماز نہ پڑھتے تھے، غیر مقلد حضرات اس حدیث شریف سے آٹھ رکعت تراویح کا تعین تو ثابت کرتے ہیں لیکن تین وتر کا تعین نہیں مانتے حالانکہ تین وتر معین نہ ماننے سے آٹھ رکعت بھی متعین نہیں ہوتیں یہ ہے وہابی مذہب کا تضاد۔

ثالثاً: بیس رکعات تراویح پر اجماع کا دعویٰ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں کہ وہابی صاحب اسے اپنی تنقیدات کا نشانی بنا کر دل کی بھڑاس نکالے بلکہ بیس رکعت پر اجماع محدثین وفقہاء کرام کی عبارت سے ثابت ہے۔

بیس تراویح پر اجماع پر دلائل:

(۱) حضرت عطاء تابعی فرماتے ہیں:

اَدْرَکْتُ النَّاسَ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ ثَلٰثاً وَّعِشْرِيْنَ رَکْعَةً بِالْوِتْرِ ۔

مصنف ابن ابی شیبہ :ج۲،باب کم یصلی فی رمضان من رکعة)

میں نے لوگوں کو (رمضان میں) پایا کہ وہ وتروں سمیت تئیس رکعت پڑھتے تھے۔

آثار السنن میں اسی روایت کے بارے میں ہے کہ رواہ ابن ابی شیبۃ و اسنادہ حسن۔ اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے۔

(۲) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الآثار صفحہ ۴۱ پر روایت کرتے ہیں:

عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِیْ حَنِيْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ فِیْ رَمَضَانَ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت حماد سے وہ حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ یعنی صحابہ وتابعین کرام رمضان شریف میں پانچ ترویحہ یعنی بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

(۳) امام بخاری کے استاد امام ابن ابی شیبہ اپنی سند سے حدیث بیان فرماتے ہیں:

حدثنا حميد بن عبد الرحمٰن عن حسن عبد العزيز بن رفيع قَالَ كَانَ اُبَیُّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّیْ بِالنَّاسِ فِیْ رَمَضَانَ(بالمدينة عشرين ركعةً ويوتر بثلاثٍ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲، باب کم يصلی فی رمضان من ركعة)

حضرت حسن عبد العزیز بن رفیع سے روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان شریف میں مدینہ منورہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

(۴) امام بدرالدین عینی امام محمد بن نصر مروزی کی سند سے روایت بیان فرماتے ہیں:

اخبرنا يحيى بن يحيى اخبرنا حفص بن غياث عَنِ الْاَعْمَشِ عن زيد بن وهب قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ يُصَلِّیْ لَنَا فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيَنْصَرِفُ وَعَلَيْهِ اللَّيْلُ قَالَ الْاَعْمَشُ كَانَ يُصَلِّیْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَّيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ ۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری: ج ۵، ص ۳۵۷)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں ماہ رمضان المبارک میں نماز پڑھاتے تو فارغ ہوتے اور ابھی ان پر رات ہوتی (امام) اعمش نے فرمایا کہ آپ بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

(۵) امام بیہقی اپنی سند سے یوں روایت کرتے ہیں:

وَرَوَيْنَا عَنْ شتير بن شكل وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّهٗ كَانَ يَؤُمُّهُمْ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَّيُوْتِرُ بِثَلٰثٍ ۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج۲ص۴۹۶طبع بیروت)

روایت کیا ہم نے حضرت شتیر بن شکل سے تھے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے وہ رمضان مبارک میں ان کی امامت کرتے تھے اور بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابی بن کعب جو کہ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہیں صحابہ کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے اور صحابہ ان کے پیچھے پڑھتے تھے۔ ان کے بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھانے پر معترض نہیں ہوتے تھے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وہ صحابہ ہیں جن کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو بیس تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ اور حضرت علی مرتضیٰ سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے بیس رکعت تراویح کا حکم دیا یہ بیس رکعت تراویح پر عمل تسلسل سے جاری رہا حضرت عطاء تابعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو یعنی صحابہ و وتابعین کو وتروں سمیت تیئس رکعات پڑھتے پایا یہ اجماع امت اور تعامل امت نہیں تو اور کیا ہے۔

(۶) علامہ کاسانی حنفی المتوفی ۵۸۷ھ فرماتے میں ہیں:

وَاَمَّا قَدْرُهَا فَعِشْرُوْنَ رَكْعَةً فِيْ عَشْرِ تَسْلِيْمَاتٍ فِيْ خَمْسِ تَرْوِيْحَاتٍ كُلِّ تَسْلِيْمَتَيْنِ تَرْوِيْحَةٌ وَّهٰذَا قَوْلُ عَامَةِ الْعُلَمَآءِ وَقَالَ مَالِكٌ فِيْ قَوْلٍ سِتَّةٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ رَكْعَةً وَّفِيْ قَوْلٍ سِتَّةٌ وَّعِشْرُوْنَ رَكْعَةً وَّالصَّحِيْحُ قَوْلُ الْعَامَةِ لِمَا رُوِيَ اَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ جَمَعَ اَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَصَلّٰى بِهِمْ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ

عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَّلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ اَحَدٌ فَيَكُوْنُ اِجْمَاعًا مِّنْهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ۔ (بدائع الصنائع، ج۱، ص ۲۸۸)

یعنی تراویح کی تعداد بیس رکعت ہے دس سلاموں اور پانچ ترویحات میں ہر دو سلام کے بعد ترویحہ اور یہ قول عامۃ العلماء کا ہے اور امام مالک کے ایک قول میں چھتیس رکعت اور ایک قول میں چھبیس رکعت آیا ہے اور صحیح قول عامۃ العلماء کا ہے اس لئے کہ روایت میں آیا ہے کہ بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابی بن کعب کی امامت پر جمع کیا اور وہ انہیں رمضان کی ہر رات بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے تو اس کا انکار کسی صحابی نے نہ کیا تو یہ اس پر اجماع ہوا۔

(۷) مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

هِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً بِاِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ مع حاشیہ طحطاوی ص ۳۳۶۔ یعنی تراویح بیس رکعت ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کے ساتھ۔

(۸) علامہ نووی شافعی فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ اَنَّ صَلٰوةِ التَّرَاوِيْحِ سُنَّةٌ بِاِتِّفَاقِ الْعُلَمَآءِ وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً۔

كتاب الاذكار باب اذكار صلوٰة التراويح۔

جان لے کہ تراویح بالاتفاق علماء سنت ہے اور وہ بیس رکعت ہیں۔

(۹) شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "ما ثبت بالسنۃ میں فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْ اِتَّفَقُوا الْاَمْرَ عَلَيْهِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَمَنْ بَعْدِهِمْ هُوَ الْعِشْرُوْنَ مِنَ الصَّدْرِ الْاَوَّلِ اِلَى الْاٰنِ۔

صحابہ کرام کے صدر اول سے لے کر آج تک جس بات پر اتفاق ہو گیا وہ بیس رکعت تراویح ہیں۔

(۱۰) امام بیہقی السنن الکبریٰ ج ۲، ص ۴۹۶۔ پر فرماتے ہیں:

وَيُمْكِنُ الْجَمْعُ بَيْنَ الرَّوَايَتَيْنِ فَإِنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ بِإِحْدٰى عَشْرَةَ ثُمَّ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ بِعِشْرِيْنَ وَيُوْتِرُوْنَ بِثَلٰثٍ

یعنی ان دو روایتوں میں اتفاق اس طرح ممکن ہے کہ پہلے گیارہ رکعت پڑھتے رہے پھر بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے یعنی بیس رکعت تراویح مقرر ہوئیں۔

(۱۱) ملا علی قاری نے بھی فرمایا ہے کہ آخر امر میں بیس رکعت تراویح معین ہوئیں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳، ص ۱۹۴

(۱۲) علامہ شامی فرماتے ہیں:

وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً هُوَ قَوْلُ الْجُمْهُوْرِ وَعَلَيْهِ عَمَلُ النَّاسِ شَرْقًا وَّغَرْبًا۔

اور وہ یعنی تراویح بیس رکعتیں ہیں یہ قول جمہور اور اسی پر شرقاً اور غرباً لوگوں کا عمل ہے۔ (فتاویٰ شامی ج ۱، ص ۵۶۱)

(۱۳) بحر الرائق شرح کنز العقائق میں بھی ہے کہ یہ جمہور علماء کا قول ہے اور اسی پر شرقاً و غرباً لوگوں کا عمل ہے۔

(۱۴) علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں علامہ ابن عبد البر کا قول نقل کیا جیسا کہ ان کی عبارت گذر چکی کہ جمہور علماء کا قول ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں اور یہی کوفی علماء اور امام شافعی کا قول ہے۔ اور اکثر فقہاء اسی پر ہیں اور یہ حضرت ابی بن کعت سے صحیح منقول ہے بلا اختلاف صحابہ کرام۔

(۱۵) السید سابق غیر مقلد صاحب لکھتے ہیں:

وَصَحَّ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً، وَهُوَ رَاْىُ جُمْهُوْرِ الْفُقَهَآءِ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ وَالْحَنَابِلَةِ وَدَاوُدَ قَالَ التِّرْمَذِيُّ وَاَكْثَرُ اَهْلُ الْعِلْمِ عَلٰى مَا رُوِىَ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ

وَّغَيْرِهِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَّهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَقَالَ هٰكَذَا اَدْرَكْتُ النَّاسَ بِمَكَّةَ يُصَلُّوْنَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً ۔

اور صحیح آیا کہ بے شک لوگ عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور وہی رائے ہے جمہور فقہاء احناف و حنابلہ سے اور امام داؤد کی امام ترمذی نے فرمایا کہ اکثر اہل علم اس پر ہیں کہ جو روایت ہوئی حضرت عمر اور حضرت علی اور ان کے علاوہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت اور وہی قول امام ثوری و امام ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے امام شافعی نے فرمایا کہ میں نے اہل مکہ کو بیس رکعت پڑھتے پایا۔

مجدد الوہابیہ نواب صدیق حسن بیس تراویح پر اجماع مانتے ہیں:

(۱۶) مجدد الوہابیہ نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا اس پر اجماع ہے۔ عون الباری ص ۳۰۷، ج ۳) اب دیکھنا یہ ہے کہ ان فقہاء حضرات کو اختلاف معلوم نہیں تھا جس کی بات وہابی صاحب کرتے ہیں انہوں نے بیس رکعت پر اجماع کا اقرار کس لئے کیا اصل بات یہ ہے کہ تھوڑے لوگوں کا عمل مختلف ہونا اجماع امت کو نہیں توڑتا کثیر کو کل کے مقام پر رکھ کر اجماع کا درجہ دیا جاتا ہے۔

اجماع کی قسمیں:

چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اجماع کے کئی درجہ بیان کیے ہیں لکھتے ہیں:

اَوْ لَمْ يَكُنِ الْاِجْمَاعُ اِجْمَاعَ جَمِيْعٍ اَوْ كَانَ وَلَمْ يَكُنْ اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ اَوْ كَانَ وَلَمْ يَكُنْ اِجْمَاعُ جَمِيْعِ الصَّحَابَةِ اَوْ كَانَ اَجْمَاعُ جَمِيْعِ الصَّحَابَةِ وَلَمْ يَكُنْ قَطِيْعًا بِاَنَّ لَّمْ يَثْبُتْ بِطَرِيْقِ

التَّوَاتُرِ اَوْ كَانَ قَطِيْعًا لّٰكِنَّ كَانَ اِجْمَاعًا سُكُوْتِيًّا۔

یعنی یا وہ اجماع سب کا نہ ہو یا سب کا ہو مگر صحابہ کا اجماع نہ ہو یا صحابہ کا تو ہو مگر سب صحابہ کا نہ ہو یا سب صحابہ کا تو ہو لیکن اجماع قطعی نہ ہو کہ بطریق تواتر ثابت نہ ہو یا قطعی ہو لیکن سکوتی ہو۔

اب یہ دیکھیں مذکورہ سب درجے اجماع کے ہیں جس پر سب کا اجماع نہ ہوا اکثر کا ہوا اسے بھی اجماع میں شامل رکھا گیا ہے مگر وہابی صاحب اپنی جہالت سے بیس تراویح پر اجماع کا منکر ہے حالانکہ اس کے گھر کا امام بھوپالی صاحب اس کا اقراری ہے۔ غیر مقلد مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امام ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول رکعات کی روایت کو صیغہ مجہول (ماروی) استعمال کر کے اُس کی تضعیف کر دی ہے کیونکہ محدثین کے نزدیک اگر روایت ضعیف ہو تو تمریض ہو تو تمریض کے صیغے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً روی نقل **حکم بلغنا یقال یذکر یحکی یروی یرفع یعزی وغیرہ** (مجموعہ شرح المہذب ٦٣، ص ج ١ للنوی (صحیح للنووی ھے) وتدریب الراوی ص٢٩٧ ج١) اور اگر صحیح ہو تو جزم کے صیغے لکھتے ہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ: **قَدْ نَقَلَ النَّوَوِیُّ اِتْفَاقَ مُحَقِّقِی الْمُحَدِّثِیْنَ وَغَیْرِھِمْ عَلٰی اِعْتِبَارِھِمَا** (ھدی الساری مقدمہ فتح الباری ص١٦ و تعلیق التعلیق) ج١، ص٣٠١) یعنی امام نووی نے ان دونوں صیغوں کے اعتبار ولحاظ واہتمام پر محقق محدثین وغیرہ کا اتفاق نقل کیا ہے۔

ثانیاً: مفتی صاحب نے امام ترمذی کا قول نقل کرنے میں بھی تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے اٹھایئے ترمذی اور نکالئے باب قیام شہر رمضان اس میں امام ترمذی لکھتے ہیں:

وَاخْتَلَفَ اَھْلُ الْعِلْمِ فِیْ قِیَامِ رَمَضَانَ فَرَاٰی بَعْضُھُمْ اَنْ یُّصَلِّیْ اِحْدٰی وَاَرْبَعِیْنَ رَکْعَةً بِالْوِتْرِ وَھُوَ قَوْلُ اَھْلِ الْمَدِیْنَةِ وَالْعَمَلُ ھٰذَا (صَحِیْحٌ عَلٰی ھٰذَا ہے) عِنْدَھُمْ بِالْمَدِیْنَةِ وَاَکْثَرُ اَھْلُ الْعِلْمِ

عَلٰى مَا رُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ وَّ عُمَرَ وَغَيْرِهِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَّهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِیِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِیِّ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ هٰكَذَا اَدْرَكْتُ بِبَلَدِنَا مَكَّةَ وَقَالَ اَحْمَدُ رُوِیَ فِیْ هٰذَا اَلْوَانُ لَمْ يُقْضَ فِيْهِ بِشَیْءٍ وَّقَالَ اِسْحَاقُ بَلْ نَخْتَارُ اِحْدٰى وَاَرْبَعِيْنَ رَكْعَةً عَلٰى مَا رُوِیَ عَنْ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ وَّ اِخْتِيَارُ ابْنِ الْمُبَارَكِ وَاَحْمَدُ وَاِسْحَاقُ الصَّلٰوةَ مَعَ الْاِمَامِ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ وَاِخْتِيَارُ الشَّافِعِیِّ اَنْ يُّصَلِّیَ الرَّجُلُ وَحْدَهٗ اِذَا كَانَ قَارِيًا ۔ (ترمذی مع تحفہ ج ۲، ص ۷٦)

اور اختلاف کیا ہے اہل علم نے قیام رمضان میں سو بعض نے دیکھا کہ وہ اکتیس (صحیح اکتالیس ہے) رکعتیں وتر کے ساتھ پڑھتے تھے اور یہی قول ہے اہل مدینہ کا اور اس پر ہی عمل ہے ان کے یہاں اور اکثر اہل علم اس پر ہیں جو مروی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہ بیس رکعات اور یہی قول ہے سفیان ثوری ابن مبارک اور شافعی کا اور کہا امام شافع نے کہ ہم نے اسی طرح دیکھا مکہ میں اور کہا امام احمد نے مروی ہیں اس میں کئی روایات اور ہم کچھ فیصلہ نہیں کر سکتے اور امام اسحاق نے کہا کہ ہم اختیار کرتے ہیں جالیس رکعات جیسا کہ مروی ہے ابی بن کعب سے اور اختیار کیا امام احمد اور اسحاق اور ابن مبارک کہ پڑھنا جماعت سے اور اختیار کیا امام شافعی نے کہ آدمی اگر خود حافظ قرآن ہو تو اکیلا پڑھے۔

قارئین کرام! ملاحظہ کریں کہ مفتی صاحب نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا ادھورا کلام نقل کر کے بیس رکعت پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے ان کی اس بد دیانتی پر اسکے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

باندھی ہے تو نے زیر فلک جھوٹ پر کمر

امام ترمذی نے اہل مدینہ کا اکتالیس رکعت کا قول وعمل نقل کیا ہے اور ان کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی تھی آپ کی شہادت سے معلوم ہوا کہ امام ترمذی کے زمانہ تک اہل مدینہ کا تعامل اکتالیس رکعات تھا۔ اب بریلوی علماء ہی بتا سکتے ہیں کہ جب اہل مدینہ کا تعامل اکتالیس رکعت ہے۔ لیکن بایں ہمہ مفتی صاحب کا یہ لکھنا کہ حرمین شریفین میں آج تک بیس رکعت پڑھی جاتی ہیں۔ بددیانتی نہیں تو اور کیا ہے پھر امام احمد بن حنبل جو کہ امام المحدثین کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں نے عدد رکعات قیام رمضان میں کوئی فیصلہ نہیں دیا۔ اگر بیس رکعت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر نسل در نسل عامۃ المسلمین کا وسیع پیمانہ پر مسلسل تعامل چلا آرہا تھا آپ ضرور کوئی فیصلہ صادر فرماتے اور فی ھذا الوان کہہ کر اس مقام سے گزر نہ جاتے۔ اس کا فیصلہ بھی علمائے بریلوی ہی کر سکتے ہیں کہ ان کا فیصلہ نہ فرمانا ان کی واقفیت پر مبنی ہے۔ نیز مفتی صاحب کے مزعوم دعویٰ اجماع کو اہمیت دینا ہے کہ نفی کرنا ہے پھر سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ امت کے اجماع کا علم امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسی (صحیح جیسے ہے) عظیم محدث اور جلیل القدر فقہی (صحیح فقیہ ہے) کو زیادہ ہے یا عصر حاضر کے بقلم خود مفتی جی کو جو علم حدیث کے ابجد سے بھی ناواقف تھے۔ نام نہاد دین الحق ص ۵۴۵ تا ۵۴۷۔

الجواب اولاً۔ غیر مقلد مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں زبان درازی کرتے ہوئے حیاء نہیں کرتا مگر خود اس کا یہ حال ہے کہ چند سطر عربی کا ترجمہ کرنے میں متعدد غلطیاں کر دیں۔ **فری بعضھم ان یصلی احدی و اربعین رکعة بالوتر**) کا ترجمہ کیا۔ سو بعض نے دیکھا کہ وہ اکتیس رکعتیں وتر کے ساتھ پڑھتے تھے۔ حالانکہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ پس بعض کی رائے ہے کہ اکتالیس رکعتیں وتر کے ساتھ پڑھی جائیں۔ آگے پھر (**من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم** کا ترجمہ ہی سرے سے چھوڑ دیا آگے (**ادرکت**) واحد متکلم ہے جس کا معنی ہے میں نے پایا تو اسے جمع بنا دیا کہ ہم نے پایا۔ پھر **لم یقض فیہ بشئی**) کا معنی ہے اس میں کوئی یا کچھ فیصلہ نہیں کیا

گیا اسے امام احمد کی طرف منسوب کر دیا کہ وہ کہتے ہیں ہم کچھ فیصلہ نہیں کرتے۔ یہ حال ہے اس صاحب کا جو ترجمہ میں غلطیاں کر جاتا ہے علاوہ ازیں اس کی تحریری غلطیاں بہت ہیں مگر ہم طول سے بچنے کو بعض جگہوں پر صرف اس پر اکتفاء کرتے ہیں کہ صحیح یہ لفظ ہے۔

ثانیاً: دیکھنا یہ ہے کہ غیر مقلد صاحب علامہ نووی کی تقلید پر قائم رہتے ہیں کہ محدثین کرام جب صیغہ مجہول لائیں تو روایت کے ضعف کی دلیل ہوتا ہے اگر یہ قاعدہ مسلمہ ہے تو امام بیہقی لکھتے ہیں:

باب مَا رُوِیَ فِیْ عَدَدِ رَکْعَاتِ الْقِیَامِ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ (السنن البیہقی ج ۲)

باب ہے۔ جو روایت کیا گیا رمضان کے مہینہ میں قیام کی رکعات کے عدد میں۔

اس میں روی مجہول ہے اس کے بعد متصل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو امام بیہقی نے بیان کیا جسے غیر مقلد بزعم خود آٹھ تراویح پر اپنی بنیادی دلیل جانتے ہیں مذکورہ کلیہ کو صحیح مانتے ہیں تو حضرت عائشہ کی روایت کو بھی ضعیف مان لیں ورنہ جو جواب ان کا یہاں ہوگا وہی ہمارا مان لیں کیونکہ کلیہ دونوں مقام پر ایک ہی جاری ہوتا ہے۔

ثالثاً: اگر بقول وہابی (ماروی) سے امام ترمذی کی مراد بیس تراویح کی روایت کا ضعف واضح کرنا ہے تو پھر یہ آئمہ مجتہدین وعلمائے امت کو حدیث سے ناواقف کہنے کے مترادف ہے جو امام ترمذی جیسے عظیم الشان محدث سے بعید ہے کیونکہ اس جگہ امام ترمذی خود فرما رہے ہیں کہ اس پر یعنی بیس رکعات تراویح پر اکثر اہل علم کا عمل ہے اور اسی کے قائل امام سفیان ثوری اور امام ابن مبارک اور امام شافعی ہیں اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس پر (بیس تراویح) پر اہل مکہ کو پایا۔ اگر امام ترمذی کا مقصد حدیث کا ضعف واضح کرنا ہو تو پھر اس کا معنی ہوگا کہ حدیث تو ضعیف ہے مگر اکثر علمائے امت نے اور امام ثوری اور ابن مبارک۔ امام شافعی اور اہل مکہ نے ناسمجھی سے معاذ اللہ اس پر عمل کر لیا ہے ایسا وہابی تو کہہ سکتے ہیں مگر امام ترمذی نہیں کہہ سکتے۔

رابعاً: جب امام ترمذی فرمائیں کہ اس پر اکثر اہل علم کا عمل ہے تو مقصد حدیث کی صحت ثابت کرنا ہوتا ہے۔ محدث جلیل ملا علی قاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام نووی نے کہا کہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے میرک سے نقل کیا گیا ہے مگر امام ترمذی اہل علم کے عمل کی وجہ سے اس حدیث کی تقویت کا ارادہ کرتے ہیں۔ (مرقاۃ المصابیح ج ۳، ص ۹۸) اگر مطلق اہل علم کے عمل کے ذکر سے ضعیف کی تقویت کا ارادہ فرماتے ہیں اور مراد تقویت ثابت کرنا ہوتا ہے تو جہاں اکثر اہل علم اور آئمہ مجتہدین کے عمل کا ذکر کریں اور روایت ضعیف بھی نہ ہو وہاں تو روایت کا اعلیٰ مقام ثابت ہوگا مگر وہابی مذہب پرستی کے جنون میں الٹی گنگا بہاتا ہے۔

خامساً: امام ترمذی کی زیر بحث عبارت ہمارے خلاف نہیں غیر مقلدوں کے خلاف ہے کیونکہ ان کا معمول آٹھ تراویح ہے حالانکہ امام ترمذی نے امت میں سے کسی کا قول و عمل آٹھ تراویح پر ذکر نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت نماز سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ کو فقہاء و محدثین تراویح کے بارے نہیں جانتے ورنہ صحابہ و تابعین اور بعد کے فقہاء و محدثین رضوان اللہ علیہم اسے ضرور اپنا معمول بتاتے اور آٹھ تراویح پر کمی و زیادتی نہ کرتے۔ (جاء الحق سے دوسری فصل)

بیس رکعت تراویح پر اعتراضات و جوابات میں مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس کے آغاز میں فرماتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدوں کے پاس آٹھ رکعت تراویح کی کوئی قوی دلیل نہیں کچھ اوہام رکیکہ اور کچھ شبہات فاسدہ ہیں۔ دل تو نہیں چاہتا تھا کہ ہم ان کا ذکر کریں مگر بحث مکمل کرنے کے لئے ان کے اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب کرے اعتراض نمبر ۱: امام مالک نے سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

"اَنَّہٗ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ اُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ وَّ تَمِیْمَ الدَّارِیَّ

اَنْ یَّقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰی عَشَرَۃَ رَکْعَۃً الخ“۔

”وہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں“۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آٹھ تراویح پڑہانے کا حکم دیا تھا اگر تراویح بیس رکعت ہوتیں تو کل رکعات ۲۳ تیئیس مع وتر کے۔

حضرت عائشہ کی روایت آٹھ تراویح کے تعین میں غیر مقلدوں کے بھی خلاف ہے:

جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی سخت خلاف ہے کیونکہ اس سے جہاں آٹھ تراویح کا ثبوت ہوا۔ وہاں ہی تین وتر کا بھی ثبوت ہوا تب ہی تو کل رکعتیں گیارہ ہوں گی۔ آٹھ تراویح تین وتر۔ اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو کل نو رکعتیں ہوتیں۔ نہ کہ گیارہ بتاؤ تم ایک رکعت وتر کیوں پڑھتے ہو کیا ایک ہی حدیث کے بعض حصہ کا اقرار ہے بعض کا انکار۔ لہٰذا اس روایت کا جو تم جواب دو گے وہی جواب ہمارا ہے۔

ددوسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی محمد ابن یوسف ہیں ان کی روایات میں سخت اضطراب ہے۔ موطا امام مالک کی اس روایت میں تو ان سے گیارہ رکعتیں منقول ہوئیں۔ اور محمد ابن نصر مروزی نے انہیں سے تیرہ رکعات نقل کیں۔ محدث عبد الرزاق نے انہیں سے اکیس رکعتیں نقل فرمائیں دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۸ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر۔ لہٰذا ان کی کوئی روایت معتبر نہیں تعجب ہے کہ آپ نفس امارہ کی خواہش پوری فرمانے کے لئے ایسی وھیات روایتوں کی آڑ پکڑتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ عہد فاروقی میں اولاً آٹھ رکعت کا حکم ہوا پھر بارہ رکعت کا پھر آخر میں بیس رکعت پر ہمیشہ کے لئے عمل ہوا۔ چنانچہ اسی موطا امام مالک میں حضرت اعرج سے ایک طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخر الفاظ یہ ہیں:

وَكَانَ قَارِئٌ يَقْرَءُ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِيْ ثَمَانِ رَكْعَاتٍ فَاِذَا اَقَامَهَا فِيْ اِثْنَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً رَاٰى النَّاسُ اَنَّهٗ قَدْ خُفِّفَ ۔

قاری آٹھ رکعت تراویح میں سورہ بقرہ پڑھتے تھے پھر جب بارہ رکعتوں میں پڑھنے لگے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ ان پر آسانی ہوگئی۔

اس حدیث کی شرح میں مولانا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

ثَبَتَ الْعِشْرُوْنَ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ وَفِي الْمُوْطَا رِوَايَةٌ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً وَّجُمِعَ بَيْنَهُمَا اَنَّهٗ وَقَعَ اَوَّلًا ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْاَمْرُ عَلَى الْعِشْرِيْنَ فَاِنَّهُ الْمُتَوَارَثُ ۔

یہاں بیس کا حکم حضرت عمر کے زمانہ میں ثابت ہوا موطا شریف میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ عہد فاروقی میں پہلے تو آٹھ رکعت کا حکم تھا پھر بیس رکعت پر تراویح کا قرار ہوا یہی مسلمانوں میں رائج ہے۔ معلوم ہوا کہ آٹھ رکعت تراویح پر عمل متروک ہے بیس رکعت تراویح صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں میں معمول۔ غیر مقلد کا اس پر پہلا اعتراض۔ مفتی صاحب کا محمد بن یوسف کے بارے میں یہ لکھنا کہ ان کی کوئی روایت معتبر نہیں۔ غلط محض ہے کیونکہ یہ صحیح بخاری کے راوی اور امام مالک کے استاد ہیں۔ امام ابن معین) امام احمد، امام نسائی اور علی بن مدینی اور امام ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ حافظ حجر فرماتے ہیں ثقہ اور ثبت ہیں ان کی ۶۲ احادیث صحیح بخاری میں ہیں۔ (تہذیب ج۹ ص۵۳۵ وتقریب التہذیب ص۲۳۸) اور امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ بخاری کی تمام روایات صحیح ہیں اور اس کے تمام راوی اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں لہٰذا مفتی صاحب کی ان کے حق میں جرح جو کہ بلا دلیل ہے قطعی طور باطل اور مردود ہے۔

(نام نہاد دین الحق ص۵۲۴)

الجواب اولاً: جناب وہابی صاحب امام مالک کے استاد صرف محمد یوسف ہی نہیں جس سے انہوں نے گیارہ رکعتیں نقل کیں امام مالک کے استاد حضرت یزید بن رومان

بھی ہیں جن سے آپ نے بیس رکعات تراویح کو روایت کیا۔ (موطا امام ص ۹۸) اور امام مالک رضی اللہ عنہ کے استاد حضرت یحییٰ بن سعید بھی ہیں جن سے آپ بیس تراویح روایت فرماتے ہیں چنانچہ امام ابن ابی شیبہ اپنی سند سے بیان کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَ رَجُلاً يُّصَلِّىْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲) **باب کم یصلی فی رمضان من رکعة۔**

امام مالک بن انس نے حضرت یحییٰ بن سعید سے روایت کی کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے۔

امام مالک کے استاد یزید بن رومان کے متابع یزید بن خفیفہ بھی ہیں جو حضرت سائب یزید سے بیس رکعت تراویح نقل فرماتے ہیں (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲، ص ۴۹۶) اب منصف مزاج قارئین حضرات خود فیصلہ فرمائیں کہ امام مالک کے استاد محمد بن یوسف کی روایت جس میں اضطراب بھی ہے یعنی انہیں سے بارہ اور اکیس رکعت بھی منقول ہے جیسا کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نشاندھی بحوالہ فرمائی یہ اس کے مقابلہ میں قابل عمل ہو سکتی ہے جسے امام مالک نے اپنے دو استادوں یزید بن رومان اور یحییٰ بن سعید سے بیان کیا اور اس میں ان کا ثقہ متابع یزید بن خفیفہ بھی موجود ہے جن کی بیس رکعت تراویح پر روایت کو متعدد محدثین نے صحیح کہا ہے جیسا کہ حوالہ جات گزرے مگر غیر مقلد کو یہ تو نظر آیا کہ محمد بن یوسف امام مالک کے استاد ہیں لیکن یہ دکھائی نہ دیا کہ حضرت یزید بن رومان اور حضرت یحییٰ بن سعید بھی امام مالک کے استاد ہیں جن سے آپ نے بیس رکعت تراویح روایت کیں ہیں۔ نیز امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے عدد رکعات تراویح پر روایات کو جمع کیا ہے انہوں نے گیارہ رکعت تراویح والی روایت کو متروک العمل اور بیس رکعت والی روایت کو جاری العمل قرار دیا ہے چنانچہ امام مالک کی محمد بن

یوسف سے گیارہ پر روایت اور امام مالک کی یزید بن رومان سے بیس رکعت پر روایت اور یزید بن خفیفہ سے بیس رکعت والی رکعت تراویح پر روایت بیان کے بعد فرماتے ہیں؛

امام بیہقی نے آٹھ اور بیس تراویح میں فیصلہ کر دیا:

ویمکن الجمع بین الروایتین فانهم کانو یقومون باحدی عشرة ثم کانو یقومون بعشرین و یوترون بثلاث۔ (بیہقی: ج ۲، ص ۴۹۶)

اور ممکن ہے موافقت ان دو روایتوں میں کہ پہلے گیارہ رکعت پڑھتے تھے پھر (اسے ترک کر کے) صحابہ نے بیس رکعات تراویح معمول بنا لیا اور تین وتر۔

یاد رہے کہ شرع مطہرہ میں طریقہ متروکہ پر عمل نہیں کیا جاتا بلکہ طریقہ مسلوکہ پر عمل کیا جاتا ہے لہٰذا گیارہ رکعت والی روایت دربارۂ تراویح قابل حجت نہیں کیونکہ اسے صحابہ و تابعین و تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اور بعد کے مسلمانوں نے متروک کر دیا ہے۔

ثانیاً: غیر مقلد کی یہ بات بھی حقائق سے بعید ہے کہ بخاری کی تمام روایات صحیح اور اس کی تمام راوی اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں کیونکہ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے خود کتاب الضعفاء میں اپنی صحیح بخاری کے بعض رواۃ کو ضعیف کہا ہے نمبر ۱ ابراہیم بن اسمٰعیل بن مجمع بن جاریۃ الانصاری کی روایت کو بخاری ج ۱، ص ۴۶۶ کتاب بدء الخلق باب قول اللہ تعالیٰ میں روایت کیا اور کتاب الضعفاء کے ص ۴۰۷ پر اسے کثیر الوھم کہا۔

نمبر ۲: حارث بن شبل کی روایت بخاری ج ۱، ص ۱۶۰ باب ینھی عن الکلام میں نقل کی اور کتاب الضعفاء کے ص ۴۲۱ پر اس کی جرح میں فرمایا: لَیْسَ بِمَعْرُوْفِ الْحَدِیْثِ یہ حدیث میں معروف نہیں یعنی مجہول ہے۔

نمبر ۳۔ سعید بن ابی عروبہ کی روایت کو بخاری ج ۱ ص ۱۴۱ پر نقل کیا اور الضعفاء کے ص ۴۴۰ پر اس کے متعلق لکھا۔ سَمِعْتُ اَبَا نُعَیْمٍ یُقُوْلُ کَتَبْتُ عَنْهُ بَعْدَ مَا اَخْتَلَطَ حَدِثُیْنِ ۔ میں نے ابونعیم کو کہتے سنا کہ میں نے ان سے یعنی سعید بن ابی عروبہ سے اس

وقت حدیث لکھی جب انہیں دو حدوثوں میں امتیاز نہ رہا۔

ثالثاً: اب غیر مقلدوں کو امام بخاری پر کتنا یقین ہے ان کے گھر کے محقق حافظ زبیر زئی نے امام بخاری کی کتاب الضعفاء پر حاشیہ لکھا ہے جس کا نام (تحفۃ الاقویاء فی تحقیق کتاب الضعفاء) رکھا ہے اس میں امام بخاری ایک راوی پر جرح میں کچھ فرماتے ہیں اور زئی صاحب کچھ اور حکم لگاتے ہیں ملاحظہ وہ خالد بن رباح کو امام بخاری نے مذکورہ کتاب کے صفحہ نمبر ۳۸ پر قدری کہا اور وہابی محشی نے اسے حسن الحدیث کہا۔ طلق بن حبیب کو امام بخاری مذکورہ کتاب کے صفحہ ۵۷ پر مرجئ المذہب کہا وہابی محشی نے اس پر حسن الحدیث کا حکم لگایا۔ اسی تحفۃ الاقویاء فی تحقیق کتاب الضعفاء کے صفحہ نمبر ۶۰ پر امام بخاری رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عمر بن حفص العمری کو قدری لکھتے ہیں جبکہ وہابی محشی اسے ثقہ صحیح الحدیث کہتا ہے یہ ہے وہابیوں کا امام بخاری پر یقین۔

غیر مقلد صاحب دوسرے اعتراض کے تحت لکھتے ہیں۔ رہا یہ اعتراض کہ امام عبد الرزاق نے ان سے اکیس رکعتیں نقل کی ہیں تو یہ اعتراض علل حدیث سے ناآشنائی کا نتیجہ ہے کیونکہ محمد بن یوسف سے اکیس رکعت روایت کرنے والے داؤد بن قیس ہیں اور اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام داؤد کا اختلاف ہو جائے تو امام مالک کی روایت مقدم اور قابل عمل ہوگی (علل الحدیث لابن ابی حاتم ج۱، ص۷۶)

حافظ ابن حجر امام مالک کے بارے میں فرماتے ہیں:

"الفقیه امام دار الهجرة راسه المتقین کبیر المثبتین حتی قال البخاری اصح الاسانید کلها مالك عن نافع عن ابن عمر"۔

(تقریب التہذیب: ص۲۳۹)

"فقہی (صحیح فقیہ) امام دار الہجرت متقین کا سردار بہت بڑا ثقہ یہاں تک کہ امام بخاری نے کہا کہ سب سے زیادہ صحیح اسانید تمام کی تمام مالک عن نافع عن ابن عمر کی ہیں"۔ انتھی

تیسرے اعتراض کے تحت لکھتے ہیں۔ امام مالک گیارہ رکعت نقل کرنے میں منفرد بھی نہیں بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دو متابع موجود ہیں۔ ایک تو امام جرح وتعدیل امام یحییٰ بن سعید القطان جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ان کی روایت احدی عشرۃ رکعہ فی رمضان موجود ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲، ص ۳۹۲) اور دوسرا متابع عبدالعزیز بن محمد ہے جیسا کہ سنن سعید بن منصور میں ہے۔ (فتح الباری: ج ۴، ص ۲۰۴، حاشیہ آثار السنن ص ۲۵۰) یہ مسلمہ اصول ہے کہ ثقہ راوی اپنے سے اوثق کی مخالفت کرے تو اس کی وہ روایت شاذ ہو گی (التدریب الراوی ج ۱، ص ۲۳۲) لیکن یہاں تو معاملہ درگوں ہے کیونکہ امام داؤد بن قیس سے امام مالک صرف اوثق ہی نہیں بلکہ ان کے دو ثقہ متابع موجود ہیں جنہوں نے گیارہ رکعت روایت کی ہے لہٰذا اصول حدیث اور فنی لحاظ سے اکیس رکعت والی روایت شاذ و ضعیف ہے قابل قبول نہیں ہے۔ رہا امام مروزی کا تیرہ رکعات روایت کرنا تو یہ اعتراض بھی علمی بصیرت سے کورا ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس میں عشاء کے بعد والی دو رکعات سنت کا ذکر ہے جس کا اقرار کرتے ہوئے علامہ نیموی حنفی لکھتے ہیں کہ:

”وَاَخْرَجَ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرِ الْمروزی فِیْ قِیَامِ اللَّیْلِ مِنْ طَرِیْقِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ یُوْسُفَ عَنْ جَدِّہٖ السَّآئِبِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ کُنَّا نُصَلِّیْ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ فِیْ رَمَضَانَ ثَلٰثَ عَشَرَۃَ رَکْعَۃً (انتھی) قُلْتُ ھٰذَا قَرِیْبٌ مِّمَّا رَوَاہُ مَالِکٌ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ یُوْسُفَ اَیْ مَعَ الرَّکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْعِشَآءِ“۔ (التعلیق الحسن: ص ۲۵۰)

محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل میں محمد بن اسحاق کے طریق سے روایت کی کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن یوسف نے اپنے دادا سائب بن یزید سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تیرہ رکعات پڑھتے تھے (انتھی) میں نیموی کہتا ہوں کہ یہ اس روایت کے قریب ہے جو امام مالک نے محمد بن یوسف سے بیان کی ہے (اور

مطلب اس کا یہ ہے کہ) عشاء کے بعد والی دو رکعتیں ملا کر (تیرہ رکعات بنتی ہیں)"۔

وہابی نے الٹی عقل کا مظاہرہ کیا:

نام نہاد دین الحق ص ۵۲۴ تا ۵۲۶۔

الجواب اولاً: ہمارا اعتراض محمد بن یوسف کی روایت پر ہے کہ ان کی روایت مضطرب ہے اس کے متن میں شدید اختلاف ہے موطا امام مالک میں ان سے گیارہ رکعت منقول ہے اور مصنف عبد الرزاق میں ان سے اکیس رکعات مروی ہے جب کہ محمد بن نصر مروزی نے انہیں سے تیرہ رکعتیں بیان کیں وہابی صاحب کو تو چاہیے تھا کہ وہ محمد بن یوسف کا کوئی متابع دکھاتا جس نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے گیارہ رکعت روایت کی ہو مگر وہابی جی الٹی عقل کا مظاہرہ کرتے ہوئے امام مالک کے متابع کی بات کرتے ہیں۔

ثانیاً: وہابی صاحب کو مصنف ابن ابی شیبہ میں امام مالک کا متابع و نظر آیا مگر یہ دکھائی نہ دیا کہ امام مالک اپنے ایک اور استاد یحیٰی بن سعید رضی اللہ عنہ سے بیس رکعت تراویح روایت فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو

"حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ مَّالِكِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ يَّحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَ رَجُلاً يُّصَلِّىْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً"۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

ہمیں حدیث بیان کی وکیع نے امام مالک بن انس سے انہوں نے حضرت یحیٰی بن سعید سے کہ بے شک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم کیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے۔ اب ترجیح بیس رکعت تراویح کو ہونی چاہئے کیونکہ اسے امام مالک اپنے دو استادوں سے بیان کرتے ہیں اور اس میں اضطراب نہیں۔

ثالثاً: امام مالک رضی اللہ عنہ ایک استاد محمد بن یوسف سے گیارہ رکعت نقل کرتے

ہیں اس روایت میں اضطراب بھی ہے جیسا کہ علامہ عینی نے فتح الباری شرح بخاری میں اس کی نشاندہی کی جبکہ دوسری طرف امام مالک اپنے دو استادوں حضرت یزید بن رومان اور حضرت یحییٰ بن سعید سے بیس رکعت تراویح روایت کرتے ہیں اس میں امام مالک کے دو استادوں کے متابع حضرت سائب کے متابع حضرت سائب بن یزید بھی ہیں اور امام مالک کے ثقہ متابع حضرت یزید بن خفیفہ ہیں جو کہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات بیان کرتے ہیں السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲، ص ۴۹۶) اس سے واضح ہے کہ لائق عمل روایت بیس تراویح کی ہے نہ کہ آٹھ رکعت کی لیکن وہابی صاحب حق پوشی کا کام کر رہے ہیں۔

رابعاً: وہابی صاحب نے مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مضبوط اعتراض کا کوئی جواب نہ دیا جو آپ نے فرمایا کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس میں جہاں آٹھ رکعت تراویح کا ثبوت ہوا وہاں ہی تین رکعت وتر کا بھی ثبوت ہوا تب ہی تو کل گیارہ رکعتیں بنتی ہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ وہابی بیچارہ اس کا کیا جواب دیتا کیونکہ ان کے مذہب میں تضاد ہی تضاد ہے تو تضاد کا کوئی حل و جواب نہیں ہو سکتا۔

خامساً: وہابی صاحب نے اس اعتراض سے کہ محمد بن یوسف سے اکیس رکعت تراویح بھی منقول ہے اس طرح جان چھڑائی کہ اس میں داؤد بن قیس راوی ہے جو کہ امام مالک سے کم ثقہ ہے اور محمد بن یوسف سے تیرہ رکعت کی روایت کے جواب میں کہہ دیا کہ اس میں دو رکعت سنت عشاء کے بعد والی کا ذکر ہے اس طرح یہ تیرہ رکعت ہیں لیکن اس کا وہابی صاحب سے کوئی جواب نہیں ہو سکا جو مفتی صاحب نے موطا امام مالک کے حوالہ سے روایت لکھی جسے امام مالک نے خود اپنی سند سے حضرت داؤد بن حصین سے انہوں نے حضرت اعرج سے بیان کیا جس میں ہے کہ: قاری آٹھ رکعت تراویح میں سورہ بقرہ پڑھتے تھے پھر جب بارہ رکعتوں میں پڑھنے لگے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ ان پر آسانی ہو گئی۔

وہابی مذہب کا حال کسی حدیث پر عمل کسی سے انکار:

فقیر کہتا ہے وہابی بیچارا اس کا کیا جواب دیتے مجبوری یہ ہے کہ اسے خود امام مالک اپنی سند سے بیان کر رہے ہیں اور یہ وہابی مذہب آٹھ رکعت تراویح سے کسی طرح موافقت نہیں کرتی یہ ہے وہابی مذہب کا حال کسی حدیث پر عمل اور کسی کا انکار۔ جاء الحق سے غیر مقلدوں کا دوسرا اعتراض اور مفتی صاحب کی طرف سے جواب ملاحظہ ہو اعتراض نمبر ۲۔ تمہاری پیش کردہ احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیس تراویح پڑھتے تھے تو حضرت عمر نے پہلے آٹھ رکعت تراویح کا حکم ہی کیوں دیا خلاف سنت حکم صحابہ کی شان سے بعید ہے جواب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تو بیس رکعت تراویح پڑھیں۔ مگر صحابہ کو اس تعداد کا صریح حکم نہ دیا تھا صرف رمضان کی راتوں میں نماز خصوصی کی رغبت دی تھی۔ بلکہ خود جماعت بھی باقاعدہ ہمیشہ نہ کرائی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ تراویح فرض ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے صحابہ کرام پر تراویح کی رکعات کی تعداد ظاہر نہ ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اولاً اپنے اجتہاد سے آٹھ پھر بارہ مقرر فرمائیں۔ بیس کی سند مل جانے پر بیس ہی کا دائمی حکم دے دیا اس زمانہ میں آج کی طرح حدیث یہ کتابوں میں جمع نہ تھی ایک ایک حدیث بہت کوشش ومحنت سے حاصل کی جاتی تھی اس کا غیر مقلد نے کوئی جواب نہیں دیا اب جاء الحق سے غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر ۳ ملاحظہ ہو: بخاری شریف میں ہے کہ ابو سلمہ نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں کتنی رکعات پڑھتے تھے تو ام المومنین نے ارشاد فرمایا کہ: مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَ رَكْعَاتٍ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے اگر بیس پڑھتے تو کل رکعات ۲۳ ہوتیں۔

جواب اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے اس لئے کہ اگر اس سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوئی ہے تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئیں تب ہی تو کل رکعت گیارہ ہوئیں بتاؤ تم وتر ایک رکعت کیونکہ پڑھتے ہو۔ جواب دو کیا بعض حدیث پر ایمان ہے بعض کا انکار۔

دوسرے یہ کہ حضرت ام المؤمنین یہاں نماز تہجد کا ذکر فرما رہی ہیں نہ کہ نماز تراویح کا اسی لیے آپ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان دیگر مہینوں میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ تراویح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں کب پڑھی جاتی ہے۔ اگر آپ اس پر غور کر لیتے تو ایسی جرأت نہ کرتے۔ اسی لیے ترمذی شریف نے اس حدیث کو صلوٰۃ اللیل یعنی تہجد کے باب میں ذکر فرمایا۔ نیز اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ وتر سے پہلے کیوں سو جاتے ہیں تو فرمایا کہ اے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سو کر اٹھ کر ادا فرماتے تھے۔

تراویح سونے کے بعد نہیں پڑھی جاتیں تہجد پڑھی جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر اس نماز سے مراد تراویح ہے اور آٹھ تراویح حضور نے پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح کا حکم کیوں دیا اور تمام صحابہ نے یہ حکم قبول کیوں کیا اور خود ام المؤمنین نے یہ سب کچھ دیکھ کر کیوں نہ اعلان فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے تم بیس رکعت پڑھتے ہو یہ خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے آپ کیوں خاموش رہیں ذرا ہوش کرو حدیث کو صحیح سمجھنے کی کوشش کرو غیر مقلد صاحب اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ یہ معارضہ خالص مغالطہ ہے جس کی ضروری تفصیل مسئلہ وتر میں دیکھی جا سکتی ہے کہ ہم تین عدد وتر کے ہرگز منکر نہیں ہیں۔

ثانیاً: اگر بریلوی علماء اپنے ڈیرے سے نکل کر اس کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہو تو وہ

رمضان المبارک میں کسی بھی اہلحدیث کی مسجد میں نماز تراویح پڑھکر دیکھ لیں۔

نام نہاد دین الحق ص ۵۱۸

الجواب اولاً: وہابی صاحب کے دبی زبان کے ساتھ کہنے سے کہ ہم تین عدد رکعت وتر کے منکر نہیں ہیں اعتراض سے جان نہیں چھڑا سکتے کیونکہ تم کہتے ہو اس صحیح حدیث میں آٹھ رکعت تراویح کا عدد ثابت و متعین ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ ایسے ہی کھلے دل سے کہو کہ اس صحیح حدیث میں تین رکعت وتر کا عدد ثابت و متعین ہے۔

وہابی کا ایک اعتراض سے جان چھڑوانے پر حیلہ:

ثانیاً: وہابی صاحب کا کہنا کہ ہم تین عدد وتر کے منکر نہیں اعتراض کے جواب سے عاجز ہو کر ایک وقتی جان چھڑانا ہے ورنہ یہ صاحب اپنا موقف ایک رکعت وتر ثابت کرنے کو پیچھے باب باندھ چکا ہے جس کا عنوان ہے: **باب الوتر برکعة** ۔ یعنی باب ہے ایک رکعت وتر کے بیان میں۔ اس باب میں اس نے اپنے موقف ایک رکعت وتر کو ثابت کرنے پر پوری کوشش کی ہے اور احناف کے موقف تین رکعت وتر کی مخالفت کی ہے مگر یہاں جبکہ اعتراض سے جان چھوٹتی نظر نہ آئی تو کہہ دیا ہم تین عدد وتر کے منکر نہیں۔ وہابی صاحب تیسرے اعتراض کے تحت لکھتا ہے:

اولاً: سائل نے تو صرف رمضان المبارک کی عبادت کے بارے میں سوال کیا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سائل کو جواب بھی اس کے سوال کے مطابق دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے پھر مزید وضاحت کے لیے مسئلہ کے دوسرے پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے غیر رمضان کی عبادت بھی بتادی کہ جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اسی طرح غیر رمضان میں بھی گیارہ رکعات سے زیادہ ادا نہ فرماتے تھے اور مفتی کو یہ حق حاصل ہے کہ سائل کے احوال کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب میں مسئلہ کے متعلقہ پہلو کی بھی وضاحت کر دے جس کی مثال خود ہادی برحق گرامی قدر جناب محمد

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملتی ہے کہ صحابی نے سمندر کے پانی کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: **هو الطهور ماء والحل ميتته** (موطا امام مالک ص ۱۶ و کتاب الام ج ۱، ص ۳ و مسند احمد ج ۲، ص ۳۲۱ و سنن دارمی ج ۱، ص ۲۰۱ و ابوداؤد ج ۱، ص ۱۱ و نسائی ج ۱، ص ۱۱ و ابن ماجہ ص ۶۲ و ترمذی مع تحفہ ج ۱، ص ۷۲) یعنی اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے حالانکہ سائل نے صرف پانی کے بارے میں پوچھا تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے ساتھ مردہ جانور کا حکم بھی بتا دیا اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سائل نے صرف رمضان کی عبادت کے بارے میں پوچھا تھا جیسا کہ **فكيف كانت صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان** کے الفاظ سے واضح ہے۔

ثانیاً: اگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے تہجد کے بارے میں ذکر کیا ہے تو آپ کے استاذ مکرم امام المحدثین امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب التراویح میں روایت کیا ہے بلکہ بیسیوں محدثین رحمۃ اللہ علیہ نے اسے تراویح میں ذکر کیا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطا ص ۱۳۸ میں **باب قيام شهر رمضان وما فيه من الفضل** میں سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت پیش کی ہے جس میں تین روز تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باجماعت تراویح کا ذکر ہے۔ چونکہ اس میں رکعات کی تعداد کا بیان نہیں اس لیے اس کے بعد ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت لائے ہیں۔ جس میں رکعات کا ذکر ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس فعل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کو نماز تراویح کی کڑی سمجھتے تھے۔ اور گیارہ رکعتوں کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت جان کر اس حدیث کو تراویح کے باب میں ذکر فرما کر ہمارے موقف پر دستخط کیے ہیں۔

ثالثاً: تہجد فی رمضان اور تراویح میں کوئی فرق نہیں ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اس بات کے قائل تھے جیسا کہ علماء دیوبند میں ایک بہت بڑے ممتاز علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ:

"ویؤیده فعل عمر رضى الله عنه فانه كان يصلى التراويح فى بيته فى آخر الليل مع انه كان امرهم ان يؤدوها بالجماعة فى المسجد ومع ذلك لم يكن يدخل فيها وذلك لانه كان يعلم ان عمل النبى صلى الله عليه وسلم كان بادائها فى آخر الليل ثم نبههم عليه قال ان الصلوة التى تقومون بها فى الليل مفضولة منها لو كنتم تقيمو نها فى آخر الليل فجعل الصلوٰة واحدة وفضل قيامها فى اول الليل وعامتهم لحالم يلد كوامراده جعلو دليلا على تغايرا الصلاتين وزعموا انهما كانتا صلاتين انتهى" (فیض الباری ج۲، ص۴۲۰)

"یعنی اس مسلک کی تائید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے بھی ہوتی ہے کہ وہ تراویح آخر شب میں اپنے گھر پڑھا کرتے تھے حالانکہ لوگوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھا کریں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود اس جماعت میں شریک نہیں ہوا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز آخر شب میں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو متنبہ بھی کر دیا کہ جو نماز تم لوگ اول شب میں پڑھتے ہو اس کو اگر آخر شب میں پڑھا کرو تو یہ زیادہ بہتر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تراویح اور تہجد اور تہجد فی رمضان دونوں کو ایک ہی نماز قرار دیا ہے۔ لیکن عام طور پر علماء نے ان کی مراد کو نہیں سمجھا اس لیے اس کو ان دونوں نمازوں میں مغایرت نماز کی دلیل بنا دیا اور یہ زعم کر بیٹھے کہ تہجد اور تراویح دو نمازیں ہیں"۔ (انتہی)

اور بقول شاہ صاحب امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب قیام اللیل میں لکھا ہے

بعض علماء سلف اس بات کے قائل ہیں کہ جو شخص تراویح پڑھے اس کو پھر تہجد نہیں پڑھنا چاہیے اور بعض علماء نے مطلق نفل کی اجازت دی ہے اور علماء سلف کا یہ اختلاف صاف دلیل ہے اس بات کی کہ ان کے نزدیک یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں ان کے الفاظ ہیں:

"ثم ان محمد بن نضر وضع عدة تراجم فی قیام اللیل و کتب ان بعض السلف ذهبوا الی منع التهجد لمن صلی التراویح وبعضهم قالو اباباحة النفل المطلق فدل اختلافهم هذا علی اتحاد الصلوتین عندهم" ۔ (فیض الباری ص مذکورہ)

ان عبارات پر اگر انصاف اور دیانت کی رو سے غور کریں تو کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ تراویح ہی تہجد فی رمضان ہے بلکہ شاہ صاحب نے ڈنکے کی چوٹ سے لکھا ہے کہ:

"قال عامة العلماء ان التراویح و صلوٰة اللیل نوعان مختلفان المختار عندی انهما واحد وان اختلفت صفتاهما......وجعل واختلاف الصفات دلیلاً علٰی اختلاف نوعیهما لیس بجید عندی بل کانت تلك صلوٰة واحدة اذا تقدمت سمیت باسم التراویح واذا تاخرت سمیت باسم التهجد ولا بردع فی تسمیتها باسمین عند تغایر الوصفین فانه لاجعد فی التغایر الاسمی اذا جتمعت علیه الامة وانما یثبت تغایر النوعین اذا ثبت عن النبی صلی الله علیه وسلم انه صلی التهجد مع اقامة بالتراویح" ۔ (حوالہ مذکورہ)

"یعنی عام طور پر علماء (حنفیہ) یہ کہتے ہیں کہ تراویح اور صلوٰۃ اللیل (تہجد) دونوں نمازیں مختلف النوع ہیں۔ لیکن میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ دونوں نمازیں متحد النوع ہیں اگرچہ دونوں کے اوصاف میں کچھ اختلاف ہے مگر صفات کے اختلاف کو نوع اختلاف کی دلیل بنانا میرے نزدیک ٹھیک نہیں

ہے حقیقت میں یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں۔ اول شب میں پڑھی گئی تو اس کا نام تراویح ہوا اور آخر شب میں ادا کی گئی تو اس کا نام تہجد ہوا اور جب ان دونون کے اوصاف میں کچھ اختلاف بھی ہے تو اس لحاظ سے اگر اس کے دو نام بھی ہوں تو کیا تعجب ہے ہاں ان دونوں نمازوں (میں) کا متغائر النوع ہونا اس وقت ثابت ہوگا جب یہ ثابت ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تراویح کے ساتھ ساتھ تہجد بھی ادا فرماتے تھے"۔ (انتھی۔ ملخصاً)

بریلوی مذیب کے فقیہ اعظم مولوی ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلی لکھتا ہے کہ:

"قیام رمضان جیسے نماز تراویح سے حاصل ہوتا ہے نماز تہجد سے بھی حاصل ہوتا ہے رمضان شریف کی تہجد پر بھی قیام رمضان بولا جا سکتا ہے"۔

(دلائل المسائل ص ۳۹) نام نہاد دین الحق ص ۵۱۸ تا ۵۲۱)۔

الجواب اولاً: سائل کے سوال میں اس کا تعین نہیں کہ اس نے حضرت عائشہ سے نماز تراویح کی رکعات کے عدد کے متعلق پوچھا بلکہ اس کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال میں قرینہ یہ ہے کہ تہجد کے بارے میں پوچھا تھا کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی عبادت میں رغبت دی اور زیادتی ثواب کا ذکر فرمایا سائل ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کی تہجد میں اضافہ فرمادیا ہو اس کے جواب میں ام المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

مَا كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةٍ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت پر زیادہ نہ کرتے تھے۔ اس میں بھی قرینہ یہ ہے کہ جواب میں اس نماز کا ذکر ہے جو رمضان اور رمضان کے علاوہ بھی پڑھی جاتی ہے تو وہ نماز تہجد ہے نہ کہ تراویح۔ نیز اگر سائل کا سوال نماز تراویح کے بارے میں ہوتا اور اس کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح کی کیفیت معلوم کرنا ہوتا تو وہ کسی صحابہ سے پوچھتے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین

روز نماز تراویح مسجد نبوی شریف میں ادا فرمائی اور بکثرت صحابہ نے اس کا مشاہدہ کیا لہٰذا اس کے بارے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھنے کی حاجت نہ تھی اور نماز تہجد کے بارے بنسبت رجال صحابہ کے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زیادہ واقف تھیں اس لیے حضرت ابو سلمہ کو ان سے پوچھنے کی حاجت ہوئی۔

ثانیاً: اگر حدیث عائشہ کا تعلق نماز تراویح سے ہوتا جیسا کہ طائفہ وہابیہ غیر مقلدہ کا دعویٰ ہے تو صحابہ اس کے خلاف بیس تراویح پر متفق کیوں ہوتے اور آئمہ مذاہب اس کا خلاف کیوں کرتے جبکہ آئمہ اربعہ میں سے بیس رکعت تراویح سے کم کس کا بھی مذہب نہیں۔

آٹھ تراویح کسی امام کا مذہب نہیں:

چنانچہ ھدایۃ المجتہد ص ۱۷۰ ج ۱ پر ہے:

"وَاخْتَلَفُوْا فِي الْمُخْتَارِ مِنْ عَدَدِ الرَّكَعَاتِ الَّتِيْ يَقُوْمُ بِهَا النَّاسُ فِيْ رَمَضَانَ فَاخْتَارَ مَالِكٌ فِيْ اَحَدِ قَوْلَيْهِ وَاَبُوْ حَنِيْفَةَ وَالشَّافِعِيُّ وَاَحْمَدُ وَ دَاوٗدُ الْقِيَامَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ وَ ذَكَرَ ابْنُ الْقَاسِمِ عَنْ مَالِكٍ اَنَّهٗ كَانَ يَسْتَحْسِنُ سِتًّا وَّثَلَاثِيْنَ رَكْعَةً وَّالْوِتْرَ ثَلَاثًا"۔

"یعنی تراویح میں مختار عدد میں اختلاف ہے مالک کے دو قولوں سے ایک میں اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور امام احمد اور داؤد ظاہری نے وتر کے علاوہ بیس رکعات پسند کی ہیں ابن قاسم نے امام مالک سے ایک روایت کی کہ وہ چھتیس رکعات کو مستحسن جانتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ چاروں اماموں کا مذہب بیس رکعت تھا۔ اگر کچھ اختلاف تھا تو وہ بیس سے زائد تھا آٹھ رکعت تراویح کسی کا بھی معمول نہیں تھا اگر حدیث عائشہ تراویح کے متعلق تھی تو یہ حضرات جو علم وعمل اور زہد وتقویٰ میں بلند پایا رکھتے تھے نہ سمجھے؟

ثالثاً: غیر مقلد کا دعویٰ کہ بیسیوں محدثین نے اسے یعنی حدیث عائشہ کو تراویح کے باب میں نقل کیا ہے فقیر مطالبہ کرتا ہے کہ وہابی صاحب آپ کسی ایک محدث سے ہی ثابت کریں کہ وہ آٹھ تراویح کا قائل ہو اور بیس رکعت کو خلاف سنت کہتا ہو کیا ان محدثین نے یہ نہ سمجھا کہ اس حدیث سے آٹھ تراویح ثابت ہیں اور اس سے زیادہ خلاف سنت ہیں مگر وہابیہ کو تیرویں صدی میں سمجھ آ گئی۔

حدیث عائشہ تہجد کے بارے میں ہے تراویح کے متعلق نہیں:

رابعاً: حدیث عائشہ کے آخری الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ یہ نماز تہجد کے بارے ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا:

''یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ فَقَالَ یَا عَآئِشَۃُ اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا تَنَامُ قَلْبِیْ''۔ (بخاری ج۱،ص۱۵۴)

''یا رسول اللہ آپ وتر پڑھنے سے قبل سو جاتے ہیں فرمایا اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا''۔

معلوم ہوا کہ جس نماز کا حدیث میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعت پر زیادہ نہیں کرتے تھے یہ سونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے اور سونے کے بعد نماز تہجد پڑھی جاتی ہے نماز تراویح سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔

خامساً: کثیر محدثین کرام نے حدیث عائشہ کو صلوٰۃ اللیل میں بیان کیا نہ کہ باب التراویح میں۔

(۱) امام مسلم نے مسلم شریف میں حدیث عائشہ کو باب صلوٰۃ اللیل (تہجد) کے میں نقل کیا ہے نہ کہ تراویح کے باب میں۔

(۲) امام ابوداؤد نے سنن ابوداؤد شریف میں اسے باب اللیل یعنی تہجد کے باب میں روایت کیا ہے۔ تراویح کے باب میں نہیں کیا۔

(۳) امام ترمذی نے اسی حدیث کو جامع ترمذی شریف کے باب صلوٰۃ اللیل میں بیان کیا ہے نہ کہ تراویح کے باب میں۔

(۴) امام نسائی نے سنن النسائی میں تین باب (قیام رمضان) (تہجد) اور وتر الگ الگ باندھے ہیں لیکن حدیث عائشہ کو صرف وتر کے باب میں نقل کیا ہے تراویح میں نہیں۔

(۵) موطا امام مالک میں تہجد وتراویح کے الگ الگ باب ہیں مگر حدیث عائشہ کو صرف تہجد کے باب میں ذکر کیا ہے نہ کہ تراویح کے باب میں۔

(۶) امام مروزی نے قیام اللیل ص ۴۷ میں اس حدیث کو قیام اللیل یعنی تہجد کے باب میں رکھا ہے نہ کہ تراویح کے باب میں۔

(۷) علامہ ولی الدین خطیب نے مشکوٰۃ میں تراویح وتہجد کے الگ الگ باب قائم کیئے مگر اس حدیث کو صرف تہجد کے باب میں ذکر کیا ہے۔

(۸) اسی طرح ابن قیم نے تراویح وتہجد کے دو علیحدہ علیحدہ باب باندھے لیکن حدیث عائشہ کو صرف تہجد کے باب میں بیان کیا۔ زاد المعاد ج ۱، ص ۸۶۔

(۹) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک بھی حدیث عائشہ صرف تہجد کے بارے میں ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ اردو ترجمہ ج ۲، ص ۱۹۵۔

(۱۰) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اپنے فتاویٰ عزیزی میں فرماتے ہیں کہ اس سے ظاہر ہے کہ حدیث عائشہ تہجد کے بارے میں ہے۔ فتاویٰ عزیزی اردو ترجمہ ص ۴۵۱۔

اس پر دلائل کہ تہجد وتراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں:

سادساً: غیر مقلد نے اس پر ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے کہ تہجد وتراویح ایک ہی چیز ہیں یعنی ایک ہی نماز کے دو نام ہیں مگر ہم بفضلہٖ تعالیٰ دلائل سے ثابت کرتے ہیں کہ تہجد و تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے جبکہ تہجد رمضان اور رمضان کے علاوہ بھی پڑھی جاتی ہے تراویح کا وقت عشاء کے فرضوں کے

بعد ہے اور تہجد کا عشاء کے فرضوں کے بعد اور سونے کے بعد ہے تراویح کے لیے جماعت مسنون ہے اور تہجد بغیر جماعت کے پڑھی جاتی ہے۔ نیز محدثین کرام نے تہجد و تراویح کے الگ الگ باب باندھ کر ثابت کیا ہے کہ یہ علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں۔

(۱) امام بیہقی روایت کرتے ہیں: عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ تَغَيَّرَ لَوْنُهٗ وَكَثُرَتْ صَلٰوتُهٗ وَابْتَهِلَّ فِى الدُّعَآء (شعب الایمان للبیهقی ج۳، ص۳۱۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ متغیر ہو جاتا اور آپ کی نماز زیادہ ہو جاتی اور خوب گڑگڑا کر دعا فرماتے اس سے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز زیادہ ہو جاتی تھی جب کہ نماز تہجد کے متعلق خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان و غیر رمضان میں وتر سمیت گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اب اس حدیث میں جو زیادتی کا ذکر ہے تو یہ نماز تراویح ہے۔

(۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ فِىْ رَمَضَانَ فَجِئْتُ فَقُمْتُ اِلٰى جَنْبِهٖ وَجَاءَ رَجُلٌ فَقَامَ اَيْضًا حَتّٰى كُنَّا رَهْطًا فَلَمَّا حَسَّ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّا خَلْفَهٗ جَعَلَ يَتَجَوَّزُ فِى الصَّلٰوةِ ثُمَّ دَخَلَ رَحْلَهٗ فَصَلّٰى صَلٰوةً لَّا يُصَلِّيْهَا عِنْدَنَا قَالَ قُلْنَا لَهٗ حِيْنَ اَصْبَحْنَا اَفَطِنْتَ لَنَا اللَّيْلَةَ قَالَ فَقَالَ نَعَمْ ذٰلِكَ الَّذِىْ صَنَعْتُ حَمَلَنِىْ الَّذِىْ صَنَعْتُ۔ (مسلم ج۱، ص۳۵۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں (ایک رات) نماز پڑھ رہے تھے، میں آیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا ایک اور صاحب آئے وہ بھی کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ہم ایک جماعت بن گئے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ ہم لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہیں تو آپ نے

نماز کو مختصر کر کے ختم کیا اور اپنے حجرہ مبارکہ میں تشریف لے گئے وہاں آپ نے وہ نماز پڑھی جو آپ ہمارے پاس نہیں پڑھتے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو ہم نے آپ سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے رات کو ہماری کیفیت وحالت کو سمجھ لیا تھا آپ نے فرمایا کہ ہاں اس چیز نے مجھے اس پر آمادہ کیا تھا جو میں نے کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی اس رات میں جو نماز صحابہ کرام کے ساتھ پڑھی تھی وہ اور تھی اور جو نماز گھر جا کر پڑھی تھی وہ اور تھی صحابہ کرام کے ساتھ جو پڑھی تھی وہ نماز تراویح اور جو اس سے فارغ ہو کر حجرہ مبارکہ میں تنہا پڑھی وہ تہجد تھی کیونکہ آپ کا معمول تھا کہ تہجد اپنے حجرہ مبارک میں ہی پڑھا کرتے تھے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ فِىْ حُجْرَتِهٖ۔

(الحدیث بخاری ج ۱ ص ۱۰۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز اپنے حجرہ میں ہی پڑھا کرتے تھے۔

(٣) ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے:

عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلَقٍ قَالَ زَارَنَا طَلَقُ بْنُ عَلِيٍّ فِىْ يَوْمٍ مِّنْ رَمَضَانَ وَاَمْسٰى عِنْدَنَا وَاَفْطَرَ ثُمَّ قَامَ بِنَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَاَوْتَرَ بِنَا ثُمَّ انْحَدَرَ اِلٰى مَسْجِدِهٖ فَصَلّٰى بِاَصْحَابِهٖ حَتّٰى اِذَا بَقِىَ الْوِتْرُ قَدَّمَ رَجُلاً فَقَالَ اَوْتِرْ بِاَصْحَابِكَ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا وِتْرَانِ فِىْ لَيْلَةٍ۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۳)

حضرت قیس بن طلق فرماتے ہیں کہ (ہمارے والد) طلق بن علی رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں ایک روز ہمارے گھر تشریف لائے اور شام کو ہمارے ہی ہاں روزہ افطار کیا آپ نے اس رات ہمیں نماز پڑھائی اور وتر بھی پڑھائے پھر آپ اپنی مسجد

میں چلے گئے اور اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی کیونکہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک رات دو دفعہ وتر پڑھنے جائز نہیں۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے جو پہلی نماز وتر سمیت پڑھی تھی وہ تراویح تھی اور دوسری نماز جو آپ نے اپنی مسجد میں جا کر پڑھی تھی وہ تہجد تھی۔

(۴) المدخل ابن الحاج میں ہے:

قَالَ الْاِمَامُ مُحَمَّدُ بْنُ مُحَمَّدِ الْعبدری الفاسی المالکی رحمه الله ،وَقَدْ قَالَ مَالِكٌ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی حِيْنَ كَانَ يُصَلِّیْ مَعَ النَّاسِ فِی الْمَسْجِدِ وَكَانَ الْاِمَامُ مِمَّنْ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ لَّا يُفَصِّلُ بَيْنَهُمَا بِسَلَامٍ اَمَّا اَنَا فَاِذَا اَوْتَرُوْا خَرَجْتُ وَتَرَكْتُهُمْ فَلِلْاِنْسَانِ بِمَالِكٍ رَحْمَهُ اللّٰهُ اُسْوَةٌ فِیْ تَرْكِ الْوِتْرِ مَعَهُمْ حَتّٰی يُوْتِرَ فِیْ بَيْتِهٖ بَعْدَ تَنَفُّلِهٖ آخِرِ اللَّيْلِ وَقَدْ كَانَ سَيِّدِیْ اَبُوْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُصَلِّیْ فِی الْمَسْجِدِ مَعَ النَّاسِ صَلٰوةَ الْقِيَامِ وَيُوْتِرُ مَعَهُمْ فَاِذَا رَجَعَ اِلٰی بَيْتِهٖ صَلّٰی مَا قَدَرَ لَهٗ وَلَا يُعِيْدُ الْوِتْرَ وَكَانَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَقُوْلُ اِنَّ شَيْخَهٗ سَيِّدِیْ شَيْخَ اَبَا الْحَسَنِ الزيات رَحِمَهُ اللّٰهُ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ۔ (ج٢ص٢٩٩)

محمد بن محمد عبدری (المعروف بہ ابن الحاج المتوفی ٧٢٨ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب کہ آپ لوگوں کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتے اور امام تین وتر درمیان سلام پھیرے بغیر پڑھاتا کہ، جب لوگ وتر پڑھنے لگتے ہیں تو میں درمیان سے نکل آتا ہوں اور انہیں چھوڑ دیتا ہوں، انسان کے لئے امام مالک کے ساتھ اس امر میں اسوہ اور نمونہ عمل ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ (تراویح کے بعد) وتر نہ پڑھتے بلکہ اپنے گھر نفل (تہجد) پڑھنے کے بعد پڑھتے سیدی ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں لوگوں کے ساتھ ہی تراویح کے بعڈ وتر پڑھتے اور گھر آکر جو توفیق ہوتی نوافل (تہجد) پڑھتے اور دوبارہ وتر نہ پڑھتے اور وہ فرماتے

میرے شیخ ابوالحسن زیات بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ حضرت طلق بن علی اور شیخ ابومحمد اور شیخ ابوالحسن زیات رحمہم اللہ علیہم کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات تراویح کے بعد وتر باجماعت ادا فرما کر گھر جاتے تھے۔ پھر تہجد گھر میں پڑھتے تھے اسی پر احناف کا عمل ہے بہر طور ان روایتوں سے ثابت ہوا کہ حضرت طلق بن علی صحابی رضی اللہ عنہ اور امام مالک اور شیخ ابومحمد اور شیخ ابوالحسن زیات رحمۃ اللہ علیہ تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔

(۵) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيلَ الْبُخَارِیُّ اِذَا كَانَ اَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ يَجْتَمِعُ اِلَيْهِ اَصْحَابُهٗ فَيُصَلِّیْ بِهِمْ وَيَقْرَءُ فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ عِشْرِيْنَ آيَةً وَّكَذٰلِكَ اِلٰی اَنْ يَّخْتَمَ الْقُرْاٰنَ وَكَانَ يَقْرَءُ فِی السَّحْرِ مَا بَيْنَ النِّصْفِ اِلَی الثُّلُثِ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَيَخْتِمُ عِنْدَ السَّحْرِ فِیْ كُلِّ ثَلَاثِ لِيَالِیْ ۔

(ھدی الساری مقدمہ فتح الباری ج۲ ص۲۵۳)

رمضان المبارک کی چاند رات حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ان کے شاگرد و اصحاب جمع ہو جاتے آپ انہیں نماز تراویح پڑھاتے ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے یوں ہی ختم قرآن تک سلسلہ چلتا رہتا اور سحر کے وقت (تہجد میں) نصف سے تہائی قرآن تک پڑھتے اور سحر کے وقت ہر تین رات میں ایک قرآن ختم کرتے۔

(٦) وحید الزمان غیر مقلد صاحب لکھتے ہیں۔ امام حاکم ابوعبداللہ نے بسند روایت کیا مقسم بن سعید سے کہ محمد بن اسماعیل بخاری جب رمضان کی پہلی رات ہوتی تو لوگ ان کے پاس جمع ہوتے وہ نماز پڑھاتے اور ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے یہاں تک کہ قرآن کو ختم کرتے پھر سحر کو نصف سے تہائی قرآن تک پڑھتے اور تین راتوں میں ختم کرتے اور دن کو ایک ختم کرتے۔ الخ) (تیسیر الباری۔ ج۱ ص۴۹)

(۷) تقریباً یہی بات عبدالسلام مبارکپور صاحب نے سیرت البخاری ص ۸۷ پر لکھی ہے

غیر مقلدوں کے شیخ الکل نذیر حسین دہلوی بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھا کرتے تھے:

(۹) چنانچہ اسکے سوانح نگار فضل حسین بہاری لکھتے ہیں۔ میاں صاحب لیالی رمضان المبارک میں دو ختم قرآن مجید بحالت قیام ہر سال سنتے ایک تو عشاء کے بعد تراویح میں جس کے امام تھے حافظ احمد عالم، فقیہ، محدث، جو آپ کے شاگرد رشید تھے تین سپارے روزانہ سناتے ترتیل و تجوید کے ساتھ دوسرا ختم سنتے نماز تہجد میں جس کے امام ہوتے حافظ عبدالسلام سلمہ (آپ کے بڑے پوتے) (الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۳۸) غیر مقلد بتائیں کہ اگر تراویح و تہجد دونوں ایک نہیں پڑھی تو مذکورہ بالا احادیث کا کیا جواب ہوگا جن میں ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تراویح پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اور نماز بھی پڑھی ہے بالخصوص حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کے بعد تہجد بھی پڑہی ہے نیز اگر تراویح و تہجد دونوں ایک چیز ہیں تو حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ، حضرت امام مالک، حضرت امام بخاری ان کے علاوہ دیگر بزرگانِ دین جن کے بارے گزرا کہ یہ حضرات تراویح کے بعد تہجد پڑھتے۔ تھے اور خود غیر مقلدوں کے شیخ الکل نذیر حسین دہلوی بھی تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔ تو ان حضرات کو معلوم نہ ہوا کہ نماز تراویح اور نماز تہجد دونوں ایک ہی چیز ہیں ان دونون کو الگ الگ پڑھنے کی حاجت نہیں ایک کو پڑھنا ہی کافی ہے۔

سابعاً: غیر مقلد صاحب کو جس کی بات موافق مذہب لگے خواہ وہ جیسا بھی ہو پہلے اسے بڑے بڑے القاب دیتے ہیں تا کہ لوگ جانے کہ اس کی بات وزنی اور حجت ہے یہی بات ہے کہ انور شاہ کشمیری دیو بندی کی عبارت کو کیونکہ اس نے بطور دلیل پیش کرنا تھا لہٰذا لکھتے ہیں۔ علماء دیو بند میں سے ایک بہت بڑے ممتاز عالم۔ آگے وہابی صاحب

نے جو اس کی عبارت دلیل کے طور پر پیش کی اس میں یہ بھی ہے کہ:

قَالَ عَامَةُ الْعُلَمَآءِ اِنَّ التَّرَاوِيْحَ وَصَلٰوةِ اللَّيْلِ نَوْعَانِ مُخْتَلِفَانه وَالْمُخْتَارُ عِنْدِیْ اِنَّهُمَا وَاحِدٌ وَّاِنْ اخْتَلَفَتْ صِفَتَاهُمَا۔

یعنی عامۃ العلماء نے کہا کہ بے شک تراویح اور تہجد دونوں مختلف نمازیں ہیں میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ وہ دونوں ایک ہیں اگر چہ ان دونوں کی صفات مختلف ہوئی ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کہ انور شاہ کشمیری وہابی صاحب کے نزدیک اتنے ہی بڑے مجتہد ہیں کہ عامۃ العلماء کی بات ٹھکرا کر اس کی بات دلیل بنا رہے ہیں اصل بات یہ ہے کہ جو بات وہابی مذہب کے موافق ہو وہی نص قطعی بن جاتی ہے یعنی ان کے نزدیک نص قطعی کا معیار ہی ان کے خود ساختہ مذہب کے موافق ہونا ہے۔ اب جاء الحق سے مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ سوالات پیش کیے جاتے ہیں۔ جو آپ نے مسئلہ تراویح کے متعلق غیر مقلد وہابیوں پر کیئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

وہابیوں کو مفتی صاحب کا چیلنج:

تمام دنیا کے وہابیوں سے حسب ذیل سوالات ہیں سارے مل کر ان کے جوابات دیں۔

(۱) کہ حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے بیس رکعت کا حکم دیا۔ کیا اس سنت کی انہیں خبر نہ تھی۔ آج قریباً چودہ سو سال بعد تم کو پتہ لگا۔

(۲) نعوذ باللہ اگر خلفائے راشدین نے بدعت سیئہ کا حکم دے دیا تھا تو تمام صحابہ نے بے چون و چرا قبول کیوں کر لیا کیا ان میں کوئی بھی متبع سنت نہ تھا آج تم اتنے عرصہ کے بعد حق گو بھی پیدا ہوئے اور متبع سنت بھی۔

(۳) اگر تمام صحابہ بھی خاموش رہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک سنت رسول کے خلاف بدعت سیئہ کا رواج دیکھا تو وہ کیوں خاموش رہیں۔ ان پر تبلیغ حق فرض تھی یا نہیں جیسے آج تم آٹھ رکعت تراویح کے لئے ایڑی چوٹی کا زبانی و قلمی و بدنی و مالی

زور لگا رہے ہو انہوں نے یہ کیوں نہ کیا۔ پھر تو ام المؤمنین سے تم افضل ہوئے۔ (نعوذ باللہ)

(۴) وہ تمام خلفائے راشدین اور سارے صحابہ بلکہ خود ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیس رکعت تراویح پڑھ کر یا پڑھوا کر یا جاری ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہ کر ہدایت پر تھے یا نعوذ باللہ گمراہ۔ اگر آج حنفی بیس رکعت تراویح پڑھنے کی بنا پر گمراہ و بدعتی ہیں تو ان حضرات پر تمہارا کیا فتویٰ ہے۔ جواب دو جواب دو۔

(۵) اگر بیس رکعت تراویح بدعت سیئہ ہے اور آٹھ رکعت تراویح سنت تو تم بہادروں نے چودہ سو برس بعد یہ سنت جاری کی۔ تو بتاؤ حرمین طیبین کے تمام مسلمان بدعتی و گمراہ ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں اور اگر ہیں تو تم آج نجدی وہابیوں کو اس کی تبلیغ کیوں نہیں کرتے۔ تمہارے فتوے صرف ہندو پاکستان میں فساد پھیلانے ہی کے لئے ہیں۔

(۶) حضرات آئمہ مجتہدین اور ان کے سارے متبعین جن میں اولیاء علماء محدث فقہاء مفسرین داخل ہیں جو سب بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ وہ سب بدعتی یا گمراہ تھے یا نہیں۔

(۷) اگر سارے یہ حضرات گمراہ تھے اور ہدایت پر تمہاری مٹھی بھر جماعت ہے تو ان گمراہوں کی کتابوں سے حدیث لینا حدیث پڑھنا جائز ہے یا حرام اور ان کی روایت حدیث صحیح ہے یا نہیں جب بدعمل کی روایت صحیح نہیں تو بدعقیدہ کی روایت کیونکر صحیح ہو سکتی ہے۔

(۸) تمام دنیا کے مسلمان جو بیس تراویح پڑھتے ہیں۔ تمہارے نزدیک گمراہ اور بدعتی ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔

سواد اعظم کی اتباع کرو۔ (الحدیث):

اتبعوا السود الاعظم مسلمانوں کے برے گروہ کی اتباع کرو۔ اور قرآن کریم نے عامۃ المسلمین کو خیر امت اور شہداء علی الناس کیوں فرمایا؟ امید ہے کہ حضرات وہابیہ نے نجد تک کے علماء سے مل کر ان سوالات کے جواب دیں ہم منتظر ہیں۔

غیر مقلد صحاح ستہ سے کوئی ایک صحیح مرفوع حدیث پیش کریں جس میں ثابت ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ تراویح پڑھتے تھے:

(ہمارا مطالبہ) ہم ساری دنیا کے نجدیوں وہابیوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک صحیح مرفوع حدیث مسلم بخاری یا کم از کم صحاح ستہ کی ایسی پیش کریں جس میں صراحۃ مذکور ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے یا اس کا حکم فرماتے تھے۔ مگر تراویح کا لفظ ہو یا صحابہ کرام نے آٹھ تراویح دائمی طور پر قائم فرمائیں۔ اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ قیامت تک نہ دکھا سکو گے صرف ضد پر ہو۔ رب تعالیٰ توفیق بخشے آمین۔ بیس رکعت تراویح کا ثبوت الحمدللہ حضور کے فعل شریف صحابہ کے فرمان و عمل عامۃ المسلمین کے طریقہ شرع اور عقل سے ہوا۔ **والحمد للہ رب العلمین** (لطیفہ) غیر مقلد وہابی جب کبھی حنفیوں میں پھنس جاتے ہیں۔ تو تراویح بیس رکعت پڑھ لیتے ہیں جس کا بارہا مشاہدہ ہوا۔ اور ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ انہیں خود بھی اپنے مذہب پر اعتماد نہیں۔

اس پر غیر مقلد کے اعتراض لکھتے ہیں۔

اولاً: ان اعتراضات کو مکرر پڑھ لیجئے کہ مفتی صاحب نے صرف نمبر بڑھانے کی خاطر ان کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے جبکہ اصولی طور پر یہ ایک ہی سوال ہے۔

وہابی کی عاجزی کہ ہمارا آٹھ تراویح پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل پیش کرنے کا تھا مگر یہ حضرت عمر سے ثابت کرتا ہے:

ثانیاً: علمائے بریلی پہ واضح ہو کہ ہم نے خلیفۃ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے آٹھ رکعت کا حکم دکھا دیا ہے جبکہ مفتی صاحب نے کسی بھی خلیفہ راشد سے بیس رکعت کا حکم نہیں

دکھایا اور نہ کوئی دکھا سکتا ہے۔

صبح ازل تک مہلت ہے قسمت آزمائی کر دیکھئے۔

ہوا کے رخ پہ نشیمن بنائے بیٹھے ہیں
کبھی تو لائے گی باد صبا پیغام تیرا

ثالثاً: یہ جو مفتی صاحب نے اس سلسلہ میں آثار پیش کیے ہیں تمام من گھڑت ہیں جس کی ضروری تفصیل گزر چکی ہے۔ لہٰذا یہ سوال ہماری طرف سے تصور کر لیجئے کہ خلیفہ راشد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا آٹھ رکعت کا حکم دینا اور پھر ان کی خلافت میں کثیر صحابہ کی موجودگی میں اس پر عمل ہو جانا اور کسی بھی صحابی کا اختلاف نہ کرنا بلاشبہ اصول فقہ حنفیہ کے مطابق یہ اجماع صحابہ ہے۔

مفتی صاحب مزید فرماتے ہیں کہ اگر بیس رکعت بدعت ہے تو تم بہادروں نے دوسو برس بعد سنت جاری کی ہے تو بتاؤ کہ حرمین کے مسلمان بدعتی اور گمراہ ہیں۔ یہی بات مفتی صاحب نے مختلف الفاظ سے نمبر بڑھانے کی غرض سے مکرر لکھی ہے حالانکہ یہ وہی بات ہے جو مفتی صاحب پہلے لکھ چکے تھے اور اس ساری بحث کی وجہ یہ ہے کہ مفتی صاحب اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ بیس رکعت پر اجماع ہے حالانکہ یہ دعویٰ قطعی طور پر غلط ہے اور بلا دلیل ہے، ہم نے گزشتہ اوراق میں علامہ عینی حنفی کا مفصل کلام نقل کیا ہے کہ امت میں تعامل دس اقوال پر ہے کچھ تو بیس سے زیادہ پڑھتے ہیں اور کچھ کم اور یہ اختلاف بھی مسنون رکعات میں نہیں بلکہ مستحب رکعات میں ہے کیونکہ بیس پڑھنے والوں نے بھی تراویح کی مسنون تعداد آٹھ تسلیم کی ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام المحدثین نے گیارہ کو ترجیح دی ہے۔ امام ابوبکر ابن العربی جو کہ چھٹی صدی ہجری کے ایک نامور محدث ہیں اور صحیح بخاری و جامع الترمزی اور موطا امام مالک جیسی اہم کتب حدیث کے شارح ہیں۔ انہوں نے بھی گیارہ رکعات کو اختیار کیا ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آٹھ پر عمل تھا لیکن بایں ہمہ مفتی

صاحب کا اسے ۱۴ ویں صدی کی ایجاد کہنا افتراء نہیں تو کیا ہے؟ رہا بیس کا ہماری طرف سے بدعت کا اعلان تو اس کا جواب صاف ہے کہ جو فتویٰ احناف کا اکتالیس رکعات پر ہے وہی ہماری طرف سے بیس رکعات پر ہے۔ ہاں اگر کوئی نفل سمجھ کر (سنت نہ جان کر) بیس رکعات پڑھتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ ناجائز نہیں لیکن بہر حال سنت آٹھ رکعت ہی ہے حضرت نواب صدیق الحسن خاں صاحب فرماتے ہیں کہ:

"نَعَمْ تَجُوْزُ صَلٰوۃُ التَّرَاوِیْحِ وَعَدَدُ الرَّکْعَاتِ فِیْهَا بِزِیَادَۃٍ وَّ نُقْصَانٍ لٰکِنْ لَّا یُقَالُ اِنَّهَا سُنَّۃٌ عَلٰی هٰذِهِ الْحَالَۃِ الطَّارِئَۃِ بَلِ السُّنَّۃُ الصَّحِیْحَۃُ الْمُحْکَمَۃُ مَا رَوَدَ فِیْ حَدِیْثِ عَآئِشَۃَ الْمَذْکُوْرِ مَرْوِیٌّ فِی الصَّحِیْحِ"۔

(عون الباری: ج ۴، ص ۳۷۶) (نام نہاد دین الحق ص ۵۴۷ تا ۵۴۹)

الجواب اولاً: یہ وہابی جی کی غلط بیانی ہے کہ مفتی صاحب نے صرف نمبر بڑھانے کی خاطر اعتراضات کو چار حصوں پر تقسیم کیا ہے جبکہ اصولی طور پر یہ ایک ہی سوال ہے فقیر کہتا ہے کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مقلدوں پر اس جگہ کل (۸) سوال کیے ہیں جن میں ہر ایک سوال کی مطلوب سوالیہ شق علیحدہ ہے سوال کی عبارت اور غرض و غایت میں واضح فرق ہے پھر یہ ایک ہی سوال کیسے ہوا؟

ثانیاً: جب وہابی صاحب سے مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے عالمانہ محققانہ اور مبنی بر حقیقت سوالات کا کوئی جواب نہ ہو سکا تو یہ گپ ہانگ دی کہ ہم نے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے آٹھ رکعت کا حکم دکھا دیا ہے جبکہ مفتی صاحب نے کسی بھی خلیفہ راشد سے بیس کا حکم نہیں دکھایا اور نہ کوئی دکھا سکتا ہے فقیر کہتا ہے کہ جس روایت کی بنا پر غیر مقلد صاحب کہتا ہے ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آٹھ تراویح کا حکم دکھا دیا ہے اس پر بیان گزر چکا کہ یہ روایت مضطرب ہے نیز امام بیہقی کا بیان گزرا ہے کہ یہ حضرت عمر نے پہلے فرمایا بعد میں بیس رکعت تراویح پر امر متعین ہوا رہا یہ کہ مفتی صاحب

نے کسی بھی خلیفہ راشد سے بیس کا حکم نہیں دکھایا۔ اور نہ کوئی دکھا سکتا ہے۔ فقیر کہتا ہے وہابی صاحب مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کی اول فصل میں حدیث نمبر ۸ کے تحت بیان کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں: اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَهٗ اَنْ تُصَلِّیْ بِاللَّیْلِ فِیْ رَمَضَانَ ۔ بے شک عمر بن خطاب نے اسے حکم دیا کہ وہ رمضان میں رات کو نماز پڑھائیں۔ اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ صحابہ کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ تو بیس رکعت پڑھانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہی تھا اسی جاء الحق کی اسی فصل میں حدیث نمبر ۹ جو کہ امام بیہقی نے اپنی سند سے حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی سے روایت کی اس میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا مگر یہ سارا کچھ وہابی صاحب کو تب نظر آئے جبکہ تعصب کی عینک اتار کر دیکھے۔

عمر فاروق کے دور میں بیس تراویح کے ثبوت کی روایت کی صحت:

ثالثاً: وہابی جی کا بیس رکعت تراویح پر مفتی صاحب کی پیش کردہ روایات کو من گھڑت کہنا نرا تعصب و دین دشمنی ہے کیونکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیس رکعت تراویح کے ثبوت پر روایت کو محدثین رضوان اللہ علیہم نے صحیح کہا ہے۔ علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> وَرَوَی الْبَیْہَقِیُّ فِی الْمَعْرِفَةِ عَنِ السَّآئِبِ بْنِ یَزِیْدَ : قَالَ کُنَّا نَقُوْمُ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَّالْوِتْرَ۔

(قال النووی فی الخلاصۃ اسنادہ صحیح مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳، ص ۱۹۴)

> امام بیہقی نے معرفہ میں حضرت سائب بن یزید سے روایت کی کہ اس نے فرمایا ہم (صحابہ) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بیس تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔

علامہ نووی نے خلاصہ میں فرمایا کہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔ علامہ نیموی فرماتے

ہیں:

قُلْتُ هٰذَا الْاَثَرُ قَدْ صَحَّحَ اِسْنَادَهٗ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْحُفَّاظِ كَالنَّوَوِيْ فِي الْخُلَاصَةِ وَابْنُ الْعِرَاقِيْ فِيْ شَرْحِ التَّقْرِيْبِ وَالسُّيُوْطِيْ فِي الْمَصَابِيْحِ۔ (التعلیق الحسن۔ ص۲۰۰)

میں کہتا ہوں کہ اس روایت کی اسناد کو حفاظ محدثین سے کئی نے صحیح کہا ہے جیسا کہ علامہ نووی نے خلاصہ میں اور علامہ ابن عراقی نے شرح تقریب میں اور علامہ سیوطی نے مصابیح میں۔

اس کے علاوہ ایک اور روایت بھی صحیح سند سے آئی ہے۔

چنانچہ شرح السنہ بغوی ج ۴، ص ۱۲۲ پر ہے۔ وَعِنْدَهٗ اَيْضًا (یعنی عند ابن ابی شیبۃ)

عَنْ نَّافِعِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ ابْنُ اَبِيْ مَلِيْكَةَ يُصَلِّيْ بِنَا فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً۔

نیز اس کے نزدیک یعنی ابن ابی شیبہ کے نزدیک حضرت نافع ابن عمر سے راوی کہ اس نے فرمایا ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

اسی جگہ اس پر حاشیہ میں ہے واسنادہ صحیح۔ یعنی اسناد اس کی صحیح ہے

اسی روایت کو علامہ نیموی نے بھی صحیح کہا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔ رواہ ابو بکر ابن ابی شیبۃ واسنادہ صحیح آثار السنن۔ ۲۰۱۔ یعنی اسے ابو بکر ابن ابی شیبہ نے روایت کیا اور اسناد اس کی صحیح ہے۔ وہابی صاحب اس کی صحت پر اپنے گھر کی گواہی بھی دیکھ لیں علامہ وحید الزماں غیر مقلد صاحب تیسیر الباری ترجمہ و شرح صحیح بخاری ج ۲، ص ۳۳۳) پر لکھتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صاحب سے بہ سند صحیح بیس رکعت پڑھنا منقول ہے۔

ایک غیر مقلد کا دور خلفاء راشدین میں بیس تراویح پڑھنے کی صحت کا اقرار:

غیر مقلد دوسری گواہی بھی وصول کر لے سید سابق غیر مقلد صاحب لکھتے ہیں:

وَصَحَّ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً۔ (فقہ السنہ ج۱، ص۱۸۲)

اور صحیح سند سے آیا ہے کہ بے شک لوگ عمر وعثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ خلافت میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔

رابعاً: مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیس تراویح پر اجماع امت کو بحوالہ ثابت کیا جس پر بے شمار شواہد موجود ہیں مگر غیر مقلد صاحب نے اس کا انکار کر دیا اب جب اپنے مذہب کو سہارا کی ضرورت در پیش آئی بلا دلیل ہی آٹھ رکعت تراویح پر اجماع امت کا دعویٰ کر دیا۔ سچ ہے جب کسی میں حیاء نہ رہے تو جو چاہے کہہ اور جملہ کیسا گھڑا کہ بلا شبہ اصول فقہ حنفیہ کے مطابق یہ اجماع صحابہ ہے۔ جس فقہ حنفیہ کے طائفہ وہابیہ غیر مقلدہ دشمن ہے اور اسے قرآن وسنت کے خلاف جانتا ہے اسے ہی دلیل بنالیا حقیر کہتا ہے وہابی جی آپ تو شرم وحیاء کی حد توڑ کر اور خوف خدا سے بے نیاز ہو کر آٹھ تراویح پر اجماع صحابہ کا دعویٰ کرتے ہیں آپ اپنے سارے حمایتوں کو جمع کر کے اور پورا زور لگا کر مسلمانوں کا کوئی ایک علاقہ کوئی شہر کوئی بستی یا کوئی ایک مسجد ہی ثابت کر دیں جہاں دور صحابہ دور تابعین دور تبع تابعین اور اس کے بعد آٹھ تراویح پر تسلسل سے عمل رہا ہو۔ وہابی جی ایک اور اعتراض کے تحت لکھتے ہیں۔

سواد اعظم کی مراد میں غیر مقلد کے حیلے:

علمائے احناف کو مسلّم ہے کہ کسی مسئلہ کے ثبوت وحقانیت کے لئے صرف ادلہ اربعہ ہیں یعنی قرآن وحدیث اجماع اور قیاس) اگر سواد اعظم اور اکثریت بھی دلیل ہو تو ادلہ اربعہ کا اصول بے سود ہے۔

ثانیاً: قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سورہ سباء آیت نمبر۱۳) میرے بندے شکر گزار تھوڑے ہیں) لہٰذا اکثریت کی بناء پر کسی مسئلہ کا ثبوت پیش

کرنا جہالت ہے۔

ثالثاً: سواد اعظم سے کون مراد ہیں اگر اکثریت ہے تو یہ نص قرآن سے باطل ہے بلکہ اس سے ایک خاص جماعت مراد ہے جس کی تفسیر ایک دوسری حدیث میں مروی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَآئِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ۔ (صحیح مسلم و مشکوٰۃ ص ۴۸۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت سے ایک طائفہ ہمیشہ حق پر لڑتا رہے گا)

اس حدیث میں لفظ طائفہ آیا ہے اور طائفہ کسی چیز کے ٹکڑے کو کہتے ہیں جو قلت پر دلالت کرتا ہے چنانچہ علامہ ھارون مرجان حنفی فرماتے ہیں:

وَفِی الْحَدِيْثِ اِذَا اخْتَلَفَ النَّاسُ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ وَالْمُرَادُ بِهٖ لُزُوْمُ الْحَقِّ وَاِتْبَاعِهٖ وَاِنْ كَانَ الْمُتَمَسِّكُ بِهٖ قِلِيْلاً وَّالْمُخَالِفُ بِهٖ كَثِيْرًا لِاَنَّ الْحَقَّ مَا كَانَ عَلَيْهِ الْجَمَاعَةُ الْاُوْلٰى وَهُمُ الصَّحَابَةُ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ

(ناظورۃ الحق ص ۱۵۷ بحوالہ خاتمہ اختلاف ص ۹۱)

یعنی سواد اعظم والی روایت سے مراد اتباع حق اور لزوم حق ہے اگرچہ حق کے پکڑنے والے تھوڑے ہوں اور مخالفین حق زیادہ ہوں۔

کیونکہ حق وہی ہے جس پر صحابہ کرام اور ان کے متبعین ہوں (انتھی) معروف لغت دان علامہ منظور افریقی لکھتے ہیں:

"وَفِی الْحَدِيْثِ لَا تَزَالُ طَآئِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ عَلَى الْحَقِّ۔ اَلطَّآئِفَةُ الْجَمَاعَةِ مِنَ النَّاسِ وَتَقَعُ عَلَى الْوَاحِدِ نَفْسًا طَائِفَةً"۔

(لسان العرب: ج ۹، ص ۲۶۶)

رابعاً: یہ حدیث سرے سے دلیل ہی نہیں بن سکتی کیونکہ اس کی سند میں ابوحالف الاعمش ہے راوی کا صحیح نام ابوخلف الاعمی ہے فقیر راقم: ابن ماجہ ص ۲۹۱۔ اور یہ متروک الحدیث ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں متروک ورماہ ابن معین بالکذب (تقریب ص ٦٩٦) علامہ ذھبی لکھتے ہیں کہ:

کذب یحیٰی ابن معین وقال ابو الحاتم منکر الحدیث (میزان ج ۴، ص ۵۲۱) خلاصہ ان عبارات کا یہ ہے کہ ابوخلف الاعمش متروک الحدیث ہے۔ اسے امام ابن معین نے کذاب اور امام ابوحاتم نے منکر الحدیث کہا ہے۔ علاوہ ازیں حافظ ابن حجر نے سراحت کی ہے کہ مذکورہ روایت بیان کرنے میں ایوحلف منفرد ہے

(تھذیب ج ۱۲، ص ۸۸)

خامساً: اگر اس حدیث کے ضعف کو بھی نظر انداز کر دیا جائے اور علمائے بریلی ہمارا بیان کردہ معنی بھی تسلیم نہ کریں تو پھر سنئے کہ مولوی احمد رضا فاضل بریلوی نے کہا ہے کہ حدیث عقائد کے متعلق ہے فروع کے بارے باور کرانے والا جاہل وجہنمی ہے۔ ان کے الفاظ ہیں کہ یہ اتباع سواد اعظم کا حکم اور من شذ فی النار کی وعید صرف دربارہ عقائد ہے مسائل فروعیہ فقہیہ کو اس سے کچھ علاقہ نہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے آئمہ اربعہ تک رضی اللہ عنہ اجمعین کوئی مجتہد ایسا نہ ہوگا جس کے بعض اقوال خلاف جمہور نہ ہوں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا مطلقاً جمع زر کو حرام ٹھہرانا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نوم (نیند) کو اصلاً حدث نہ جاننا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مسئلہ ربا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مسئلہ مدت رضاع امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسئلہ متروک التسمیہ عمداً امام مارک رحمۃ اللہ علیہ کا مسئلہ طہارت سور کلب وتعداد غسلات سبع امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا نقض وضو بلحم جذور وغیرہ ذلک مسائل کثیرہ کو جو اس وعید کا مورد جانے خود شذ فی النار کا مستحق بلکہ اجماع امت کا مخالف اور نولہ ماتولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا کا موجب ہوگا۔

(انتہی بلفظہ فتاوی رضویہ ج ۷، ص ۴۸۲)

الغرض! مذکورہ روایت لائق استدال اور قابل عمل قطعاً نہیں ویسے اسے عقلی کسوٹی پر بھی اگر پرکھا جائے تو اس کا باطل ہونا واضح ہے کیونکہ آج جو مسلمانوں کی حالت ہے ان میں اکثریت دنیا پرستوں کی ہے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے کم ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے غاصب زیادہ ہیں بلکہ اگر علماء بریلی برا محسوس نہ کریں تو ان کی جماعت میں بے دین کثرت سے ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ بریلویت جہالت کی پیداوار ہے تو بے جا نہیں امر واقعہ اور حقیت یہی ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۵۴۹ تا ۵۵۱)

حدیث سواد اعظم پر غیر مقلد کے اعتراضوں کے جواب:

الجواب اولاً: غیر مقلد صاحب کی مذکورہ تحریر اس کی جہالت کی آئینہ دار اور بدنیتی پر مبنی ہے خود ہی مفسر و شارح بن کر بڑی مکاری سے حدیث شریف کا مدلول و معنی ہی بدل کر رکھ دیا۔ ایک یہ جہالت و بد دیانتی کا ثبوت دیا کہ سواد الاعظم اور طائفہ کو ہم معنی کہے دیا حالانکہ یہ دونوں لفظ ہم معنی نہیں ہیں کیونکہ سواد کے ساتھ اس کی صفت الاعظم مذکور ہے جس کا معنی بڑی جماعت ہے جب کہ طائفہ کا اطلاق گروہ پر ہوتا ہے خواہ وہ چند ہی ہوں۔ اب سواد الاعظم کا معنی و مراد ملاحظہ فرمائیں۔ ابن ماجہ شریف کے محشی اسی زیر بحث حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

"فَهٰذَا الْحَدِيْثُ مَعْيَارٌ عَظِيْمٌ لِاَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ شَكَرَ اللّٰهُ سَعْيَهُمْ فَاِنَّهُمُ السَّوَادِ الْاَعْظَمَ وَذٰلِكَ لَا يَحْتَاجُ اِلٰى بُرْهَانٍ فَاِنَّكَ لَوْ نَظَرْتَ اِلٰى اَهْلِ الْاَهْوَاءِ بِاَجْمَعِهِمْ مَعَ اَنَّهُمْ اِثْنَتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِرْقَةً لَّا يَبْلُغُ عَدَدُهُمْ عَشْرَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَاَمَّا اِخْتِلَافُ الْمُجْتَهِدِيْنَ فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَكَذٰلِكَ اِخْتِلَافُ الصُّوْفِيَّةِ الْكِرَامِ وَالْمُحَدِّثِيْنَ الْعُظَامِ وَالْقُرَاءِ الْاَعْلَامِ فَهُوَ اِخْتِلَافٌ لَا يُضَلِّلُ اَحَدُهُمُ الْاٰخَرَ"۔ (حاشیہ ابن ماجہ ص ۲۹۲)

پس یہ حدیث اہل سنت و جماعت کے لئے معیار عظیم ہے اللہ ان کی کوشش قبول

فرمائے بے شک وہی سوادِ اعظم ہیں اور یہ کسی دلیل کا محتاج نہیں پس اگر تو تمام اہل ہوا (نفس پرستوں) کو دیکھے باوجود اس کے کہ وہ بہتر فرقے ہیں تو ان کی تعداد اہل سنت کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتی اور بہر حال وہ اختلاف جو مجتہدین کے درمیان اور اسی طرح صوفیہ کرام کا اختلاف اور محدثین عظام کا اور قرأ اعلام کا تو وہ ایسا اختلاف ہے کہ ان کا کوئی بھی دوسرے کو گمراہ نہیں کہتا۔ اسے سے معلوم ہوا کہ سوادِ اعظم کا معنی بڑی جماعت ہے اور اس سے مراد اہلسنّت و جماعت ہے۔

سوادِ اعظم سے مراد مسلمانوں کی بڑی جماعت ہے:

دوم: حاشی مشکوٰۃ پر اسی حدیث کے تحت ہے:

”قَوْلُهٗ اِتَّبِعُو السَّوَادَ الْاَعْظَمَ يُعَبَّرُ بِهٖ عَنِ الْجَمَاعَةِ الْكَثِيْرَةِ وَالْمُرَادُ مَا عَلَيْهِ اَكْثَرُ الْمُسْلِمِيْنَ“ ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ سوادِ اعظم کی پیروی کرو اس کی مراد جماعت کثیرہ ہے اور مراد وہ (راستہ) ہے جس پر اکثر مسلمان ہیں۔ (سوم) علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

”قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّبِعُو السَّوَادَ الْاَعْظَمَ) يُعَبَّرُ بِهٖ عَنِ الْجَمَاعَةِ الْكَثِيْرَةِ وَالْمُرَادُ مَا عَلَيْهِ اَكْثَرُ الْمُسْلِمِيْنَ قِيْلَ وَهٰذَا فِيْ اُصُوْلِ الْاِعْتِقَادِ كَاَرْكَانِ الْاِسْلَامَ وَاَمَّا الْفُرُوْع كَبُطْلَانَ الْوُضُوْءِ بِالْمَسِّ مَثَلًا فَلَا حَاجَةَ فِيْهِ اِلَى الْاِجْمَاعِ بَلْ يَجُوْزُ الْاِتْبَاعُ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الْمُجْتَهِدِيْنَ كَالْاَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ“ ۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ: ج۱، ص۶۴۹)

یعنی راوی حدیث حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوادِ اعظم کے پیچھے چلو۔ اس کی تعبیر (سوادِ اعظم کی) جماعت کثیرہ سے کی جاتی ہے اور مراد وہ (راستہ) ہے جس پر اکثر

مسلمان ہوں کہا گیا ہے کہ یہ حکم اصول اعتقاد میں ہے جس طرح کہ ارکان اسلام برحال فروع میں مثلاً جیسے چھونے سے بطلان وضوتو اس میں اجماع کی پیروی کی حاجت نہیں بلکہ مجتہدین میں سے ہر ایک کی تقلید جائز ہے جیسا کہ آئمہ اربعہ (میں سے کسی ایک کی تقلید)

چہارم: شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (اتبعو السواد الاعظم کی شرح میں فرماتے ہیں:

پیروی کنید سواد اعظم را سواد دراصل بمعنی سیاہی ست و بمعنی جمہور و اکثر از مردم۔ اشعۃ اللمعات (شرح مشکوۃ ج۱، ص۱۴۳)

پیروی کرو بڑی جماعت کی سواد دراصل بمعنی سیاہی ہے اور بمعنی جمہور اور لوگوں میں سے اکثر ہے۔

پنجم: نواب قطب الدین دہلوی صاحب اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بڑی جماعت کی پیروی کرو اس لئے کہ جو جماعت سے الگ ہوا وہ تنہا آگ میں ڈالا جائے گا (مظاہر حق جدید شرح مشکوۃ ج۱، ص۲۱۷) اب سواد اعظم کا معنی لغات سے دیکھیں لغت کی معروف کتاب تاج العروس میں ہے:

عَلَيْكُمُ السَّوَادَ الْاَعْظَمَ اَلسَّوَادُ الْعَدَدُ الْكَثِيْرُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ تَجْتَمَعَتْ عَلٰى طَاعَةِ الْاِمَامِ وَالسَّوَادُ مِنَ النَّاسِ عَامَتُهُمْ وَهُمُ الْجُمْهُوْرُ الْاَعْظَمُ۔ (ج۲: مادہ سود)

تم پر سواد اعظم کی پیروی لازم ہے سواد مسلمانوں کی کثیر تعداد کو کہتے ہیں جو کہ امام کی طاعت پر جمع ہوں اور سواد من الناس عامۃ الناس پر بولا جاتا ہے اور وہ جمہور اعظم (بڑی جماعت) ہیں۔

ہفتم: لغت کی معتبر کتاب (لسان العرب) میں ہے:

وَالسَّوَادُ الْاَعْظَمُ مِنَ النَّاسِ هُمُ الْجَمْهُوْرُ الْاَعْظَمُ وَالْعَدَدُ الْكَثِيْرُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ الَّذِيْنَ تَجْتَمِعُوْا عَلٰى طَاعَةِ الْاِمَامِ وَهُوَ السُّلْطَانُ ۔ (ج ۳ مادہ سود)

سواد اعظم لوگوں سے ان کی بڑی جماعت اور عدد کثیر ہے مسلمانوں سے جو کہ جمع ہوئے امام کی طاعت پر اور (امام) سے مراد سلطان ہے۔

ان حوالوں سے اظہر من الشّمس ہوا کہ سواد اعظم سے مراد مسلمانوں کی بڑی جماعت ہے عقلاً یہی معنی مناسب ہے کیونکہ حدیث شریف میں سواد کی صفت اعظم آئی ہے اور اعظم اسم تفضیل ہے جس کا معنی ہے بہت بڑی جماعت۔ اور یہی معنی شانِ اسلام کے لائق ہے نہ کہ ایسا معنی گھڑا جائے جس سے اہل حق کی تعداد کم سمجھی جائے مگر وہابیوں بیچاروں کی مجبوری ہے اگر معنوی تحریف نہیں کرتے تو لوگوں پر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ (من شذ شذ فی النار) کے زمرہ میں آتے ہیں لیکن یہ بے عقل یہ نہیں سوچتے کہ دنیا کی رسوائی سے تو بچ جائیں گے۔ آخرت میں کیا ہوگا۔ لہٰذا اپنے آپ کو درست ہی کر لیں اور سواد اعظم کی اتباع کر لیں۔

ثانیاً: سواد اعظم کو دلیل بنانا ادلہ اربعہ کے انحصار کے منافی نہیں اور نہ ہی ادلہ اربعہ پر زیادتی ہے بلکہ **اتبعوا السواد الاعظم** سے فقہاء نے اجماع امت کے دلیل ہونے کی صحت پر استدلال کیا ہے۔

ثالثاً: وہابی صاحب کا یہ کہنا کہ یہ حدیث سرے سے دلیل ہی نہیں کیونکہ اس کی سند میں ابوحلف الاعمش ہے اور یہ متروک الحدیث ہے۔ وہابی صاحب نے اس جگہ دوبارہ راوی کا نام غلط لکھا ہے۔

یعنی ابوحلف الاعمش حالانکہ راوی کا نام ابوخلف الاعمیٰ ہے اس جہالت سے قطع نظر دیکھیں یہ حدیث قابل حجت اور لائق دلیل ہے یا نہیں۔

اوّل: ابن ماجہ نے جو روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کی ہے اس کی سند میں

ابو خلف الاعمیٰ ہے مگر یہی حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے جو کہ حضرت انس کی حدیث کی صحت پر شاہد ہے چنانچہ مشکوٰۃ کے باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں پہلے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے:

”قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ اُمَّتِىْ اَوْ قَالَ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلٰى ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شذ فِى النَّارِ ۔ رَوَاهُ التِّرْمَذِىُّ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّبِعُو السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِى النَّارِ ۔(رواه ابن ماجة من حديث انسٍ“)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ میری امت کو یا فرمایا امت محمد کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا دست (قدرت وحمایت) جماعت پر ہے اور جو الگ ہوا وہ جہنم میں الگ گیا اسے ترمذی نے روایت کیا اور انہیں (ابن عمر) سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑی جماعت کی پیروی کرو تو جو اس سے الگ ہوا وہ دوزخ میں الگ گیا۔

اسے ابن ماجہ شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

دوم: اس کی معنوی مؤید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے چنانچہ مشکوٰۃ کے مذکورہ باب میں ہے:

”وَفِىْ رِوَايَةِ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوٗدَ عَنْ مَعَاوِيَةَ ثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِى النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِى الْجَنَّةِ وَهِىَ الْجَمَاعَةُ“۔

حضرت امیر معاویہ سے احمد و ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ بہتر ۷۲ فرقے جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں اور وہ جماعت ہے اس میں سواد اعظم کی جگہ جماعت مذکور ہے اور مراد تمام اہل حق کی بڑی جماعت ہے۔

سوم: علمائے امت نے حدیث سواد اعظم سے استدلال کیا ہے جو کہ اس کی صحت

کی دلیل ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ معتمد علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل علم کی موافقت حدیث شریف کی صحت کی دلیل بن جاتی ہے اگرچہ اس کے لئے کوئی قابل اعتماد سند نہ ہو۔

(تعقبات علی الموضوعات ص ١٢) طائفہ وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری ایک حدیث کے ضعف کے جواب میں لکھتے ہیں: امام بیہقی اور امام ابن منذر کا روایت کر کے اس سے استدلال کرنا اور پھر صدیوں سے اس پر تعامل قابل عمل ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ ج ١، ص ٥٢٥)

رابعاً: مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث سواد اعظم سے فروعی مسئلہ پر استدلال نہیں کیا آپ نے اعتقاد پر دلیل بنایا ہے جیسا کہ ان کی عبارت سے واضح ہے کیونکہ آپ نے وہابیوں پر سوال کیا ہے کہ اگر تمام دنیا کے مسلمان بیس تراویح پڑھنے سے تمہارے نزدیک گمراہ و بدعتی ہیں اور تم مٹھی بھر وہابی ہی حق پر ہو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔ **اتبعو السّواد الاعظم** یعنی اس حدیث سے ثابت ہے کہ بڑی جماعت حق پر ہے جبکہ تمہارے بقول اس کے بخلاف تمہارے مٹھی بر وہابی حق پر ہیں تو یہ اس حدیث کا بھی خلاف ہے اور اہل اسلام کے اعتقاد کا بھی۔

خامساً: حدیث سواد اعظم غیر مقلد کی پیش کردہ آیت: قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْر۔ کے خلاف نہیں کیونکہ یہاں مراد ہے کہ تمام احوال و اوقات میں اور تمام انواع سے اور خوب دلی کیفیت سے شکر گزار قلیل ہیں چنانچہ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

> ”والشکور المبالغ فی اداء الشکر علی النعماء والالاء بان یشکر بقلبه ولسانه وجوارحه اکثر اوقاته واغلب احواله و مع ذلك لا یوفی حق لان التوفیق للشکر نعمة تستدعی شکراً آخر لا الیٰ انهایة ولذلك قیل الشکور من یری عجزه

عن الشکر" ۔ (تفسیر روح البیان: ج ۷، ص ۲۷۷)

اور شکور مبالغہ کا صیغہ ہے نعمتوں پر اداء شکر میں یہ کہ دل وزبان اور تمام اعضاء سے شکر کرے اور اپنی اکثر اوقات اور اغلب احوال میں اس لئے کہ توفیق شکر بھی نعمت ہے جو دوسرے شکر کی مقتضی ہے اسی طرح یہ سلسلہ نہ ختم ہونے کو جاتا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ شکور وہ ہے جس نے اپنے کو شکر سے عاجز دیکھا۔

علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(اَلشُّکُوْرُ) اَلْمُتَوَافِرُ عَلٰی اَدَاءِ الشُّکْرِ اَلْبَاذِلُ وُسْعِهٖ فِیْهِ قَدْ شَغَلَ بِهٖ قَلْبَهٗ وَلِسَانَهٗ وَجَوَارِحَهٗ اِعْتِقَادًا وَّاِعْتِرَافًا وَّکَدْحًا وَّعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مَنْ یَّشْکُرُ عَلٰی اَحْوَالِهٖ کُلِّهَا ۔ وَقِیْلَ مَنْ یَّشْکُرُ عَلَی الشُّکْرِ ۔ وَقِیْلَ مَنْ یَّرٰی عِجْزَهٗ عَنِ الشُّکْرِ" ۔ (تفسیر نسفی: ج ۳)

زیر تفسیر مذکورہ آیت شکور کا معنی ہے اداء شکر پر کثرت کرنے والا اورا سمیں ہمت کو صرف کرنے والا تحقیق جس نے اپنے دل وزبان اور اعضاء کو اس کے ساتھ مشغول رکھا اعتقادً اور اعتراف کے طور پر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ فرمایا کہ جو توفیق شکر پر بھی شکر کرے۔

اور یہ بھی کہا گیا کہ جس نے اپنے کو شکر سے عائز جانا صاحب تفسیر جامع البیان سید معین الدین محمد بن عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں المبالغ الباذل وسعہ فیہ۔ یعنی الشکور مبالغہ کا صیغہ ہے (یہ اس پر صادق آتا ہے) جو اپنی پوری طاقت شکر میں لگا دے۔ ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ۔ میرے بندوں سے شکر گزار تھوڑے ہیں۔ اس سے مراد خواص اولیاء اللہ کامل شکر گزار ہیں تو اس وصف پر فائز اہل ایمان میں قلیل ہوتے ہیں جبکہ ہر صحیح العقیدہ ہر مؤمن سواد اعظم میں

داخل ہے لہٰذا کامل شکر گزاروں کا قلیل ہونا سواد اعظم کے قلیل ہونے کو لازم نہیں کرتا۔ معلوم ہوا کہ مذکورہ آیت سے سواد اعظم کے معنی بڑی جماعت کا بطلان بتانا غیر مقلد کی جہالت ہے۔

سادساً: وہابی جی کی یہ زبان درازی کہ اگر علمائے بریلی برا محسوس نہ کریں تو ان کی جماعت میں بے دین کثرت سے ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ بریلویت جہالت کی پیداوار ہے تو بے جا نہیں امر واقعہ اور حقیت یہی ہے۔

الجواب اولاً: وہابیوں کو یہ کیوں نہیں نظر آتا کہ تمام اولیاء کرام علیہم رحمۃ اللہ انہیں عقائد پر ہوئے ہیں جن پر بریلوی ہیں اور بریلوی عقائد کے خلاف کوئی ولی نہیں ہوسکتا اور نہ ہی نجدی حضرات اپنے گروہ میں کوئی ولی دکھا سکتے ہیں۔

ثانیاً: بے دین کا طلاق بدعقیدہ پر ہوتا ہے بے عمل پر نہیں اور ہم کسی بدعقیدہ کو بریلوی نہیں سمجھتے اس اعتبار سے بے دین نجدی ہیں کیونکہ یہ بدعقیدہ ہیں۔

ثالثاً: جہالت کی پیداوار وہابیت نجدیت ہے اور ان کا اپنے کو اہلحدیث کہنا بہت بڑی بدعت ہے سابقہ دور میں جو حضرات علم حدیث میں مشغول ہوتے اور اس میں مہارت حاصل کرتے ان محدثین کو اہل حدیث کہا جاتا ہے اور جو علم فقہ میں مشغول رہتے اور اس میں مہارت حاصل کرتے ان کو اہل فقہ کہا جاتا ہے اس طرح اہل تفسیر اہل کلام نحوی صرفی وغیرہم۔ اور یہ سب حضرات اعتقاداً اہلسنت اور مذہباً حنفی شافعی حنبلی مالکی تھے۔

نام نہاد اہلحدیثوں کا حال:

مگر ان نام نہاد اہلحدیثوں کا یہ حال ہے کہ جو حدیث کا معنی نہیں جانتا وہ بھی اہلحدیث اور جسے استنجاء کا طریقہ نہیں آتا وہ بھی اہلحدیث اور جو عملاً فاسق فاجر ہو وہ بھی اہلحدیث جو ان کے عقیدہ میں داخل ہوا اسی وقت اسے اہلحدیث ہونے کا سرٹیفکیٹ مل گیا جیسے دین پر ان کی جیارا داری ہے۔ یہاں تک بفضلہٖ تعالیٰ مسئلہ تراویح سے متعلق

بحث پوری ہوئی اب جاء الحق حصہ دوم سے گیارہواں باب۔

ختم قرآن پر روشنی کرنا شروع ہوتا ہے۔

مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے آغاز میں فرماتے ہیں۔ عامۃ المسلمین کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ ثواب اور روشنی قبر حاصل کرنے کے لیے یوں تو ہمیشہ ہی مگر رمضان شریف یا شب قدر اور ختمِ قرآن کے دن خصوصیت سے مسجدوں میں چراغاں یعنی دھوم دھام سے روشنی کرتے ہیں مسجدوں کو خوب آراستہ کرتے ہیں۔ وہابیوں کی مسجدیں بے رونق بے نور رہتی ہیں۔ انہیں مسجدوں میں چراغاں کرنے وہاں زینت دینے کی توفیق نہیں ملتی وہابی مسلمانوں کے اس کار ثواب کو بدعت حرام بلکہ شرک تک کہتے ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں ان مسائل کا ثبوت دوسری فصل میں ان مسائل پر اعتراضات مع جوابات۔ ناظرین سے توقع انصاف اور رب تعالیٰ سے امید قبول ہے۔ یاد رہے کہ تاحال ۲۰۰۶ مئی تک نام نہاد دین الحق کی دو جلدیں دستیاب ہیں مگر ان میں زیر بحث باب کا غیر مقلد کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا لیکن فقیر نے قارئین سے کہہ دیا ہے کہ میں نے جاء الحق کی پوری عبارت لکھنے کا التزام کیا ہوا ہے لہٰذا یہاں بھی حسب طریقہ قارئین کے استفادہ کے لئے پورا باب لکھ رہا ہوں۔

ختم قرآن کے وقت یا مخصوص راتوں میں مسجدوں میں روشنی کے جواز پر دلائل:

پہلی فصل:

روشنی مسجد کا ثبوت

مسجدوں میں ہمیشہ روشنی کرنا خصوصاً ماہ رمضان خصوصاً شب قدر یا ختم قرآن شریف کے دن وہاں چراغاں کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ جس کا بہت ثواب ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۔ اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسجدوں میں جماعت نماز قائم کرنا۔ وہاں صفائی رکھنا عمدہ چٹائیاں فرش وغیرہ بچھانا وہاں روشنی و چراغاں وغیرہ کرنا سب مسجد کی آبادی میں داخل ہے روح البیان نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد بیت المقدس میں کبریت احمر کی روشنی فرماتے تھے جس کی روشنی میں عورتیں میلوں تک چرخہ کات لیتی تھیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں رونق چراغاں کرنا ایمان کی علامت ہے۔ تو ظاہر ہے کہ مسجدوں کو بے نور بے آباد رکھنا کفار کی نشانی ہے۔

(۲) ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی: قَالَ اَوَّلُ مَنْ اَسْرَجَ فِی الْمَسَاجِدِ تَمِیْمُ الدَّارِیُّ ۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس نے پہلے مسجدوں میں چراغ جلائے وہ تمیم داری صحابی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں روشنی کرنا سنت صحابی ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چراغ کا عام رواج نہ تھا۔ بوقت جماعت کھجوروں کی لکڑیاں جلا کر روشنی کر لی جاتی تھی حضرت تمیم داری نے وہاں چراغاں کیا۔

(۳) ابوداؤد شریف نے ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی: قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْتِنَا فِیْ بَیْتِ الْمُقَدَّسِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِیْتُوْہُ فَصَلُّوْا فِیْہِ وَکَانَتِ الْبِلَادُ فِیْ ذٰلِکَ حَرْبًا فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْہُ وَصَلُّوْا فِیْہِ فَابْعَثُوْا بِزَیْتٍ یُّسْرَجُ فِیْ قَنَادِیْلِہٖ ۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہمیں مسجد بیت القدس شریف کے متعلق حکم دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس مسجد میں جاؤ اور وہاں نماز پڑھو اس وقت شہروں میں جنگ تھی تو فرمایا کہ اگر تم وہاں نہ پہنچ سکو اور نماز نہ پڑھ سکو تو وہاں تیل بھیج دو کہ وہاں کی

قندیلوں میں جلایا جائے۔ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے سفر کر کے جانا سنت ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں وہاں تمام نبیوں کو نماز پڑھائی خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے پیغمبر سفر کر کے وہاں نماز پڑھنے پہنچے۔ دوسرے یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں بہت قندیلیں روشن کی جاتی تھیں۔ جیسا کہ قنادیل جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ تیسرے یہ کہ مسجد میں روشنی کا ثواب وہاں نماز پڑھنے کی طرح ہے یعنی اعلیٰ درجہ کی عبادت اور باعث ثواب ہے چوتھے یہ کہ مسجد میں چراغاں کرنے کے لئے دور سے تیل بھیجنا سنت صحابہ ہے۔

مسجد میں روشنی کا ثواب:

(۴) حدیث امام رافعی محدث نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی: **قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنٰی لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَمَنْ عَلَّقَ فِیْہِ قَنْدِیْلاً صَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یَنْطَفِیَ ذٰلِکَ الْقَنْدِیْلُ ۔** کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا اور جو مسجد میں قندیل جلائے گا۔ اس پر ستر ہزار فرشتے دعا رحمت کریں گے جب تک یہ چراغ بجھ نہ جائے۔ معلوم ہوا کہ مسجد کی روشنی ستر ہزار فرشتوں کی دعا لینے کا ذریعہ ہے۔

(۵) امام بخاری نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ **قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ عَلَّقَ فِیْ مَسْجِدٍ قَنْدِیْلاً صَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یَنْطَفِیَ ذٰلِکَ الْقَنْدِیْلُ ۔** فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا جو مسجد میں کوئی قندیل لٹکائے تو اس پر ستر ہزار فرشتے دعاء رحمت کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ قندیل گل ہو۔ معلوم ہوا کہ جیسے مسجد میں چراغ جلانا ثواب ہے ویسے ہی مسجد میں چراغ یا تیل یا بتی دینا بھی ثواب ہے۔ خواہ ایک چراغ

ہو یا بہت۔

(٦) حدیث ابن شاہین محدث نے حضرت ابی اسحاق ہمدانی سے روایت کی: قَالَ خَرَجَ عَلِیٌّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فِیْ اَوَّلِ لَیْلَۃٍ مِّنْ رَّمَضَانَ وَالْقَنَادِیْلُ تَزْھَرُ وَکِتَابُ اللّٰہِ تُتْلٰی فَقَالَ نَوَّرَ اللّٰہُ لَکَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ فِیْ قَبْرِکَ کَمَا نَوَّرْتَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ تَعَالٰی بِالْقُرْاٰنِ۔

فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی شب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے مسجد نبوی میں قندیلیں جگمگا رہیں تھیں اور قرآن کی تلاوت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا اے عمر ابن خطاب اللہ تعالیٰ تمہاری قبر روشن کرے جیسے تم نے اللہ کی مسجدوں کو قرآن کے وقت روشن کر دیا۔

(٧) حدیث صحیح البہاری شریف نے بعض محدثین سے روایت کی کہ انہیں امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی: اِنَّہٗ قَالَ نَوَّرَ اللّٰہُ قَبْرَ عُمَرَ کَمَا نَوَّرَ عَلَیْنَا مَسَاجِدَنَا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عمر کی قبر روشن کرے جیسے انہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔ ان آخری روایتوں سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں مسجدوں میں چراغاں کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے مروج ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے اس پر اعتراض نہ فرمایا بلکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس پر انہیں دعائیں دیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ روشنی مسجد سے انشاء اللہ قبر منور ہو گی۔ لہٰذا اب جو اس روشنی مسجد کو روکتا ہے۔ وہ در پردہ سنت صحابہ پر اعتراض کرتا ہے۔ اس چراغاں سے روکنے والے اپنی قبریں تاریک کر رہے ہیں۔

(٨) قرآن رب تعالیٰ ان بند کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔ ''وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعَ فِیْ خَرَابِھَا'' اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کی بے آبادی میں کوشش کرے اس آیت میں ان لوگوں پر بھی عتاب ہے جو مسجدوں میں چٹائیاں

ڈالنے فرش بچھانے روشنی کرنے چراغاں وغیرہ سے روکیں کہ آبادی میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسجدوں کو آراستہ کرنا وہاں ہمیشہ یا بعض خصوصی موقعہ پر چراغاں کرنا اچھا ہے۔ کیونکہ آج ہم اپنے مکانوں میں زیب و زینت کرتے ہیں بیاہ شادی وغیرہ پر خوب دل کھول کر روشنی و چراغاں کرتے ہیں۔ عمارتیں سجاتے ہیں جب ہمارے گھر آراستگی روشنی چراغاں کے مستحق ہیں تو اللہ کا گھر جو تمام گھروں سے افضل ہے اسے تمام گھروں سے زیادہ آراستہ کیا جائے تاکہ مسجدوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو یہ کام تبلیغ دین کا ذریعہ ہے۔

ختم قرآن کے وقت یا مخصوص راتوں میں مساجد میں روشنی پر وہابیوں کے اعتراض اور ان کے جواب:

دوسری فصل: اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابیوں کے جس قدر اعتراضات اب تک ہم نے سنے ہیں۔ وہ نہایت دیانتداری سے مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر۱: مسجدوں میں چراغاں کرنا فضول خرچی و اسراف ہے اور اسراف سے قرآن کریم میں منع فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۔ کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ فضول خرچوں کو پسند نہیں فرماتا۔ جواب مسجد کے چراغاں کو فضول خرچی کہنا غلط ہے۔ فضول خرچی اس خرچ کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی دینی یا دنیاوی نفع نہ ہو۔ مسجد کے چراغاں میں مسجد کی زینت ہے جو عبادت و باعث ثواب ہے۔

اعتراض نمبر۲: جب ایک چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے تو باقی چراغاں بے کار

ہیں اور بے کار خرچ فضول خرچی میں داخل ہے۔ جواب: جب ایک قمیص و پائجامہ سے ستر حاصل ہو جاتا ہے تو چاہیئے کہ چکن واسکٹ پہننا فضول خرچی و حرام ہو۔ جب چھ گز آنہ کے گاڑھے سے ستر چھپ جاتا ہے تو چاہیئے کہ دو روپے گز کی ململ۔ لٹھا چکن وائل پہننا حرام ہو۔ جب گھر دو آنہ کے چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے تو وہاں صدھا روپیہ خرچ کر کے بجلی فٹنگ کرانا اور گیس کی روشنی کرنا اسراف و حرام ہونا چاہیئے۔ جب تھرڈ کلاس سے بھی راستہ طے ہو جاتا ہے تو انٹر بلکہ سیکنڈ۔ فسٹ میں روپیہ خرچ کرنا حرام ہونا چاہیئے۔ جناب ایک دیئے سے تو روشنی حاصل ہوتی ہے اور زیادہ چراغوں سے مسجد کی زینت و رونق مسجد کی روشنی بھی عبادت ہے اور وہاں کی زینت بھی عبادت۔

اعتراض نمبر ۳: اگر مسجد میں چراغاں کرنا اچھی چیز ہے تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ شریف میں مسجد نبوی شریف میں کیوں نہ کیا کیا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل یا دین کے زیادہ ہمدرد ہو جو کام حضور نہ کریں تمہیں کرنے کا کیا حق ہے۔

جواب: اگر واسکٹ، اچکن اعلیٰ درجہ کی ململیں پہننا اچھا کام ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں نہ استعمال فرمائیں جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا وہ اے وہابیو تم کیوں کرتے ہو تم اپنے گھروں میں بجلی فٹنگ کیوں کرتے ہو تم اپنے گھروں میں بجلی گیس کیوں جلاتے ہو۔ جناب حضور کے زمانہ شریف میں لوگوں کے گھر بھی سارے معمولی تھے جہادوں کا زمانہ تھا اسطرف توجہ فرمانے کا موقعہ ہی نہ تھا جب صحابہ کرام کے زمانہ میں لوگوں نے اپنے گھر اچھے بنائے تو فقہاء صحابہ نے سوچا کہ دین تو دنیا سے اعلیٰ ہے اور اللہ کا گھر یعنی مسجد نبوی شریف ہمارے گھروں سے افضل۔ جب ہمارے گھر شاندار ہیں تو اللہ کا گھر بہت شاندار ہونا چاہیئے یہ سوچ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی شریف بہت عالی شان بنائی اور وہاں بہت زیب و زینت کی۔ حضور فرماتے ہیں کہ: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ ۔ تم پر میری اور میرے خلفاء کی سنت لازم ہے اسے مضبوطی سے پکڑو۔ جیسے حضور کی سنت قابل عمل ہے ایسے ہی حضور

کے صحابہ کرام کی سنت لائق عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی سنت لائق عمل حضور کے صحابہ کرام نے مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیا۔ بلکہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی مسجد میں چراغاں کرنے کے لئے تیل بھیجنے کا حکم دیا۔

اعتراض نمبر۴: ابوداؤد شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی: **قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى** ۔ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے مسجدیں سجانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تم یہود ونصاری کی طرح آراستہ کرو گے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجدیں سجانے کا حکم نہیں۔ یہ بھی پتہ لگا کہ عبادت خانے سجانا یہود ونصاریٰ کی سنت ہے نہ کہ مسلماوں کا طریقہ اور ظاہر ہے کہ مسجد میں چراغاں کرنا بھی سجاوٹ ہے۔ لہٰذا یہ منع ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجدوں کی زینت اور وہاں چراغاں کرنا منع ہے تو انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مسجدوں کی زینت دیتے وہاں چراغاں کرتے دیکھا اور منع نہ فرمایا۔ کیا خود ہی اپنی روایت کی مخالفت کی نیز کیا تمام صحابہ کرام اس حدیث کا وہ مطلب نہ سمجھے جو تم سمجھے نیز اس صورت میں یہ حدیث قرآن کے مخالف ہوگی کہ رب تعالیٰ نے مسجد کی زینت وآبادی کو ایمان کی علامت قرار دیا کہ فرمایا: **اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ الخ** ۔ پتہ لگا کہ تم نے حدیث کا مطلب غلط سمجھا۔ دوسرے یہ کہ یہاں ہر زینت کی ممانعت نہیں بلکہ ناجائز ٹیپ ٹاپ پر عتاب ہے جیسے کہ فوٹو تصویروں سے سجانا اس لئے یہود ونصاریٰ سے تشبیہ دی گئی۔ ان کے عبادت خانے تصاویر فوٹو سے سجائے جاتے ہیں۔ یا وہ زینت مراد ہے جو اللہ کے لئے نہ ہو دکھائے اور نام ونمود ریاکاری کے لئے ہو جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔ مگر جو زینت وچراغاں مسجد کے احترام اور رب تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو وہ بہتر ہے۔ رب تعالیٰ اپنے اور اپنے محبوب کے کلام کی

صحیح فہم نصیب فرمائے۔

اعتراض نمبر۵: ابوداؤ دنسائی، دارمی اور ابن ماجہ نے حضرت انس سے روایت کی۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَنْ یَّتَبَاھَی النَّاسُ فِی الْمَسَاجِدِ ۔ وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا یقیناً علامات قیامت سے یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں فخر کریں گے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجدوں کی زینت علامت قیامت ہے اس سے اللہ بچائے۔

جواب۔ اس حدیث کے وہی معنی ہیں جو ہم اعتراض نمبر۴ کے جواب میں عرض کر چکے یعنی فخریہ مسجدیں بنانا اور شیخی کے طور پر مسجدیں سجانا علامت قیامت ہے کہ ایک محلے والے دوسرے محلّہ والوں کے مقابلہ میں مسجد کو زینت دیکر انہیں طعنہ دیں کہ ہماری مسجد تمھاری مسجد سے زیادہ آراستہ ہے جناب فخر وریا کے لئے نماز پڑھنا ممنوع ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اخلاص کی نماز بھی منع ہو جاوے یا حدیث کے معنی یہ ہیں کہ قریب قیامت لوگ مسجدوں میں جا کر بجائے ذکر اللہ کرنے کے دنیاوی باتیں ایک دوسرے کے مقابل شیخی مارا کریں گے۔ یہ سخت گناہ ہے اور اگر حدیث کے وہی معنے ہوں جو تم سمجھے یعنی مسجدوں کی زینت علامات قیامت ہے تو بھی اس سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی قیامت کی ہر علامت بری نہیں عیسی علیہ السلام کا نزول۔ امام مہدی کا ظہور بھی علامت قیامت ہے مگر برا نہیں بلکہ بہت بابرکت ہے۔ اعتراض نمبر۶۔ مسجدوں میں چراغاں کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی

جواب۔ یہ غلط ہے یہ تر سنت صحابہ ہے جیسا کہ پہلی فصل میں بیان ہیں اور اگر یہ بدعت بھی ہو تو ہر بدعت نہ حرام ہے نہ گمراہی بخاری شریف چھاپنا مگر حرام نہیں بلکہ ثواب ہے حدیث کا فن اس کی قسمیں بدعت ہیں مگر حرام نہیں بدعت کی نفیس تحقیق اس جاء الحق کے پہلے حصہ میں دیکھو۔ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ آج کلمہ ونماز بلکہ ساری عبادتوں میں بہت بدعتیں شامل ہیں ان بدعتوں پر ثواب ہے جیسا کہ عرض کیا ہے کہ غیر مقلد نے

ساباب کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن فقیر مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کہ مساجد میں روشنی کار ثواب اور انہیں آباد کرنے کا ذریعہ ہے کی تائید پر کچھ حوالے عرض کر دیتا ہے

مساجد میں روشنی کے جواز پر تائید کے دلائل

(۱) تفسیر نفسی میں اس آیت اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ الخ) کے تحت ہے ”عمار تهارم ماسترم منها وقمها وتنظيفها وتنويرها بالمصابيح وصيانتها مما لم تبن له المسا جد من احاديث الدنيا لانها بينت للعبادة والذكر ومن الذكر“ درس العلم ۔

یعنی مساجد کی آبادی سے ہے تعمیر و مرمت جس کی وہاں حاجت ہو اور ان میں جھاڑو اور ہر طرح کی صفائی اور انہیں چراغوں سے روشن کرنا اور ہر اس چیز سے بچانا جس کے لئے مسجد یں نہیں بنائی گئیں جس طرح دنیاوی باتیں کیونکہ مسجد یں اللہ کی عبادت و ذکر کے لئے ہیں اور علمی درس ذکر ہے

(۲) اسی آیت کے تحت ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ تفسیرات احمدیہ میں لکھتے ہیں۔

”وَقَالَ صَاحِبُ الْمَدَارِكِ وَكَذَا الْقَاضِي الْاَجَلُ اَخْذًا مِنْ كَلَامِ صَاحِبِ الْكَشَّافِ وَعِمَارَتُهَا تَتَنَاوَلُ رَمَّ مَّاسْتَرَمَّ مِنْهَا وقمها وَتَنْظِيْفَهَا وَتَنْوِيْرَهَا بِالْمَصَابِيْحِ وَصِيَانَتَهَا مِمَّالَمْ تُبْنَ لَهُ الْمَسَاجِدُ مِنْ اَحَادِيْثِ الدُّنْيَا لِاَنَّهَا بُنِيَتْ لِلْعِبَادَةِ وَالذِّكْرِ وَالْمُرَادُ بِالذِّكْرِ دَرْسُ الْعِلْمِ“ (انتہی کلامہ)

اور کہا صاحب مدارک نے اسی طرح قاضی اجل (علامہ بیضاوی) نے صاحب کشاف کے کلام سے لیتے ہوئے کہ مساجد کی آبادی شامل ہے تعمیر و مرمت کو جس کی وہاں حاجت ہو اور انہیں چراغوں سے روشن کرنے اور ہر اس چیز سے بچانے کو جس کے لئے مساجد نہیں بنائی گئیں جس طرح دنیاوی

باتیں کیونکہ مسجدیں عبادت وذکر کے لئے ہیں اور علم (دین) کا درس بھی ذکر ہے

مساجد کی آبادی کے اسباب

(٣) صاحب کشاف لکھتے ہیں:

”والعمارة تتناول رم ما سترم منها و قمها وتنظيفها و تنويرها بالمصابيح وتفظيفها واعتيادها للعبادة والذكر ومن الذكر درس العلم بل هذا اجله واعظمه وصيانتها مما لم تين له المساجد من الاحاديث الدنيا فضلا عن فضول الحديث“ ۔

(الکشاف ج۲، ص۱۷۹)

اور آباد کرنا شامل ہے تعمیر ومرمت کو جس کی حاجت ہو اور اس میں جھاڑو اور صفائی کو اور اسے چراغوں سے روشن کرنے کو اور اس کی تعظیم کو اور انہیں بنانا عبادت وذکر کے لئے ہے اور درس علم بھی ذکر سے ہے بلکہ وہ درجہ میں اس سے بلند ہے اور اسے بچانا اس چیز سے جس کے لئے مساجد نہیں بنائی جاتیں دنیاوی باتوں سے اس سے بڑھ کر کہ ان میں فضول بولا جائے۔ جاء الحق سے بارہواں باب

شبینہ پڑھنا ثواب ہے:

شروع ہوتا ہے لیکن:

غیر مقلد کا جواب سے فرار:

یہ بات یاد رہے کہ غیر مقلد وہابی صاحب نے اس کا بھی سابقہ باب کی طرح کچھ جواب نہیں دیا جو کہ مسلک حق اہل السنّت والجماعۃ کی واضح فتح ہے مگر قارئین کے استفادہ کے لئے اس باب کی پوری عبارت لکھ دیتے ہیں۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس کے آغاز میں فرماتے ہیں۔

ہمیشہ سے صالح مسلمانوں کا دستور ہے کہ رمضان المبارک میں شبینہ کرتے ہیں کبھی ایک رات میں، کبھی دو میں، کبھی تین راتوں میں پورا قرآن شریف تراویح میں ختم کرتے ہیں۔ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ رمضان کے علاوہ بھی روزانہ ایک قرآن شریف پڑھ لیتے تھے یہ سب کچھ جائز اور ثواب ہے بشرطیکہ اتنی جلدی نہ پڑھے کہ حروف قرآن درست ادا نہ ہوں۔ نہ سستی و کسل سے پڑھے مگر غیر مقلد وہابی اسے بھی حرام کہتے ہیں۔ رات بھر سینما دیکھنے والوں کو برا نہیں کہتے مگر تمام رات قرآن پڑھنے والوں پہ لعن طعن کرتے ہیں ان پر شرک و بدعت کے فتوے لگاتے ہیں۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں شبینہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات و جوابات۔ پہلی فصل شبینہ کا ثبوت ایک شب میں قرآن شریف ختم کرنا باعث ثواب ہے اس کا ثبوت قرآن وحدیث وعقل بلکہ خود وہابیوں کی کتابوں سے ہے دلائل ملاحظہ ہوں۔

شبینہ کے جواز واستحباب پر دلائل:

(۱) قرآن کریم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے:

يَآيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِّصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا۔

اے چادر اوڑھنے والے محبوب رات بھر قیام فرماؤ سوا کچھ رات کے آدھی رات یا اس سے کچھ کم کرو یا اس پر بڑھاؤ اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قریباً تمام رات قرآن پڑھنے کا حکم دیا اور شروع اسلام میں رات بھر عبادت کرنا فرض تھا۔ کچھ تھوڑا حصہ آرام کے لئے رکھا گیا تھا پھر ایک سال کے بعد یہ فرضیت منسوخ ہوگئی۔ مگر استحباب اب بھی باقی ہے اب جو شخص شبینہ میں تمام رات جاگے بہت کم سوئے وہ اس آیت پر عامل ہے مگر چاہئے یہ کہ شبینہ وہ پڑھے جو قرآن صحیح پڑھے جیسا کہ ترتیل کے حکم سے معلوم ہو رہا ہے۔

(۲) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ جس میں نماز فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلاً نَحْوًا مِّنْ قِرَاءَةِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ خسوف کا ذکر ہے۔ اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔ گرہن کی نماز میں بہت دراز قیام فرمایا قریباً سورة بقرہ کی بقدر معلوم ہوا کہ حضور گرہن کی نماز میں سورہ بقرہ یعنی ڈھائی پارہ کے برابر قرأت کی شبینہ میں فی رکعت ڈیڑھ پارہ آتا ہے۔ جب ایک رکعت میں ڈھائی پارہ پڑھنا ثابت ہے۔ تو ڈیڑھ پارہ پڑھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

(۳) حدیث ابوداؤد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کے متعلق ایک بہت دراز حدیث نقل فرمائی۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں: فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ قَرَءَ فِيْهِنَّ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَآءَ وَالْمَائِدَةَ وَالْاَنْعَامَ ۔ حضور نے نماز تہجد میں چار رکعت پڑھیں جن میں سورة بقرہ آل عمران اور سورہ نساء اور مائدہ اور سورہ انعام پڑھیں۔ دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی چار رکعتوں میں قریباً آٹھ پارے پڑھے یعنی فی رکعت قریباً دو پارے شبینہ میں ہر رکعت میں اتنی قرأت نہیں ہوتی ڈیڑھ پارہ فی رکعت ہوتا ہے تو یہ کیوں حرام ہوگا۔

(۴) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت مغیرہ ابن شیبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ قَالَ قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ لِمَا تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا۔ حضور نے نماز چاشت میں اتنا قیام فرمایا کہ قدم مبارک پر ورم آگیا تو عرض کیا گیا کہ آپ کیوں ایسی مشقت کرتے ہیں آپ کی بدولت آپکی امت کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے تو فرمایا کہ کیا میں بندہ شکر گزار نہ ہوں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادات میں مشقت اٹھانا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اگر کسی شبینہ میں کسی مؤمن کے پاؤں پر ورم آجائے تو اس خوش نصیب کو یہ سنت نصیب ہوگئی۔ وہابیوں کو خود تو عبادت کی توفیق نہیں ملتی دوسروں کو بھی عبادت سے روکتے ہیں۔

(۵) حدیث طحاوی شریف نے حضرت ابن سیرین سے روایت کی: قَالَ كَانَ تَمِيمُ الدَّارِيُّ يَحْيَى اللَّيْلَ كُلَّهُ بِالْقُرْآنِ كُلِّهِ فِي رَكْعَةٍ ۔

حضرت تمیم داری ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کرتے:

فرماتے ہیں کہ حضرت تمیم داری تمام رات جاگتے تھے اور ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک رکعت میں قرآن ختم کیا:

(۶) طحاوی شریف نے حضرت اسحاق ابن سعید سے روایت کی: عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّهٗ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي رَكْعَةٍ ۔ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔

(۷) حدیث ابونعیم نے حلیہ میں حضرت عثمان ابن عبدالرحمٰن تیمی سے روایت کی: قَالَ لِي اَبِي اَغْلِبَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى الْمَقَامِ فَلَمَّا صَلَّيْتُ الْعَتَمَةَ تَخَلَّعْتُ اِلَى الْمَقَامِ حَتّٰى قُمْتُ فِيهِ فَبَيْنَنَا اَنَا نَائِمٌ اِذَا رَجُلٌ وَضَعَ يَدَهٗ بَيْنَ كَتْفَيَّ فَاِذَا هُوَ عُثْمَانُ ابْنُ عَفَّانَ فَبَدَءَ بِاُمِّ الْقُرْآنِ فَقَرَءَ حَتّٰى خَتَمَ الْقُرْآنَ وَرَكَعَ وَسَجَدَ ثُمَّ اَخَذَ نَعْلَيْهِ فَلَا اَدْرِيْ اَصَلّٰى قَبْلَ ذٰلِكَ شَيْئًا اَمْ لَا ۔

حضرت عثمان نے قیام میں پورا قرآن پڑھا:

مجھ سے میرے والد نے فرمایا کہ آج تمام رات مقام ابراہیم پر جاگوں گا۔ جب میں نماز عشاء پڑھ چکا تو مقام ابراہیم پر پہنچا میں کھڑا ہی ہوا تھا کہ اچانک ایک صاحب نے میری پشت پر ہاتھ رکھا۔ وہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ تھے آپ نے سورۂ فاتحہ سے قرآن شروع کیا۔ پس پڑھتے رہے یہاں تک کہ قرآن ختم کرلیا۔ پھر رکوع کیا اور سجدہ کیا پھر اپنے نعلین شریف اٹھائے یہ مجھے خبر نہیں کہ اس سے پہلے نماز پڑھی کہ نہیں۔

(۸) حدیث ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی:
كَانَ اَسْوَدُ يَخْتُمُ الْقُرْآنَ فِيْ رَمَضَانَ فِيْ كُلِّ لَيْلَتَيْنِ وَكَانَ يُنَامُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ۔

حضرت اسود رمضان کی ہر رات میں قرآن ختم کرتے تھے:

کہ حضرت اسود رضی اللہ عنہ ماہ رمضان میں ہر رات میں ایک قرآن ختم فرماتے تھے اور مغرب وعشاء کے درمیان سوتے تھے۔

(۹) حدیث طحاوی شریف نے حضرت حماد سے روایت کی۔ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ اَنَّهٗ قَرَءَ الْقُرْآنَ فِيْ رَكْعَةٍ فِي الْبَيْتِ۔ حضرت سعید ابن جبیر صحابی نے بیت اللہ شریف میں ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اکثر رات جاگنا نماز پڑھنا روزانہ قیام فرمانا حتی کہ پاؤں پر ورم آجائے۔

ایک رکعت میں دھائی پارے پڑھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ایک رات دو رات بلکہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھنا سنت صحابہ ہے جو شبینہ کو حرام یا شرک یا فسق کہے وہ نرا جاہل ہے۔

(۱۰) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب تلاوت القرآن میں صفحہ ۲۱۵ پر صحابہ کرام کا دستور اس طرح بیان فرمایا: فَخَتَمَهٗ جَمَاعَةٌ فِيْ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ مَرَّةً وَّآخَرُوْنَ مَرَّتَيْنِ وَآخَرُوْنَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَخَتَمَهٗ فِيْ رَكْعَةٍ مَّنْ لَّا يُحْصَوْنَهٗ كَثْرَةً۔

ایک جماعت نے دن رات میں ایک ختم کیا ایک نے دو بار بعضوں نے تین بار اور ایک رکعت میں قرآن پڑھنے والے تو بے شمار ہیں۔

شبینہ عبادت ہے اس پر عقلی دلائل:

عقلی تقاضا بھی یہی ہے کہ شبینہ عبادت ہو نہ کہ حرام کیونکہ عبادت کا ثواب بقدر مشقت ملتا ہے۔ گرمیوں کے روزے تلوار کا جہاد۔ مشقت کے حج پر ثواب ملے گا عذاب نہ ہوگا۔ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مسلمان رب کی رضا کے لئے تمام رات نماز بھی پڑھے

قرآن شریف کی تلاوت بھی کرے اور بجائے ثواب کے عذاب پائے۔ قرآن کے ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ہیں تو تعجب ہے کہ سارے قرآن پڑھنے پر بجائے نیکیوں کے الٹا عذاب ہو حضرت داؤد علیہ السلام بطور معجزہ تھوڑی دیر میں ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک شب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہو تو پھر نعوذ باللہ داؤد علیہ السلام بقول وہابیہ پوری زبور پڑھنے پر گنہگار ہوتے ہوں گے رب تعالیٰ سمجھ دے (لطیفہ) وہابیوں نے اپنی کتاب ارواح ثلاثہ میں اپنے بانی مذہب مولوی اسماعیل صاحب کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھا کہ مولوی اسماعیل صاحب عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ لوگوں نے خود ان سے اتنی دیر میں سارا قرآن سنا۔ اب میں وہابیوں سے پوچھتا ہوں کہ تم ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ پر اس لیے لعن طعن کرتے اور ان کی جناب میں گالیاں بکتے ہو کہ وہ جناب ماہ رمضان میں روزانہ دن کو ایک قرآن شریف اور شب کو ایک ختم قرآن کرتے تھے بولو تمہارے اسمٰعیل تو عصر سے مغرب تک ایک قرآن ختم کر لیتے تھے۔ وہ بھی اسی لعن طعن کے مستحق ہیں یا نہیں۔ وہ بھی فاسق و فاجر ہوئے یا نہیں یا تمہارا امام جو کرے وہ مباح ہے جواب دو۔

دوسری فصل

شبینہ پر اعتراض و جوابات

شبینہ کے متعلق ہم وہ اعتراضات بھی نقل کرتے ہیں جو غیر مقلد وہابی کرتے ہیں اور وہ اعتراضات بھی بیان کرتے ہیں جو آج تک ان کو سوجھے نہیں ہم ان کی وکالت میں عرض کرتے ہیں مع جوابات کے رب تعالیٰ قبول فرمائیے۔

اعتراض نمبر ۱: قرآن کریم فرماتا ہے:

”وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلاً۔ اور قرآن پاک کی تلاوت ٹھہر ٹھہر کر کرو اور ظاہر ہے کہ جب ہر رکعت میں ڈیڑھ پارہ پڑھ کر سارا قرآن ایک رات میں ختم کیا جائے گا تو حافظ کو

بہت تیز پڑھنا پڑے گا۔ جس سے سوائے یعلمون کے تعلمون سمجھ میں نہ آئے گا۔ لہٰذا شبینہ پڑھنا حکم قرآن کے خلاف ہے۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ تمہارے بانی مذہب مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک پورا قرآن پڑھ لیتے تھے بتاؤ وہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے۔ حضرت عثمان غنی تمیم داری عبداللہ ابن زبیر وغیرہم اکابر صحابہ نے ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھا ہے۔ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی ایک رکعت میں ڈھائی پارے تلاوت فرماتے تھے۔ جن کے حوالے پہلی فصل میں گزر گئے۔ کیا آپ کا یہ اعتراض ان ہستیوں پر بھی جاری ہوگا۔ اگر نہیں تو کیوں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے بعض کو قوت انسانی ایسی بخشی ہے کہ وہ بہت تیز پڑھ کر بھی صاف اور واضح پڑھ سکتے ہیں بعض میں یہ قوت نہیں۔ وہ اگر تیز پڑھیں تو صرف یعلمون اور تعلمون ہی سمجھ میں آئے گا شبینہ صرف پہلی قسم کے حفاظ کو پڑھیں دوسری قسم کے حفاظ ہرگز نہ پڑھیں اس آیت کریمہ کا یہی منشا ہے آیت کریمہ اپنی جگہ حق ہے اور حضور اور ان بزرگ صحابہ کرام کا عمل شریف جنہوں نے ایک رکعت میں بہت دراز تلاوت کی اپنی جگہ حق ہے۔

اعتراض نمبر۲:

حدیث ترمذی۔ ابوداؤد۔ دارمی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کی۔

(مشکوٰۃ باب تلاوۃ القرآن):

”اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ یَفْقَہُ مَنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ فِیْ اَقَلِّ مِنْ ثَلٰثٍ“۔

”بے شک فرمایا رسول نے کہ تین دن سے کم میں قرآن ہرگز نہ پڑھنا چاہیے۔ کیوں کہ پھر قرآن سمجھ میں نہ آئے گا۔ لہٰذا شبینہ بالکل منع ہے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے تو تین شب کا شبینہ بھی حرام کہتے ہو اور اس حدیث میں اس کی اجازت آگئی دوسرے یہ کہ

تمہارے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے وہ بھی اس زد میں آ جاتے ہیں۔ ان کی صفائی پیش کرو۔ جو تمہارا جواب ہے وہ ہی ہمارا۔ تیسرے یہ کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں عام لوگوں کو بیان فرمائی کہ علی العموم حفاظ اگر ایک یا دو دن میں ختم قرآن کریں تو سمجھ نہ سکیں گے۔ بعض بندے جو اس پر قادر ہیں وہ اس حکم سے علیحدہ رہیں۔ جیسے حضرت عثمان وغیرہ ہم صحابہ کرام ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے۔ اس ہی لئے اس حدیث کی شرح میں مرقات لمعات شریف میں ہے کہ بعض بزرگ ایک دن اور رات میں تین ختم کرتے تھے۔ بعض حضرات آٹھ ختم فرما لیتے تھے۔ اور شیخ ابو مدین مغربی ایک دن و رات میں ستر ہزار قرآن پڑھ لیتے تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ حجر اسود چوم کر دروازہ کعبہ پر آتے آتے قرآن ختم کر لیا۔ اور لوگوں نے حرف بحرف سنا۔ (مرقات جلد دوم صفحہ ۲۱۶ باب تلاوت القرآن میں ہے)

وَالْحَقَّ اَنَّ ذٰلِكَ تَخْتَلِفُ بِاَشْخَاصٍ۔

حق یہ ہے کہ یہ حکم مختلف لوگوں کے لحاظ سے مختلف ہے۔

اعتراض نمبر ۳: حدیث مسلم بخاری نے حضرت عبد اللہ ابن عمرو سے طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

وَقَرَأُ فِیْ كُلِّ سَبْعِ لِيَالٍ وَلَا تَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ (شکوۃ: صوم تطوع)

ترجمہ: ہر ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرو اس سے زیادہ نہ کرو۔

دیکھو حضرت عبد اللہ ابن عمرو نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جلد ختم کرنے کی اجازت مانگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً حکم دیا کہ ایک ماہ میں ایک ختم کرو۔ اصرار کرنے پر ارشاد ہوا کہ ایک ہفتہ سے کم میں قرآن ختم نہ کرنا چاہئے۔ لہٰذا شبینہ منع ہے۔

جواب: سرکار کا یہ جواب سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حالت کے لحاظ سے ہے وہ ایک دو رات میں پڑھنے پر صاف نہ پڑھ سکتے ہوں گے یا یہاں دائمی تلاوت کا ذکر ہے کہ اگر روزانہ ہر انسان ایک ختم کیا کرے تو دنیاوی کام معطل ہو جائیں گے اگر

سال میں ایک آدھ دن میں قرآن ختم کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں جن صحابہ نے ایک ایک رکعت میں ایک قرآن پڑھا ہے اور انہیں یہ حدیث معلوم تھی۔ پھر بھی ایک رکعت میں ختم کرتے تھے۔

اعتراض نمبر ۴: حضور نے کبھی ایک دو رات میں پورا قرآن نہ پڑھا لہٰذا شبینہ بدعت ہے اور بدعت سے بچنا چاہیے۔

جواب: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شب میں پورا قرآن نہ پڑھنا دو وجہ سے ہے ایک یہ کہ آپ کی اول حیات شریف میں پورا قرآن اترا ہی نہ تھا۔ وفات سے کچھ پہلے قرآن کی تکمیل ہوئی لہٰذا وہاں ختم قرآن کا سول ہی پیدا نہیں ہوتا دوسرے یہ کہ آپ نے اپنی امت پر رحم فرمایا تا کہ شبینہ پڑھنا ان پر ضروری سنت نہ ہو جائے۔ پھر صحابہ نے شبینہ پڑھا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح ہمیشہ نہ پڑھی۔ پھر صحانہ نے باقاعدہ جماعت سے پڑھی۔ (شبینہ سنت صحابہ ہے) جس پر عمل کرنے سے انشاءاللہ وہ ہی ثواب ملے گا جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے سے ملتا ہے سنت صحابہ کو بدعت کہہ کر منع کرنا وہابیوں کو ہی سجتا ہے ہم اہل سنت یہ عمل نہیں کر سکتے۔

اعتراض نمبر ۵: آج کل شبینہ کا یہ حال ہے کہ حافظ تلاوت کر رہا ہے مقتدیوں میں کوئی سو رہا ہے کوئی اونگھ رہا ہے اور کوئی سست بیٹھا ہے اس میں قرآن کریم کی بے ادبی ہے اس لیے شبینہ بند ہو جانا چاہئے۔

جواب: یہ محض جھوٹا الزام ہے شبینہ میں بعض لوگ باقاعدہ شبنہ سننے ہی آتے ہیں وہ کھڑے ہو کر خوب شوق سے سنتے ہیں بعض شبینہ دیکھنے آتے ہیں وہ لیٹے بیٹھے رہتے ہیں جس میں کوئی حرج نہیں۔ قرآن سننا فرض کفایہ ہے بعض کا کافی ہے اور اگر بالفرض محال مان بھی لیا جائے کہ سارے مسلمان سستی سے سنتے ہیں تو کوشش کر کے سستی دور کرو شبینہ بند نہ کرو۔ آج کل شادی بیاہ میں بہت گناہ کیے جاتے ہیں۔ ناچ تماشے باجے آتش بازی سب ہی کچھ ہوتی ہے۔ برائے مہربانی نکاح بند نہ کرو۔ بلکہ ان چیزوں کو

روکنے کی کوشش کرو حضور کے زمانہ میں کعبہ شریف بت تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ڈھایا بلکہ جب رب نے قوت دی تب بتوں کو نکال دیا۔ اگر مسجد میں کتا گھس جائے تو مسجد کو نہ گراؤ کتے کو نکالو اگر چار پائی میں کھٹمل کپڑوں یا سر کے بالوں میں جوئیں ہو جائیں تو یہ کپڑے اتار دو یا بالوں کو آگ نہ لگا دو۔ وہابیوں کا یہ عجیب قاعدہ ہے کہ عبادتوں سے خرابیاں دور کرنے کی بجائے خود عبادت کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں یہ لوگ اسی قسم کے بہانوں سے سارے امور خیر کو روکتے ہیں جیسے میلاد شریف ختم بزرگان وغیرہ اگر سنی بھائیوں نے ہمارا یہ جواب یاد رکھا تو انشاء اللہ وہابیوں کے فتنوں سے بچے رہیں گے ہم شبینہ کے مسئلہ پر قدرائے تفصیل سے گفتگو اس لیے کر دی کہ آج کل عام طور سے وہابی اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں جہاں رمضان شریف میں کسی جگہ شبینہ کا اہتمام ہوا جھٹ دیوبندی اور غیر مقلد وہابیوں نے حرام و شرک کے فتوے جڑے۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ باب میں اپنے موقف کہ شبینہ کار ثواب و عبادت ہے کو دلائل قاطعہ واضحہ سے ثابت کی اور مخالفین کے اس پر اعتراضات کا خوب بھرپور طریقہ سے جواب دیا تو دریں صورت غیر مقلد وہابی کی طرف اس کا کچھ جواب نہ آنا ان کی بے بسی و شکست ہے بہر حال فقیر یہاں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تائید اور مخالفین کے رد میں کچھ مزید دلائل عرض کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرما کر ذریعہ نجات کرے آمین۔

(۱) شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الھیتمی المکی الشافعی الانصاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اَیْضًا لِمَا ھُوَ مَصْرُوْف مِّنْ اَحْوَالِ السَّلْفِ رِضْوَانُ اللہِ عَلَیْھِمْ ۔ فَاِنَّ اَکْثَرَھُمْ کَانُوْا یَخْتُمُوْنَ الْقُرْآنَ فِیْ کُلِّ سَبْعِ لَیَالِیْ مَرَّةً وَّکَانَ کَثِیْرُوْنَ یَخْتُمُوْنَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّلَیْلَةٍ خَتَمَةً وَخَتَمَ جَمَاعَةٌ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّ لَیْلَةٍ خَتَمَتَیْنِ وَ اٰخَرُوْنَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّلَیْلَةٍ ثَلٰثَ خَتَمَاتٍ ۔ وَخَتَمَ بَعْضُھُمْ فِی

الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ ثَمَانَ خَتَمَاتٍ اَرْبَعًا فِی اللَّيْلِ وَاَرْبَعًا فِی النَّهَارِ وَقَالَ النَّوَوِیُّ بَعْدَ ذِكْرِهٖ لِذٰلِكَ وَمِمَّنْ خَتَمَ اَرْبَعَ خَتَمَاتٍ فِی اللَّيْلِ اَرْبَعًا وَّفِی النَّهَارِ اَرْبَعًا السَّيِّدُ الْجَلِيْلُ اِبْنُ الْكَاتِبِ الصُّوْفِیْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهٰذَا اَكْثَرُ مَا بَلَغَنَا فِی اللَّيْلِ وَالْيَوْمِ وَرَوَی السَّيِّدُ الْجَلِيْلُ اَحْمَدُ الدَّوْرَقِیُّ بِاِسْنَادِهٖ عَنْ مَّنْصُوْرِ بْنِ زَاذَانَ بْنِ عباد مِنَ التَّابِعِيْنَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَنَّهٗ كَانَ يَخْتِمُ الْقُرْاٰنَ فِيْمَا بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَيَخْتِمُهٗ اَيْضًا فِيْمَا بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ وَرَوٰی اِبْنُ اَبِیْ دَاوٗدَ بِاِسْنَادِهِ الصَّحِيْحِ اَنَّ مُجَاهِدًا رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ كَانَ يَخْتِمُ الْقُرْاٰنَ فِیْ رَمَضَانَ فِيْمَا بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ وَاَمَّا الَّذِیْ خَتَمُوا الْقُرْاٰنَ فِیْ رَكْعَةٍ لَا يُحْصَوْنَ لِكَثْرَتِهِمْ فَمِنْهُمْ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَتَمِيْمُ الدَّارِیُّ وَ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ۔ وَالْمُخْتَارُ اِنَّ ذٰلِكَ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْاَشْخَاصِ فَمَنْ كَانَ لَا يَظْهُرُ لَهٗ دَقِيْقُ الْمَعَانِیْ وَلَطَائِفُ الْمَعَارِفِ اِلَّا بِالْقَدْرِ الْيَسِيْرِ اقْتَصَرَ عَلَيْهِ وَكَذَا مَنْ كَانَ مَشْغُوْلاً بِمَا هُوَ اَهَمَّ مِنَ الْاِسْتِكْثَارِ كَنَشْرِ الْعِلْمِ وَمَنْ لَيْسَ كَذٰلِكَ فَلْيَكْثُرْ مَا اَمْكَنَهٗ مِنْ غَيْرِ خُرُوْجٍ اِلٰی حَدِّ الْمَلِكِ وَالْهَذْرَمَةِ ۔ وَقَدْ كَرِهَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْمُتَقَدِّمِيْنَ الْخَتْمَ فِیْ كُلِّ لَيْلَةٍ وَّيَوْمٍ لِلْخَبْرِ الصَّحِيْحِ لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ فِیْ اَقَلِّ مِنْ ثَلٰثٍ) وَهٰذَا حَاصِلُ كَلَامِ النَّوَوِیِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَهُوَ يَرُدُّ مَا يُوْهِمُهٗ مَا ذُكِرَ مِنْ تِلْكَ الْحَوَاشِیِّ مِنْ ذَمِّ الْاِكْثَارِ وَالْاِفْرَاطِ مِنَ الْقِرَاءَةِ مُطْلَقًا، وَلَيْسَ كَمَا زُعِمَ اِنْ اَرَادَ ذٰلِكَ وَاِنَّمَا الذَّمُّ خَاصٌ بِمَنْ يَحْصِلُ لَهٗ مَلَلٌ اَوْ عَدَم تَدَبُّرٍ اَوْ هَذْرَمَةٌ بِخِلَافِ مَنْ لَّا يَحْصِلُ لَهٗ شَیْءٌ مِّنْ ذٰلِكَ وَلَا هُوَ مَشْغُوْلٌ بِالْاَهَمِّ فَيَنْبَغِیْ لَهٗ اَنْ يَّسْتَفْرِغَ وُسْعَهٗ وَيَبْذِلُ جُهْدَهٗ فِی الْاِكْثَارِ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ فَاِنَّهٗ اَفْضَلُ مِنْ سَائِرِ الْاَذْكَارِ مَا عَدَا الَّتِیْ لَهَا وَقْتٌ اَوْ حَالٌ

مَّخْصُوْصٌ ۔ وَقَدْ كَانَ الشَّافِعِيُّ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ مَعَ مَا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِشْتِغَالِ بِتِلْكَ الْعُلُوْمِ الْبَاهِرَةِ وَالْمَعَالِى الظَّاهِرَةِ وَالْكَمَالَاتِ الْمُتَكَاثِرَةِ يَخْتِمُ فِىْ غَيْرِ رَمَضَانَ فِىْ كُلِّ يَوْمٍ وَّ لَيْلَةٍ خَتمَةً ۔ وَفِىْ رَمَضَانَ ختَمَةً فِى اللَّيْلِ وَختمَةً فِى النَّهَارِ) وَهٰذَا مَعَ مَا كَانَ بِهٖ مِنَ الْاَمْرَاضِ الْكَثِيْرَةِ الْخَطَرَةِ حَتّٰى كَانَ يَقُوْلُ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ وَاَرْضَاهُ فِيْمَا بَيْنَ صَدْرِىْ وَسُرَّتِىْ تِسْعَةُ اَمْرَاضٍ مُّخَوِّفَةٍ كُلِّ مِنْهَا لَوْ اِنْفَرَدَ كَانَ قَاتِلاً، فَتَاَمَّلْ سِيْرَةَ السَّلْفِ وَمَا كَانُوْا عَلَيْه وَاَعْرِضْ عَنْ كَلِمَاتٍ تَصْدُرُ مِمَّنْ لَّمْ يَخْتَبِرْ اَخْبَارَهُمْ وَلاَ ذَاقَ مَعَارِفَهُمْ وَاِنَّمَا يَتَكَلَّمُ بِحَسْبِ رَاْيِهٖ الْقَاصِرِ وَفَهْمِهِ الْفَاتِرِ ظَنًّا ۔

(فتاویٰ الحدیثیہ صفحہ۸۲تا۸۳)

نیز اس لئے جوکہ سلف رضوان اللہ علیہم کے احوال سے معروف ہے کہ اکثر ان سے ہر سات راتوں میں ایک قرآن ختم کرتے تھے اور کثیر (سلف) ہر دن رات میں ایک ختم کرتے تھے اور ایک جماعت نے ہر دن ورات میں دو ختم کیے اور کچھ حضرات نے ہر دن ورات میں تین ختم کیے اور ان سے بعض نے دن ورات میں آٹھ ختم بھی کئے چار دن میں اور چار رات میں نووی نے اسے ذکر کے بعد کہا اور ان میں سے جس نے چار ختم ہر دن میں اور چار ہر رات کو کیے سید جلیل ابن کاتب صوفی رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ زیادہ مقدار ہے اس سے جو ہم تک دن ورات میں پڑھنے کے متعلق پہنچا اور روایت کیا سید جلیل احمد دورقی نے اپنی اسناد کے ساتھ منصور بن زاذان بن عباد سے جو کہ تابعین رضی اللہ عنہم سے ہیں کہ وہ ظہر اور عصر کے درمیان ایک قرآن ختم کرتے تھے اور نیز مغرب و عشاء کے درمیان بھی ختم کرتے اور ابن ابوداؤد نے اپنی صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا کہ حضرت مجاہد رمضان شریف میں مغرب اور عشاء کے درمیان ایک قرآن ختم کرتے تھے اور بہر حال وہ حضرات جنہوں نے ایک ایک رکعت میں قرآن ختم کیا اپنی کثرت کے

سبب حد شمار سے وراء ہیں تو ان میں سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور تمیم داری اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما ہیں اور مختار یہ ہے کہ بے شک یہ اشخاص کے احوال کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے پس کوئی ان سے وہ جس کے لئے باریک معانی اور معارف لطائف ظاہر نہیں ہوتے مگر تھوڑے تو اس نے اس پر اقتصار کیا اور ایسے ہی جو مشغول ہوا اس کے ساتھ جو کثرت ختم سے افضل ہے جیسا کہ نشر و اشاعت علم تو جو جو اس طرح سے (مشغول) نہ ہو تو وہ کثرت کرے بقدر جو حد ملال تک نہ جائے اور متقدمین سے ایک جماعت نے ہر رات و دن میں ختم مکروہ جانا اس صحیح حدیث کے سبب کہ وہ قرآن کو نہ سمجھا جس نے تین دن سے کم میں پڑھا۔ یہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا حاصل ہے اور وہ رد کرتا ہے جو وہم ہوتا ہے جس کا ذکر ان حواشی سے کیا گیا زیادتی اور افراط قرأت کے مطلقاً ذم میں حالانکہ اس کی مراد یہ نہیں جس کا زعم کیا گیا (کثرت ختم کے ذم کا) اور سوا اس کے نہیں کہ ذم خاص ہے اس کے ساتھ جو ملال یا عدم تدبر سے پڑھے بخلاف اس کے جسے اس سے کوئی چیز لاحق نہ ہو اور نہ وہ اس سے افضل کام میں مشغول ہو پس اسے مناسب ہے کہ اپنی کوشش و قوت پوری لگائے کثرت قرأت قرآن میں کیونکہ یہ تمام اذکار سے افضل ہے ماسوا اس کے جس کا کوئی وقت یا حال مخصوص ہو اور تحقیق تھے امام شافعی رضی اللہ عنہ باوجود علوم باہرہ کے ساتھ اشتغال کے اور مراتب ظاہرہ اور کمالات متکاثرہ پر فائز ہونے کے رمضان کے علاوہ ہر شب و روز میں ایک قرآن ختم کرتے اور رمضان میں ایک دن اور ایک رات میں ختم کرتے اور یہ پر خطر کثرت امراض کے باوجود تھا یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے سینہ اور ناف کے درمیان پر نو (۹) امراض ایسی خطرناک ہیں کہ ان سے ایک ہی ہو تو ہلاکت کو کافی ہے اور سلف (صالحین) کی سیرت پر غور کرو اور جس معمول پر تھے اور ان باتوں پر توجہ نہ کرو جو ایسے سے صادر ہوئیں جس کو ان کے واقعات کا علم نہیں اور ان کے معارف کو نہ چکھا وہ تو نری اپنی کم سمجھی اور غلط فہمی کی بنا پر باتیں بناتا ہے محض ظن سے۔

(٢) علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ روح البیان میں آیہ قُمِ الـلَّیْـلَ اِلَّا قَـلِیْلًا کے تحت لکھتے ہیں: اِنَّـهٗ خَتَمَ الْـقُرْآنَ فِیْ رَکْعَةٍ وَّاحِدَةٍ اَرْبَعَةٌ مِّنَ الْاُمَّةِ عُثْمَانُ بْنُ عَـفَّـانَ وَ تَـمِـیْـمُ الـدَّارِیُّ وَ سَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ وَّ اَبُوْ حَنِیْفَةَ ۔ (رضی اللہ عنہم) امت سے چار حضرات نے ایک رکعت میں قرآن ختم کیا حضرت عثمان بن عفان اور تمیم الداری اور سیعد بن جبیر اور ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم نے۔ اب غیر مقلدین بتائیں کہ کیا ان جلیل القدر حضرات نے حدیث کا خلاف کیا یا معاذ اللہ یہ حضرات حدیث کو نہ سمجھے جو آج غیر مقلد سمجھے۔

(٣) شیخ الاسلام ابوزکریا یحیٰی بن شرف نووی دمشقی شافعی لکھتے ہیں: وَرَوٰی اِبْـــنُ اَبِـیْ دَاوٗدَ بِـاِسْـنَـادِهِ الصَّحِیْحِ اَنَّ مُجَاهِدًا رَحِمَهُ اللّٰهُ کَانَ یَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِیْ رَمَـضَـانَ فِیْـمَـا بَیْـنَ الْـمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ وَاَمَّا الَّذِیْنَ خَتَمُوا الْقُرْآنَ فِیْ رَکْـعَةٍ فَلَا یُحْصُوْنَ لِکَثْرَتِهِمْ فَمِنْهُمْ عُثْمَانَ بْنُ عَفَّانَ وَ تَمِیْمُ الدَّارِیُّ وَ سَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ ۔ (الاذکار: ص١١٢)

ابن ابوداوَد نے اپنی صحیح اسناد سے روایت کیا کہ حضرت مجاہد (تابعی) رحمۃ اللہ علیہ رمضان مبارک میں مغرب او عشاء کے درمیان قرآن ختم فرماتے تھے او وہ حضرات جنہوں نے ایک رکعت میں قرآن ختم کیا ان کی کثرت کے سبب شمار نہیں ہو سکتے پس ان میں عثمان بن عفان اور تمیم الداری او سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم ہیں۔

اب جاالحق سے تیرھواں باب:

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا

شروع ہوتا ہے مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس کے آغاز میں فرماتے ہیں۔

فقہی مسئلہ یہ ہے کہ

اگر کوئی شخص فجر کے وقت مسجد میں آئے جبکہ جماعت ہو رہی ہو اور ابھی اس نے

سنت فجر نہ پڑھی ہوں تو اسے چاہئے کہ جماعت سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھ لے بشرطیکہ جماعت مل جانے کی قوی امید ہو اگر التحیات بھی مل جائے تب بھی سنت فجر پڑھ لے مگر وہابی غیر مقلد اس کے سخت خلاف ہیں اور اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے موقعہ پر سنت فجر چھوڑ دے اور جماعت میں شرکت کرے ہم نہایت دیانتداری سے اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے پر احناف کے دلائل:

(۱) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسی اشعری سے روایت کی:

"عَنْ اَبِيْهِ حِيْنَ دَعَاهُمْ سَعِيْدُ ابْنُ الْعَاصِ دَعَا اَبَا مُوْسٰى وَحُذَيْفَةَ وَعَبْدَ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ الْغَدَةَ ثُمَّ خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِهٖ وَقَدْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَجَلَسَ عَبْدُ اللهِ اِلٰى اُسْطُوَانَةِ مِنَ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ فِى الصَّلٰوةِ"۔

"وہ اپنے والد حضرت ابو موسی اشعری سے روایت کرتے ہیں۔ جب انہیں سعید ابن عاص نے بلایا اس نے حضرت ابو موسی حضرت حذیفہ اور عبداللہ ابن مسعود کو بلایا نماز فجر پڑھنے سے پہلے یہ حضرات سعید ابن عاص کے پاس سے واپس ہوئے حالانکہ فجر کی تکبیر ہو چکی تھی حضرت ابن مسعود مسجد کے ستوں کے پاس بیٹھ گئے پھر وہاں دو رکعتیں پڑہیں پھر نماز میں شامل ہوئے"۔

دیکھو عبداللہ ابن مسعود نے جو فقیہ صحابی ہیں حضرت ابو موسی اشعری اور حضرت حذیفہ کی موجودگی میں جماعت فجر ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہوئے اور اس پر نہ تو ان دونوں صحابیوں نے کچھ اعتراض کیا نہ کسی اور نے۔ معلوم ہوا

تمام صحابہ کا عام طریقہ یہی تھا کہ بوقت جماعت فجر سنت فجر پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے۔ اور صحابہ کرام بغیر حضور کے حکم کے ایسا نہ کر سکتے تھے۔ غرضیکہ یہ فعل سنت صحابہ ہے۔ اس پر غیر مقلد کے اعتراض اس کی سند میں ابو اسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی ہے۔ (طحاوی: ج۱، ص۲۵۷) اور ان کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ: ”ثقه عابد اختلط باخره“۔ ثقہ اور عابد ہے لیکن آخری عمر میں اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ (تقریب ص۱۹۵)

ثانیاً: ابو اسحاق کا سند مذکورہ میں ذہیر بن معاویہ شاگرد اور آئمہ جرح و تعدیل نے صراحت کی ہے کہ ذہیر بن معاویہ کی ابو اسحاق سے ملاقات حالت اختلاط میں ہوئی ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ: ”ذهير بن معاويه ثقه ثبت الا انه سماعه عن ابى اسحاق باخره“۔ (ایضا: ص۸۳) ذہیر ثقہ اور ثبت ہے لیکن اس کا ابو اسحاق سے سماع آخری عمر کا ہے یہی بات ابو زرعہ اور امام احمد بن حنبل نے کہی ہے۔ (تہذیب ج۳، ص۳۵۲، خلاصہ: ج۱، ص۳۴۱)

الغرض! ذہیر کی ابو اسحاق سے ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ اپنی عمر کے آخری د رمیں یادداشت کھو بیٹھے تھے اور حافظہ خراب ہو گیا اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب راوی کی مروی عنہ سے ملاقات حالت اختلاط میں ہو تو اس کی روایات ضعیف ہوتی ہیں جیسا کہ علامہ سیوطی نے صراحت کی ہے کہ: فيقبل ما روى عنهم مما حدثوا قبل الاختلاط ولا يقبل ما حدثوا به بعده (تدریب الراوی: ج۱، ص۳۷۲) جن راویوں کا حافظہ خراب ہو گیا ہو ان سے اختلاط سے پہلے کی روایت کی گئی ہو قبول کی جائے گی اور جو حافظہ بگڑنے کے بعد روایت کی گئی ہو وہ قبول نہیں کی جائے گی۔ خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے لیکن مفتی صاحب نے اناڑیوں کی طرح سب سے پہلے اس سے استدلال کیا ہے اور پھر اس دلیل کو زمین بنا کر نہایت بودا نتیجہ نکالا ہے کہ معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا عام طریقہ یہی تھا۔ اگر بریلوی علماء کہیں طحاوی میں ذہیر کا متابع امام سفیان ثوری

موجود ہے تو جواباً عرض ہے کہ اس کی سند میں خالد بن عبد الرحمٰن ہے۔

(طحاوی: ج ۱، ص ۶۵۷)

جو کہ متروک الحدیث ہے چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ: خالد بن عبد الرحمٰن خالد بن سلمہ مخزومی المکی متروک (تقریب ص ۶۹) یعنی خالد مخزومی متروک ہے۔ علاوہ ازیں امام بخاری۔ امام ابو حاتم اسے ذاهب الحدیث قرار دیتے ہیں۔ امام صالح اسے منکر الحدیث بتاتے ہیں امام دار قطنی نے اس کی تضعیف کی ہے۔ (تہذیب ج ۳، ص ۱۰۴) حقیقت یہ ہے کہ ذھیر بن معاویہ کی بجائے سفیان کہنے میں خالد نے غلطی کی ہے کیونکہ محدثین نے صراحت کی ہے کہ یہ سند میں گڈ مڈ کرتا ہے۔ چنانچہ امام عقیلی نے مثال دینے کے بعد لکھا ہے کہ: ”**ولـه غير حديث منكر عن الثقات**“۔ (الضعفاء الکبیر: ج ۲، ص ۸) یعنی ان کے علاوہ بھی اس کی ثقات سے منکر روایات موجود ہیں یہی بات علامہ ذھبی فرماتے ہیں۔ (میزان: ج ۱، ص ۲۳۳) خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ روایت ہر لحاظ سے مردود ہے۔

(نام نہاد دین الحق: ص ۴۸۳ تا ۴۸۴)

الجواب اولاً: غیر مقلد صاحب کو یہ ثابت کرنا چاہئے تھا کہ حضرت ابو اسحاق عمرو بن عبد اللہ حافظہ خراب ہونے سے قبل ان الفاظ سے روایت بیان کرتے تھے اور حافظہ بگڑنے کے بعد مذکورہ الفاظ بیان کر دیے تعجب کی بات یہ ہے کہ جس راوی کا بھی حافظہ خراب ہو اختلاط واقعہ ہو وہ ہی وہی مذہب کے خلاف روایتیں شروع کر دیتا ہے اور احناف کے حق میں اصل میں احادیث سے فرار کا وہابیوں کو بہانہ ہاتھ لگنا چاہئے۔ ثانیاً: غیر مقلد صاحب کا یہ اعتراض کہ ذھیر بن معاویہ نے حضرت ابو اسحاق عمرو بن عبد اللہ سے اختلاط واقعہ ہونے سے بعد روایت کی ہے لہٰذا ضعیف ہے تو فقیر جواباً کہتا ہے کہ وہابی صاحب جب آپ کو اقرار ہے کہ طحاوی شریف میں زھیر کے متابع حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ موجود ہیں جو کہ ابو اسحاق عمرو بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کرتے ہیں اور اس پر آپ کو یہ اعتراض بھی نہیں کہ ان کا روایت کرنا ابو اسحاق کے حافظہ

خراب ہونے کے بعد ہے تو پھر زیر بحث حدیث میں ضعف کیسے باقی رہا جب کہ خود غیر مقلد صاحب نے امام سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ: ’’آئمہ نقاد اور تمام محدثین عظام کے نزدیک امام سفیان ثوری امام شعبہ سے زیادہ حافظ اور ضبط والے ہیں‘‘۔ (نام نہاد دین الحق: ص ۳۱۶) مگر افسوس ہے کہ یہاں خلاف مذہب جان کر وہابی حضرت سفیان ثوری کی روایت بھی نہیں مانتے۔

ثالثاً: غیر مقلد کا اعتراض کہ حضرت سفیان ثوری کی روایت میں خالد بن عبد الرحمٰن مخزومی ہے جسے حافظ ابن حجر نے متروک الحدیث لکھا ہے تو فقیر جواباً کہتا ہے کہ ابو اسحاق عمرو بن عبد اللہ سبیعی کا متابع سفیان ثوری ہے جس کی ثقاہت کا آپ کو بھی اقرار ہے اگر بقول تمہارے بعد میں خالد بن عبد الرحمٰن کے سند میں آنے سے ضعف آیا ہے تو بعد کا ضعف پہلے کو مضر نہیں ہوتا لہٰذا یہ اعتراض لغو اور غیر مسموع ہے۔ جاء الحق سے حدیث نمبر ۲ اسی طحاوی نے حضرت ابو مجلز سے روایت کی:

’’قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فِیْ صَلٰوۃِ الْغَدَاۃِ مَعَ اِبْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَالْاِمَامُ یُصَلِّیْ فَاَمَّا اِبْنُ عُمَرَ فَدَخَلَ فِی الصَّفِّ وَاَمَّا اِبْنُ عَبَّاسٍ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْاِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْاِمَامُ قَعَدَ اِبْنُ عُمَرَ مَکَانَہٗ حَتّٰی طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَرَکَعَ رَکْعَتَیْنِ‘‘۔

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے میں ابن عباس کا عمل:

وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر اور عبد اللہ ابن عباس کے ساتھ مسجد میں گیا۔ حالانکہ امام نماز پڑھ رہا تھا حضرت ابن عمر تو صف میں داخل ہو گئے لیکن حضرت ابن عباس نے اولاً دو سنتیں پڑھیں پھر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو حضرت ابن عمر وہاں ہی بیٹھے رہے۔ جب سورج نکل آیا تو دو رکعت نفل پڑھیں۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس نے جو بڑے فقیہ صحابی اور حضور کے اہل بیت اطہار میں سے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما و تمام صحابہ کی موجودگی میں جماعت فجر کے

وقت دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شرکت فرمائی اور کسی نے آپ پر اعتراض نہ کیا۔ غیر مقلد اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس کی سند میں حسین بن واقد ہے جو کہ متکلم فیہ ہے چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: (لہ اوھام) (تقریب: ص ۵۹) امام احمد نے اس کی بعض روایات سے انکار کیا ہے۔ (میزان: ج ۱، ص ۵۴۹) ثانیاً روایت مذکور کا واضح مفاد یہ ہے کہ صبح کی سنت کی قضا کی جاسکتی ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بہر حال سورج طلوع ہونے کے بعد قضاء ہی ادا کی ہیں حالانکہ مفتی صاحب ان کی قضا کے سرے سے ہی منکر ہیں۔ (جاء الباطل) صحیح جاء الحق ہے ج ۲، ص ۱۳۳) یہ تو صریحاً اصول سے انحراف ہے کہ ایک ہی روایت کے ایک حصہ کو تو تسلیم کیا جائے مگر دوسرے کو اس لئے رد کر دیا جائے کہ وہ اپنی نفسی خواہش کے خلاف ہے یہ تو وہی شرمناک فعل ہے جس کی قرآنِ حکیم نے پرزور مذمت کی ہے ارشاد ہوتا ہے:

”اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنكُمْ اِلَّاخِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ وَیَوْمَ الْقِیَامَۃِ یُرَدُّوْنَ اِلٰی اَشَدِّ الْعَذَابِ“ (الآیہ پ ۱، البقرہ نمبر ۸۵)

کیا تم آدھی کتاب کو مانتے ہو اور کچھ حصہ سے انکار کرتے ہو پس جو کوئی تم میں سے یہ وطیرہ اختیار کرے اس کو دنیا میں خواری اور ذلت کے سوا کچھ بھی نصیب نہ ہوگا اور قیامت کے روز سخت عذاب میں پہنچائے جائیں گے۔

(ثنائی)

ثالثاً: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جماعت کے ہوتے ہوئے نفل پڑھنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ابن ابی ملیکہ راوی ہیں کہ

”اُقِیْمَتِ الصَّلوٰۃُ وَلَمْ اَکُنْ صَلَّیْتُ الرَّکْعَتَیْنِ یَعْنِیْ صَلوٰۃَ الصُّبْحِ وَرَکْعَتَی الْفَجْرِ قَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ فَقُمْتُ لِاُصَلِّیْهَا

فَجَذَبَنِیْ وَقَالَ اَتُرِیْدُ اَنْ تُصَلِّیَ الصُّبْحَ اَرْبَعًا قِیْلَ اَنَبِیٌّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَلَ اِبْنَ عَبَّاسٍ قَالَ نَعَمْ" (المحلی بالآثار: ج ۲، ص ۱۵۰)
نماز کی تکبیر کہی جا چکی تھی اور میں نے صبح کی دو رکعتیں ابھی نہیں پڑھی تھیں او رمیں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے کہا کہ کیا میں انہیں پڑھ نہ لوں تو ااپ نے مجھے اپنی طرف کھینچا اور کہا کیا تو صبح کی چار رکعتیں پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہے (راوی حدیث امام) ابو عامر سے کہا گیا کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابن عباس کو اسی طرح ڈانٹا تھا تو ااپ نے فرمایا کہ ہاں۔

(نام نہاد دین الحق: ص ۴۸۴ تا ۴۸۵)

وہابی کی عبارت نقل کرنے میں خیانت:

الجواب اولاً: وہابیؒ صاحب نے خیانت کرتے ہوء شرم و حیاء اور خوف خدا کو بالائے طاق رکھ دیا کہ حسین بن واقد کے متعلق تقریب اور میزان سے اپنے مطلب کی عبارت کو نقل کر لیا مگر وہ عبارت جس میں حسین بن واقد کی ثقاہت و شان و عظمت کا بیان ہے اسے خلاف مذہب جان کر چھوڑ دیا چنانچہ تقریب میں جہاں سے لہ وھام (اس کے لیے وہم ہیں) لکھا اسی کے ساتھ ہی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "الحسین بن واقد المروزی ابو عبد اللہ قاضی ثقہ ہے"۔ ایسے ہی میزان میں علامہ ذھبی فرماتے ہیں۔ وثقہ ابن معین وغیرہ۔ یعنی امام ابن معین وغرہ نے حسین بن واقد کو ثقہ قرار دیا ہے ایضاً۔ (تہذیب التہذیب: ج ۲، ص ۳۷۳) پر حافظ ابن حجر صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

"وقال ابن ابی خیثمۃ عن ابن معین ثقۃ وقال ابوزرعۃ والنسائی لیس بہ باس وقال ابن حبان کان علی قضاء مرو وکان من خیار الناس و ربما اخطاء فی الروایات قلت و جزم ابن حبان فی الثقات"

ابن ابی خیثمہ نے امام ابن معین سے نقل کیا کہ حسین بن واقد ثقہ تھے اور ابوزرعہ اور نسائی نے فرمایا کہ ان میں کوئی خامی نہیں اور ابن حبان نے فرمایا کہ وہ قضاءت پر فائز رہے اور لوگوں میں افضل تھے اور بعض روایتوں میں خطا کر جاتے (ابن حجر) کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں ابن حبان نے انہیں وثوق کے ساتھ ثقات میں لکھا ہے یعنی جب ابن حبان کا حسین بن واقد کو ثقات میں لکھنا ثابت ہے تو پھر یہ بات ابن حبان کی طرف منسوب کرنا عجیب ہے کہ وہ بعض اوقات خطا کر جاتے تھے۔

ثانیاً: غیر مقلد کا یہ الزام کہ مفتی صاحب سرے سے سنت فجر کی قضا کے منکر ہیں۔

جواباً کہتا ہوں کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اصول کے مطابق بات کی ہے کیونکہ قضاء فرض وواجب کی ہے سنتوں کی نہیں لیکن سنت فجر کی احادیث مبارکہ میں بہت تاکید آئی ہے لہٰذا بعض مسائل میں ان کا حکم واجب جیسا ہے مثلاً بلا عذر واجب کی طرح یہ بھی بیٹھ کر نہیں پڑھی جا سکتیں اور نہ سواری پر ان کی قضا کے متعلق فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر فجر کے فرضوں کے ساتھ قضا ہوں تو نصف النہار کے زوال سے پہلے تک ان کی قضاء سنت ہے بعد میں نہیں نیز سنتیں تنہاء رہیں ہوں تو بعد میں بعد از طلوع آفتاب زوال کا وقت ختم ہونے پر ان کا پڑھنا مستحب ہے واجب ولازم نہیں۔

سنت فجر پڑھنے میں ہمارا موقف:

چنانچہ بہار شریعت میں ہے: فجر کی نماز قضا ہوگئی اور زوال سے پہلے پڑھ لی تو سنتیں بھی پڑھے ورنہ نہیں (بہارِ شریعت جلد۴، ص۱۳) فجر کی سنت قضا ہوگئی اور فرض پڑھ لئے تو اب سنتوں کی قضا نہیں البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لے تو بہتر ہے۔ (بہار شریعت: جلد۴، ص۱۳) امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر جانتا ہے کہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہو سکے گا اور صف سے دور سنتیں پڑھنے کو جگہ ہے تو پڑھ کے ملے ورنہ بے پڑھے پھر بعد بلندی آفتاب پڑھے اس سے پہلے پڑھنا گناہ ہے (فتاویٰ رضویہ شریف جلد

سوم: ص ۳۷۰) ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ غیر مقلد کا مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر الزام کہ وہ سنت فجر کے منکر ہیں بے بنیاد اور موقف احناف سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔

ثالثاً: غیر مقلد کی پیش کردہ روایت کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابن ابی ملیکہ کو بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے سے منع کیا یہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے کا ثبوت ہے کیونکہ ابن ابی ملیکہ کو سنتیں پڑھنے سے منع کی صورت یہ ہوگی کہ وہ جہاں جماعت ہو رہی تھی وہیں صف سے متصل سنتیں پڑھنا چاہتے تھے جیسا کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بوقت جماعت سنت فجر سے منع کی روایت کو اس صورت پر محمول کیا ہے بلکہ مذکورہ صورت ممنوعہ کو اس حدیث مرفوع سے ثابت کیا ہے کہ:

”عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكِ بْنِ بُحَيْنَةَ ولهبول مُنْتَصِبٌ ثَمَّهْ بَيْنَ يَدَىْ نَدَاءِ الصُّبْحِ فَقَالَ لَا تَجْعَلُوْا هٰذِهِ الصَّلٰوةَ كَصَلٰوةِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَبَعْدَهَا وَاجْعَلُوْا بَيْنَهُمَا فَصْلًا“۔ (طحاوی: ج ۱، ص ۶۵۲)

محمد بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن مالک بحینہ پر گزرے اور وہ وہیں نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے وقت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی پہلی اور پچھلی سنتوں کی طرح نہ بناؤ سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو۔ اس حدیث نے صورت ممنوعہ کو واضح کر دیا کہ یہ منع اس وقت ہے جب کہ جہاں جماعت ہو رہی ہو وہیں سنت فجر پڑھنے کھڑا ہو جائے اور اسے ہم احناف بھی جائز نہیں کہتے پھر ہم پر کچھ حدیث ماننے اور کچھ سے انکار کا الزام کیسے درست ہوگا جبکہ نام نہاد اہلحدیث اس جگہ تو بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے سے اس لئے منع کرتے ہیں کہ اس میں امام کی مخالفت ہے اس کی قرأت نہیں سنتا اپنی قرأت کرتا ہے جبکہ دوسرے مقام پر اس کا خلاف کرتے ہوئے خلف الامام مقتدی کو فاتحہ کا حکم

کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت تو ان وہابیہ کے کرتوت پر صادق آئی:

"اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَ تَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ وَیَوْمَ الْقِیَامَۃِ یُرَدُّوْنَ اِلٰی اَشَدِّ الْعَذَابِ" (الآیہ پ۱، البقرہ نمبر۸۵)

"تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو تو جو تم سے ایسا کرے اس کا کیا بدلہ ہے مگر یہ کہ دنیا میں رسوا ہو اور قیامت میں سخت تر عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے"۔

(کنزالایمان للامام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ)

جو روایت وہابیوں کی دلیل بنتی ہو وہی صحیح ہو جاتی ہے یہی بات ہے کہ وہابی صاحب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پر بلا کسی محدث کا قول پیش کیے اپنے پاس سے صحت کا حکم صادر فرما رہے ہیں حالانکہ متن روایت ہی اس کے ضعف پر دلالت کرتا ہے یہی بات ہے کہ وہابی صاحب کو اس کا یہ ترجمہ گھڑنا پڑا (اور میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے کہا کہ کیا میں انہیں پڑھ نہ لوں) حالانکہ یہ ترجمہ متن روایت پر زیادتی ہے مگر وہابی صاحب کو مذکور ترجمہ گھڑتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر۳ ملاحظہ ہو۔ اسی طحاوی نے حضرت ابوعثمان انصاری سے روایت کی۔

حضرت ابن عباس نے بوقت جماعت سنت فجر پڑھیں:

"قَالَ جَآءَ عَبْدُاللّٰہِ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّالْاِمَامُ فِیْ صَلٰوۃِ الْغَدَاۃِ فَلَمْ یَکُنْ صَلَّی الرَّکْعَتَیْنِ فَصَلّٰی ابْنُ عَبَّاسٍ الرَّکْعَتَیْنِ خَلْفَ الْاِمَامِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَھُمْ"۔

"کہ حضرت عبداللہ بن عباس مسجد میں اس حال میں آئے کہ امام نماز فجر میں تھے اور حضرت ابن عباس نے ابھی سنت فجر نہ پڑھی تھیں۔ آپ نے امام کے پیچھے (دور) دو رکعتیں پڑھیں پھر ان سب کے ساتھ شامل

ہوئے“۔

اس پر غیر مقلد کے اعتراض: اس کی سند منقطع ہے کیونکہ ابو عثمان انصاری کی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ملاقات اور سماع ثابت نہیں ہے حافظ ابن حجر نے انہیں چوتھے طبقہ کے راویوں میں شمار کیا ہے۔ (تقریب: ص ۳۰۵) اور اس طبقہ کے راویوں کے متعلق انہوں نے صراحت کی ہے کہ جنہوں نے کبائر تابعین مثلاً امام زھری وقتادہ وغیرہ کو دیکھا ہو اور کسی صحابی سے سماع ثابت نہ ہو۔ (مقدمہ تقریب التھذیب: ص ۳)

ثانیاً: اس کی سند میں ابو عمر الضریر ہے۔ (طحاوی ج ۱، ص ۲۵۸) جو کہ متکلم فیہ ہے اور کم از کم منفرد کی صورت میں حجت نہیں ہے۔

ثالثاً: ان عیوب کے علاوہ روایت مذکورہ مفتی صاحب کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے کیونکہ روایت کے الفاظ ہیں: ”فَصَلّٰی اِبْنُ عَبَّاسٍ الرَّكْعَتَيْنِ خَلْفَ الْاِمَامِ“۔ یعنی ابن عباس نے دو رکعتیں امام کے پیچھے پڑھیں عیاں ہے کہ خلاف (صحیح خلف ہے) الامام سے مراد یہی ہے کہ جماعت کے متصل نمازیوں کی صف میں دو رکعت نماز ادا کی نہ یہ کہ مسجد کی کسی ایسی جگہ پر جہاں امام کی قرأت کی آواز نہ جاتی تھی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو فی ناحیۃ المسجد فی جانب المسجد جیسے الفاظ ہوتے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ روایت مذکورہ سند کے لحاظ سے کمزور ہونے کے علاوہ متن کے اعتبار سے بھی مفتی صاحب کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے خود لکھا ہے کہ: ”جماعت کے متصل پڑھنا منع ہے“ جبکہ مذکورہ روایت میں متصل پڑھنے کا ذکر ہے۔

غیر مقلد کا بلا تحقیق اعتراض:

الجواب اولاً: غیر مقلد کا ابو عثمان انصاری کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ملاقات سے انکار بلا تحقیق ہے کیونکہ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال میں ہے: ”رای ابن عباس وابن عمر“۔ (ج ۲۱، ص ۳۷۴) یعنی حضرت ابو عثمان انصاری نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زیارت کی ہے۔ نیز ابو عثمان انصاری بلند پایا

ثقہ بھی ہے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

”قَالَ الآجری سَاَلْتُ اَبَا دَاوٗدَ عَنْ اَبِی عُثْمَانَ فَقَالَ قَاضِیٌ مرو ثقة اِسْمُہٗ عَمْرُو بْنُ سَالِمٍ قُلْتُ اِسْمُہٗ عُمَرُ بْنُ سَالِمٍ قَالَ عَمْرُو ذَکَرَہٗ اِبْنُ حِبَّانٍ فِی الثِّقَاتِ“۔ (تہذیب التہذیب: ج۱۲، ص۱۶۲)

ان کے بارے اس طرح کی عبارت (تہذیب الکمال) میں بھی ہے۔

(ج۲۱، ص۳۷۴)

ثانیاً: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کی ہے کہ ابوعمر الضریر کنیت والے ستر سے زائد اشخاص ہیں۔ (تقریب التہذیب: ص۷۸) لہٰذا غیر مقلد کو بادلیل ثابت کرنا چاہئے تھا کہ متکلم فیہ ہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی سند میں ہیں بلا دلیل ان کی بات غیر مسموع ہے۔

ثالثاً: اس کا متابع جاء الحق کے اسی باب کی حدیث نمبر۲ طحاوی کے حوالے سے حضرت ابومجلز سے گزری جس میں بوقت جماعت سنت فجر ادا کرنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے جو زیر بحث روایت کو قوت دیتی ہے۔

رابعاً: خلف الامام سے غیر مقلد کا جماعت سے متصل مراد لینا ان کے گھر کی لغات میں ہوگا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ خلف ان اسماء ستہ میں سے ہے جو غیر نہایہ جہات کے لئے آتے ہیں البتہ قرب یا اتصال کا کوئی قرینہ پایا جائے تو اسوقت اس معنی پر محمول ہو سکتے ہیں مثلاً کوئی کہتا ہے کہ حملت الثیاب فوق رأسی۔ میں نے کپڑوں کو اپنے سر پر اٹھایا تو یہ اتصال کا قرینہ ہے کیونکہ وزن فضا پر نہیں رکھا جاتا سر پر ہی رکھا جاتا ہے تو اس جگہ خلف بمعنی جماعت سے دور پڑھنے پر قرینہ بھی موجود ہے جو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جماعت سے دور سنت فجر ادا کرنے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جلیل القدر صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات بعید القیاس ہے کہ وہ ایسی جگہ کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھیں جہاں امام کی قرأت کی آواز کانوں تک آئے اور اس طرح قرآن و حدیث کا

خلاف کریں جس میں خاموش رہے کہ قرأت سنن کا حکم ہے۔ (جاء الحق سے حدیث نمبر ۴) طحاوی شریف نے حضرت محمد بن کعب سے روایت کی:

"قَالَ خَرَجَ اِبْنُ عُمَرَ مِنْ بَيْتِهٖ فَاُقِيْمَتْ صَلٰوةُ الصُّبْحِ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَهُوَ فِي الطَّرِيْقِ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى الصُّبْحَ مَعَ النَّاسِ"۔

"فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اپنے گھر سے نکلے ادھر نماز صبح کی تکبیر ہوئی تو آپ نے مسجد میں آنے سے پہلے ہی دو سنتیں پڑھیں حالانکہ آپ راستہ میں تھے پھر مسجد میں آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔

اس پر غیر مقلد کے اعتراض: اس کی سند میں عبد اللہ بن صالح کاتب اللیث ہے۔ (طحاوی: ج۱، ص ٦٥٨)

اور یہ متکلم فیہ ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ:

"صدوق كثير الغلط ثبت فی كتابه و كانت فيه غفلة'

(تقریب التہذیب ص ۱۳۱)

یعنی سچا تو ہے لیکن بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے اپنی کتات میں تو ثابت ہے البتہ اس میں بھی غفلت ہے۔ امام صالح بن محمد کا کہنا ہے کہ حدیث میں جھوٹ بولتا ہے امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو ترک کر دیا امام احمد بن صالح کا ارشاد ہے متھم بالکذب ہے امام نسائی کا کہنا ہے ثقہ نہیں امام احمد کہتے ہیں لیس بشئی ہیچ محض ہے۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ:

"منكر الحديث جداً يروی عن اثبات ما ليس من حديث الثقات كان صدوقا فی نفس و اما وقعت المناكير حديثه من قبل جارله كان يضع الحديث عل شيخ عبد الله بن صالح و يكتب بخط يشبه خط عبد الله و يرميه فی داره بينه كتبه

فتیوهم عبد الله انه خطه فیحدث به"۔

(تہذیب: ج۵، ص۲۵۸ تا ۲۶۰، میزان: ۲ص۴۴۰)

بہت زیادہ منکر الحدیث ہے ثقات سے وہ روایات کرتا ہے جو ان کی احادیث میں نہیں ہوتی فی نفسہ (اپنی ذات میں) تو صدوق (سچا) ہے اور اس کی روایات میں مناکیر اس لئے واقعہ ہوگئی ہیں کہ اس کا ہمسایہ ان کے استاذ کے نام سے احادیث وضع کرتا اور پھر ان کو عبداللہ کی تحریر جیسا لکھتا اور ان کے گھر کی لائبریری میں ڈال دیتا اور عبداللہ کو وہم ہو جاتا کہ اس نے یہ خود ہی لکھا ہے اس لئے وہ انہیں بیان کر دیتا۔ علامہ ماردینی حنفی نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔ (الجوھر النقی: ج۱، ص۲۰۹)

ثانیاً: روایت مذکورہ سے مفتی صاحب کا موقف بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مسجد سے باہر راستہ میں سنتیں پڑھیں جبکہ مفتی صاحب مسجد میں پڑھنے کے قائل ہیں۔ (نام نہاد دین الحق ۴۸۶)

غیر مقلد کی ہیرا پھیری:

الجواب اولاً: غیر مقلد صاحب نے اپنی عادت کے مطابق اس جگہ بھی عظیم بددیانتی کی ہے کہ میزان اور تہذیب التہذیب سے وہ اقوال لکھے ہیں۔ جس سے امام عبداللہ بن صالح کاتب اللیث مصری پر جرح ثابت ہو لیکن انہیں کتابوں میں ان کے متعلق آئمہ محدثین کرام سے وہ اقوال بھی موجود ہیں جن سے امام عبداللہ بن صالح کاتب اللیث کی عدالت وثقاہت ثابت ہے ملاحظہ ہوں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

> **"عبدالله بن صالح بن محمدبن مسلم الجهنی مولاهم ابوصالح مصری کاتب اللیث کان یذکرانه رای عمر بن الحارث. روی عن معاویة بن صالح الحضرمی وموسی بن علی بن رباح وحرملة بن عمران النجیبی وسعید ابن عبدالعزیز**

التنوخي والليث بن سعد والمفضل بن فضالة و ابن لهيعة وابن وهب وبشربن السرى ويحيىٰ ابن ايوب وابى شريح وعبدالعزيز بن عبد الله ابن ابى سلمة الماجشون وجماعة واستشهد به البخارى فى الصحيح وقيل انه روى عنه فيه وروى عنه فى جزء القراءة خلف الامام وغير وروى له ابوداؤد والترمذى وابن ماجة بواسطة الحسن بن على خلال وعبدالله الدارمى ومحمد بن يحى الذهلى وعلى بن داؤد القنطرى والمكتوم بن العباس المروزى محمد بن ابى الحسن السمنانى وابو حاتم الرازى وابو الازهر النيسابورى وابو عبيد القاسم بن سلام ويحى بن معين وابو مسعود الرازى واحمد بن الحسن الترمذى واحمد بن منصور الرمادى وحميد بن انجويه وخشيش ابن اصرم والربيع بن سليمان ورجاء ابن مرجى وحيم ومحمد بن اسماعيل الترمذى و محمد بن اسحاق الصغانى و محمد بن مسلم ابن وارة ويعقوب بن سفيان واسماعيل بن عبدالله سمويه ابوزرعةالدمشقى ويحى ابن عثمان بن صالح السهمى وهارون بن الكامل المصرى ابوبكر بن ابى عتاب الاعين وعلى بن عبد الرحمٰن المخزومى علان وابو الحسن محمد بن عثمان بن سعيد بن ابى اسودا المصرى وهو آخرمن حدث عنه وغيرهم وحدث عنه شيخاه الليث و ابن وهب قال ابوحاتم الرازى سمعت ابالا سود النضر بن عبدالجبار وسعيد بن عفير يثنيان على كاتب الليث يقول ابوصالح ثقة مامون قد سمع جدى حديثه وكان يحض

علی التحدیث و کان یحدث بحضرۃ ابی"

(تہذیب التہذیب ج ۵، ص ۲۲۵ تا ۲۲۶)

یعنی معاویہ بن صالح الحضرمی سے عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمۃ الماجشون لک ۱۲ اشیوخ سے امام عبداللہ بن صالح کاتب اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث بیان کیں اور امام بخاری سے ابوالحسن محمد بن عثمان ۳۴ محدثین نے ان سے احادیث بیان کیں اور دو حضرات لیث اور ابن وھب آپ کے شیخ بھی ہیں پھر انہوں نے بھی ان سے روایات بیان کیں ہیں اور ابو حاتم رازی نے کہا کہ میں نے ابوالاسود النضر بن عبدالجبار اور سعید بن عفیر کو عبداللہ بن صالح کی خوبیاں بیان کرتے سنا نیز امام ابو حاتم رازی نے کہا کہ میں نے عبدالملک بن شعیب بن لیث کو کہتے سنا کہ عبداللہ بن صالح ثقہ مامون ہیں اس نے میرے دادا سے احادیث سماعت کیں اور وہ انہیں حدیث بیان کرنے پر رغبت دیتے تھے اور وہ میرے باپ کی موجودگی میں حدیث بیان کرتے تھے۔ اس میں یہ بات امام عبداللہ بن صالح کاتب اللیث کو ثقہ ثابت کرتی ہے کہ امام بخاری اور محدثین کرام کی ایک بڑی جماعت نے ان سے احادیث بیان کی ہیں جبکہ امام بخاری کے متعلق خود غیر مقلد صاحب لکھ چکا ہے کہ (اجماع امت ہے کہ بخاری کی تمام روایات صحیح ہیں) نام نہاد دین الحق ص ۵۲۵۔

لہٰذا اس جگہ اپنے ہی اس اقرار کا پاس رکھ لے اور زیر بحث روایت کو صحیح تسلیم کر لے اور ضد چھوڑ دے مگر ان جیسے تعصب کے مریضوں سے ایسی اُمید عبث ہے میزان الاعتدال سے امام عبداللہ صالح کاتب اللیث کی ثقاہت و عدالت پر اقوال دیکھیں۔ عبدالملک بن شعیب بن لیث فرماتے ہیں ثقہ مامون ہے امام ابو حاتم فرماتے ہیں میرے علم میں سچے امین ہیں

امام ابوزرعہ نے فرمایا میرے پاس ان کے کذب پر کوئی دلیل نہیں اور وہ حسن الحدیث ہیں۔ (ج ۲ ص ۴۴۵۔ سوم)

کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۸۶) پر الامام الحافظ شیخ الاسلم ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد بن ادریس بن المنذر التمیمی الحنظلی الرازی المتوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

"نا عبدالرحمن قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ سَمِعْتُ عَبْدَالْمَلْكِ بْنَ شُعَیْبِ اللَّیْثِ یَقُوْلُ: اَبُوْ صَالِحٍ کَاتِبِ اللَّیْثِ ثِقَةٌ مَّاْمُوْنٌ قَدْ سَمِعَ مِنْ جَدِّیْ حَدِیْثَهٗ وَکَانَ یُحَدِّثُ بِحَضْرَةِ اَبِیْ وَاَبِیْ یَحِضُّهٗ عَلَى التَّحْدِیْثِ'

عبدالرحمٰن نے کہا کہ مجھے میرے باپ نے بیان کیا کہ میں نے عبدالملک بن شعیب بن لیث کو فرماتے سنا کہ ابوصالح کاتب اللیث ثقہ مامون ہے اس نے میرے دادا سے احادیث سنیں اور وہ میرے باپ کی موجودگی میں احادیث بیان کرتے تھے اور میرا باپ اسے حدیث بیان کرنے پر رغبت دیتا تھا۔ یہی عبدالرحمٰن اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ میں نے اسود بن نضر بن عبدالجبار اور سعید بن عفیر کو عبداللہ بن صالح کاتب اللیث کی خوبیاں بیان کرتے سنا۔ عبدالرحمٰن ہی فرماتے ہیں کہ۔

"سَاَلْتُ اَبَازُرْعَةَ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ کَاتِبِ اللَّیْثِ فَقَالَ لَمْ یَکُنْ عِنْدِیْ مِمَّنْ یَعْتَمِدُ الْكِذْبَ وَکَانَ حَسَنُ الْحَدِیْثِ"

"میں نے ابوزرعہ سے ابوصالح کاتب اللیث کے احوال کا پوچھا تو اس نے فرمایا میرے پاس ان کے کذب پر کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں البتہ ان کی حدیث حسن ہے۔

چہارم: (المعلم بشیوخ البخاری ومسلم) میں الامام الحافظ ابوبکر محمد بن اسماعیل بن خلفون المتوفی ۶۳۶ھ لکھتے ہیں"

”وَقَالَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمِ الرَّازِیْ سَاَلْتُ اَبَا زُرْعَةَ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ کَاتِبِ اللَّیْثِ فَقَالَ لَمْ یَکُنْ عِنْدِیْ مِمَّنْ یَتَصَمَّدُ الْکِذْبِ“

ابن ابی حاتم نے کہا کہ میں نے امام ابوزرعہ سے ابوصالح کاتب کے بارے پوچھا تو اس نے فرمایا میرے نزدیک ان کا عمدًا جھوٹ ثابت نہیں ہوا (دوسرے حوالوں میں)

حضرت ابوزرعہ سے یہ بھی گزر چکا ہے کہ ابوصالح کاتب اللیث کی حدیث حسن ہے اور اس پر ہے کہ:

”قَالَ مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ صَالِحٍ اَبُوْ صَالِحٍ کَاتِبُ اللَّیْثِ مِنْ اَهْلِ الصِّدْقِ وَالْاَمَانَةِ“۔

”عبداللہ بن صالح ابوصالح کاتب اللیث اہل صدق وامانت سے ہیں“۔

اسی پر ہی امام ابن ابی حاتم رازی فرماتے ہیں:

”سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ سَمِعْتُ عَبْدَالْمَلِكِ بْنِ شُعَیْبِ بْنِ اللَّیْثِ یَقُوْلُ اَبُوْ صَالِحٍ کَاتِبِ اللَّیْثِ ثِقَةٌ مَّاْمُوْنٌ“۔

”میں نے اپنے باپ سے سنا کہ کہا میں نے عبدالملک بن شعیب بن لیث کو کہتے سنا کہ ابوصالح کاتب اللیث ثقہ مامون ہے“۔

پنجم: تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱۵ ص ۱۰۱ پر حافظ جمال الدین لکھتے ہیں:

”قَالَ اَبُوْ حَاتِمِ الرَّازِیُّ سَمِعْتُ اَبَا الْاَسْوَدِ النَّضْرِبْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ وَسَعِیْدَ بْنَ عُفَیْرٍ یُثْنِیَانِ عَلٰی کَاتِبِ اللَّیْثِ وَقَالَ اَیْضًا سَمِعْتُ عَبْدَالْمَلِكِ بْنِ شُعَیْبِ بْنِ اللَّیْثِ یَقُوْلُ اَبُوْ صَالِحٍ ثِقَةٌ مَّاْمُوْنٌ قَدْ سَمِعَ جَدِّیْ حَدِیْثَهٗ وَکَانَ یُحَدِّثُ بِحَضْرَةِ اَبِیْ وَاَبِیْ یَحُضُّهٗ عَلَی التَّحْدِیْثِ“۔

''ابو حاتم رازی نے بیان کیا کہ میں نے ابواسود نضر بن عبدالجبار اور سعید بن عضیر کو کاتب اللیث کی تعریف کرتے سنا اور نیز کہا کہ میں نے عبدالملک بن شعیب بن لیث کو فرماتے سنا کہ ابوصالح کاتب اللیث ثقہ مامون ہے اس نے میرے دادا سے احادیث سنیں اور میرے باپ کی موجودگی میں حدیث بیان کرتے تھے اور وہ انہیں حدیث بیان کرنے کی ترغیب دیتے''۔

اس کے صفحہ نمبر ۱۰۶ پر عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میں نے امام ابوزرعہ سے عبداللہ بن صالح کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا میرے نزدیک وہ عمداً جھوٹ بولنے والوں سے نہیں تھے اور وہ حسن حدیث والے تھے۔ اور امام ابوابراہیم القطان نے فرمایا کہ میں نے محمد بن یحییٰ کو فرماتے سنا کہ اللہ نے میرے اور ابوصالح کے درمیان فیصلہ فرمایا کہ مجھے ان کی بیان کردہ حسن حدیث کے ساتھ مشغول کیا۔

اور الفضل بن محمد الشعرانی نے فرمایا کہ:

'مَا رَءَیْتُ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ صَالِحٍ اِلَّا وَھُوَ یُحَدِّثُ اَوْ یُسَبِّحُ''۔

''میں نے جب بھی عبداللہ بن صالح کو دیکھا یا حدیث بیان کرتے ہوتے یا تسبیح کرتے ہوتے''۔

متکلم فیہ راوی کی روایت عندالمحدثین مقبول ہے:

ثانیاً: غیر مقلد صاحب کا اعتراض کہ عبداللہ بن صالح کاتب اللیث متکلم فیہ ہے۔ واضح رہے کہ متکلم فیہ وہ راوی ہے جس میں آئمہ جرح وتعدیل نے کلام کیا ہو یعنی بعض نے توثیق کی ہو اور بعض نے غیر ثقہ کہا ہو تو ایسے راوی کی روایت عند المحدثین مردود نہیں بلکہ حسن ہے جو کہ فضائل واحکام سب میں مقبول ہے۔ اس اصول پر دلائل ملاحظہ ہوں۔

محدثین کا مسلمہ اصول:

۱) امام منذری کا فرمان:

الامام الحافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ فرماتے ہیں:

"فَاَقُوْلُ اِذَا کَانَ رُوَاۃُ اِسْنَادِ الْحَدِیْثِ ثِقَاتٌ وَّ فِیْھِمْ مَنْ اُخْتُلِفَ فِیْہِ اِسْنَادُہٗ حَسَنٌ اَوْ مُسْتَقِیْمٌ اَوْلَا بَاْسَ بِہٖ" ۔

"پس میں کہتا ہوں کہ جب سند حدیث میں راوی ثقہ ہوں اور ان میں ایسے راوی بھی ہوں جن کی توثیق وتضعیف میں اختلاف ہوا ہو تو ان کی روایت سنداً حسن یا مستقیم یا اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا" ۔ (الترغیب والترہیب للحدیث الشریف للمنذری ج ۱ ص ۱۰ مقدمۃ المؤلف طبع داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان) ۔

۲) امام ابن دقیق العید کا فرمان:

ایک حدیث جس کے الفاظ ہیں:

"اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ اُذُنَیْہِ مَعَ الرَّءْسِ وَقَالَ الْاُذُنَانِ مِنَ الرَّءْسِ" ۔

کے بارے (امام زیلعی) امام ابن دقیق العید کا قول نقل کرتے ہیں کہ

"قَالَ ابْنُ دَقِیْقِ الْعِیْدِ فِی الْاِمَامِ وَ ھٰذَا حَدِیْثٌ مَعْلُوْلٌ بِوَجْھَیْنِ اِحْدَاھُمَا الْکَلَامُ فِیْ شَھْرِ بْنِ حوشبٍ وَالثَّانِیُّ الشَّکُّ فِیْ رَفْعِہٖ وَلٰکِنَّ شَھْر وَ ثَّقَہُ اَحْمَدُ وَ یَحْیٰی وَالْعجلی وَ یَعْقُوْبُ بْنُ شَیْبَۃَ وَسَنَانُ بْنُ رَبِیْعٍ اَخْرَجَ لَہُ الْبُخَارِیُّ وَھُوَ وَاِنْ قَدْ لُیِّنَ فَقَالَ اِبْنُ عدی اَرْجُوْ اَنَّہٗ لَابَاْسَ بِہٖ وَقَالَ اِبْنُ معین لَیْسَ بِالْقَوِیِّ فَالْحَدِیْثُ عِنْدَنَا حَسَنٌ" ۔ (نصب الرایہ للزیلعی ج ۱ ص ۱۸)

یعنی امام ابن دقیق العید نے اپنی کتاب الامام میں فرمایا کہ یہ حدیث دو

وجہ سے معلول ہے ایک یہ کہ اس کے راوی شہر بن حوشب میں کلام ہے دوسری یہ کہ اس حدیث کے مرفوع ہونے میں شک ہے۔ لیکن شہر بن حوشب کو امام ابن حنبل، امام یحیٰ، امام عجلی، امام یعقوب بن شیبہ اور امام سنان بن ربیع نے ثقہ کہا ہے۔ اور امام بخاری نے شہر بن حوشب کی بخاری شریف میں حدیث لی ہے اور وہ راوی اگر کمزور بھی ہو تو امام ابن عدی نے فرمایا ہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ اس راوی سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں۔

امام بن معین نے فرمایا کہ اس راوی میں ضعف ہے۔ پس ہمارے نزدیک حدیث درجہ حسن کی ہے۔

۳) امام ترمذی کا فرمان:

شہر بن حوشب متکلم فیہ راوی ہیں۔

لیکن امام ترمذی نے بھی اس کی حدیث کو حسن بلکہ صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام زیلعی لکھتے ہیں:

”قُلْتُ وَ قَدْ صَحَّحَ التِّرْمَذِیُّ فِیْ کِتَابِہٖ حَدِیْثَ شَھْرِ بْنِ حَوْشِبٍ عَنْ اُمِّ سَلْمَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَفَّ عَلَی الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ وَ عَلِیٍّ وَفَاطِمَۃَ کساوا وَقَالَ ھٰؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِیْ ۔ ثُمَّ قَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ“ ۔

”میں (امام زیلعی) کہتا ہوں کہ امام ترمذی نے شہر بن حوشب کی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حدیث کو ترمذی میں حسن صحیح کہا ہے جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن امام حسین اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضوان اللہ علیہم کو اپنی چادر کے نیچے فرمایا اور فرمایا یہ میرے اہل بیت ہیں۔ پھر امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے“۔

(نصب الرایہ للزیلعی حنفی ج ۱ ص ۱۹)۔

۴) امام ابن قطان کا فرمان:

امام زیلعی ایک حدیث کے بارے امام ابن قطان سے نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَتَعَقَّبَهُ اِبْنُ الْقَطَّانِ فِیْ کِتَابِهٖ فَقَالَ اِنَّمَا یرویه قَیْسُ بْنُ طلق عَنْ اَبِیْهِ وَقَدْ حَکٰی دَارُقُطْنِیٌّ فِیْ سُنَنِهٖ عَنْ اِبْنِ اَبِیْ حَاتِمٍ اِنَّهٗ سَاَلَ اَبَاهُ وَاَبَازُرْعَةَ عَنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ فَقَالَا قَیْسُ بْنُ طَلْقٍ لَیْسَ مِمَّنْ یَقُوْمُ بِهٖ حُجَّةٌ وَّهُمَاهُ وَلَمْ یُثْبِتَاهُ قَالَ وَالْحَدِیْثُ مُخْتَلِفٌ فِیْهِ فَیَنْبَغِیْ اَنْ یُّقَالَ فِیْهِ حَسَنٌ"۔ (نصب الرایہ للزیلعی ج ۱ ص ۶۲)

"پس ابن قطان نے کہا کہ اس حدیث کو قیس بن طلق اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور امام دارقطنی نے اپنی سنن میں امام ابن ابی حاتم سے بیان کیا ہے کہ انہوں اپنے باپ ابوحاتم امام ابوزرعہ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو ان دونوں نے ارشاد فرمایا کہ قیس بن طلق ایسا راوی ہے جس سے حجت قائم نہیں ہوتی اور انہوں نے اسے وہمی اور غیر ٹھوس کہا تو یہ حدیث مختلف فیہ ٹھہری پس لائق ہے کہ اس حدیث کو حسن قرار دیا جائے۔

۵) امام ابن ہمام کا فرمان:

امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام الحنفی شرح فتح القدیر میں ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

"وَاَخْرَجَ دَارُقُطْنِیٌّ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اِنَّمَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَیْتَةِ لَحْمَهَا فَاَمَّا الْجِلْدُ وَالشَّعْرُ وَالصُّوْفُ فَلَا بَاْسَ بِهٖ وَاَعَلَّهٗ بِتَضْعِیْفِ عَبْدِ

الْـجَبَّارِ بْنِ مُسْلِمٍ وَّ هُوَ مَمْنُوْعٌ فَقَدْ ذَكَرَهٗ اِبْنُ حَبَّانَ فِی الثِّقَاتِ فَلَا يَنْزِلُ الْحَدِيْثُ عَنِ الْحَسَنِ" ۔

''امام دار قطنی نے حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار سے اس کے گوشت کو حرام فرمایا ہے پس بہر حال کھال اور بال اور اون کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اور اس حدیث کو عبد الجبار بن مسلم کے ضعف کے سبب معلول کہا ہے اور وہ ممنوع ہے پس اس راوی کو امام ابن حبان نے ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے لہٰذا حدیث درجہ حسن سے نیچے نہیں گرتی''۔ (شرح فتح القدیر للامام ابن الہمام ج ا ص ۱۰۱ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

۶) خاتم المحدثین امام جلال الدین سیوطی کا فرمان:

امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

"فِیْ حَدِيْثٍ عَائِشَةَ مَرْفُوْعًا لَا يَنْبَغِیْ لِقَوْمٍ فِيْهِمْ اَبُوْ بَكْرٍ اَنْ يُّؤَمُّهُمْ غَيْرُهٗ رَدًّا عَلٰى اِبْنِ الْجَوْزِیِّ حَيْثُ اَعَلَّهٗ بِعِيْسَى بْنِ مَامُوْنٍ اَنَّهٗ لَا يُحْتَجُّ بِهٖ وَ بِاَحْمَدَ بْنِ بِشْرٍ اِنَّهٗ مَتْرُوْكٌ نَصَّهُ الْحَدِيْث اَخْرَجَهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَحْمَدُ بْنُ بِشْرٍ) اُحْتَجَّ بِهِ الْبُخَارِیُّ وَ وَثَّقَهُ الْاَكْثَرُوْنَ وَقَالَ الدَّارُ قُطْنِیُّ ضَعِيْفٌ يُعْتَبَرُ بِحَدِيْثِهٖ وَ (عِيْسٰى) قَالَ فِيْهِ حَمَّادٌ ثِقَةٌ وَقَالَ يَحْيٰى مَرَّةً لَا بَاْسَ بِهٖ وَ ضَعَّفَهٗ غَيْرُهُمَا وَلَمْ يُتْهَمْ بِكِذْبٍ فَالْحَدِيْثُ حَسَنٌ" ۔

''مرفوع حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کسی کو لائق نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں لوگوں کی امامت کرائے۔ ابن جوزی کی جرح کا رد کیا جو اس نے کہا کہ اس حدیث کے راوی عیسی بن مامون نا قابل احتجاج ہیں اور راوی احمد بن بشر متروک ہے اس حدیث کو

امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور راوی احمد بن بشر کے ساتھ امام بخاری نے احتجاج فرمایا ہے اور اکثر محدثین کرام نے اس راوی کو ثقہ قرار دیا ہے امام دارقطنی نے کہا یہ راوی ضعیف ہے مگر اس کی حدیث کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور راوی عیسی بن مامون کے بارے امام حماد نے فرمایا کہ ثقہ ہے اور امام یحییٰ نے ایک بار فرمایا کہ اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں اور امام حماد اور امام یحییٰ کے علاوہ محدثین نے عیسیٰ بن مامون کو ضعیف قرار دیا ہے مگر اسے کسی نے متہم بالکذب نہیں کیا لہٰذا اس راوی کی حدیث حسن درجہ میں ہے۔ (التعقبات للسیوطی ص ۵۴)

۷) امام ابن حجر عسقلانی کا فرمان:

امام ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں اس راوی جس پر غیر مقلد کو اعتراض ہے عبداللہ بن صالح بن محمد بن مسلم جھنی کاتب اللیث کے متعلق لکھتے ہیں۔

"قَالَ ابْنُ الْقَطَّانِ هُوَ صُدُوْقٌ وَّلَمْ يَثْبُتْ عَلَيْهِ مَا يَسْقُطُ لَهٗ حَدِيْثُهٗ اِلَّا اِنَّهٗ مُخْتَلِفٌ فِيْهِ فَحَدِيْثُهٗ حَسَنٌ"۔

"یعنی امام ابن قطان نے فرمایا کہ راوی عبداللہ بن صالح صدوق ہے اور اس پر کچھ ثابت نہیں جو اس کی حدیث کو ساقط کرے مگر یہ راوی متکلم فیہ ہے پس اس کی حدیث حسن ہے"۔

(تہذیب التہذیب للعسقلانی ج ۵ ص ۲۲۸)

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ متکلم فیہ راوی کی روایت عند المحدثین درجہ حسن سے نہیں گرتی مگر وہابی صاحب اکثر متکلم فیہ راوی کی روایت سے انکار کرتا ہے اسے قابل حجت نہیں جانتا تو یہ دین چھوڑ کر خواہش پر چلنا ہے۔ اللہ ایسوں سے محفوظ رکھے۔

ثالثاً: طحاوی شریف میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیر بحث روایت کے علاوہ بھی دو روایتیں مختلف اسناد سے آئی ہیں۔ جن میں سیدنا وابن سیدنا

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بوقت جماعت سنت فجر ادا کرنا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے کا ثبوت:

"حَدَّثَنَا فَهْدٌ قَالَ ثَنَا اَبُوْ نعيم قَالَ ثنا مالك بن مغول قَالَ سَمِعْتُ نَافِعًا يَّقُوْلُ اَيْقَظْتُ اِبْنَ عُمَرَ لِصَلٰوةِ الْفَجْرِ وَقَدْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَقَامَ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ" ۔ طحاوی ج ۱ ص ۲۵۸)۔

"حضرت نافع نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نماز فجر کے لئے بیدار کیا اور نماز اس وقت قائم ہو چکی تھی تو آپ کھڑے ہوئے پس دو رکعت سنتیں ادا کیں"۔

"حدثنا على بن شيبة قَالَ ثنا الحسن بن موسىٰ قَالَ ثنا شيبان بن عبدالرحمن عن يحيىٰ بن ابى كثير عن زيد بن اسلم عن ابن عمر اَنَّهٗ جَآءَ وَالْاِمَامُ يُصَلِّى الصُّبْحَ وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ فَصَلَّاهُمَا فِىْ حُجْرَةِ حَفْصَةَ ثُمَّ اَنَّهٗ صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ" ۔

(طحاوی جلد وصفحہ مذکورہ)

"حضرت زید بن اسلم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی کہ وہ مسجد میں آئے اور امام اس وقت جماعت قائم کر چکا تھا اور ابن عمر نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں تو آپ نے انہیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ادا کیا پھر امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہوئے"۔

اس روایت کے متصل ہی امام طحاوی فرماتے ہیں:

"فَفِىْ هٰذَا الْحَدِيْثِ عَنِ ابْنَ عُمَرَ اَنَّهٗ صَلَّاهُمَا فِى الْمَسْجِدِ لِاَنَّ حُجْرَةَ حَفْصَةَ فِى الْمَسْجِدِ فَقَدْ وَافَقَ ذٰلِكَ مَا ذَكَرْنَاهُ عَنْ

اِبْنِ عَبَّاسٍ"۔

"پس ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے دو رکعت سنت فجر کو مسجد میں پڑھا کیونکہ حضرت حفصہ بنت عمر) کا حجرہ مبارک مسجد نبوی) شریف میں ہے تو یہ موافق ہوئی اس کے جو ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی"۔

یعنی آپ نے بوقت جماعت مسجد میں سنت فجر کو پڑھا۔ اب اس وہابی جی کا یہ بہانہ جاتا رہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سنت فجر کو راستہ میں پڑھا مسجد میں نہیں۔

حضرت ابوہریرہ بوقت جماعت گوشہ مسجد میں سنت فجر ادا فرماتے تھے۔

جاء الحق سے حدیث نمبر ۵:

"عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ اَنَّهٗ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ صُفُوْفٌ فِیْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَيُصَلِّی الرَّكْعَتَيْنِ فِیْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِی الصَّلٰوةِ"۔

"کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے تھے حالانکہ لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے تھے تو آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دو رکعت پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے"۔

اس پر غیر مقلد کے اعتراض لکھتے ہیں۔ یہ روایت خود مفتی صاحب کے نزدیک ضعیف ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مفتی صاحب نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی رفع الیدین کی اس وجہ سے تضعیف کی تھی کہ اس کی سند میں شعیب بن اسحاق مرجیہ مذہب کا تھا جس کی ضروری تفصیل بمع جواب گزر چکی ہے۔

اور زیر بحث روایت میں مسعود بن کدام راوی ہے۔ طحاوی ج ۱ ص ۲۵۸)

جو غالی قسم کا مرجیہ تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۱۵)

انصاف ہے کہ آیا مفتی صاحب اور ان کے ہم مشرب علماء بریلوی یہاں بھی

راوی کے مرجیہ ہونے کی بنا پر اسے ضعیف تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔ اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۸۸)

الجواب اوّلاً: یہ غلط ہے کہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی رفع الیدین کی حدیث کو محض شعیب بن اسحاق کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ آپ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کے ضعف کی چند وجوہ ذکر فرمائی ہیں ملاحظہ ہو۔ یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے چند اسنادوں سے مروی ہے اور وہ سخت ضعیف ہیں کیونکہ ایک روایت میں یونس ہے جو سخت ضعیف ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے۔ اس کی دوسری اسناد میں ابو قلابہ ہے جو خارجی المذہب تھا یعنی ناصبی دیکھو تہذیب) تیسری اسناد میں عبداللہ ہیں یہ پکا رافضی تھا چوتھی اسناد میں شعیب بن اسحاق ہے یہ بھی مرجیہ مذہب کا تھا۔ (جاء الحق حصّہ دوم ص ۶۸)

اس سے معلوم ہوا کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چار رواۃ کے غیر ثقہ ہونے کی بنا پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو ضعیف قرار دیا۔

ثانیاً: وہابی صاحب کو حدیث سے فرار کے لئے یہ سہارا کافی نہیں کہ مفتی صاحب نے اس کے راوی شعیب بن اسحاق کو مرجیہ کہا ہے کیونکہ یہ صاحب مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کے مخالف ہیں موافق یا مقلد نہیں کہ ان کی بات کو دلیل بنائیں وہابی صاحب کو مناسب ہے کہ اپنا نظریہ بیان کریں آیا وہ مرجیہ کی روایت کو رد کرتے ہیں یا نہیں؟ اول صورت میں تو حق اعتراض حاصل ہے مگر صورت ثانی میں ہرگز نہیں جب کہ ان سے ثابت صورت اول ہے یعنی مرجیہ کی روایت کا قبول کرنا کیونکہ جس روایت کی بابت مفتی صاحب نے فرمایا کہ اس کی سند میں شعیب بن اسحاق مرجیہ ہے اس کی متعلق وہابی صاحب یہ لکھتے ہیں ہم نے ماحاضر کتب حدیث کے نام وصفحات لکھ دئے ہیں ان کو ایک بار پھر سے دیکھ لیا جائے

اگر اس حدیث کے مراجع پر مزید محنت کی جائے تو حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے لئے صدہا کتب کے حوالے دیئے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ کوئی شاذ ہی ایسی حدیث کی کتاب ہو گی جو احکام پر لکھی گئی ہو اس میں حدیث نہ ہو ورنہ تمام کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے پھر اس حدیث کی صحت پر بھی کوئی کلام نہیں! دنیا بھر کے منکرین رفع الیدین کی گاڑی اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گی مگر اس پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ (نام نہاد دین الحق ص ۳۳۲)

ذرا اندازہ کرو ان کے مذہب پر جب دلیل بنتی ہو تو پھر خارجی رافضی، مرجئ رواۃ کی موجودگی کے باوجود بھی حدیث صحیح رہتی ہے۔ اس کی صحت پر کوئی کلام نہیں ہوتی مگر جب خلاف مذہب روایت میں ایسے راوی ہوں تو ان پر اعتراض کرتے ہیں اور اصول ونظریئے بدل دیئے جاتے ہیں یہ ہیں ان وہابیوں کے کرتوت۔

ثالثاً: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی زیر بحث روایت میں مسعود بن کدام نامی کوئی راوی موجود نہیں البتہ راوی کا نام مسعر بن کدام ہے جسے وہابی صاحب جہالت سے مسعود بن کرام لکھ رہے ہیں۔

وہابی نے جس راوی کو ضعیف کہا محدثین اس کی خوبیاں بیان کرتے ہیں:

اب ان کے متعلق کتب اسماء الرجال دیکھیں کہ فقہاء و محدثین کرام ان کی کس طرح خوبیاں اور ثقاہت وعدالت بیان فرماتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

> "مسعر بن کدام بن ظهیر بن عبیدة بن الحارث بن هلال بن عامر ابن صعصعة الهلالی العامری الرواسی ابوسلمة الکوفی احدالاعلام"۔
>
> "مسعر بن کدام بن ظہیر بن عبیدۃ بن الحارث بن ہلال بن عامر ابن صعصعۃ ہلالی عامری رواسی ابوسلمۃ کوفی اعلام محدثین میں سے ایک ہیں"۔

اس کے بعد مسعر بن کدام کے شیوخ وتلامذہ کی لمبی فہرست بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”قَالَ حَفْصُ بْنُ غَيَّاثٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ مَا قَدِمَ عَلَيْنَا مِنَ الْعِرَاقِ اَفْضَلُ مِنْ اَيُّوْبَ وَمِنْ ذٰلِكَ الرَّوَّاسِيّ يَعْنِىْ مَسْعَر اَلْاٰنَ رَاْسُهُ كَانَ كَبِيْرًا وَقَالَ ابْنُ الْمَدِيْنِيّ قُلْتُ لِيَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ اَيُّمَا اَثْبَتُ هشام الدستوائى او مسعرٌ قَالَ مَا رَءَيْتُ مِثْلَ مسعرٍ كَانَ مسعرٌ من اَثْبَتُ النَّاسِ وَقَالَ عَمْرُ وبْنُ عَلِيّ سَمِعْتُ اِبْنِ مَهْدِيّ يَقُوْلُ حَدَّثَنَا اَبُوْ خَلْدَةَ فَقَالَ لَهُ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ كَانَ ثِقَةً وَّكَانَ مُؤَدِّبًا وَّ كَانَ خَيَارًا الثِّقَةِ شُعْبَةُ وَّ مسعرٌ وَقَالَ الْحَرْبِىُ عَنِ الثَّوْرِيّ كُنَّا اِذَا اَخْتَلَفْنَا فِىْ شَىْءٍ سَاَلْنَا عَنْهُ مسعرًا قَالَ وَقَالَ شُعْبَةُ كُنَّا نُسَمِّىْ مَسْعَرًا الْمُصْحَفَ وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعِيْدِ الْجُوْهِرِيُّ كَانَ يُسَمّٰى مِيْزَانُ وَقَالَ اَبُوْ زُرْعَةَ الرَّازِيّ سَمِعْتُ اَبَا نَعِيْمٍ يَقُوْلُ كَانَ مَسْعَرٌ شَكَاكًا فِىْ حَدِيْثِهٖ وَ لَيْسَ يُخْطِئى فِىْ شَىْءٍ مِّنْ حَدِيْثِهٖ اِلَّا فِىْ حَدِيْثٍ وَّاحِدٍ وَّقَالَ اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ عَنْ وَّكِيْعٍ شَكُّ مَسْعَرٍ كَيَقِيْنِ غَيْرِهٖ وَقَالَ الْعجلى كُوْفِيّ ثِقَةٌ ثَبْتٌ فِى الْحَدِيْثِ وَكَانَ الْاَعْمَشُ يَقُوْلُ شَيْطَانُ مسعر يَسْتَضْعَفُهُ فَيُشَكِّكُهُ فِى الْحَدِيْثِ وَكَانَ يَقُوْلُ الشِّعْرَ وَ قَالَ عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنِ الْعُلَاءِ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ كَانَ مِنْ مَّعَادِنِ الصِّدْقِ وَقَالَ اَبُوْ طَالِبٍ عَنْ اَحْمَدَ كَانَ ثِقَةً خَيَارًا حَدِيْثُهُ حَدِيْثُ اَهْلَ الصِّدْقِ وَقَالَ اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْنِ معنٍ ثِقَةٌ وَّ قَالَ اِبْنُ عَمَّارٍ مسعرٌ حُجَّةٌ وَّمَنْ بِالْكُوْفَةِ مِثْلُهُ وَ قَالَ اِبْنُ اَبِىْ حَاتِمٍ عَنْ اَبِىْ زُرْعَةَ ثِقَةٌ قَالَ وَسُئِلَ بِىْ عَنْ مسعرٍ وَّ سُفْيَانَ

فَقَالَ مسعرُ اَعْلٰى اِسْنَادًا وَّاَجْوَدُ حَدِيْثًا وَّاَتْقَنُ وَمسعرُ اَتْقَنُ مِنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ وَّ قَالَ الْاٰجِرِيُّ عَنْ اَبِىْ دَاوٗدَ مسعر صاحب شُيُوْخٍ رَوٰى عَنْ مِائَةٍ وَلَمْ يَرْوِ عَنْهُمْ سُفْيَانُ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمَّارِ بْنِ الْحَارِثِ الرَّازِيُّ سَمِعْتُ اَبَا نَعَيْمٍ يَّقُوْلُ سَمِعْتُ الثَّوْرِيَّ يَقُوْلُ الْاِيْمَانُ يَزِيْدُ وَ يَنْقُصُ ثُمَّ قَالَ اَقُوْلُ بِقَوْلِ سُفْيَانَ وَلَقَدْ مَاتَ مسعرٌ وَكَانَ مِنْ خِيَارِهِمْ فَمَا شَهِدَ سُفْيَانُ بِجَنَازَتِهٖ يعنى من اَجَلِ الْاِرْجَآءِ قَالَ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ مَاتَ سَنَةَ ثَلَاثٍ وَخَمْسِيْنَ وَ قَالَ اَبُوْ نُعَيْمٍ مَّاتَ سَنَةَ خَمْسٍ وَخَمسِيْنَ (قُلْتُ) وَقَالَ اَبُوْ مسهرٍ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ هِشَام حَدَّثَنَا مسعرٌ دَعَانِىْ اَبُوْ جَعْفَرٍ لِيُوَلِّيَنِىْ فَقُلْتُ اِنَّ اَهْلِىْ يَقُوْلُوْنَ لِىْ لَا نَرْضٰى اِشْتِرَاءَكَ فِىْ شَىْءٍ بِدَرْهَمَيْنِ وَاَنْتَ تُوَلِّيْنِىْ فَاَعْفَانِىْ وَقَالَ معن مَسْعُوْدِيُّ مَا رَءَيْتُ مسعرًا فِىْ يَوْمٍ اِلَّا هُوَ فِيْهِ اَفْضَلُ مِنْ سَعْدٍ وَّقَالَ شُعْبَةُ مسعرٌ فِى الْكُوْفِيِّيْنَ كَابْنُ عَوْنٍ فِى الْبَصْرِيِّيْنَ وَفِيْهِ يَقُوْلُ اِبْنُ الْمُبَارَكَ (مَنْ كَانَ مُلْتَمِسًا جَلِيْسًا صَالِحًا فَلْيَاْتِ حَلْقَةَ مسعرِ بْنِ كدَامٍ) فِىْ اِبْيَاتِ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مسعرٍ كَانَ اَبِىْ لَايُنَامُ حَتّٰى يَقْرَءَ نِصْفَ الْقُرْاٰنِ وَذَكَرَهُ اِبْنُ حَبَّانَ فِى الثِّقَاتِ وَقَالَ كَانَ مَرْحَبًا ثَبْتًا فِى الْحَدِيْثِ سَمِعْتُ اِبْنَ قحطبة يَقُوْلُ سَمِعْتُ نَصْرَ ابْنَ عَلِيٍّ يَّقُوْلُ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ دَاوٗدَ يَقُوْلُ كَانَ مَسعرٌ يُّسَمَّى الْمُصْحَفُ لِقِلَّةِ خطَاءِهٖ وَحِفْظِهٖ وَقَالَ اِبْنُ اَبِىْ حَاتِمٍ سَاَلْتُ اَبِىْ عَنْ مَّسعرٍ اِذَا خَالَفَهُ الثَّوْرِيُّ فَقَالَ الْحُكْمُ لِمَسْعرٍ فَاِنَّهُ الْمُصْحَفُ" ۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۰۳ یا ۱۰۴)

حفص بن غیاث نے امام ہشام بن عروہ سے بیان کیا کہ ہمارے پاس عراق سے اب تک ایوب و مسعر سے افضل کوئی نہ آیا اور امام ابن مدینی نے کہا کہ میں نے حضرت یحیٰی بن سعید سے پوچھا کہ ہشام دستوائی یا مسعر دونوں میں سے حدیث میں زیادہ اثبت کون تھے اس نے فرمایا میں نے مسعر کی مثل کوئی نہ دیکھا مسعر سب لوگوں سے اثبت تھے اور عمرو بن علی نے کہا کہ میں نے ابن مہدی کو فرماتے سنا کہ ہمیں ابوخلدہ نے بیان کیا تو اسے امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ وہ ثقہ اور مؤدب تھے۔ اور شعبہ و مسعر ثقات میں بھی بہتر تھے اور حربی نے امام ثوری سے بیان کیا کہ جب ہم کسی بات میں اختلاف کرتے تو اس کے متعلق امام مسعر سے پوچھتے کہا اور امام شعبہ نے فرمایا کہ ہم مسعر کو مصحف کے لقب سے یاد کرتے اور ابراہیم بن سعید الجوہری نے کہا کہ ان کو میزان کا نام دیا گیا اور امام ابوزرعہ رازی نے کہا کہ میں نے ابونعیم کو کہتے سنا کہ مسعر اپنی حدیث میں تردد کرتے مگر اس نے حدیث میں کوئی خطا نہیں کی سوا ایک حدیث کے اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے امام وکیع سے بیان کیا کہ مسعر کا شک بھی اس کے غیر کے یقین جیسا ہے اور علامہ عجلی نے کہا کہ مسعر کوفی ثقہ ثبت فی الحدیث ہے اور امام اعمش کہتے کہ شیطان مسعر کو ضعیف بنانے کے لئے حدیث میں شبہ ڈالتا اور عبدالجبار بن علاء نے امام عیینہ سے بیان کیا کہ حضرت مسعر سچائی کا خزانہ تھے اور ابوطالب نے احمد سے بیان کیا کہ وہ ثقہ خیار تھے اس کی حدیث اہل صدق کی حدیث تھی اور اسحاق بن منصور نے ابن معین سے بیان کیا کہ ثقہ ہیں اور امام ابن عمار نے کہا کہ مسعر حجت ہیں اور کوفہ میں ان کی مثل کون ہے اور ابن ابی حاتم نے ابوزرعہ سے ان کا ثقہ ہونا بیان کیا کہا اور میرے باپ سے

مسعر وسفیان کے بارے پوچھا گیا تو فرمایا مسعر اسناداً اعلیٰ اور از روئے حدیث اجود اور اتقان والا ہے اور مسعر حماد بن زید سے بھی زیادہ اتقان والا ہے اور آجری نے ابوداؤد سے بیان کیا کہ مسعر نے ان سو ۱۰۰ شیوخ سے روایت کی جن سے سفیان نے نہ کی اور محمد بن عمار بن حارث رازی نے کہا کہ میں نے ابونعیم سے سنا کہ کہا میں نے ثوری سے سنا کہ ایمان زیادہ وکم ہوتا ہے پھر ابونعیم) نے کہا کہ میں ثوری کا قول بیان کرتا ہوں اور مسعر اس حال پر فوت ہوئے کہ وہ ان سے بہتر تھے تو سفیان ان کے جنازہ میں شریک نہ ہوئے یعنی ان کے ارجاء کے سبب عمرو بن علی نے بیان کیا کہ ۱۵۳ھ کو فوت ہوئے اور ابونعیم نے کہا کہ ۱۵۵ھ کو فوت ہوئے۔ میں کہتا ہوں ابومسعر نے کہا ہمیں حکم بن ہشام نے بیان کیا کہ ہمیں مسعر نے بیان کیا کہ مجھے ابوجعفر نے عہدہ سونپنے کے لئے بلایا تو میں نے کہا میرے گھر والے مجھ پر کسی چیز کی خریداری میں خوش نہیں ہوتے خواہ دو درہم کی ہو تو تم مجھے عہدہ دینا چاہتے ہو۔ پس مجھے معاف رکھو اور معین مسعودی نے کہا کہ میں نے مسعر کو کسی دن نہ دیکھا مگر وہ اس دن میں سعد سے افضل تھے اور امام شعبہ نے فرمایا کہ مسعر کوفیوں میں اس طرح ہیں جس طرح ابن عون بصریوں میں ہیں اور اس کی شان میں ابن مبارک نے فرمایا اگر کوئی صالح مجلس چاہتا ہو تو وہ مسعر بن کدام کی مجلس میں آئے اور محمد بن مسعر نے کہا کہ میرا باپ رات اس وقت تک نہ سوتا کہ نصف قرآن ختم نہ کر لے اور ابن حبان نے امام مسعر کو ثقات میں ذکر کیا اور کہا کہ مرجئی حدیث میں ثبت بختہ تھے میں نے ابن قحطبہ کو کہتے سنا کہ میں نے نصر بن علی کو کہتے سنا اس نے کہا میں نے عبداللہ بن داؤد کو کہتے سنا کہ مسعر کو مصحف کا لقب دیا گیا قلت خطاء اور

پختہ حافظہ کی بدولت اور ابن ابی حاتم نے بیان کیا کہ میں نے اپنے باپ سے مسعر کے متعلق اس وقت پوچھا جب سفیان نے ان کی مخالفت کی تو کہا مسعر مصحف تھے۔

حوالہ نمبر ۲:

الحافظ الامام المحدث جمال الدین لکھتے ہیں:

”وَقَالَ حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ مَا قَدِمَ عَلَيْنَا مِنَ الْعِرَاقِ اَفْضَلُ مِنْ اَيُّوْبَ السَّخْتِيَانِيِّ وَمِنْ ذٰلِكَ الرَّوَاسِيِّ يَعْنِيْ مِسْعَرًا لِاَنَّ رَأْسُهٗ كَانَ كَبِيْرًا وَّقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِيْنِيِّ قُلْتُ لِيَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ اَيُّمَا اَثْبَتُ هِشَامُ الدَّسْتُوَائِيُّ اَوْ مِسْعَرٌ؟ قَالَ مَا رَءَيْتُ مِثْلَ مِسْعَرٍ كَانَ مِنْ اَثْبَتُ النَّاسِ وَقَالَ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ سَمِعْتُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ مَهْدِيٍّ يَّقُوْلُ حَدَّثَنَا اَبُوْ خَلْدَةَ فَقَالَ لَهٗ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ كَانَ ثقةٌ قَالَ كَانَ مُؤَدِّبًا وَّكَانَ خِيَارًا الثقةُ شُعْبَةُ وَمِسْعَرٌ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوٗدَ الْخُرِيْبِيُّ قَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ كُنَّا اِذَا اِخْتَلَفْنَا فِيْ شَيْءٍ سَاَلْنَا مِسْعَرًا عَنْهُ قَالَ قَالَ شُعْبَةُ كُنَّا نُسَمِّيْ مِسْعَرًا الْمُصْحَفَ وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعِيْدِ الْجَوْهَرِيُّ كَانَ شُعْبَةُ وَسُفْيَانُ اِذَا اِخْتَلَفْنَا قَالَ اِذْهَبْ بِنَا اِلَى الْمِيْزَانِ مِسْعَرٍ وَّقَالَ اَبُوْزُرْعَةَ الرَّازِيُّ سَمِعْتُ اَبَا نُعَيْمٍ يَّقُوْلُ مِسْعَرٌ اَثْبَتُ ثُمَّ سُفْيَانُ ثُمَّ شُعْبَةُ وَقَالَ اَبُوْ زُرْعَةَ الدِّمَشْقِيُّ سَمِعْتُ اَبَا نُعَيْمٍ يَّقُوْلُ كَانَ مِسْعَرٌ شَكَّاكًا فِيْ حَدِيْثِهٖ وَلَيْسَ يُخْطِئُ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ حَدِيْثِهٖ اِلَّا حَدِيْثٍ وَّاحِدٍ وَّقَالَ اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ عَنْ وَّكِيْعٍ شَكُّ مِسْعَرٍ كَيَقِيْنِ رَجُلٍ وَّقَالَ الْعِجْلِيُّ كُوْفِيٌّ ثِقَةٌ ثَبْتٌ فِي الْحَدِيْثِ وَكَانَ الْاَعْمَشُ يَقُوْلُ شَيْطَانُ

مِسْعَرًا يَّسْتَضْعِفُهٗ يُشَكِّكُهٗ فِی الْحَدِيْثِ وَكَانَ يَقُوْلُ الشِّعْرَ وَقَالَ عَبْدُالْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ كَانَ مِسْعَرٌ عِنْدَنَا مِنْ مَّعَادِنِ الصِّدْقِ وَقَالَ اَبُوْطَالِبٍ عَنْ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ ثِقَةً خِيَارًا حَدِيْثُهٗ حَدِيْثُ اَهْلِ الصِّدْقِ وَقَالَ اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ يَّحْيَى بْنِ مَعِيْنٍ ثِقَةٌ وَّقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمَّارٍ الْمَوْصِلِیُّ مِسْعَرٌ حُجَّةٌ وَّمَنْ بِالْكُوْفَةِ مِثْلُهٗ؟ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ سُئِلَ اَبُوْزُرْعَةَ عَنْهُ فَقَالَ ثِقَةٌ وَّسُئِلَ اَبِیْ عَنْ مِّسْعَرٍ وَسُفْيَانَ فَقَالَ مِسْعَر اَتْقَنُ وَاَجْوَدُ حَدِيْثًا وَاَعْلٰى اِسْنَادًا وَّمِسْعَرٌ اَتْقَنُ مِنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ وَّقَالَ اَبُوْ عُبَيْدِ الْاٰجُرِیُّ عَنْ اَبِیْ دَاوٗدَ مِسْعَرٌ صَاحِبُ شُيُوْخٍ رَوٰى مِسْعَرٌ عَنْ مِئَةٍ لَمْ يَرْوِ عَنْهُمْ سُفْيَانُ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمَّارِ بْنِ الْحَارِثِ الرَّازِیُّ سَمِعْتُ اَبَا نُعَيْمٍ يَّقُوْلُ سَمِعْتُ سُفْيَانَ الثَّوْرِیَّ يَقُوْلُ: اَلْاِيْمَانُ يَزِيْدُ وَيَنْقُصُ ۔ قُلْتُ مَا تَقُوْلُ اَنْتَ يَا اَبَا نُعَيْمٍ؟ فَنَظَرَ اِلَیَّ نَظْرًا مُنْكَرًا ثُمَّ قَالَ اَقُوْلُ بِقَوْلِ سُفْيَانَ وَلَقَدْ مَاتَ مِسْعَرُ بْنُ كِدَامٍ وَّكَانَ مِنْ خِيَارِهِمْ وَسُفْيَانُ وَشَرِيْكٌ شَاهِدَانِ فَمَا حَضَرَا جَنَازَتَهٗ قَالَ عَمْرُو بْنُ عَلِیٍّ مَاتَ سَنَةَ ثَلَاثَ وَخَمْسِيْنَ وَمِئَةَ وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بِلَالٍ عَنْ مُّصْعَبِ بْنِ الْمِقْدَامِ رَءَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَنَامِ وَسُفْيَانُ آخِذٌ بِيَدِهٖ وَهُمَا يَطُوْفَانِ فَقَالَ لَهٗ سُفْيَانُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاتَ مِسْعَرٌ؟ قَالَ نَعَمْ وَاسْتَبْشَرَ بِمَوْتِهٖ اَهْلُ السَّمَآءِ رَوٰى لَهٗ جَمَاعَةٌ" ۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱۸ ص ۴۶۵ تا ۴۶۹)

"حضرت حفص بن غیاث نے ہشام بن عروہ سے بیان کیا کہ اس نے

فرمایا ہمارے پاس عراق سے ایوب سختیانی اور امام مِسْعَر سے افضل کوئی نہ آیا اور رواسی اسے کشادہ سر ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور علی بن مدینی نے بیان کیا کہ میں نے یحیٰی بن سعید سے پوچھا کہ ہشام دستوائی یا مِسْعَر میں سے زیادہ بختہ کون ہے تو اس نے فرمایا میں نے مِسْعَر کی مثل اور کوئی نہ دیکھا وہ سب لوگوں سے حدیث میں) اثبت تھے اور عمرو بن علی نے کہا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن مہدی کو بیان کرتے سنا کہ ہمیں ابوخلدہ نے بیان کیا کہ اسے امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ مِسْعَر ثقہ اور مؤدب تھے اور ثقہ محدثین) سے بہتر شعبہ و مسعر تھے اور عبداللہ بن داؤد الخریبی سے ہے کہ حضرت سفیان ثوری نے فرمایا جب ہم کسی بات میں اختلاف کرتے تو اس کے متعلق امام مِسْعَر سے پوچھ لیتے نیز کہا کہ امام شعبہ نے فرمایا ہم مِسْعَر کو مصحف کے لقب سے یاد کرتے اور ابراہیم بن سعید الجوہری نے کہا کہ شعبہ اور سفیان جب کسی بات میں اختلاف کرتے تو کہتا ہمیں میزان یعنی مِسْعَر کے پاس لے چلو اور امام ابوزرعہ رازی نے کہا کہ میں نے ابونعیم سے سنا اول مِسْعَر بختہ ہے پھر سفیان پھر شعبہ اور ابوزرعہ دمشقی نے بیان کیا کہ میں نے ابونعیم سے سنا کہ مِسْعَر اپنی حدیث میں تردد کرتے لیکن انہوں نے اپنی کسی حدیث میں کوئی غلطی نہیں کی۔ سوا ایک حدیث کے اور ابوبکر ابی شیبہ نے امام وکیع سے بیان کیا کہ مِسْعَر کا شک بھی دوسرے آدمی کے یقین جیسا ہے اور امام عجلی نے فرمایا کہ مِسْعَر کوفی ثقہ حدیث میں پختہ ہے اور امام اعمش فرماتے کہ شیطان مِسْعَر کا ضعف چاہتا ہے کہ انہیں حدیث میں شبہے ڈالتا ہے۔ اور تھا وہ منظوم کلام کہتا اور عبدالجبار بن علاء نے سفیان بن عیینہ سے بیان کیا کہ امام مِسْعَر ہمارے پاس صدق کے خزانے ہے اور ابوطالب نے

امام احمد بن حنبل سے بیان کیا کہ مِسعَر ثقہ وخیار ہے اور اس کی حدیث اہل صدق کی حدیث ہے اور اسحاق بن منصور نے امام یحییٰ بن معین سے بیان کیا کہ ثقہ ہے اور محمد بن عبداللہ بن عمار الموصلی نے فرمایا کہ مِسعَر حجت ہے اور کون ہے جو کوفہ میں اس کی مثل ہو؟ اور عبدالرحمان بن ابی حاتم نے کہا کہ امام ابوزرعہ سے ان کے بارے پوچھا گیا تو فرمایا ثقہ ہے اور میرے باپ ابوحاتم) سے مِسعَر وسفیان کے بارے پوچھا گیا تو فرمایا مِسعَر حدیث میں زیادہ اتقان والا اور زیادہ مضبوط ہے اور اسناداً اعلیٰ ہے اور مِسعَر تو اتقان میں حماد بن زید سے بھی بڑھ کر ہے اور ابوعبید الاجری نے ابوداؤد سے بیان کیا کہ امام مِسعَر وہ صاحب شیوخ ہے کہ اس نے ان ایک سو ۱۰۰ شیوخ سے روایات کیں جن سے سفیان نے نہیں کیں اور محمد بن عمار بن حارث رازی نے کہا کہ میں نے ابونعیم سے سنا کہ میں امام سفیان کو کہتے سنا کہ ایمان زیادتی اور کمی قبول کرتا ہے تو میں نے کہا اے ابونعیم یہ کیسی بات کرتے ہو تو اس نے میری طرف بنظر تعجب دیکھا اور بولا میں سفیان کا قول بیان کرتا ہوں اور البتہ مِسعَر بن کدام نے وصال کیا اور وہ محدثین) میں بہترین تھے اور سفیان وشریک دونوں موجود تھے مگر ان کے جنازہ میں شامل نہ ہوئے اور عمرو بن علی نے کہا کہ مِسعَر ۱۵۳ھ میں فوت ہوئے اور ابونعیم نے کہا کہ ۱۵۵ھ میں وصال کیا اور احمد بن محمد بن بلال نے مصعب بن مقدام سے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس شان میں دیکھا کہ سفیان ان کا دست مبارک تھامے ہوئے اور وہ دونوں طواف کرتے ہیں تو سفیان نے آپ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ مِسعَر فوت ہو چکے ہیں فرمایا یہاں اور آسمان والے ان کے وصال پر خوشی کر رہے ہیں یعنی

ان کا استقبال کر رہے ہیں اس واقعہ) کو ان سے ایک جماعت نے روایت کیا"۔

حوالہ نمبر ۳:

الحافظ العالم شیخ العراق ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان المعروف ابن شاہین المتوفی ۳۸۵ ہجری لکھتے ہیں:

"مِسْعَر بْنِ کِدَامٍ کَانَ مِنْ مَّعَادِنِ الصِّدْقِ"۔ (تاریخ اسماء الثقات ص ۳۰۱)

"یعنی امام مِسْعَر بن کدام سچائی کے خزانوں سے تھے"۔

قارئین کرام نے اسماء الرجال کی کتب معتبرہ سے امام مِسْعَر بن کدام کے متعلق آئمہ محدثین رضوان اللہ علیھم کے اقوال دیکھ لئے کسی نے انہیں ثقہ کہا کسی نے حجت کسی نے متقن کسی نے ثقہ وثبت کہا اور انہیں مصحف کا نام دیا بڑے بڑے آئمہ ثقات مثل سفیان وشعبہ وحماد بن زید سے انہیں افضل مانا مگر وہابی صاحب حق پوشی وخیانت کی حد گزر کر محض مرجیہ کہہ رہا ہے یہ حال ہے اس تعصب کے مریض کا اب آخر میں علامہ ذہبی کی بھی سن لیں لکھتے ہیں:

"مِسْعَرَ بْنِ کِدَامٍ فَحُجَّةٌ اِمَامٌ وَّلَا عِبْرَةَ بِقَوْلِ السُّلَیْمَانِیِّ کَانَ مِنَ الْمِرْجَئِةِ"۔ میزان الاعتدال ج ۴ ص ۹۹)۔

"یعنی مِسْعَر بن کدام پس حجت ہے امام ہے اور سلیمانی کی بات کا کوئی اعتبار نہیں کہ وہ مرجیہ سے تھے"۔

اب بتائیں وہابی کی بات کا اعتبار کریں گے کہ امام جرح وتعدیل علامہ ذہبی کا۔

صحابہ سنت فجر بوقت جماعت پڑھ کر جماعت میں شامل ہوتے تھے:

اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۶ ملاحظہ ہو۔ طحاوی شریف نے ابو عثمان نہدی سے روایت کی:

”قَالَ كُنَّا نَاْتِىْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَبْلَ اَنْ نُّصَلِّىَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَهُوَ فِى الصَّلٰوةِ فَنُصَلِّىْ رَكْعَتَيْنِ فِىْ آخِرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ نَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِىْ صَلٰوتِهِمْ“ ۔

”فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروق کے پاس سنت فجر پڑھنے سے پہلے آتے تھے حالانکہ حضرت عمر نماز میں ہوتے تھے تو ہم مسجد کے کنارے سنت فجر پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاتے تھے“۔

اس پر غیر مقلد کا اعتراض:

اس کی سند میں جعفر نامی راوی ہے جو کہ ابوعثمان النہدی عبدالرحمان بن مل کا شاگرد ہے اور ہشام بن ابوعبداللہ کا استاد ہے۔ طحاوی ج ۱ ص ۲۵۸)

اور یہ مجہول ہے تہذیب التہذیب میں اس نام کا کوئی راوی ابوعثمان النہدی) نہ تو شاگرد ہے اور نہ امام دستوائی کا استاد بنایا گیا ہے۔

ثانیا: روایت مذکورہ امام ابوبکر نے اپنی مصنف میں روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

”رَءَيْتُ الرَّجُلَ يَجِيْءَ وَعُمَرَ بْنُ الْخَطَّابِ فِىْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَيُصَلِّى الرَّكْعَتَيْنِ فِىْ جَانِبِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْقَوْمِ فِىْ صَلٰوتِهِمْ“ ۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۱)۔

”یعنی امام عبدالرحمان بن مل بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص آیا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز فجر کی امام اصل امامت ہے) کروا رہے تھے تو اس شخص نے پہلے دو رکعت مسجد کے ایک گوشہ میں ادا کی پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں داخل ہوا“۔

گو یہ روایت بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں حماد بن اسامہ ہیں جو کہ

مدلس ہیں تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳ وطبقات ص ۳۰)۔

اور روایت عن سے ہے لیکن اس سے کم از کم یہ تو ثابت ہو گیا کہ روایت مذکورہ کے متن میں اضطراب ہے کیونکہ طحاوی کی روایت میں اپنا فعل بیان کیا گیا ہے تو اس میں کسی مجہول آدمی کا بطور عجوبہ بتایا گیا ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۴۸۹)

وہابی کی اسماء الرجال سے جہالت:

الجواب اوّلاً: ابوعثمان نہدی کے شاگرد جعفر کو مجہول لکھنا غیر مقلد صاحب کی منہ بولتی جہالت اور اسماء الرجال سے بے خبری ہے اسماء الرجال پر مصروف کتاب میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

> "جعفر بن میمون البصری بیّاع الانماط عَنْ اَبِی الْعَالِیَةِ وَاَبِی عُثْمَانَ النَّھْدِیْ وَجَمَاعَةٍ وَعَنْهُ غُنْدَرٌ وَیَحْیَی الْقُطَّانُ قَالَ اَحْمَدُ وَالنِّسَائِیُّ لَیْسَ بِقَوِیٍّ وَّقَالَ اِبْنُ معین لَیْسَ بِذٰلِكَ وَقَالَ مَرَّةً صَالِحُ الْحَدِیْثِ وَقَالَ الدَّارُ قُطْنِیُّ یُعْتَبَرُ بِهٖ وَقَالَ اِبْنُ عدی لَمْ اَرَ اَحَادِیْثَهٗ مُنْكَرَةً"۔ (ج ۱ ص ۴۱۸)
>
> "یعنی جعفر بن میمون انماط ایک قسم کی چادریں) بیچتے تھے اس نے ابوالعالیہ اور ابوعثمان النہدی اور محدثین کی ایک جماعت سے احادیث بیان کیں اور ان سے غندر اور یحییٰ القطان نے احادیث لیں۔ اور امام احمد اور نسائی نے کہا قوی نہیں اور ابن معین کے ان کے متعلق دو قول ہیں) ایک یہ کہ ان کی روایت غیر قوی ہے۔ دوسرا یہ کہ ان کی حدیث استدلال) کے لئے درست ہے"۔

امام دارقطنی نے فرمایا کہ ان کا اعتبار کیا جائے گا اور امام ابن عدی نے کہا کہ میں نے ان کی احادیث منکرہ نہیں دیکھیں۔ غور کریں کہ جس کے باپ کا نام اور شیوخ وتلامذہ کے نام اور پیشہ کا ذکر دیا اور محدثین نے ان کے متعلق اپنی آراء قائم

کیں اسے کوئی بھی عقل مند مجہول کہہ سکتا ہے مگر وہابی صاحب اسے مجہول لکھ رہے ہیں یہ حال ہے اس کی جہالت و بے عقلی کا کہتے ہیں تہذیب التہذیب میں ایسے جعفر نامی کا کوئی ذکر نہیں جو ابوعثمان الہندی کا شاگرد ہو اب دیکھ لیں تہذیب التہذیب میں ان کا ذکر موجود ہے یا نہیں جناب حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”جعفر بن میمون التمیمی ابوعلی وَیُقَالُ اَبُو الْعَوَامِ الْاَنْمَاطِیُ بَیَّاعُ الْاَنْمَاطِ رَوٰی عَنْ عَبْدِالرَّحْمَانِ بْنِ اَبِیْ بَکْرَۃَ وَاَبِی التِّمِیَّمَۃَ الْھجیمی وَاَبُوْ عُثْمَانَ النَّھْدِیّ وَاَبُوْالْعَالِیَۃِ زبیان خَلِیْفَۃَ بْنِ کَعْبٍ وَغَیْرِھِمْ وَعَنْہُ اِبْنُ اَبِیْ عُرُوْبَۃَ وَالسُّفْیَانَانِ وَعِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ وَیَحْیَی بْنُ سَعِیْدِ الْقُطَّانِ وَعِدَّۃُ وَقَالَ اَحْمَدُ لَیْسَ بِقَوِیّ فِی الْحَدِیْثِ وَقَالَ اِبْنُ معین لَیْسَ بِذٰلِكَ وَقَالَ فِیْ مَوْضَعِ آخَرِ صَالَحُ الْحَدِیْثِ وَقَالَ مَرَّۃً لَّیْسَ بِثِقَۃٍ وَّقَالَ اَبُوْحَاتِمٍ صَالِحٌ وَّقَالَ النِّسَائِیُّ لَیْسَ بِالْقَوِیّ وَقَالَ الدَّارُ قُطْنِیُّ یُعْتَبَرُ بِہٖ وَقَالَ اِبْنُ عدی لَمْ اَرَ اَحَادِیْثَہٗ مُنْکَرَۃً وَّاَرْجُوْ اَنَّہٗ لَابَاْسَ بِہٖ وَیُکْتَبُ حَدِیْثُہٗ فِی الضُّعَفَاءِ قُلْتُ وَقَالَ الْبُخَارِیُّ لَیْسَ بِشَیْءٍ وَذَکَرَہٗ یَعْقُوْبُ فِیْ بَابِ مَنْ یَّرْغَبُ عَنْ رِّوَایَۃِ عَنْھُمْ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اَحْمَدَ عَنْ اَبِیْہِ اِخْشٰی اَنْ یَّکُوْنَ ضَعِیْفًا وَّقَالَ الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَكِ ھُوَ مِنْ ثِقَاتِ الْبَصْرِیِّیْنَ وَذَکَرَہٗ اِبْنُ حِبَانِ وَّاِبْنُ فِی الثِّقَاتِ“ ۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۷)

”جعفر بن میمون کی کنیت ابوعلی ہے اور ابوالعوام بھی بتایا جاتا ہے نسبت انماطر ہے اس لئے) کہ انماط خاص قسم کی چادریں) بیچتے تھے اس نے عبدالرحمان بن ابی بکرہ اور ابوالتیمہ الہجیم اور ابوعثمان نہدی اور ابوالعالیہ اور ذبیان خلیفہ بن کعب اور ان کے علاوہ سے احادیث بیان کیں اور اس

سے ابو عروبہ اور دو سفیان اور عیسیٰ بن یونس اور یحییٰ بن سعید القطان اور متعدد نے روایات کیں اور احمد نے کہا یہ حدیث میں قوی نہیں اور ابن معین نے کہا صلاحیت نہیں رکھتا اور دوسرے مقام پر کہا اس کی حدیث درست ہے۔ اور ایک بار کہا ثقہ نہیں اور امام دار قطنی نے کہا اس کا اعتبار کیا جائے گا اور امام ابن عدی نے کہا میں نے ان کی احادیث منکرہ نہیں دیکھیں اور امید کرتا ہوں کہ اس کی حدیث میں کوئی حرج نہیں اور اس کی حدیث ضعفاء میں لکھی جائے میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے کہا وہ کوئی چیز نہیں اور یعقوب بن سفیان نے اسے اس باب میں ذکر کیا جن کی روایت سے اعراض کیا جائے اور عبداللہ بن احمد نے اپنے باپ سے بیان کیا کہ میں اس کے ضعف کا اندیشہ کرتا ہوں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں کہا کہ وہ ثقہ بصریوں سے ہے اور ابن حبان اور ابن شاہین نے اسے ثقات میں ذکر کیا''۔

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ محدثین کے امام جعفر بن میمون کے متعلق جرح وتعدیل میں اقوال مختلف ہیں بعض نے جرح کی اور بعض نے تعدیل وتوثیق بیان کی مگر جن حضرات نے جرح کی وہ غیر مفسر ہے جو کہ عند الاصول توثیق کے مقابلہ میں معتبر نہیں دوسرے یہ کہ جس راوی کے بارے جرح وتعدیل دونوں طرف اقوال ہوں اسے متکلم فیہ کہتے ہیں اور متکلم فیہ کے بارے ہم نے ابھی پچھلی حدیث پر بحث میں محدثین کا مسلمہ اصول بیان کیا کہ اس کی روایت درجہ حسن سے نہیں گرتی۔

وہابی کا فضول واویلہ:

ثانیاً: غیر مقلد کا یہ واویلہ بھی بے عقلی ہے کہ زیر بحث روایت کے متن میں اضطراب ہے کیونکہ یہ متن میں اضطراب نہیں بلکہ یہ دو روایتیں ہیں طحاری شریف میں ابو عثمان سے روایت کرنے والے راوی اور ہیں اور مصنف ابن ابی شیبہ میں اور

ہیں متن دونوں کا پیچھے آچکا ہے سند اب ملاحظہ کرلیں۔

طحاوی کی سند:

"حدثنا ابوبکرۃ قَالَ حدثنا ابوداؤد قَالَ حدثنا ھشام بن عبداللّٰہ بن جعفر عن ابی عثمان النھدی" ۔ ج۱ص ۲۵۸)۔

ابن ابی شیبہ کی سند:

"حدثنا ابواسامہ عن عثمان بن غیاث قَالَ حدثنی ابوعثمان" ۔ (ج۲ص۱۵۳)

متن وسند سے معلوم ہوا کہ طحاوی وابن ابی شیبہ کی دو الگ الگ روایتیں ہیں جنہیں غیر مقلد ایک سمجھا پھر بلا دلیل اس کے اضطراب کا دعویٰ کیا جب کہ حقیقۃً یہ دو روایتیں ہیں جو آپس میں ایک دوسری کو تقویّت دیتی ہیں۔

ثالثاً: وہابی جی کا ایک اور بڑا جھوٹ۔ ابن ابی شیبہ کی روایت کے متعلق لکھتا ہے گو یہ روایت بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں حماد بن اسامہ ہیں جو کہ مدلس ہیں۔ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳ وطبقات ص ۳۰)۔ نام نہاد دین الحق ص ۴۸۹)

جب کہ طبقات میں امام حافظ ابن حجر نے ان کی اس طرح شان وعظمت بیان فرمائی ہے:

"حَمَّادُ بْنُ اُسَامَۃَ:- اَبُوْ اُسَامَۃَ الْکُوْفِیُّ مِنَ الْحُفَّاظِ مِنْ اِتْبَاعِ التَّابِعِیْنَ مَشْھُوْرٌ بِکُنْیَتِہٖ مُتَّفَقٌ عَلَی الْاِحْتِجَاجِ بِہٖ مَاتَ سَنَۃَ مِائَتَیْنِ وَصَفَّہٗ بِذٰلِکَ قَطِبِیٌّ فَقَالَ کَانَ کَثِیْرُ التَّدْلِیْسِ، ثُمَّ رَجَعَ عَنْہُ وَقَالَ اِبْنُ سَعْدٍ کَانَ کَثِیْرُ الْحَدِیْثِ وَیُدَلِّسُ وَیُبَیِّنُ تَدْلِیْسَہٗ انتھی ۔ وَقَدْ قَالَ اَحْمَدُ کَانَ صَحِیْحُ الْکِتَابِ ضَابِطًا لِحَدِیْثِہٖ وَقَالَ اَیْضًا کَانَ ثَبَتًا مَّا کَانَ اَثْبَتُہٗ لَایَکَادُ یُخْطِئُ مَاتَ سَنَۃَ اِحْدٰی وَمِائَتَیْنِ" ۔ (طبقات المدلسین ص ۳۰)

”یعنی حماد بن اسامہ ابواسامہ کوفی حفاظ سے ہے اتباع التابعین سے اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہے ان کے حجت ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے دو سو ۲۰۰ ہجری میں وصال ہوا اس کے ساتھ اس کا وصف قطبی نے بیان کیا تو کہا کثیر التدلیس تھا پھر تدلیس سے رجوع کر لیا اور امام ابن سعد نے فرمایا کہ کثیر الحدیث تھے اور تدلیس کرتے اور اپنی تدلیس کو بیان فرما دیتے اور امام احمد نے فرمایا صحیح الکتاب تھے اور اپنی حدیث کو ضبط رکھنے والے نیز فرمایا کہ ثبت تھے ایسے پختہ کہ غلطی کے قریب نہ جاتے اور ان کا وصال دو سو ایک ۲۰۱ ہجری میں ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام حماد بن اسامہ ابواسامہ کے حجت ہونے پر اتفاق فرمایا ہے اور تدلیس سے انہوں نے رجوع فرما لیا تھا اور اپنی تدلیس کو ظاہر بھی کر دیتے تھے اور بیان کے بعد تدلیس مضر نہیں ہوتی اب دیکھیں کہ وہابی صاحب کا محدثین پر یقین کیا ہوا محدثین حماد بن اسامہ کو حجت مانتے ہیں لیکن وہابی صاحب اسے ضعیف کہتا ہے حجت نہیں مانتا۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۷ ملاحظہ ہو۔

طحاوی شریف نے حضرت یونس سے روایت کی:

”قَالَ كَانَ الْحَسَنُ يَقُوْلُ يُصَلِّيْهِمَا فِیْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِیْ صَلٰوتِهِمْ“۔

”کہ امام حسن فرماتے تھے کہ سنت فجر مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھ لے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاوے“۔

اس پر غیر مقلد کا اعتراض:

یہ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ نہیں جیسا کہ مفتی صاحب عوام کو امام حسن لکھ کر باور کرا رہے ہیں بلکہ حسن بصری ہیں جو کہ تابعی ہیں۔

ثانیاً: اس کا راوی یونس بن اسحاق متکلم فیہ ہے۔

صُدُوْقٌ يُوْهَمُ قَلِيْلاً ۔ تقریب ص ۳۸۶)۔

''یعنی سچا تو ہے لیکن کبھی کبھار وہم کرتا ہے''۔

اور ایسے راویوں کی روایت منفرد ہونے کی صورت میں حجت نہیں ہوا کرتی خصوصاً جب کہ امام یحییٰ نے ان کے حق میں بھی کہہ رکھا ہے کہ:

''فِيْهِ غَفْلَةٌ شَدِيْدٌ'' ۔ تہذیب ج ۱۱ ص ۴۳۴)۔

''یعنی ان میں سخت غفلت پائی جاتی ہے اور ایسے راویوں کی روایت متابعت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتی''۔ (نام نہاد دین الحق ص ۴۸۹)

الجواب اوّلاً: امام حسن بصری رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے بیعت یافتہ روحانی بیٹے اور جلیل القدر تابعی ہیں انہیں امام لکھنے میں کون سی قباحت آئی جس پر وہابی صاحب کو اعتراض ہے جب کہ خود وہابی صاحب خواہ کوئی چودویں صدی کا مولوی ان کے موافق مذہب بات کرے تو اسے بھی امام لکھ دیتے ہیں۔

غیر مقلد نے خلاف مذہب عبارت کو چھوڑ دیا:

ثانیاً: غیر مقلد کو تہذیب التہذیب سے یحییٰ کا قول تو نظر آیا کہ یونس بن ابی اسحاق میں غفلت پائی جاتی ہے اور یہ نظر نہ آیا جو اسی جگہ ہے کہ:

''وَقَالَ عُثْمَانُ الدَّارِمِيُّ عَنْ معينٍ ثِقَةٌ'' ۔

''امام بن عثمان دارمی نے ابن معین سے یونس بن ابی اسحاق) کا ثقہ ہونا روایت کیا''۔

نیز عثمان دارمی کا ارشاد کہ میں نے ابن معین سے پوچھا یونس یا اسرائیل دونوں میں سے آپ کو زیادہ کون پسند ہے۔

''قَالَ كُلٌّ ثِقَةٌ'' ۔

''یہ سب ثقہ ہیں''۔

"وَقَالَ اِسْحَاقُ بْنِ مَنْصُوْرٍ عَنِ ابْنِ معینٍ ثِقَةٌ"۔

"اور اسحاق بن منصور نے امام ابن معین سے ثقہ روایت کیا"۔

"وَقَالَ النِّسَائِیُّ لَیْسَ بِہٖ بَاْسٌ"۔

"امام نسائی نے فرمایا کہ ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں"۔

"وَقَالَ اِبْنُ عدی لَہٗ اَحَادِیْثٌ حَسَّانٌ"۔

"اس کی احادیث بہت خوب ہیں"۔

"وَذَکَرَہٗ اِبْنُ حَبَّانَ فِی الثِّقَاتِ"۔

"امام ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا"۔

"وَقَالَ الْعِجْلِیُّ جَائِزُ الْحَدِیْثِ"۔

"علامہ عجلی نے فرمایا ان کی روایات سے احتجاج جائز ہے"۔

"وَقَالَ ابْنُ شَاھِیْنٍ فِی الثِّقَاتِ"۔

"امام ابن شاہین نے انہیں ثقات میں بیان کیا"۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۴۳۴)

اب ان محدثین کرام کے امام یونس بن ابی اسحاق کی ثقاہت وعدالت میں ارشادات چھوڑ کر اپنے مقصد کا اکا دکا قول ذکر کر دینا کس قدر عظیم خیانت وستم بالا ستم ہے۔

ثالثاً: علامہ نیموی طحاوی کی اس حدیث کو بیان کے بعد لکھتے ہیں:

"اِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ"۔

"اس کی اسناد صحیح ہے"۔ آثار السنن ص ۱۸۱)۔

رابعاً: یونس بن ابی اسحاق کے متابع امام یزید بن ابراہیم موجود ہیں جو امام حسن بصری رضی اللہ عنہ سے یوں بیان کرتے ہیں:

"اِنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ اِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ وَلَمْ تُصَلِّ رَکْعَتَی الْفَجْرِ فَصَلِّھِمَا وَاِنْ کَانَ الْاِمَامُ یُصَلِّیْ ثُمَّ ادْخُلْ مَعَ الْاِمَامِ"۔

(طحاوی ج ۱ ص ۲۵۸)۔

"آپ فرمایا کرتے کہ جب تم مسجد میں داخل ہو اور سنت فجر نہ پڑھی تھیں تو ان کو پڑھ لے اگرچہ امام جماعت کرا رہا ہو پھر امام کے ساتھ شامل ہو جائے"۔

اسے نقل کرنے کے بعد علامہ نیوی فرماتے ہیں:

"رَوَاهُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ"۔

"اسے امام طحاوی نے روایت کیا اور سند اس کی صحیح ہے"۔ (آثار السنن ص ۱۸۰)۔

اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۸ ملاحظہ ہو۔ طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی:

"یَقُوْلُ اَیْقَظْتُ اِبْنَ عُمَرَ لِصَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَقَدْ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَقَامَ فَصَلَّی الرَّکْعَتَیْنِ"۔

"فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نماز فجر کے لئے بیدار کیا حالانکہ فجر کی تکبیر ہو رہی تھی تو آپ نے پہلے سنت فجر پڑھیں"۔

اس پر غیر مقلد کا اعتراض:

اولاً: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سنت فجر کہاں ادا کی روایت مذکورہ میں بہر حال اس کا ذکر نہیں ہے اور اگر مفتی صاحب کی دلیل ۴ کے موافق اس کی تطبیق دی جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مسجد سے باہر پڑھا کرتے تھے جو کہ مفتی صاحب کے موافق نہیں ہے۔

ثانیاً: پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جماعت کے کھڑے ہونے کے بعد فجر کی سنت نہیں پڑھا کرتے تھے بلکہ منع فرمایا کرتے تھے لہٰذا ان میں موافقت کی ایک ہی صورت ہے کہ جب آپ کو مرفوع حدیث کا علم نہیں تھا تو آپ گھر میں پڑھ لیا کرتے تھے لیکن جب اس کا علم ہو گیا تو خود بھی عمل ترک کر دیا اور

لوگوں کو بھی منع فرمایا کرتے تھے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۴۹۰)

غیر مقلد کے بیجا اعتراضوں کے جواب:

الجواب اولاً: ہم اس فصل میں غیر مقلد کے اس اعتراض کے جواب میں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بوقت جماعت مسجد میں سنت فجر پڑھنا ثابت نہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طحاوی سے روایت لکھی آئے ہیں جس میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بوقت جماعت سنت فجر کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں پڑھا اور امام طحاوی کی تصریح بھی اس جگہ لکھ آئے ہیں کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا حجر مسجد نبوی شریف سے ہے لہٰذا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بوقت جماعت سنت مسجد میں پڑھنا ثابت ہے وہابی جی کو چاہئے کہ ضد چھوڑ دے اور بوقت جماعت سنت فجر مسجد میں پڑھنے کا جواز مان لے۔

ثانیاً: غیر مقلد صاحب کی خود ساختہ توجیہ کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سنت فجر بوقت جماعت اپنے گھر پڑھتے تو خلاف عقل بھی ہے کیونکہ اقامت حاضرین مسجد کو اعلام کے لئے ہوتی ہے کہ اب جماعت قائم ہو رہی تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے گھر میں کیسے معلوم کر لیتے کہ اقامت ہو چکی ہے حالانکہ روایت میں تصریح ہے کہ آپ جماعت قائم ہونے کے بعد پڑھتے نیز اس دور میں گھڑی ٹیم پر بھی جماعت نہیں ہوتی تھی کہ آپ ٹیم وقت) دیکھ کر اندازہ کر لیتے کہ اب اقامت ہو چکی ہے پھر آپ کو یہ کس طرح اندازہ ہوتا کہ سنت فجر پڑھ کر جماعت میں شامل ہو سکوں گا اس کا مطلب ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما معاذ اللہ جماعت سے لاپرواہی کرتے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ثالثاً: غیر مقلد صاحب اپنے دلائل کے ضمن میں المحلی بالآثار کے حوالہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت لکھی ہے جس میں ہے کہ آپ نے ایک شخص کو بوقت جماعت سنت فجر پڑھتے دیکھا تو فرمایا کیا تم صبح کی چار رکعت فرض)

پڑھتے ہو مگر یہ اس میں ہرگز مذکور نہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بوقت جماعت سنت فجر نہیں پڑھتے تھے یہ غیر مقلد صاحب اپنے مذہب کو تقویت دینے کو پاس سے اضافہ کر لیا۔ یہ ہے ان نام نہاد اہلحدیثوں کا حال۔

اپنا مذہب بچانے کے لئے غیر مقلد کے حیلے:

رابعاً: غیر مقلد صاحب کو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دو مختلف روایتوں کے درمیان موافقت کی ایک ہی صورت نظر آئی ہے جو کہ ان کے مذہب کے موافق ہے اگرچہ عند اہل ادب وعقل غیر مرضی وغیر مناسب ہے کہ جلیل القدر صحابی سیدنا وابن سیدنا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مرفوع حدیث کا علم نہیں تھا اس لئے بوقت جماعت سنت فجر گھر میں پڑھ لیتے تھے جب علم ہوا تو خود بھی عمل ترک کر دیا اور لوگوں کو بھی منع فرمایا کرتے تھے۔ اس پر سوال ہوگا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خود بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے میں منع کی مرفوع حدیث کا علم نہیں تھا تو کسی سے مسئلہ پوچھا بھی نہ لاپرواہی میں اپنی رائے سے گھر میں بوقت جماعت سنتیں پڑھتے رہے مگر اس کے علاوہ منع وجواز پر روایات کے درمیان تطبیق کی ایک یہ بھی صورت تھی جو وہابی صاحب کو شاید اس لئے نظر نہ آئے کہ خلاف مذہب تھی وہ یہ ہے جسے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے منع کی روایتوں کے جواب میں ذکر کیا کہ منع اس صورت میں ہے جب کوئی جماعت سے متصل سنت فجر پڑھے چنانچہ لکھتے ہیں:

”قَدْ یَجُوْزُ اَنْ یَّکُوْنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّما کَرِہَ ذٰلِکَ لِاَنَّہٗ صَلَّی الرَّکْعَتَیْنِ ثُمَّ وَصَلَھُمَا بِصَلٰوۃِ الصُّبْحِ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّکُوْنَ تَقَدَّمَ اَوْ تَکَلَّمَ“ ۔ (طحاوی ج۱ص۲۵۶)

”یہ جائز ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت جماعت) سنت فجر پڑھنے کو اس لئے ناپسند کیا ہو کہ سنت فجر کو اس نے نماز صبح فرض) سے ملا دیا ہو یہ کہ نہ آگے بڑھا ہو اور نہ کلام کیا ہو“۔

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی منع کی روایت میں بھی ایسا قرینہ موجود ہے کہ وہ شخص جماعت کی صفوں سے متصل سنتیں پڑھ رہا تھا اور چار فرض پڑھنے کے مشابہ لگ رہا تھا دوا کیلے دو جماعت کے ساتھ اسی مشابہت کی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تم فجر کی چار رکعت فرض) پڑھتے ہو۔ اب جاء الحق سے حدیث نمبر ۹ ملاحظہ ہو۔ طحاوی شریف نے حضرت امام شعبی سے روایت کی:

”كَانَ مَسْرُوْقٌ يَجِئُى اِلَى الْقَوْمِ وَهُمْ فِى الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَكُنْ رَكَعَ رَكْعَتَى الْفَجْرِ فَيُصَلِّى الرَّكْعَتَيْنِ فِى الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِىْ صَلٰوتِهِمْ“ ۔

”حضرت مسروق قوم کے پاس آتے تھے جب کہ وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے اور مسروق نے سنت فجر نہ پڑھی ہوتیں تو آپ مسجد میں پہلے دو سنتیں پڑھ لیتے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے تھے“۔

اس پر غیر مقلد کا اعتراض:

مسروق صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۱۱ و تاریخ ثقات عجلی ص ۴۲۶)

مگر افسوس کہ مفتی صاحب اس پر حدیث کا عنوان لگاتے ہیں جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں سعید بن ابی عروبہ ہیں طحاوی ج ۱ ص ۲۵۸)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: - کثیر التدلیس واختلط تقریب ص ۹۳) بہت زیادہ تدلیس کرتے ہیں اور آخری عمر میں حافظہ بھی خراب ہو گیا تھا اور زیر بحث روایت عن عن سے ہے۔

ثالثاً: دوسرا راوی اس کی سند میں حصین عبدالرحمان الحارثی ہے امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ منکر روایات بیان کرتا ہے میزان ج ۱ ص ۵۵۲ وتہذیب ج ۲ ص ۳۳۰ طبع جدید)۔

رابعاً: اس تابعی کے فعل کو بالفرض اگر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو امام ابوحنیفہ کا فتوی ہے کہ جب کوئی قول تابعین کا آتا ہے اور وہ ہمارے فیصلہ کے خلاف ہوتا ہے تو اس سے ہم مزاحمت کرتے ہیں۔ انوار الباری ج ۱ ص ۶۵ والجواہر المضیہ ج ۲ ص ۲۵۰ وتہذیب ج ۱۰ ص ۳۵۱)۔ (نام نہاد دین الحق ص ۴۹۰ تا ۴۹۱)۔

الجواب اولاً: محدث کبیر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت پر حدیث کا عنوان لگایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرَۃٍ"۔

"ہمیں ابوبکر نے حدیث بیان کی"۔ (طحاوی ج ۱ ص ۲۵۸)۔

امام عبداللہ بن محمد (ابن ابی شیبہ) جو کہ امام بخاری کے استاد ہیں نے بھی حضرت مسروق کی روایت کو حدیث کا عنوان دیا ہے فرماتے ہیں:

"حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرٍ"۔

"ہمیں ابوبکر نے حدیث بیان کی"۔

اب وہابی صاحب بتائیں ان محدثین کرام پر کیا فتوی ہے۔

ثانیاً: سعید بن ابی عروبہ پر جرح سے پہلے وہابی صاحب کو یہ ثابت کرنا چاہئے تھا کہ زیر بحث روایت کی سند میں سعید بن ابی عروبہ ہی راوی ہیں جبکہ اس میں اختلاف موجود ہے اس طحاوی شریف کے ذیل میں ہے

"قَالَ صَاحِبُ تَصْحِیْحِ الْاَغْلَاطِ لَا اَعْرِفُ سَعِیْدًا هٰذَا وَلَعَلَّ الصَّوَابَ بَدْلُهٗ شُعْبَةُ لٰکِنَّ اَقُوْلُ لَعَلَّ هُوَ سَعِیْدُ بْنُ عروبةَ اَوْ سَعِیْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ"۔ (ج ۱ ص ۲۵۸)۔

"صاحب تصحیح الاغلاط نے کہا کہ میں اس سعید کو نہیں جانتا شاید اس کی جگہ شعبہ ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ شاید یہ سعید بن ابی عروبہ ہی ہوں یا سعید بن منصور ہوں"۔

جب راوی میں اختلاف ظاہر ہے تو بلاتعین جرح معتبر نہیں۔

ثالثاً: اگر زیر بحث روایت کے راوی امام شعبہ ہیں تو یہ ثقہ ہیں علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

"وَاَمَّا شُعْبَةُ بْنُ دِيْنَارِ الْكُوْفِىْ فَثِقَةٌ رَوٰى عَنْهُ سُفْيَانَانِ"۔

(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۷۴)۔

"یعنی شعبہ بن دینار کوفی ثقہ ہیں ان سے دونوں سفیان نے روایتیں کیں"۔

اور علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

"شُعْبَةُ بْنُ دِيْنَارِ الْكُوْفِىْ لَا بَاْسَ بِهٖ"۔ (تقریب التہذیب ص ۱۴۵)۔

شعبہ بن دینار کوفی کی روایتوں میں کوئی حرج نہیں اگر اس کے راوی سعید بن منصور ہیں تو یہ انتہائی ثقہ ہیں"۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

"سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرِ بْن شُعْبَةَ الْخُرَاسَانِىُّ الْحَافِظُ الْثِقَةُ صَاحِبُ السُّنَنِ سَمِعَ مَالِكًا وَّطَبَقَهُ"۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۵۹)۔

"سعید بن منصور بن شعبہ خراسانی حافظ ثقہ اور صاحب سنن ہے اس نے امام مالک واس کے ہم طبقہ سے سماعت کی"۔

اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرِ بْنِ شُعْبَةَ اَبُوْ عُثْمَانَ الْخُرَاسَانِىُّ نَزِيْلُ مَكَّةَ ثِقَةٌ مُصَنِّفٌ وَّكَانَ لَا يَرْجِعُ عَمَّا فِىْ كِتَابِهٖ لِشِدَّةِ وَثُوْقِهٖ بِهٖ"۔

(تقریب التہذیب ۱۲۶)۔

"سعید بن منصور بن شعبہ ابوعثمان خراسانی مکہ آنے والا ثقہ اور مصنف ہے اور سخت اعتماد کی وجہ سے جو ان کی کتاب میں لکھا تھا اس سے رجوع نہ کرتے تھے"۔

اور اگر تسلیم کر لیں کہ اس کی سند میں سعید بن ابی عروبہ ہی ہیں تو ان کے بارے بھی دیکھ لیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"سَعِیْدُ بْنُ اَبِیْ عَروبَةَ مهران الیسکری مَوْلاهُمْ ابو النصر البصری ثِقَةٌ حَافِظٌ لَهٗ تَصَانِیْفُ لٰكِنَّهٗ كَثِیْرُ التَّدْلِیْسِ وَاخْتَلِطَ وَكَانَ مِنْ اَثْبَتِ النَّاسِ" ۔ (تقریب التھذیب ص ۱۲۴)۔

"یعنی سعید بن ابی عروبہ مہران الیسکری ان کے آقا تھے کنیت ابوالنصر بصری ہے۔ ثقہ حافظ اور صاحب تصانیف ہیں لیکن کثیر التدلیس ہیں اور اختلاط ہو گیا تھا اور حدیث میں لوگوں سے مضبوط تھے"۔

اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

"سَعِیْد بن ابی عروبة امام اهل بصرة فی زمانه ابو النصر مولیٰ بنی عدی واسم ابیه مهران وله مصنفات لکنه تغیر بأخرة" ۔

(میزان ج ۱ ص ۱۵۱)

"یعنی سعید بن ابی عروبہ اپنے دور میں اہل بصرہ کے امام تھے کنیت ابوالنصر ہے بنی عدی کے آقا ہیں اور ان کے باپ کا نام مہران ہے اس کے لئے تصانیف ہے لیکن آخر عمر میں تغیر آ گیا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سعید بن ابی عروبہ بن مہران ابوالنصر بصری بڑی شان والے امام ثقہ ثبت فی الحدیث ہیں اگر آخر عمر میں حافظہ میں تغیر آ گیا تھا تو اس کا اس روایت پر کوئی اثر نہیں کیونکہ اس کی تائید میں اس مسئلہ پر احادیث کثیرہ ہیں جن کا بیان جاء الحق میں ہے۔

سعید بن ابی عروبہ کا متابع موجود ہے:

رابعاً: سعید بن ابی عروبہ کے متابع امام ہشیم موجود ہیں جو کہ حصین اور ابن عون

سے یہی روایت کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

”حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٍ قَالَ اَنَا حُصَيْنٌ وَابْنُ عَوْنٍ عَنِ الشَّعْبِیْ عَنْ مَّسْرُوْقٍ اَنَّهٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْقَوْمُ فِیْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ فَصَلَّاهُمَا فِیْ نَاحِيَةٍ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْقَوْمِ فِیْ صَلٰوتِهِمْ“ ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۵۳) ۔

”حضرت مسروق رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے جب کہ لوگ نماز فجر پڑھ رہے تھے اور انہوں نے دو رکعت سنت نہیں پڑھی تھیں پس آپ نے انہیں مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھا پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شامل ہوئے“ ۔

خامساً: زیر بحث روایت کو علامہ نیموی نے صحیح کہا ہے چنانچہ یہی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”رَوَاهُ الطَّحَاوِیُّ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ“ ۔

”اسے امام طحاوی نے روایت کیا اور سند اس کی صحیح ہے“ ۔

غیر مقلد کا اس پر تیسرا اعتراض کہ اس کی سند میں دوسرا راوی حصین بن عبدالرحمٰن الحارثی ہے۔ امام احمد نے اسے منکر الروایات کہا ہے۔

غیر مقلد نے راوی کا نام اپنے پاس گھڑ دیا:

الجواب اولاً: حصین بن عبد الرحمٰن الحارثی نہیں بلکہ حصین بن عبدالرحمٰن السلمی ابوالہذیل الکوفی ابن عم منصور بن المعتمر ہیں جو کہ امام شعبی سے راوی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۸۱ وتہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۲ ص ۲۱۳) ۔

اس کے بارے امام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”قَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ عَنْ اَحْمَدَ حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ثِقَةٌ مَاْمُوْنٌ مِّنْ كَبَائِرِ اَصْحَابِ الْحَدِيْثِ وَقَالَ اِبْنُ معينٍ ثِقَةٌ وَّقَالَ الْعِجْلِيّ

ثِقَةٌ ثَبْتٌ فِی الْحَدِیْثِ وَقَالَ اِبْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ سَاَلْتُ اَبَا زُرْعَةَ عَنْهُ فَقَالَ ثِقَةٌ قُلْتُ یُحْتَجُّ بِحَدِیْثِهٖ قَالَ اَیُّ وَاللّٰهِ وَقَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ صُدُوْقٌ ثِقَةٌ فِی الْحَدِیْثِ وَآخِرِ عُمْرِهٖ سَاءَ حِفْظُهٗ“ ۔

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۸۱)

”ابو حاتم نے امام احمد سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا حصین بن عبدالرحمٰن ثقہ مامون ہیں اور کبائر محدثین سے ہیں اور ابن معین نے فرمایا ثقہ ہیں اور امام عجلی نے کہا ثقہ اور حدیث میں مضبوط ہیں اور ابن ابی حاتم نے کہا کہ میں نے امام ابوزرعہ سے دربارہ (حصین بن عبدالرحمٰن) پوچھا تو اس نے فرمایا ثقہ ہیں میں نے عرض کیا اس کی حدیث کو حجت بنانا چاہیے تو فرمایا واللہ جس حدیث کو چاہو حجت بناؤ اور امام ابوحاتم نے فرمایا سچے ثقہ فی الحدیث ہیں لیکن آخر عمر میں حافظہ متغیر ہو گیا“۔

تہذیب الکمال میں الحافظ ابوالحجاج جمال الدین یوسف بن عبدالرحمٰن المزی فرماتے ہیں:

”قَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ عَنْ اَحْمَدُ بْنِ حَنْبَلٍ حُصَیْنُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ثِقَةٌ مَامُوْنٌ مِنْ کَبَائِرِ اَصْحَابِ الْحَدِیْثِ وَقَالَ اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ معینٍ ثِقَةٌ وَّقَالَ اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْعِجْلِیُّ کُوْفِیٌّ ثِقَةٌ ثَبْتٌ فِی الْحَدِیْثِ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ سَاَلْتُ اَبَا زُرْعَةُ عَنْهُ فَقَالَ ثِقَةٌ قُلْتُ یُحْتَجُّ بِحَدِیْثِهٖ قَالَ اَیٌّ وَّاللّٰهِ وَقَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ صُدُوْقٌ وَّثِقَةٌ فِی الْحَدِیْثِ وَفِیْ آخِرِ عُمْرِهٖ سَاءَ حُفْظُهٗ“ ۔ (ج ۲ ص ۷۱۳)۔

ترجمہ اس کا اس سے پہلی تہذیب التہذیب کی عبارت میں آچکا ہے۔

ثانیاً: یہ روایت طحاوی شریف میں ایک اور سند سے بھی مروی ہے جس میں حصین بن عبدالرحمٰن کے متابع عاصم الاحول ہیں جو کہ امام شعبی سے راوی ہیں ملاحظہ ہو:

"حَدَّثَنَا اَبُوْ بِشْرِ الرَّقِّی قَالَ ثَنَا اَبُوْ مُعَایَة عَنْ عَاصِمِ الْاَحْوَلِ عَنِ الشَّعْبِیّ عَنْ مَّسْرُوْقٍ اِنَّہٗ فَعَلَ ذٰلِكَ غَیْرُ اِنَّہٗ قَالَ فِیْ نَاحِیَةِ الْمَسْجِدِ" ۔ (طحاوی ج اص ۲۵۸)۔

یعنی عاصم الاحول امام شعبی سے۔ وہ حضرت مسروق سے راوی کہ انہوں نے ایسا کیا یعنی بوقت جماعت سنت فجر پڑھیں مگر اس نے ناحیہ کا ذکر بھی کیا اب بھی وہابی نہ مانیں تو وہ نری ضد میں ہیں۔

غیر مقلد چوتھے اعتراض کے تحت لکھتے ہیں کہ:

تابعی کے فعل کو بالفرض اگر صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو امام ابوحنیفہ کا فتویٰ ہے کہ جب کوئی قول تابعین کا آتا ہے اور وہ ہمارے فیصلہ کے خلاف ہوتا ہے تو اس سے ہم مزاحمت کرتے ہیں۔

غیر مقلد پہلے اپنے گھر کی خبر لیے:

الجواب: اولاً غیر مقلد صاحب کو پہلے گھر کی خبر لے کر پھر باہر قدم اٹھانا چاہئے جب کہ ان غیر مقلد وہابیوں کا اپنا حال یہ ہے کہ تابعی تو بعد کی بات صحابی کے قول کو بھی حجت نہیں مانتے جن کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ" ۔

(مشکوۃ باب مناقب الصحابہ)

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤ گے"۔

غیر مقلدوں کے امام نواب صدیق بن حسن خان بھوپالی صاحب لکھتے ہیں:

"وقول صحابی حجت نبا شد" ۔

"صحابی کا قول دلیل نہیں ہوسکتا" ۔ (عرف الجادی ص ۳۸)

یہ تو صحابی کی بات ہے وہابیوں کے نزدیک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے بھی حجت نہیں۔ ان کے مولوی محمد جونا گڑھی لکھتے ہیں:

سنئے جناب بزرگوں کی مجتہدوں کی اور اماموں کی رائے وقیاس اجتہادو استنباط اور ان کے اقوال تو کہاں شریعت اسلام میں تو خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی طرف سے بغیر وحی کے کچھ فرمائیں تو وہ حجت نہیں۔ (طریق محمدی ص ۴۰)۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا قرآن میں ارشاد ہے:

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا مَا وَحْیٌ يُّوْحٰى"۔ (سورۃ النجم)

"اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے"۔

ثانیاً: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ خود تابعی ہیں تو کسی تابعی سے ان کا اختلاف ہونا یا اس کی رائے پر اپنی رائے کو درست جان کر ترجیح دینا کوئی مضائقہ کی بات نہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے درمیان اختلاف ہوئے ہیں بعض اوقات دوسرے پر اپنی رائے درست بھی جانتے رہے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ (اختلاف امتی رحمۃ) میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔

سنت فجر کے بارے حضرت موسیٰ اشعری کا عمل:

جاء الحق سے حدیث نمبر ۱۰۔ طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ بن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی:

"اَنَّہٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْاِمَامِ فِی الصَّلٰوۃِ فَصَلّٰی رَکْعَتَی الْفَجْرِ"۔

"کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری مسجد میں آئے حالانکہ امام نماز میں تھا آپ نے پہلے دو رکعت سنت فجر پڑھیں"۔

اس کے بعد مفتی صاحب فرماتے ہیں یہ دس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں

ورنہ اس کے متعلق بہت روایات ہیں اگر شوق ہو تو طحاوی شریف کا مطالعہ فرماویں۔

اس پر غیر مقلد کا اعتراض:

تنبیہ: آخر میں مفتی صاحب نے مکرر حضرت ابوموسیٰ اشعری کا اثر نقل کیا ہے حالانکہ ابتداء میں اسے نقل کر آئے تھے دیکھئے مفتی صاحب کی پہلی دلیل فرق صرف یہ ہے کہ ابواسحاق سے بیان کرنے میں ذھیر کی بجائے امام سفیان ثوری ہیں پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اس کی سند میں خالد بن عبدالرحمٰن راوی متروک الحدیث ہے۔

خلاصہ کلام:

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ دس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں حالانکہ مفتی صاحب نے دس تو کجا کوئی ایک حدیث مرفوع ضعیف بھی پیش نہیں کی بلکہ کل نو آثار پیش کیے ہیں جن میں سات اقوال صحابہ اور دو آثار تابعین ہیں جن کی صحت بہر حال مشکوک ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح صریح احادیث کے مخالف ومعارض بھی ہیں اب فیصلہ قارئین کرام خود کرلیں کہ انہوں نے حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو واجب العمل بنانا ہے یا کہ کسی صحابی وتابعی کے ضعیف قول کو۔ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی۔ (نام نہاد دین الحق ص ۴۹۱)۔

الجواب اولاً: وہابی صاحب مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ پر پتہ نہیں کیوں اوبال نکالتے ہیں ورنہ اصل اعتراض تو ان کا امام طحاوی پر بنتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی سند سے روایت کو طحاوی شریف میں دو بار لکھا ہے۔ مفتی صاحب تو محض ناقل ہیں ان پر یہ اعتراض سینہ زوری ہے۔

ثانیاً: وہابی صاحب اتنا بے عقل ہے کہ اسے یہ معلوم نہیں کہ محدثین کرام سند و متن مختلف ہونے سے حدیث کو مکرر بیان کرتے ہیں جبکہ یہ اسے اقرار ہے کہ زیر بحث حدیث اور جاء الحق میں اس فصل کی حدیث نمبر ۱ کی سند مختلف ہے کہ ایک میں زہیر بن معاویہ حضرت ابواسحاق سے روایت کرتے ہیں جبکہ دوسری جگہ امام سفیان

ثوری حضرت ابواسحاق سے راوی ہیں۔ نیز دونوں روایتوں کے متن میں بھی فرق ہے حدیث نمبر ۱ کا متن یہ بھی ہے۔

”عبداللّٰه بن ابی موسٰی عَنْ اَبِیْهِ حِیْنَ دَعَاهُمْ سَعِیْدُ ابْنُ الْعَاصِ دَعَا اَبَا مُوْسٰی وَحُذَیْفَةَ وَعَبْدُاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَبْلَ اَنْ یُّصَلِّی الْفَدَاةَ ثُمَّ خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِهٖ وَقَدْ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةِ فَجَلَس عَبْدُ اللّٰهِ اِلٰی اُسْطُوَانَةٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَصَلَّی الرَّکْعَتَیْنِ ثُمَّ دَخَلَ فِی الصَّلٰوةِ“۔ (طحاوی جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۲۵۷)

”وہ اپنے والد حضرت ابوموسٰی اشعری سے روایت کرتے ہیں جب انہیں سعید ابن عاص نے بلایا اس نے حضرت ابوموسٰی حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کو بلایا نماز فجر پڑھنے سے پہلے یہ حضرات سعید ابن عاص کے پاس سے واپس ہوئے حالانکہ فجر کی تکبیر ہو چکی تھی۔ حضرت ابن مسعود مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے پھر وہاں دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شامل ہوئے“۔

”اَنَّهٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْاِمَامُ فِی الصَّلٰوةِ فَصَلّٰی رَکْعَتَی الْفَجْرِ“۔ (طحاوی جلد ۱ صفحہ ۲۵۷)

”کہ حضرت ابوموسٰی اشعری مسجد میں آئے حالانکہ امام نماز میں تھا آپ نے پہلے دو سنت فجر پڑھیں“۔

ثالثاً: اس کی سند میں خالد بن عبدالرحمٰن ابوالہیثم خراسانی ہیں ان کے متعلق علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”خَالِدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَبُو الْهَیْثَمِ الْخُرَاسَابِیُّ نَزَلَ الشَّامَ وَمِصْرَ وَحَدَّثَ عَنْ عُمَرَ بْنِ ذَرٍّ وَّمَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ وَّسُفْیَانَ وَعَنْهُ بَحْرُ بْنُ وَالرَّبِیْعُ الْمُرَادِیُّ وَجَمَاعَةٌ وَّثِقَةَ اِبْنُ معینٍ وَقَالَ اَبُوْ

حَـاتِـمٍ: لَابَاْسَ بِهٖ وَقَالَ الْعَقِيْلِيُّ فِيْ حِفْظِهٖ شَيْءٌ ثُمَّ ذَكَرَ حَدِيْثًا مُـعَـلَّلًا رُوِيَ عَلٰى وُجُوْهٍ لَعَلَّ الْخَطَاءُ مِنْ غَيْرِهٖ وَقَالَ اِبْنُ عَدِيْ لَيْسَ بِذٰلِكَ"۔ (میزالاعتدال ج ا ص ۶۳۳)

"خالد بن عبد الرحمٰن ابوالہیثم خراسانی شام ومصر میں آئے اور حدیث بیان کی عمر بن ذر اور مالک بن مغول اور سفیان ثوری سے اور ان سے بحر بن نصر اور ربیع مرادی اور ایک جماعت محدثین نے اور ابن معین نے اسے ثقہ کہا اور ابوحاتم نے فرمایا ان کی (احادیث) میں کوئی حرج نہیں اور عقیلی نے کہا ان کے حافظہ میں کچھ خلل تھا پھر ان سے معلل حدیث کو ذکر کیا جو کئی وجوہ پر مروی ہے شاید وہ خطاء ان کے غیر سے ہو اور ابن عدی نے کہا وہ اس کے ساتھ نہیں"۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"وَقَـالَ يَزِيْدُ بْنُ عَبْدِالصَّمَدِ عَنِ ابْنِ معينٍ ثِقَةٌ وَقَالَ اِبْنُ صَاعِدٍ ثَـنَـا الْبَـحْرُ ابْنُ النَّصْرِوَّ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الْحَكَمِ قَالَا ثَنَا خَـالِـدٌ وَّكَـانَ ثِقَةٌ وَّقَالَ اَبُوْ زُرْعَةَ وَاَبُوْحَاتِمٍ لَّابَاْسَ بِهٖ وَزَادَ اَبُوْ حَـاتِـمٍ كَـانَ اِبْنُ مُعِيْنٍ يَثْنِيْ عَلَيْهِ خَيْرًا وَّقَالَ الْعَقِيْلِيُّ فِيْ حِفْظِهٖ شَـيْءٌ قُـلْـتُ ثُـمَّ ذَكَـرَ لَـهٗ حَدِيْثًا مُعَلَّلًا رُوِيَ عَلٰى وُجُوْهٍ وَّلَعَلَّ الْخَطَاءُ فِيْهِ مِنْ غَيْرِهٖ وَقَالَ اِبْنُ عدى لَيْسَ بِذٰلِكَ"۔

(تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۰۲)

"یزید بن عبدالصمد نے امام ابن معین سے (خالد بن عبدالرحمان) کا ثقہ ہونا روایت کیا اور بن صاعد نے کہا کہ ہمیں بحر بن نصر اور محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم نے بیان کیا کہ ہم کو خالد بن عبدالرحمان نے حدیث بیان کی اور وہ ثقہ تھے اور امام ابوزرعہ اور ابوحاتم نے فرمایا اس کی

روایتوں میں کوئی حرج نہیں اور ابو حاتم نے یہ بھی بیان کیا کہ امام ابن معین ان کی تعریف کرتے تھے اور عقیلی نے کہا کہ ان کے حافظہ میں کچھ تھا میں کہتا ہوں پھر اس نے اس کی معلل حدیث ذکر کی جو کئی وجوہ پر مروی ہے اور ممکن ہے کہ اس میں خطاء اس کے علاوہ سے آئی ہو اور ابن عدی نے کہا کہ وہ اس کے ساتھ نہیں''۔

حافظ جمال الدین لکھتے ہیں:

''قَالَ اَبُوْ اَحْمَدُ بْنِ عدی حَدَّثَنَا مُحَمَّدَ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ حَمْدَانَ قَالَ حَدَّثَنَا یَزِیْدُ بْنُ عَبْدِالصَّمَدِ قَالَ سَاَلْتُ یَحْیَی بْنَ معینٍ فِیْ مَجْلَسِ اَبِیْ مِسْهَرٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْخُرَاسَانِیُّ هٰذَا الَّذِیْ سَکَنَ السَّاحِلَ وَاَشَارَهٗ بِاَصْبَعِهٖ السَّبَابَةِ ثِقَةٌ قَالَ وَحَدَّثَنَا اِبْنُ صَاعَدٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْبَحْرُ بْنُ نَصْرٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالْحَکُمِ قَالَا حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمَانِ اَبُو الْهَیْثَمِ الْخُرَاسَانِیُّ وَکَانَ ثِقَةٌ قَالَ حَضَرْتُ اِبْنَ صَاعِدٍ یُحَدِّثُ فَقَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْعُتْبَةَ اَحْمَدُ بْنُ الْفَرْجِ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُو الْهَیْثَمِ خَالِدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْخُرَاسَانِیُّ وَقَالَ یَحْیَی بْنُ مُعِیْنٍ هُوَ ثِقَةٌ وَّقَالَ اَبُوْ زُرْعَةَ وَاَبُوْ حَاتِمٍ لَابَاْسَ بِهٖ وَزَادَ اَبُوْ حَاتِمٍ کَانَ یَحْیَی بْنُ مُعِیْنٍ یُثْنِیْ عَلَیْه خَیْرًا وَّقَالَ الْقُقَیْلِیُّ فِیْ حِفْظِهٖ شَیْءٌ رَوٰی لَهٗ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنِّسَائِیُّ''۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۳ ص ۲۶۱)۔

''ابو احمد بن عدی نے کہا کہ ہمیں محمد بن احمد بن حمدان نے بیان کیا اس نے کہا کہ ہمیں یزید بن عبدالصمد نے بیان کیا کہ میں نے ابو مسہر کی مجلس میں یحییٰ بن معین سے خالد بن عبدالرحمٰن خراسانی جو کہ ساحل کے پاس تھے کے بارے پوچھا تو انہوں نے شہادت کی انگلی کے اشارہ سے بتایا

کہ ثقہ ہیں اس نے کہا ہمیں ابن صاعد نے بیان کیا کہ ہمیں بحر بن نصر اور محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم نے بتایا کہ ہمیں خالد بن عبدالرحمان ابوالہیثم الخراسانی نے حدیث بیان کی اور وہ ثقہ تھے۔

کہا میں ابن صاعد کے پاس تھا جب انہوں نے حدیث بیان کی تو فرمایا ہمیں ابوعتبہ احمد بن فرج نے کہا کہ ہمیں ابوہیثم خالد بن عبدالرحمان خراسانی نے حدیث بیان کی اور یحییٰ بن معین نے فرمایا وہ ثقہ ہیں اور ابوزرعہ اور ابوحاتم نے فرمایا ان میں کچھ حرج نہیں اور ابوحاتم نے یہ بھی کہا کہ امام یحییٰ بن معین ان کی تعریف کرتے تھے اور عقیلی نے کہا کہ ان کے حافظہ میں کچھ چیز تھی اس سے امام ابوداؤد و امام نسائی نے روایتیں کی ہیں۔ محدثین کرام نے کس طرح امام خالد بن عبد الرحمٰن خراسانی کی ثقاہت وعدالت بیان کی اگر کوئی اکا دکا قول جرح میں آجاتا ہے تو وہابی صاحب اسے نص قطعی کا درجہ دے کر بڑے بڑے عظیم الشان محدثین کے کیڑے نکالنا شروع کر دیتا ہے یہ ان بزرگوں سے کس قدر زیادتی وناانصافی ہے وہابی صاحب کا یہ کہنا کہ مفتی صاحب دس تو کجا کوئی ایک حدیث مرفوع ضعیف بھی پیش نہیں کی بلکہ کل نو آثار پیش کیے ہیں جن میں سے سات اقوال صحابہ اور دو آثار تابعین کے ہیں جن کی صحت بہرحال مشکوک ہے۔

الجواب اولاً: غیر مقلد کی مذکورہ عبارت سے ظاہر ہے کہ دراصل صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ارشادات مبارکہ کو حدیث کے درجہ سے نکالنے کی ناکام کوشش ہے۔ جو کہ صحابہ کی نقص شان کے زمرہ میں آتی ہے حالانکہ آئمہ فقہاء ومحدثین کرام نے صحابہ کرام کے ارشادات وافعال وتقریرات کو حدیث کا نام دیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ جس متن حدیث کی سند رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک جائے وہ حدیث مرفوع ہے اور جس متن حدیث کی سند محض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم تک جائے حدیث موقوف ہے

اہل اصول محدثین کی اصطلاح میں حدیث کا اطلاق

چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی مقدمہ مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

"اِعْلَمْ اَنَّ الْحَدِيْثَ فِيْ اِصْطِلَاحِ جُمْهُوْرِ الْمُحَدِّثِيْنَ يُطْلَقُ عَلٰى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِعْلِهٖ وَتَقْرِيْرِهٖ وَمَعْنَى التَّقْرِيْرِ اِنَّهٗ فَعَلَ اَحَدٌ اَوْ قَالَ شَيْاءً فِيْ حَضْرَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُنْكِرْهُ وَلَمْ يَنْهِهٖ عَنْ ذٰلِكَ بَلْ سَكَتَ وَقَرَّرَ وَكَذٰلِكَ يُطْلَقُ عَلٰى قَوْلِ الصَّحَابِيْ وَفِعْلِهٖ وَتَقْرِيْرِهٖ وَعَلٰى قَوْلِ التَّابِعِيْ وَفِعْلِهٖ وَتَقْرِيْرِهٖ فَمَا اِنْتَهٰى اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهُ الْمَوْقُوْفُ كَمَا يُقَالُ قَالَ اَوْ فَعَلَ اَوْ قَرَّرَ اِبْنُ عَبَّاسٍ اَوْ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ مَوْقُوْفًا اَوْمَوْقُوْفٌ عَلٰى اِبْنِ عَبَّاسٍ وَمَا اِنْتَهٰى اِلَى التَّابِعِيِّ يُقَالُ لَهُ الْمَقْطُوْعُ وَقَدْ خَصَّصَ بَعْضُهُمُ الْحَدِيْثَ بِالْمَرْفُوْعِ وَبِالْمَوْقُوْفِ اِذَ الْمَوْقُوْفُ يُقَالُ لَهُ الْاَثَرُ" ۔

جان لو کہ بیشک جمہور محدثین کی اصطلاح میں حدیث کا اطلاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر پر ہوتا ہے۔ تقریر سے مراد ہے کہ کسی نے کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی رسول کی موجودگی میں تو آپ نے اسے نا پسند نہ جانا اور نہ اس سے اسے منع فرمایا بلکہ سکوت فرمایا اور ثابت رکھا اور ایسے ہی حدیث کا اطلاق صحابی کے قول وفعل اور اسکی تقریر پر ہوتا ہے اور تابعی کے قول وفعل اور اس کی تقریر پر تو جس حدیث کی سند نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اسے مرفوع کہا جاتا ہے اور جس حدیث کی سند صرف صحابی تک جائے اسے موقوف کہا جاتا ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے فرمایا کیا یا ثابت رکھا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یا ابن عباس پر موقوف ہے اور جس کی سند صرف تابعی تک جائے اسے مقطوع کہا جاتا

ہے اور بعض محدثین نے حدیث کی تخصیص مرفوع اور موقوف کے ساتھ بھی کی ہے۔ ان کے نزدیک مقطوع کو اثر کہا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محدثین نے تابعی کے قول وفعل اور تقریر کو بھی حدیث مقطوع کا نام دیا ہے مگر بعض اس پر صرف اثر کا اطلاق کرتے ہیں تو اس کے پیش نظر مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ارشادات کو حدیث کا نام دیکر کچھ برا نہیں کیا بلکہ محدثین کرام کی اصطلاح کے مطابق ہے مگر وہابی صاحب خواہ مخواہ اس پر واویلا کر رہا ہے اور مذہبی دفاع میں ارشادات صحابہ کا مقام گھٹانے کے درپے ہے اللہ ایسوں سے محفوظ رکھے۔ امام حافظ ابن حجر عسقلانی نے جس حدیث کی سند صحابی تک پہنچے اسے دو قسم پر منقسم کیا ہے

مرفوع حکمی اور موقوف:

چنانچہ مرفوع حکمی کے بارے لکھتے ہیں:

”وَمِثَالُ الْمَرْفُوْعِ مِنَ الْقَوْلِ حُكْمًا لَّا تَصْرِيْحًا: مَا يَقُوْلُ الصَّحَابِیُّ الَّذِیْ لَمْ يَاْخُذْ عَنِ الْاِسْرَآئِيْلِيَاتِ مَالَا مَجَالَ لِلْاِجْتِهَادِ فِيْهِ وَلَا لَهٗ تَعَلُّقٌ بِبَيَانِ لُغَةٍ اَوْ شَرَحِ غَرِيْبٍ كَالْاَخْبَارِ عَنِ الْاُمُوْرِ الْمَاضِيَةِ مِنْ بَدَءِ الْخَلْقِ وَاَخْبَارِ الْاَنْبِيَآءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اَوِ الْاٰتِيَةِ كَالْمَلَاحِمِ وَالْفِتَنِ وَاَحْوَالِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَكَذَا الْاَخْبَارِ عَمَّا يَحْصِلُ بِفِعْلِهٖ ثَوَابٌ مَّخْصُوْصٌ اَوْعِقَابٌ مَّخْصُوْصٌ ۔ وَاِنَّمَا كَانَ لَهٗ حُكْمُ الْمَرْفُوْعِ لِاَنَّ اَخْبَارَهٗ بِذٰلِكَ يَقْتَضِیُّ مُخْبِرًا لَّهٗ ، وَمَا لَا مَجَالَ لِلْاِجْتِهَادِ فِيْهِ يَقْتَضِیُّ مُوَقِّفًا لِلْقَائِلِ بِهٖ وَلَا مُوَقِّفُ لِلصَّحَابِیِّ اِلَّا النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ ۔ (شرح نخبۃ الفکر: ۹۳ تا ۹۴)

یعنی قول صحابی سے مرفوع حکمی غیر صریح کی مثال جس کو وہ صحابی بیان کرے جس نے اسرائیلیات روایت نہ لی ہو اور اس میں اجتھاد کو بھی دخل نہ ہو اور اسے بیان لغت سے بھی تعلق نہ ہو یا شرح غریب سے (مرفوع حکمی ہے) جیسے امور ماضیہ کی خبریں دینا ابتداء خلق سے اور انبیاء علیہم السلام کی خبریں یا آنے والے زمانہ کی خبریں جس طرح جنگوں اور فتنوں اور قیامت کے دن کی خبریں یا ایسے کام بتانا جس کو کرنے پر مخصوص ثواب یا مخصوص عذاب کا ذکر ہو اس کے لئے مرفوع کا حکم اس لئے ہے کہ یہ اس کے مخبر کا تقاضا کرتی ہے اور اس میں اجتھاد کو دخل نہیں لہذا تقاضا کرتی ہے اپنے قائل کے لئے موقف کا جبکہ صحابی کے لئے موقف سوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں۔ موقوف مطلق کے بارے لکھتے ہیں: ”والثانیا الموقوف وھو ماینتھی الی الصحابی“۔ دوسری قسم حدیث کی موقوف ہے یہ وہ جس کی سند صحابی تک جائے۔ (شرح نخبۃ الفکر ۱۰۴) یعنی صرف صحابی تک سند جائے اور مرفوع حکمی کے قرائن سے خالی ہو۔

ارشادات صحابہ کا مقام محدثین کی نظر میں

ثالثاً: محدثین عظام نے ارشادات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کتب احادیث میں لکھا اور حدیث مرفوع کی طرح ان سے بھی احتجاج کیا۔ بلکہ بعض ابواب میں صرف ارشادات و معمولات صحابہ کے ذکر پر اکتفاء کیا۔ کیا وہابی صاحبان ان محدثین پر بھی اعتراض کریں گے کہ اس جگہ حدیث مرفوع کو ذکر نہیں کیا؟ (جلد اول کے باب) ”یکبر وھو ینھض من السجدتین“ کے آغاز میں امام بخاری نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فعل سے استدلال کیا ہے اور اسی سے متصل اگلے ”باب سنۃ الجلوس فی التشھد“

کے آغاز میں حضرت ام درداء صحابیہ کے فعل سے استدلال کیا ہے۔ اور جلد ل ہی کے باب قراءۃ القرآن بعد الحدث وغیرہ کے آغاز میں حضرت ابراہیم النخعی ابعی کے قول سے استدلال کیا ہے فرماتے ہیں:

”وَقَالَ مَنْصُوْرٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ لَا بَاْسَ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْحَمَّامِ وَبِكَتْبِ الرِّسَالَةِ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ وَقَالَ حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اِنْ كَانَ عَلَيْهِمْ اَزَارٌ فَسَلِّمْ وَاِلَّا فَلَا تُسَلِّمْ“ ۔

اور منصور نے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ذکر کیا کہ فرمایا بغیر وضوء مام میں قرأت کرنے اور رسائل لکھنے میں حرج نہیں اور حضرت حماد نے امام ابراہیم نخعی سے بیان کیا کہ فرمایا اگر اہل حمام نے تہہ بند باندھ رکھے ہوں تو انہیں سلام کہہ رنہ انہیں سلام نہ کہہ۔ اس باب میں امام بخاری رضی اللہ عنہ حدیث کے ذکر سے قبل مام ابراہیم نخعی تابعی رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کیا ہے اب وہابی بتائیں ان پر ان حضرت کا کیا فتویٰ ہے کیونکہ دین میں دوہرا معیار نہیں ہوتا نہ ہی جائز ناجائز میں بڑے چھوٹے کا امتیاز۔ اسی طرح ابوداؤد شریف جلد اول میں امام ابوداؤد نے تین باب متصل ذکر کئے ہیں یعنی باب ”مَنْ قَالَ الْمُسْتَحَاضَةُ تَغْتَسِلُ مِنْ ظُهْرٍ اِلٰى ظُهْرٍ اور باب من قَالَ تَغْتَسِلُ كُلَّ يَوْمٍ مَرَّةً ۔ باب مَنْ قَالَ تَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ“ اور ان میں صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ارشادات سے استدلال کیا ہے اسی طرح امام علی بن عمر دار القطنی نے اپنی سنن دار القطنی کے باب استقبال القبلۃ فی الخلاء میں احادیث سے قبل ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے استدلال کیا ہے۔ اب ان محدثین کرام پر بھی غیر مقلد یہی اعتراض کرے جو مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ پر کیا ہے۔ اب جاء الحق سے اسی باب کی دوسری فصل جو اس مسئلہ پر غیر مقلدوں کے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے شروع کرتے ہیں اس کے آغاز میں مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اب تک اس مسئلہ پر ہم جس قدر

اعتراضات معلوم کر سکے ہیں وہ مع جوابات نہایت دیانتداری سے عرض کئے دیئے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی اعتراض ہمارے علم میں آیا تو اس کا بھی جواب عرض کر دیں گے۔

غیر مقلدوں کے اعتراضوں کے جواب:

اعتراض نمبر۱: طحاوی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

"عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَقِیْمَتِ الصَّلٰوۃِ فَلاَ صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ"۔

"آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں"۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی تکبیر ہو جانے کے بعد سنتیں پڑھنا اس حدیث کے صریح خلاف ہے کیونکہ تکبیر ہو چکنے کے بعد صرف فرض نماز ہی پڑھی جانی چاہیے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر اپنے گھر میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ میں سنتیں پڑھ لے اگر وہ جگہ مسجد کے بالکل متصل ہو جہاں تک امام کی قرأت کی آواز جا رہی ہو اور جماعت وہاں سے نظر آ رہی ہو تو جو تم جواب دو گے وہی ہمارا جواب ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر کسی نے سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیئے ہوں اور درمیان میں فجر کی جماعت کھڑی ہو جاوے تو تم بھی اس نماز کا توڑنا واجب نہیں رکھتے۔ بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو، حالانکہ اس حدیث میں تفصیل نہیں لہٰذا یہ حدیث گویا مجمل ہے۔ جس پر بغیر تفصیل عمل ناممکن ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں صحیح یہ ہے کہ یہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ہے۔

جیسا کہ اسی جگہ طحاوی شریف نے بہت تحقیق سے بیان فرمایا۔ اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ فقہاء صحابہ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے لہٰذا ان کا عمل وقول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر ترجیح پاوے گا۔ چوتھے یہ کہ اس حدیث پر ہر شخص عمل نہیں کر سکتا کیونکہ صاحب ترتیب جس پر ترتیب نماز فرض ہے اگر اس کی عشاء قضا ہوگئی ہو اور جماعت فجر قائم ہو جاوے تو وہ اولاً عشاء قضا کرے پھر جماعت میں شرکت کرے ورنہ ترتیب کے خلاف ہوگا۔ پانچویں یہ کہ اگر یہ حدیث مرفوع درست ہو تب اس کے معنے یہ ہی ہوں گے کہ تکبیر فجر کے وقت جماعت کی جگہ یعنی صف سے متصل سنت فجر نہ پڑھے بلکہ مسجد کے گوشہ میں جماعت سے علیٰحدہ پڑھے تا کہ مذکورہ بالا خرابیاں لازم نہ آویں۔

حنفی یہی کہتے ہیں کہ جماعت سے متصل سنت فجر ہرگز نہ پڑھے۔ چھٹے یہ کہ بیہقی شریف میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے۔ ''اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃِ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃُ اِلَّا رَکْعَتَی الْفَجْرِ''۔ (از حاشیہ طحاوی) جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو سوا فرض کوئی نماز جائز نہیں بجز سنت فجر کے۔ اس صورت میں تمہارا اعتراض جڑ سے کٹ گیا بیہقی کی یہ روایت اگر ضعیف بھی ہو تو بھی عمل صحابہ کی وجہ سے قوی ہو جاوے گی۔ عمل صحابہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے وہاں سے ملاحظہ فرماؤ۔ ساتویں یہ کہ آپ کی پیش کردہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تکبیر فجر کے بعد کوئی نفل جائز نہیں یعنی جائز نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسرا آدمی اس جگہ نفلیں پڑھے جاوے۔ سنت فجر نفل نہیں بلکہ مؤکدہ سنت ہے یہ تاویل اس لئے ہے تا کہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔

وہابی صاحب کا اس پر پہلا اعتراض: طحاوی کا اس حدیث کو موقوف قرار دینا

تعصب وحمیت مذہبی پر مبنی ہے۔ کیونکہ اس حدیث کو ایک جماعت حفاظ نے مرفوع بیان کیا ہے مثلاً: ورقا بن عمر، زکریا بن اسحاق، ایوب، زیاد بن سعد، اسماعیل بن مسلم، محمد بن حجادہ، اسماعیل بن ابراہیم، عمرو بن دینار وغیرھم۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: والحدیث المرفوع اصح (ترمذی مع تحفہ: ج۱، ص۳۲۳) یعنی یہ حدیث مرفوع ہی زیادہ صحیح ہے۔ اسے صرف حماد بن زید اور سفیان بن عیینہ نے موقوف بیان کیا ہے جبکہ امام بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں صراحت کی ہے کہ سفیان بن عیینہ مرفوع وموقوف دونوں طرح روایت کرتے ہیں۔ (بحوالہ اعلام اہل العصر ص: ۱۰۶، نام نہاد دین الحق ص ۴۶۴)

غیر مقلد کے دعویٰ کا رد:

الجواب اولاً: غیر مقلد صاحب کا یہ دعویٰ درست نہیں جو کہ اس روایت کو حفاظ کی ایک جماعت نے مرفوع روایت کیا ہے کیونکہ جماعت رواۃ کا اطلاق تب ہوتا ہے جبکہ روایت اسناد کثیرہ سے مروی ہو مگر غیر مقلد صاحب نے جن راویوں کا ذکر کیا ہے وہ ایک ہی سند میں ہیں جس کا مدار عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار پر ہے عطاء بن یسار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ملاحظہ کو (طحاوی ج۱، ص۲۵۵ تا ۲۵۶) ترمذی ج۱، باب ما جاء اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ۔ (ابوداؤد ج۱، باب اذا ادرک الامام ولم یصلی رکعتی الفجر)۔

ثانیاً: جب غیر مقلد صاحب کو اقرار ہے کہ وہ ثقہ راویوں حماد بن زید اور سفیان بن عیینہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو موقوف بیان کیا ہے تو پھر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا موقوف کہنے میں کیا قصور ہے کہ وہابی صاحب اسے مذہب پرست ومتعصب کہہ رہے ہیں۔

ثالثاً: زیر بحث روایت کو موقوف کہنے میں امام طحاوی اکیلے نہیں فتح الملہم شرح مسلم جلد ثانی کے صفحہ نمبر ۲۷۲ پر ہے:

”قَالَ الشَّیْخُ الْاَنْوَر وَوَقَفَهُ اِبْنُ عَلَیْهِ فِیْ مُصَنَّفِ اِبْنِ اَبِیْ شَیْبَةَ

وَاَبْوَابُ اِبْنِ اَبِیْ شَیْبَةَ عَلٰی هٰذِا الْمَسْئَلَةِ وَصَنِیْعُهٗ فِیْ مَوْضَعِ الْبَابِ یَدُلُّ عَلَی الْوَقْفِ وَاَیْضًا لَّمْ یَرْفَعْهُ حَیْثُ اَخْرَجَهٗ تَحْتَ الْبَابِ وَنَقَلَ الشَّافِعِیُّ فِیْ كِتَابِ الْاُمِّ مِنْ قَوْلِ اَبِیْ هُرَیْرَةَ فِیْ الْمَوْضَعَیْنِ وَاَخْرَجُهُ الطَّحَاوِیُّ مَرْفُوْعًا وَّمَوْقُوْفًا وَمَالَ اِلَی الْوَقْفِ (اه) فِیْمَا لَخَّصَهُ الْجَزَائِرِیُّ مِنْ كِتَابِ الْعِلَلِ لِلْاِمَامِ اَبِیْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْاِمَامِ اَبِیْ حَاتِمٍ قَالَ سَئَلْتُ اَبِیْ مِنْ حَدِیْثٍ رَوَاهُ الْفَضْلُ ابْنُ دكین عَنْ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ اِسْمَاعِیْلَ بْنِ مجمع عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَّارٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ۔ قَالَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ ۔ فَقَالَ هٰذَا خَطَاءَ اِنَّمَا هُوَ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ اِسْمَاعِیْلَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِیْنَارٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَّارٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ لَیْسَ لِلزُّهْرِیِّ مَعْنٰی، كَذَا ذَكَرَهُ الدَّرَاوَرْدِیُّ وَهٰذَا الصَّحِیْحُ مَوْقُوْفٌ قِیْلَ قَدْرَ فَعَهٗ عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰی عَنْ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ اِسْمَاعِیْلَ فَقَالَ هُوَ خَطَاءَ اِنَّمَا مَوْقُوْفٌ"۔ اھ

شیخ نے انور نے کہ اسے موقوف بیان کیا ابن علیہ نے مصنف ابن ابی شیبہ میں اور اس مسئلہ پر ابن ابی شیبہ کا باب اور باب کے مقام پر اس کا طریقہ اس کے وقف پر لالت کرتا ہے۔ نیز جب اسے باب کے تحت بیان کیا تو مرفوع بیان نہ کیا اور بیان نہ کیا اور امام شافعی نے اسے کتاب الام میں دو جگہ حضرت ابو ہریرہ کے قول سے موقوف بیان کیا اور امام طحاوی نے اسے مرفوع وموقوف دو طرح نقل کیا اور خود موقوف کے قائل ہوئے اور امام ابی محمد عبد الرحمٰن بن امام ابی حاتم کی کتاب العلل کے خلاصہ میں علامہ جزائری نے بیان کیا کہ امام ابی محمد عبد الرحمٰن بن ابی

حاتم نے کہا کہ میں نے اپنے باپ ابی حاتم سے اس حدیث کے متعلق پوچھا جسے فضل ابن دکین نے ابراہیم بن اسمٰعیل بن مجمع سے روایت کیا اس نے زھری اس نے عطاء بن یسار سے اس نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا جس میں ہے کہ کہا جب جماعت قائم ہو جائے تو فرض کے سوا کوئی اور نفل نماز جائز نہیں۔ تو اس نے فرمایا (زھری کا نام) اس جگہ غلطی سے ہے۔ اس میں اس جگہ ابراہیم بن اسماعیل عمرو بن دینار وہ عطاء بن یسار سے وہ ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ اسے الدراوردی نے بیان کیا اور یہ موقوف صحیح ہے پھر اسے کہا گیا کہ اسے عبید اللہ بن موسیٰ نے ابراہیم بن اسمٰعیل سے مرفوع روایت کیا ہے اس نے فرمایا یہ غلطی سے ہے حقیقۃً یہ موقوف ہی ہے۔

رابعاً: اس روایت کے بنیادی راوی امام عمرو بن دینار ہیں جو عطاء بن یسار سے روایت کرتے ہیں بعد میں رفع سے وقف کی طرف رجوع کر لیا تھا چنانچہ امام حماد بن زید فرماتے ہیں:

"ثُمَّ لَقِيْتُ عَمْرًا فَحَدَّثَنِيْ وَلَمْ يَرْفَعْهُ"۔

(صحیح مسلم باب کراھۃ الشروع فی نافلۃ بعد شروع المؤذن فی اقامۃ الصلوٰۃ)

پھر میں عمرو سے ملا تو اس نے مجھے حدیث بیان کی مگر پہلے کی طرح مرفوع بیان نہ کیا۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض: یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب ثقہ راوی کسی وقت مرفوع اور کسی وقت موقوف بیان کرے تو اس کے بارے میں صحیح تر فیصلہ یہی ہے کہ وہ روایت مرفوع ہی قرار دی جائے کیونکہ ثقہ کی زیادت مقبول ہوتی ہے مثبت کو نافی پر ترجیح ہوتی ہے۔ عدم علم عدم شیء کی دلیل نہیں ہوتی۔ عارف کے قول کو جاہل کے قول پر ترجیح ہوتی ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ:

”اَکْثَرُ الرَّوَاۃُ رَفَعُوْہُ قَالَ التِّرْمِذِیُّ وَرِوَایَتُہُ الرَّفْعِ اَصَحُّ وَقَدْ قَدَّمْنَا الْفُصُوْلَ السَّابِقَۃَ فِیْ مُقَدَّمَۃِ الْکِتَابِ اَنَّ الرَّفْعَ مُقَدَّمٌ عَلٰی الْوَقْفِ عَلٰی مَذْھَبِ الصَّحِیْحِ“ ۔ (شرح مسلم ج۱، ص ۲۴۷)

زیادہ راوی اس کو مرفوع ہی بیان کرتے ہیں اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ اس کا مرفوع ہونا ہی صحیح ہے اور ہم نے گذشتہ فصل مقدمہ (مسلم) میں صراحت کی ہے کہ مرفوع مقدم ہے موقوف پر اور پر صحیح مزہب کے۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

”وَبَیَّنَّا اَنَّ الصَّحِیْحَ بَلِ الصَّوَابُ عَلَیْہِ الْفُقَھَاءُ وَالْاُصُوْلِیُوْنَ وَمُحَقِّقُوا الْمُحَدِّثُوْنَ اِنَّہٗ اِذَا رَوَی الْحَدِیْثُ مَرْفُوْعًا وَّمَوْقُوْفًا مَوْصُوْلاً وَّ مُرْسَلًا حُکِمَ بِالرَّفْعِ الْوَصْلِ لِاَنَّھَا زِیَادَۃُ ثقۃ وَسَوَاءٌ کَانَ الرَّفِعِ وَالْوَاصِلُ اَکْثَرُ اَوْ اَقَلُّ فِی الْحِفْظِ وَالْعَدَدِ“ ۔

(ایضا ج۱، ص ۲۵۶)

اور ہم بیان کر آئے ہیں کہ صحیح بلکہ خالص حق بات یہی ہے جس پر فقہاء علماء اصول اور محقق محدثین متفق ہیں کہ جب کوئی حدیث مرفوع اور موقوف روایت کی گئی یا موصول اور مرسل بیان ہوئی ہو تو اس صورت میں حدیث مرفوع اور متصل ہی سمجھی جائے گی چاہے رفع اور وصل کرنے والے حفظ اور عدد میں زیادہ ہوں یا کم۔ حدیث بہر حال مرفوع ہو گی۔ امام نووی نے اس کا مزید تفصیل کے ساتھ ذکر شرح صحیح مسلم ج۱، ص ۲۷۲ و ج۱، ص ۴۷۲، ج ۲ ص ۴۰ میں کیا ہے اور ج۱، ص ۲۷۲ میں حضرت امام بخاری اور مسلم کا خاص طور پر ذکر کیا ہے علامہ ابن ترکمانی حنفی لکھتے ہیں کہ:

”وَاِذَا تَعَارَضَ الْوَصْلُ مَعَ الْاِرْسَالِ وَالرَّفْعُ مَعَ الْوَقْفِ فَالْحُکْمُ

عِنْدَ اَكْثَرِهِمْ لِلْوَاصِلِ وَالرَّافِعِ لَاَنَّهُمَا زَادَ وَزِيَادَةُ الثِّقَةِ مَقْبُوْلَةٌ“ ۔ (الجواہر النقی: ج۲، ص۷۸)

اور جب تعارض ہو وصل کا ساتھ ارسال کے اور مرفوع کا ساتھ موقوف کے تو اکثر کے نزدیک حکم وصل اور مرفوع کا ہے کیونکہ یہ زیادت ہے اور ثقہ کی زیادہ مقبول ہے۔ (نام نہاد دین الحق: ص۴۶۴ تا ۴۶۵)

قیاس دوسروں کے لئے حرام وہابیوں کے لئے جائز:

الجواب اولاً: جب کوئی اور قیاسی قاعدہ کلیہ کو دلیل بنائے تو غیر مقلد وہابی شور ڈالتے ہیں کہ دیکھو جی یہ لوگ قرآن وحدیث کے علاوہ قیاس کو دلیل مانتے ہیں مگر خود ان وہابیوں کا یہ حال ہے کہ جب ان کے اپنے مذہب کو دلیل درکار ہو تو اس وقت قیاسی دلیل کو بھی نص قطعی کا درجہ دے دیتے ہیں اب وہابی کو چاہیے تو یہ تھا کہ وقف پر رفع کی ترجیح کو قرآن وحدیث سے ثابت کرتا جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم صرف قرآن وحدیث کو دلیل مانتے ہیں لیکن حال یہ ہے کہ خلاف دعویٰ اپنے مذہب کو دلیل فراہم کرنے کو قیاسی کلیہ کا سہارا لیا جا رہا ہے کہ رفع کو وقف پر ترجیح ہوتی ہے کیونکہ رفع ووصل وغیرھما زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہے مگر یاد رہے یہ کلیہ غیر مقلدین کو یہاں مفید نہیں کیونکہ زیر بحث روایت کا بنیادی راوی ہی مرفوع سے موقوف کی طرف رجوع کر رہا ہے جیسا کہ مسلم شریف کے حوالہ سے گزرا کہ حضرت حماد بن زید فرماتے ہیں:

”ثُمَّ لَقِيْتُ عَمْرًا فَحَدَّثَنِيْ بِهٖ وَلَمْ يَرْفَعْهُ“ ۔

”جب میں پھر عمرو سے ملا اس نے مجھے یہی حدیث بیان کی اور اسے مرفوع بیان نہ کیا“ ۔

ثانیاً: زیر بحث روایت عن عن سے مروی ہے

”حماد بن زید عن ایوب عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ھریرۃ

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔ (مسلم ج۱، ص۲۴۷)

جبکہ غیر مقلد صاحب کو معنعن روایت پر شدید اعتراض ہوتا ہے اپنی نام نہاد دین الحق میں جگہ جگہ معنعن روایت پر معترض ہوتا ہے بلکہ عن عن کو تدلیس کی قسم شمار کرتا ہے مگر جب اپنے گھر کی دلیل ہو تو سب کچھ درست ہو جاتا ہے۔

غیر مقلد کا تیسرا اور چوتھا اعتراض: بریلی علماء میں سے انصاف پسند اور حق کو قبول کرنے والے حضرات کے لئے تو مذکورہ اصولی بات ہی کافی ہے اور متعصب وجاہل پر اتمام حجت کے لئے عرض ہے کہ اس روایت کو امام ابوحنیفہ نے بھی مرفوع ہی روایت کیا ہے (مسند الخوارزمی: ج۱، ص۲۴۴ وعقود الجواہر ج۱، ص۷۰)

جو کہ احناف پر خاص طور پر حجت ہے۔

رابعاً: اگر اب بھی کوئی جاہل اس کے موقوف ہونے پر بضد ہے تو ان میں ترجیح ممکن ہے کہ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مسئلہ بیان کرنا مقصود ہو گا تو اپنا قول بیان کر دیا اور جب حدیث کا بیان کرنا ملحوظ ہو گا تو مرفوعاً بیان کر دیتے ہوں گے۔

(نام نہاد دین الحق: ص۴۶۵ تا ۴۶۶)

الجواب اولاً: غیر مقلد کی مذہب پرستی کا یہ عالم ہے کہ جب کوئی ثقہ راوی بھی ان کے خلاف روایت کرے تو اسے ضعیف نا قابل حجت کہے دیتے ہیں وہی راوی اگر ان کے مذہب کے موافق روایت کر دے تو قابل قبول وقابل حجت ہو جاتا ہے گویا کہ ان کے نزدیک ضعیف کا معیار ان کے مذہب کی مخالفت اور ثقہ کا معیار موافقت ہے اس کا ثبوت یہیں دیکھ لیں یہ صاحب امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو سخت ضعیف اور نا قابل حجت لکھ چکے ہیں۔ (نام نہاد دین الحق: ص۲۴۳)

اب جب امام صاحب کی روایت موافق دیکھی تو قابل قبول وقابل حجت ٹھہری اور زیر بحث روایت کو مرفوع ثابت کرنے کو ان سے مروی روایت کو دلیل بنا لیا یہ ہے ان وہابیوں کی تضاد بیانی۔

ثانیاً: غیر مقلدین جو مسلسل دروغ گوئی اور حق پوشی کرتے چلے آرہے ہیں کہ امام ابوحنیفہ حدیث میں کمزور ہیں ضعیف ہیں محدث نہیں ان سے بہت کم حدیثیں مروی ہیں وہ بھی ضعیف ہیں۔ تو اب نام نہاد دین الحق کے مصنف نے اس سے پردہ اٹھا دیا کیونکہ اس صاحب نے جس مسند خوارزمی کا حوالہ دیا ہے اس میں تمام وہ احادیث ہیں جو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اپنی سند سے مروی ہیں اور مذکورہ مسند دو ضخیم جلدوں میں ۱۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اب یہ تو نہیں کہ اس میں سے اپنے مقصد کی احادیث امام صاحب سے مان لیں اور باقی سے انکار کریں یہ ان کے اقرار کی بات ہے ورنہ دیگر بہت سے کتب میں امام صاحب رضی اللہ عنہ سے احادیث موجود ہیں۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مقلدوں کی دلیل کے جواب میں فرمایا کہ بیہقی شریف نے یہ حدیث اس طرح روایت کی ہے کہ:

”اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ وَاِلَّا رَكْعَتَى الْفَجْرِ“۔

اس پر غیر مقلد پہلے اعتراض کے تحت لکھتا ہے:

اس کی سند میں حجاج بن نصیر راوی ہے۔ (بیہقی ج ۲، ص ۴۸۳) جو کہ ضعیف ہے حافظ ابن حجر نے اس کی متعلق لکھا ہے کہ:

”حجاج بن نصير بضم النون الفساطيطى بفتح الفاء بعدها مهملة القيسى ابو محمد البصرى ضعيف كَانَ يقبل التلقين“۔ (تقریب التہذیب: ص ۵۱)

”یعنی حجاج بن نصیر فساطیطی ابو محمد بصری ضعیف ہے اور لقمہ کو قبول کر لیتا تھا“۔

اور حجاج کا سند مذکورہ میں استاد ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ عباد بن کثیر الثقفی البصری متروک قَالَ احمد روی احادیث کذب“۔

(ایضاً: ص ۱۲۲)

"عباد بن کثیر ثقفی بصری متروک ہے اور امام احمد بن حنبل نے کہا کہ جھوٹی روایات بیان کرتا ہے"۔ (نام نہاد دین الحق: ص ۴۶۶)

غیر مقلدوں کے قول و فعل میں شرمناک تضاد:

الجواب اولاً: غیر مقلد وہابیوں کا یہ تضاد بہت شرم ناک ہے کہ ایک طرف تو یہ دعویٰ ہے کہ ہمارے اہلحدیثوں کے ماخذ دلائل صرف قرآن وحدیث ہیں ان کے علاوہ ہمارے نزدیک کوئی دلیل قابل قبول نہیں آج کل وہابیہ عموماً یہ نعرہ بلند کرتے ہیں۔

اہلحدیث کے دو اصول

فرمان خدا جل جلالہٗ، فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

وہابیہ کے مقتدر عالم مولوی محمد جونا گڑھی لکھتے ہیں: برادران آپ کے دو ہاتھ ہیں اور ان دونوں میں دو چیزیں شریعت نے دی ہیں ایک میں کلام اللہ اور دوسرے میں کلام رسول اللہ اب تیسرا ہاتھ ہے نہ تیسری چیز۔ (طریق محمدی: ص ۱۲) اسی جونا گڑھی کی اسی طریق محمد کا حوالہ گزر چکا کہ بزرگوں کی مجتہدوں کی اماموں کی رائے وقیاس اجتہاد واستنباط اور ان کے اقوال تو کہاں شریعت اسلام میں تو خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی طرف سے بغیر وحی کے کچھ فرمائیں تو وہ حجت نہیں۔ غیر مقلدوں کے ہی مولوی ابوالحسن صاحب لکھتے ہیں: قیاس نہ کرو کیونکہ سب سے پہلے شیطان نے قیاس کیا ہے۔ (ظفر المبین: ص ۴۰ طبع چیچہ وطنی)

غیر مقلدوں کے علامہ وحید الزماں بھی یہی لکھتے ہیں (لغات الحدیث: ج۱، ص۱۳۵، سراج محمدی: صفحہ ۱۲) پر جونا گڑھی صاحب لکھتے ہیں کہ: تقلید شرک ہے، مذکورہ بالا مولوی ابوالحسن غیر مقلد صاحب لکھتے ہیں: اس بات میں کچھ بھی شک نہیں کہ تقلید خواہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی ہو خواہ ان کے سوا کسی اور کی شرک ہے۔ (ظفر المبین: ص ۴۷) مگر یہ کہنے کے باوجود جب ان غیر مقلدوں کو مذہبی حاجت کے لئے دلیل درکار ہو تو جہاں

سے کام چل سکے چلاتے ہیں کبھی آئمہ مجتہدین کا سہارا لیتے ہیں کبھی فقہاء کا دامن تھامتے ہیں اور کبھی محدثین کی تقلید کرتے نظر آتے کبھی قیاس کرتے دکھائی دیتے ہیں جو تقلید اوروں کے لئے شرک تھا ان کے لئے عین ایمان ہو جاتی ہے اور جو قیاس دوسروں کے لئے شیطانی کام تھا ان کے لئے اسلامی کام ہوا اگر وہابیہ اپنی بات پر قائم رہیں اور اپنے دعویٰ کے موافق صرف قرآن وحدیث کو دلیل مانیں تو پھر انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ کسی صحابہ کسی تابعی، کسی امام مجتہد، کسی فقیہ، کسی محدث، کسی مفسر، کسی اصولی کے قول وفعل یا اجتہاد وقساس کو دلیل بنائیں مگر ان کا عمل اس دعویٰ کے خلاف ہے قول وفعل میں تضاد ہے۔، یہی بات ہے کہ نام نہاد دین الحق کا مصنف بھی اپنے بڑوں کی روش کے مطابق جہاں سے مقصد پورا ہوتا ہو وہاں سے ہی دلیل بنا لیتا ہے لیکن جب کوئی دلیل خلاف مذہب ہو تو کیڑے نکالنا شروع کر دیتا ہے کہ جی یہ حدیث ضعیف ہے یہ جی حدیث مرفوع نہیں موقوف ہے یہ تابعی کا قول ہے جو بھی بہانہ ہاتھ آئے اسی سے کام چلا لیا پہلے یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ احناف کے پاس کوئی ضعیف حدیث بھی موجود نہیں جس سے بوقت جماعت فجر کی سنتیں پڑھنا ثابت کر سکیں اب جبکہ مرفوع حدیث آئی جس سے بوقت جماعت فجر کی سنت پڑھنے کا استثناء ثابت ہے تو علامہ ابن حجر کی تقلید میں کہہ دیا اس میں دو راوی ضعیف ہیں لہٰذا حدیث قابل حجت نہیں ہم کہتے ہیں وہابی صاحب ابن حجر یا بیہقی نے اسے دو راویوں حجاج بن نصیر اور عباد بن کثیر کو ضعیف کہا ہے تو انہیں ثقہ کہنے والے محدثین بھی موجود ہیں ملاحظہ ہو:

الحافظ ابن شاہین لکھتے ہیں:

”حجاج بن نصیر فساطیطی لَیْسَ بِهٖ بَاْسٌ قَالَهٗ یَحْیٰی وَقَالَ عَلِیُّ ابْنُ مَدِیْنِیٌّ“ ۔ (تاریخ اسماء الثقات ص ۱۰۴)

محدث ابن حبان نے حضرت حجاج بن نصیر کو کتاب الثقات میں لکھا ہے۔

(ج ۸، ص ۲۰۲)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ’’شَذَّ اِبْنُ حِبَانُ فَوَثَّقَهُ۔ الکاشف ج ا ص ۲۵۰۔ یعنی ابن حبان نے حجاج کی توثیق کی ہے۔

ثانیاً: عباد بن کثیر کا حافظ ابن شاہین نے کتاب تاریخ اسماء الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (ص ۲۴۵) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عباد بن کثیر کے متعلق فرماتے ہیں:

’’عِبَادُ بْنُ كَثِيْرٍ اَلثَّقَفِيُّ الْبَصَرِيُّ سَگَنَ مَكَّةَ سَگَتُوْا عَنْهُ‘‘۔

(تاریخ الاوسط: ج ۲، ص ۸۱ اور تاریخ الفعیر ج ۲، ص ۹۷)

’’یعنی عباد بن کثیر ثقفی بصری مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر رہے‘‘۔

ان سے (محدثین) نے سکوت کیا (جرح وتعدیل سے)۔ اور جس سے محدثین سکوت کریں قابل حجت ہوتا ہے۔

ثالثاً: مذکورہ دونوں راوی متکلم فیہ ہیں اور محدثین کرام سے اصول بیان کر آئے ہیں کہ متکلم فیہ کی روایت حسن درجہ سے نہیں گرتی۔

غیر مقلد دوسرے اعتراض کے تحت لکھتے ہیں مفتی صاحب نے مذکورہ روایت طحاوی کے حاشیہ سے لکھی ہے اور محشی طحاوی مولوی وصی احمد نے مولانا سہارنپوری کے حوالہ سے لکھی ہے (حاشیہ طحاوی: ج ا، ص ۲۵۶) اور مولانا سہارنپوری نے حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کے حوالہ سے بخاری کے حاشیہ میں لکھی ہے (حاشیہ بخاری: ج ا، ص ۹۱) جب بخاری شائع ہو کر مارکیٹ میں آئی تو حضرت شیخ الکل فی الکل الحاج سید نذیر حسین شاہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۹۳ھ میں علامہ سہارنپوری کے نام خط لکھا جس میں انہوں نے نہایت مدلل محدثانہ معارضہ کیا جس کا جواب مولانا سہارنپوری سے آخر دم تک نہ بن سکا چونکہ مفتی صاحب نے علامہ سہانپوری کی قے خوری کی ہے لہٰذا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کا جواب بھی وہی دیا جائے جو آج تک پورے برصغیر کے حنفی علماء پر ادھار چلا آرہا ہے۔

نوٹ یہ عربی میں طویل خط ہے ہم فضول طوالت سے بچنے کے لیے اس کا وہی

ترجمہ لکھ رہے ہیں جو غیر مقلد نے لکھا ہے:

”ترجمہ: عاجز نحیف سید محمد نذیر حسین کی طرف سے مولوی احمد علیٰ سلمہ اللہ کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد اس کے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی پیروی کی کہ میں نے اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃَ اور خاکسار سے لوگوں کے پوچھنے کی وجہ سے اس کی تردید کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین فرمان کے ساتھ کھڑا ہوا ہوں کہ: کَفٰی بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ یُّحَدِّثُ بِکُلِّ مَا سَمِعَ۔ آپ کی خدمت شریف میں واضح ہو کہ جو آں مکرم سے حاشیہ بخاری میں اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃِ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ کے تحت واقعہ ہوا ہے کہ میں نے حضرت استاذی المکرّم مولانا شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ بیہقی کی روایت میں یہ آیا ہے: اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ اِلَّا رَکْعَتَی الْفَجْرِ۔ اکثر طالبعلموں بلکہ بعض ہمارے زمانہ کے نامور لوگ جو آپ کے قول پر اعتماد کرتے تھے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ سنت فجر کو پڑھے خواہ جماعت ہی کیوں نہ چلی جائے جبکہ یہ آخری الفاظ، اِلَّا رَکْعَتَی الْفَجْرِ۔ کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ محققین کے نزدیک باطل اور مردود ہیں اور اس صحیح حدیث میں امام بیہقی کی طرف یہ آفت وضع حدیث کی درست نہیں بلکہ یہ زیادتی پچھلی عباد بن کثیر اور حجاج بن نصیر کی طرف سے مدرج ہے اور میں گمان کرتا ہوں کہ آپ نے حضرت استاذی المکرّم رحمۃ اللہ علیہ سے بیہقی کا پورا کلام نہیں سنا کیونکہ امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے یا پھر سنا ہے تو اسے پورا نقل نہیں کیا اگر ایسا نہیں تو محققین ثقات کے نزدیک اِلَّا رَکْعَتَی الْفَجْرِ۔ کے باطل ہونے میں کوئی شک نہیں ہے جیسا کہ میں نے

(اوپر) آپ کی طرف مکتوبہ خط میں لکھا ہے چنانچہ شیخ سلام اللہ (حنفی) نے موطا امام مالک کی شرح میں لکھا ہے کہ:

زیادہ کیا ہے مسلم بن خالد نے عمرو بن دینار کے طریق سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز کے لئے تکبیر کہی جائے تو کوئی نماز نہیں (ہوتی) مگر فرض نماز تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ آیا فجر کی سنتیں بھی! اس کو روایت کیا ہے ابن عدی نے حسن سند کے ساتھ اور جو امام بیہقی نے روایت کی ہے الا رکعتی الفجر۔ اس کی کوئی اصل نہیں اور تور بشتی نے کہا کہ زیادہ کیا ہے امام احمد نے کہ نہیں کوئی نماز ہوتی مگر وہی جس کے لئے تکبیر کہی گئی ہو اور امام ابن عدی نے حسن سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ آپ علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کیا فجر کی سنتیں بھی نہیں؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہاں اور کہا علامہ شوکانی نے کی حدیث جب نماز کے لئے تکبیر کہی جائے تو کوئی نماز نہیں ہوتی مگر فرض اور صبح کی سنتین کہا امام بیہقی نے کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور کہا شیخ نورالدین نے اپنی کتاب موضوعات میں کہ حدیث اِذَا اُقِیمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ اِلَّا رَکْعَتَی الْفَجْرِ اسے امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اسی طرح دیگر موضوع روایت پر لکھی گئی کتب میں ہیں پس میں نے آپ پہ یہ حال واضح کرنا تھا سو وہ کر دیا لہٰذا آپ پہ لازم ہے آپ آخری جملہ اِلَّا رَکْعَتَی الْفَجْرِ کی محققین ثقات کی کتب سے صحت ثابت کریں یا پھر اس سے رجوع کریں اور آپ جان لیں کہ یہ آخری جملہ قطعی طور پر مردود وباطل ہے اور اس پر عمل کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی اور نہ ہی اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ میں ہوں آپ

کے جواب باصواب کا منتظر۔ کیونکہ میں نے آپ کی غفلت کو واضح کیا ہے اور جہالت سے بیدار کیا ہے۔ والسلام مع الاکرام۔

حضرت شیخ الکل فی الکل محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ لیٹر کا جواب مولانا احمد علی سہارنپوری سے نہ بن سکا تو اپنے ہم عصر مولوی عالم علی مرادآبادی کے پاس جواب کے لئے بھیج دیا حضرت مولانا شمس الحق محدث عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ:

”لٰکِنْ ذٰلِکَ الْفَاضِلُ اَیْضًا لَّمْ یَقْدِرْ عَلَی الْجَوَابِ بَلْ سَکَتَ کَمَا سَکَتَ الْفَاضِلُ النبیہ السہارنفوری“ ۔

(اعلام اہل العصر: ص۱۳۶)

لیکن یہ مرادآبادی فاضل رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کا جواب دینے کی ہمت نہ کر سکے بلکہ خاموشی اختیار کر لی جیسا کہ علامہ سہارنپوری نے کی تھی۔

(نام نہاد دین الحق: ص۴۶۹ تا ۴۷۰)

غیر مقلد کا ادھار ہم چکا دیتے ہیں:

الجواب: فضلہ تعالیٰ ہم غیر مقلد کا بقول ان کے کہ احناف کے ذمہ ادھار چلا آرہا ہے چکا دیتے ہیں واضح ہو کہ مذکورہ خط میں غیر مقلدوں کے شیخ الکل فی الکل صاحب نے دو دعوے کئے ہیں ایک اپنے مؤقف کی روایت کو بسند حسن مروی ہونے کا دوسرا احناف کے مؤقف پر روایت کے آخری جملہ الارکعتی الفجر کے باطل و مردود ہونے کا۔

اولاً: فقیر کہتا ہے کہ شیخ الکل فی الکل صاحب نے ابن عدی کی سند کے حسن ہونے پر کسی محدث کا قول نقل نہیں کیا لہٰذا ان کا دعویٰ غیر مسموع اور بے وزن ہے۔

وہابیوں کے شیخ الکل فی الکل کی خیانت:

ثانیاً: غیر مقلدوں کے شیخ الکل فی الکل صاحب نے عظیم خیانت کی کہ جہاں سے امام بیہقی کا قول الارکعتی الفجر کے متعلق لکھا کہ اس کی کوئی اصل نہیں اسی جگہ ہی

جس روایت کی سند کے حسن ہونے کا دعویٰ کیا اس کے دو راویوں کو امام بیہقی نے ضعیف کہا مگر اسے نظر انداز کر دیا پوری عبارت ملاحظہ ہو:

”انبأ ابو سعید المالینی انبأ ابو احمد ابن عدی الحافظ ثنا محمد بن علی بن اسماعیل المروزی ثنا احمد بن سیار یحییٰ ابن نصر بنِ حاجب المروزی ثنا مسلم بن خالد الزنجی عن عمرو بنِ دینار عن عطاء بن یسار عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا رَكْعَتَی الْفَجْرِ قَالَ وَلَا رَكْعَتَی الْفَجْرِ قَالَ اَبُوْ اَحْمَدُ لَا اَعْلَمُ ذِكْرَ هٰذِهِ الزِّیَادَةِ فِیْ مَتْنِهٖ غَیْرَ یَحْیَی بْنِ نَصْرٍ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَمْرٍو قَالَ الشَّیْخُ وَقَدْ قِیْلَ عَنْ اَحْمَدَ بْنِ سَیَّارٍ عَنْ نَصْرِ بْنِ حَاجَبٍ وَهُوَ وَهْمٌ وَنَصْرُ بْنُ حَاجَبِ الْمَرْوَزِیّ لَیْسَ بِالْقَوِیّ وَابْنُهٗ یَحْیٰی كَذٰلِكَ“۔ (سنن البیہقی: ج۲، ص۴۸۳)

عطاء بن یسار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جماعت قائم ہو جائے تو سوا فرض کے کوئی نماز نہیں سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ فجر کی دو سنت بھی نہیں فرمایا کہ فجر کی دو سنت بھی نہیں۔ ابو احمد نے فرمایا کہ اس زیادتی کا ذکر میں اس کے متن میں نہیں جانتا سوا یحییٰ بن نصر کے جو اس نے مسلم بن خالد سے اس نے عمرو سے روایت کی۔ شیخ نے فرمایا کہ کہا گیا ہے احمد بن یسار نے نصر بن حاجب المروزی سے روایت کیا اور وہ وہم ہے اور نصر بن حاجب المروزی قوی نہیں اور اس کا بیٹا یحییٰ بھی اس طرح (غیر قوی) ہے۔ اس سے واضح ہے کہ اس روایت میں زیادتی ہے جس کو صرف یحییٰ بن نصر مسلم بن خالد سے روایت کرتے ہیں اور اس زیادتی کو بیان کرنے

والے نصر بن حاجب المروزی اور اس کا بیٹا یحییٰ دونوں ضعیف ہیں اور تیسرے مسلم بن خالد بھی ضعیف ہیں جس کا ذکر ابھی آئے گا مگر صد حیف کہ اس کے باوجود غیر مقلدوں کے شیخ الکل فی الکل صاحب کا دعویٰ ہے کہ اس کی سند حسن ہے کیونکہ یہ ان کے مذہب کی دلیل ہے۔

ثالثاً: شیخ الکل فی الکل صاحب نے شوکانی کے حوالہ سے ہمارے مؤقف کی روایت کا ضعف ثابت کرنے کی کوشش کی مگر شوکانی صاحب نے اسی جگہ غیر مقلدوں کے موقف پر مذکورہ روایت کے ایک راوی کے ضعف کا بھی اقرار کیا جسے خیانۃً نظر انداز کر دیا۔ ملاحظہ ہو:

> "قَدْ رَوَى الْبَيْهَقِيُّ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا الصَّلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا رَكْعَتَى الْفَجْرِ قَالَ وَلَا رَكْعَتَى الْفَجْرِ ۔ وَفِىْ اِسْنَادِهٖ مُسْلِمُ بْنُ خَالِدِ الزَّنْجِىُّ وَهُوَ مُتَكَلَّمُ فِيْهِ وَقَدْ وَثَّقَهُ ابْنُ حِبَانٍ وَاحْتَجَّ بِهٖ فِىْ صَحِيْحِهٖ" ۔ (نیل الاوطار للشوکانی: ج۳، ص۱۰۶)
>
> "امام بیہقیؒ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جماعت قائم ہو جائے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ دو رکعت سنت فجر بھی نہیں فرمایا دو رکعت سنت فجر بھی نہیں"۔

اور اس کی سند میں مسلم بن خالد الزنجی ہے اور وہ متکلم فیہ ہے اور ابن حبان نے اس کی توثیق کی اور اپنی صحیح میں اسے حجت بنایا۔ اس میں خود غیر مقلدوں کے امام شوکانی نے مسلم بن خالد الزندی کے متکلم فیہ کی روایت کو حجت نہیں مانتا مگر یہ گھر کی دلیل ہے اس لئے سب کچھ قبول ہے۔

شوکانی کی گواہی شیخ الکل صاحب کے خلاف:

رابعاً: غیر مقلدوں کے امام شوکانی کی تحقیق کے مطابق حضرت ابن مسعود اور جلیل القدر تابعین نے الارکعتی الفجر سے استدلال وعمل کیا ہے چنانچہ شوکانی صاحب لکھتے ہیں:

”اَلْقَوْلُ الثَّالِثُ اِنَّهٗ لَا بَاْسَ بِصَلَاةِ سُنَّةِ الْفَجْرِ وَالْاِمَامُ فِی الْفَرِیْضَةِ حَکَاهُ ابْنُ الْمُنْذِرِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَّمَسْرُوْقٍ وَالْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ وَمُجَاهِدٍ وَّ مَکْحُوْلٍ وَّحَمَّادِ بْنِ اَبِیْ سُلَیْمَانَ وَهُوَ قَوْلُ الْحَسَنِ الْحَیِّ فَفَرَّقَ هٰؤُلاءِ بَیْنَ الْفَجْرِ وَغَیْرِهٖ وَاسْتَدَلُّوْا بِمَا رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ مِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةِ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَةَ اِلَّا رَکْعَتَی الصُّبْحِ“ ۔

(نیل الاوطار: ج ۳، ص ۱۰۲)

تیسرا قول یہ ہے کہ سنت فجر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ امام فرض پڑھا رہا ہو اسے نقل کیا ابن منذر نے حضرت ابن مسعود اور مسروق اور حسن بصری اور مجاہد اور مکحول اور حماد بن ابی سلیمان رضوان اللہ علیہم سے اور وہی قول الحسن الحی کا ہے ان حضرات نے سنت فجر اور اس کے علاوہ (سنن ونوافل جماعت کے وقت پڑھنے کے حکم) میں فرق کیا ہے اور انہوں نے استدلال کیا ہے اس کے ساتھ جس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جماعت قائم ہو جائے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں مگر دو رکعت سنت فجر۔ اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ الارکعتی الفجر پر جب حضرت ابن مسعود اور مذکورہ تابعین نے عمل کیا اور اس سے استدلال کیا

اس وقت حجاج بن نصیر اور عباد بن کثیر تو پیدا بھی نہ ہوئے تھے جن کی وجہ سے زیر بحث روایت کے ضعف اور الارکعتی الفجر کے اندراج کا دعویٰ ہے اور یہ اصول ہے کہ بعد کا ضعف پہلے کے عمل واستدلال کو مضر نہیں ہوتا۔ وہابی صاحب کا تیسرا اعتراض: مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ اگر یہ روایت (الارکعتی الفجر) ضعیف بھی ہو تو تب بھی عمل صحابہ کی وجہ سے قوی ہو جائے گی یقین جانیے کہ یہ مفتی صاحب کا محض ڈھکوسلہ ہے تفصیل آگے آرہی ہے۔ (نام نہاد دین الحق: ص ۴۷۰)

الجواب اولاً: مذکورہ اعتراض میں مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی اس حقیقت بات کو کہ بوقت جماعت سنت فجر ادا کرنے پر صحابہ رضوان اللہ علیہم کا عمل ہے کو غیر مقلد نے ڈھکوسلہ سے تعبیر کیا ہے اب ہم بفضلہٖ تعالیٰ ثابت کریں گے کہ اس پر صحابہ کا عمل ہے حقیقت ہے ڈھکوسلہ نہیں۔

اول عرض یہ ہے کہ بوقت جماعت سنت پڑھنے کے قائلین کے نظریئے کئی طرح پر ہیں بعض فرماتے ہیں بوقت جماعت سنت فجر مسجد میں پڑھ سکتا ہے مگر اس وقت جبکہ اسے یقین ہو کہ امام کے سلام کہنے سے قبل جماعت میں مل سکتا ہے ورنہ چھوڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے اور جس قدر ہو سکے سنتیں جماعت سے دور ادا کرے یہ مؤقف احناف کے علاوہ صحابہ کرام میں پہلے عبد اللہ بن مسعود حضرت حذیفہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم مسجد کے ستون کے پاس سنتیں پڑھی اور حضرت حذیفہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری ان کے ساتھ تھے انہوں نے اسے برا نہ جانا لہٰذا ان کا مؤقف بھی یہی ٹھہرا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بوقت جماعت سنت فجر پڑھ کر پھر جماعت میں شامل ہوئے (طحاوی شریف) طحاوی میں ہی ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بوقت جماعت سنت فجر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں پڑھ کر جماعت سے ملے اور امام طحاوی نے صراحت کی ہے کہ

حضرت حفصہ کا حجرہ شریف مسجد نبوی شریف میں تھا۔ طحاوی میں ہی ہے کہ حضرت ابودرداء نے جب سنتیں پڑھنی ہوتیں تو بوقت جماعت گوشۂ مسجد میں سنت فجر پڑھ کر جماعت میں مل جاتے۔ حضرت ابوعثمان النہدی بیان فرماتے ہیں ہم لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آتے سنت فجر پڑھنے سے قبل اور وہ نماز پڑھا رہے ہوتے تو ہم آخر مسجد میں سنت پڑھ کر جماعت میں شامل ہو جاتے (طحاوی شریف) اس میں حضرت ابوعثمان النہدی کا جمع کا صیغہ بولنا اور جماعت میں شامل صحابہ کا انہیں اس عمل سے نہ ٹوکنا تعامل صحابہ پر دلالت کرتا ہے۔

نوٹ: مذکورہ حوالہ جات طحاوی ج۱، ص ۲۵۷ تا ۲۵۷ سے دیئے ہیں۔

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے پر تابعین ومحدثین کا عمل:

(تابعین و آئمہ محدثین بوقت جماعت سنت فجر مسجد میں پڑھنے کے قائلین)

”۱) حدثنا ابوبکر قَالَ حدثنا هشيم قَالَ انا حسين وابن عون عن الشعبي عن مسروق ۔ اَنَّهٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْقَوْمُ فِي صَلٰوةِ الْغَدَاةِ وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ فَصَلَّاهُمَا فِيْ نَاحِيَةٍ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْقَوْمِ فِيْ صَلٰوتِهِمْ“ ۔

”امام شعبی سے ہے کہ حضرت مسروق مسجد میں آئے اور لوگ نماز فجر پڑھ رہے تھے انہوں نے ابھی دو رکعت نہیں پڑھی تھیں تو انہوں نے انہیں مسجد کے گوشہ میں پڑھا پھر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شامل ہوئے“۔

۲) ”حدثنا معتمر عن داوٗد بن ابراهيم قَالَ قُلْتُ لِطَاوٗسٍ اَرْكَعُ الرَّكْعَتَيْنِ وَالْمُقِيْمُ يُقِيْمُ قَالَ هَلْ تَسْتَطِيْعُ ذٰلِكَ“ ۔

”حضرت داؤد بن ابراہیم سے ہے کہ میں نے حضرت طاؤس سے پوچھا کہ جب اقامت کہنے والا اقامت کہہ دے تو دو رکعت سنت پڑھ لوں فرمایا کہ ایسا کر سکتے ہو یعنی پڑھ سکتے ہو تو پڑھ لو“۔

۳) ''حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مُوْسٰی عَنْ عُثْمَانَ الْاَسْوَدِ عَنْ مُّجَاهِدٍ قَالَ اِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ فِیْ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ وَلَمْ تَرْکَعْ رَکْعَتَی الْفَجْرِ فَارْکَعْهُمَا وَاِنْ ظَنَنْتَ اَنِ الرَّکْعَۃَ الْاُوْلٰی تَفُوْتُکَ''۔

''عثمان بن اسود سے ہے کہ حضرت مجاہد نے فرمایا جب تو مسجد میں آئے اور لوگ نماز فجر پڑھ رہے ہوں اور تم نے دو سنت نہ پڑھی ہوں تو انہیں پڑھ لو اگرچہ تجھے پہلی رکعت نکل جانے کا اندیشہ ہو''۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۲، ص۱۵۳)

۴) ''حدثنا ابوبکرۃ قَالَ حدثنا حجاج بن المنهال قَالَ حدثنا یزید بن ابراهیم عن الحسن اَنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ اِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ وَلَمْ تَصَلِّ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ فَصَلِّهِمَا وَاِنْ کَانَ الْاِمَامُ یُصَلِّیْ ثُمَّ الدَّخُلْ مَعَ الْاِمَامِ''۔ (طحاوی ج۱، ص۲۵۷)

''حضرت حسن فتویٰ دیتے تھے کہ جب تو مسجد میں سنت فجر پڑھنے سے پہلے آئے تو انہیں پڑھ لے اگرچہ امام جماعت شروع کر چکا ہو پھر امام کے ساتھ شامل ہو جا''۔ (۵۔۶۔۷)

حضرت مکحول، حضرت حماد بن ابی سلیمان) حضرت الحسن الحی۔ بھی بوقت جماعت سنت فجر کی ادائیگی کے قائل ہیں جیسا کہ نیل الاوطار سے حوالہ گزرا۔

(۸۔۹۔۱۰) علامہ شوکانی غیر مقلد نیل الاوطار میں قول السادس کے تحت لکھتے ہیں:

''اِنَّهٗ یَرْکَعُهُمَا فِی الْمَسْجِدِ اِلَّا اِنَّهٗ یُخَافُ فَوْتَ رَکْعَۃِ الْاٰخِرَۃِ۔ فَاَمَّا الرَّکْعَۃَ الْاُوْلٰی فَلْیَرْکَعْ وَاِنْ فَاتَتْهُ وَهُوَ قَوْلُ الْاَوْزَاعِیِّ وَسَعِیْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ وَحَکَاهُ النَّوَوِیُّ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاَصْحَابِهٖ''۔ (نیل الاوطار: ج۳، ص۱۰۲)

یعنی جب تک اسے فرض کی آخری رکعت بھی چلے جانے کا خوف نہ وہ تو

مسجد میں سنت فجر پڑھ لے اگرچہ اسے پہلی رکعت نکل جانے کا اندیشہ ہو پھر بھی پڑھ لے اور یہ قول امام اوزاعی اور حضرت سعید بن عبدالعزیز کا ہے اور اسے ہی علامہ نووی نے امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب سے نقل کیا ہے۔

۱۱) امام سفیان ثوری بھی اسی کے قائل ہیں۔ نیل میں اسی جگہ ہے کہ:

”اِنَّهٗ يَرْكَعُهُمَا فِى الْمَسْجِدِ. وَغَيْرِهٖ اِلَّا اِذَا خَافَ فَوْتَ الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى ۔ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ حَكٰى ذٰلِكَ عَنْهُ اِبْنُ عَبْدُ البر وَهُوَ مُخَالِفٌ لِّمَا رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ عَنْهُ“ ۔

یعنی مسجد میں ہو یا خارج سنت فجر (بوقت جماعت) پڑھ لے مگر جب کہ فرض کی پہلی رکعت فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ یہ قول امام سفیان ثوری کا ہے اس سے ابن عبدؒ البر نے روایت کیا ہے اور یہ اس کے مخالف ہے جو ان سے ترمذی نے بیان کیا۔ دوم) بعض حضرات وہ ہین جو بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے کے قائل تو ہیں مگر خارج مسجد۔

۱) ”حدثنا عباد بن العوام عن حسين عن القاسم بن ابى ايوب عن سعيد بن جبير ۔ اَنَّهٗ جَاءَ اِلَى الْمَسْجِدِ وَالْاِمَامُ فِى صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّلِجَ الْمَسْجِدَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ“ ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۲، ص ۱۵۳)

”سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ وہ مسجد کو آئے اور امام نماز فجر میں تھا تو انہیں نے مسجد میں داخل ہونے سے قبل دو رکعت سنت مسجد کے دروازہ کے پاس پڑھیں“۔

۲) ”حدثنا عباد بن العوام عن سعيد بن ابى معشر عن ابراهيم: اَنَّهٗ كَرِهَ اِذَا جَاءَ وَالْاِمَامُ فِىْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ اَنْ يُّصَلِّيَهُمَا فِى الْمَسْجِدِ

وَقَالَ يُصَلِّيهِمَا عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ اَوْ فِيْ نَاحِيَتِهٖ" ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج۲، ص۱۵۴)

"حضرت ابراہیم ناپسند جانتے ہیں کہ کوئی اس وقت جب امام نماز فجر پڑھا رہا ہو اور مسجد میں سنت پڑھے (یعنی جماعت سے قریب) اور انہوں نے فرمایا کہ مسجد کے دروازہ کے پاس یا مسجد کے گوشہ میں" ۔

۳) امام مالک رضی اللہ عنہ کا فتوی بھی بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے پر ہے بشرطیکہ خارج مسجد ہو اور امام کے ساتھ رکعت اولیٰ فوت ہونے کا خوف بھی نہ ہو۔ (نیل الاوطار: ج۳، ص۱۰۲)

۴) مالکیہ سے امام ابن جلاب کا نظریہ ہے کہ جب وقت فجر میں گنجائش ہو تو اگرچہ جماعت فوت ہونے کا خوف ہو تب بھی سنت فجر پڑھ لے۔ (حوالہ مذکورہ)

ہم نے بفضلہ تعالیٰ کتب احادیث اور غیر مقلدوں کے امام شوکانی کی نیل الاوطار کے حوالوں سے صحابہ کرام کثیر تابعین اور آئمہ مذاہب ومحدثین رضوان اللہ علیہم سے بوقت جماعت سنت فجر کو مسجد میں اور خارج مسجد پڑھنا ثابت کر دیا ہے جس سے وہابی صاحب کا جھوٹ ثابت ہوا کہ صحابہ کا عمل بتانا مفتی صاحب کا ڈھکوسلہ ہے۔ جب کہ وہابیوں کا مذہب ان حضرات سے الگ ہے کیونکہ نام نہاد دین الحق کے مصنف کے بقول یہ لوگ بوقت جماعت سنت فجر مسجد میں اور خارج مسجد میں نہیں پڑھتے حالانکہ سنت فجر کی احادیث میں بہت تاکید آئی ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ واضح رہے کہ جو حضرات بوقت جماعت خارج مسجد سنت فجر پڑنے کے قائل ہیں ان میں اور جو مسجد میں جواز کے قائلین ہیں کوئی فنی واصولی اختلاف نہیں محض لفظی اختلاف ہے کیونکہ خارج مسجد بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے کے قائلین بھی بعید از مسجد کی قید نہیں لگاتے اور مسجد میں جواز کے قائلین جماعت سے متصل پڑھنے کو جائز نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں کہ حتی الامکان جماعت سے دور پڑھے۔

مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مقلدوں کے اعتراض کے ایک جواب میں فرمایا کہ آپ کی پیش کردہ حدیث کے یہ معنی ہیں کہ تکبیر کے بعد نفل جائز نہیں یعنی یہ درست نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسرا آدمی اس جگہ نفلیں پڑھے جائے سنت فجر نفل نہیں ہیں۔

اس پر پہلے اعتراض کے تحت غیر مقلد لکھتا ہے:

مفتی صاحب کا صبح کی سنتوں کو نفل نہ تسلیم کرنا غلط محض اور دعویٰ بلا دلیل ہے بلکہ صحیح احادیث کے مخالف و معارض بھی۔ چنانچہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ:

> "سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ يُّصَلِّىْ لِلّٰهِ فِىْ كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ ثِنْتَىْ عَشَرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيْضَةٍ اِلَّا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِى الْجَنَّةِ"۔

(الحدیث مسلم: ج۱، ص۲۵۱، وابوداؤد: ج۱، ص۱۷۸ ونسائی: ج۱، ص۲۰۸)

> "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ جو مسلمان اللہ کی (رضا) کے لئے دن رات میں بارہ رکعتیں نفل جو کہ فرض نہیں پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دیتا ہے"۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ السنن مع تحفہ ج۱، ص۳۱۹ میں اور امام ابن ماجہ نے السنن ص۸۱ میں صحیح حدیث سے وضاحت کی ہے کہ یہ کون سی رکعات ہیں ان میں دو رکعت صبح کی سنتیں بھی ہیں **الغرض اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ فجر کی سنتیں نفل ہیں** مگر مفتی صاحب نے یہاں پر صرف احادیث صحیحہ کو (تاویل سے) ردّ کرنے کا ہی عزم بالجزم نہیں کیا بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید پر بھی ہاتھ صاف کر گئے ہیں چنانچہ منیہ میں صبح کی سنتوں کو نوافل کے ضمن میں ذکر کیا گیا ہے (منیۃ المصلی: ص۱۰۸) علامہ

ابن نجیم حنفی کنز الدقائق کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

"قَالَ فِی التَّجْنِیْسِ رَجُلٌ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ تَطَوُّعًا وَّھُوَ یَظُنُّ اَنَّ الْفَجْرَ لَمْ یُطْلِعْ فَاِذَا الْفَجْرُ طَالِعٌ یَّجْزِئُہٗ عَنْ رَّکْعَتَی الْفَجْرِ ھُوَ الصَّحِیْحُ لِاَنَّ السُّنَّۃَ تَطَوُّعٌ فَتادی بِنِیَّۃِ التَّطَوُّعِ" ۔

(البحر الرائق: ج۲، ص۴۸)

تجنیس میں ہے کہ ایک شخص نے دو رکعت نماز نفل ادا کی اور اس نے گمان کیا کہ صبح طلوع نہیں ہوئی جبکہ صبح ہو گئی تھی تو وہ دو رکعت نماز نفل صبح کی سنتوں کو کفایت کر جائیں گی یہی صحیح ہے کیونکہ (صبح کی) سنتیں نفل ہیں اور یہ نوافل کی نیت سے ادا ہو جاتی ہیں۔

احناف کے خاتمۃ المحققین محمد ابن الشہیر بابن عابدین نے الدر المختار کی شرح میں اس کو ہی راجح قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ شامی ج ۲، ص ۱۵، نام نہاد دین الحق: ص ۴۷۱ تا ۴۷۲)

غیر مقلد کا من گھڑت ترجمہ:

الجواب اولاً: ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا جو ترجمہ غیر ملقد صاحب نے گھڑیا ہے اس سے ان کی علمی یتیمی عیاں ہوتی ہے۔ قارئین کے غور کے لئے غیر مقلد صاحب کا کیا ہوا ترجمہ پھر پیش ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جو مسلمان اللہ کی (رضا) کے لئے دن رات میں بارہ رکعتیں نفل جو کہ فرض نہیں پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دیتا ہے۔ اس سے ایک مغالطہ تو یہ ہوتا ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کا مژدہ اسے سنایا جو تارک فرض ہو محض مذکورہ بارہ رکعت نوافل کا عامل ہو حالانکہ یہ غلط محض ہے فرائض کو چھوڑ کر نوافل پر عمل بے معنی اور مذکورہ حدیث کے مطلوب کے خلاف اور دوسرا مذکوہ ترجمہ سے یہ گمان گزرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان دن رات میں وہ بارہ رکعتیں نفل پڑھتا

ہے جو کہ فرض کی صفت سے موصوف نہیں ہیں یہی معنی اس کے ترجمہ سے زیادہ سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ معنی بھی فصاحت وبلاغت کے خلاف ہے کیونکہ یہ معنی ایک فضول بات کو داخل کرتا ہے وہ ہے نوافل سے فرائض کی صفت کی نفی کرنا جبکہ نفی اس جگہ بے معنی وفضول ہے کیونکہ ہر وہ شخص جسے عربی سے کچھ تعلق ہے جانتا ہے کہ نوافل وہ ہی ہوتے ہیں جو فرائض نہ ہوں فرائض کی صفت سے خالی ہوں پھر یہ بتانے کی کیا حاجت کہ وہ نفل پڑھتا ہے جو فرض نہیں معلوم ہوا کہ غیر مقلد کا خود ساختہ ترجمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فصیح وبلیغ کلام مبارک کو عیب لگانے کے مترادف ہے۔ اب مذکورہ حدیث شریف کا فقیر کی طرف سے ترجمہ ملاحظہ ہو:

حضرت ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہیں کوئی مسلمان بندہ جو اللہ کے لئے ہر دن اور رات میں فرض کے علاوہ بارہ رکعت نوافل پڑھے مگر اللہ اس کے لے جنت میں گھر بنا دیتا ہے۔ یعنی فرض بھی پڑھے اور ہر دن رات میں بارہ رکعات نفل بھی پڑھے۔

غیر مقلد کا اندھا پن:

ثانیاً: مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر بحث عبارت کو ہم نے جاء الحق سے لکھ دیا ہے اس سے یہ مراد نکالنا کہ مفتی صاحب سنت فجر پر نفل کے اطلاق کا انکار کرتے ہیں محض اندھا پن اور خالص مغالطہ ہے۔

واضح رہے کہ جس طرح فرض کی دو حیثیتیں ہیں کہ ایک طرف سے وہ واجب کے مشابہ ہے کہ فرض کی طرح واجب کو بھی ادا کئے بغیر آدمی بریٔ الذمہ نہیں ہوسکتا دوسری جہت سے فرض اپنی تعریف کے اعتبار سے واجب سے ممتاز وجدا ہو جاتا ہے۔ فرض کی تعریف ہے کہ یہ نص قطعی سے ثابت ہوتا ہے اور اس کا منکر کافر ٹھہرتا ہے جبکہ واجب کے تعریف ہے کہ یہ دلیل ظنی سے ثابت ہو جاتا ہے اور اس کا منکر کافر نہیں ہوتا مثلاً اگر شافعی کا مقلد وتر کو سنت کہتا ہے تو اسے کافر نہیں کہہ سکتے۔

جب فرض کی دو حیثیتیں ہیں تو اس کے پیش نظر محدثین وفقہاء نے اس پر واجب کا اطلاق بھی کیا ہے **اور** فرض کا بھی۔ (بخاری شریف: ج۱، ص۱۸۷، امام بخاری فرماتے ہیں باب وجوب الزکوۃ۔ ص۲۰۵) پر فرماتے ہیں (باب وجوب الحج وفضلہ ص۲۵۴ پر فرماتے ہیں (باب وجوب صوم رمضان۔ مسلم شریف ج۱، ص۳۴۷) پر ہے باب وجوب صوم رمضان لرؤیۃ الھلال والفطر لرؤیۃ الھلال۔ ابوداؤد ج۱، ص۱۵۸ پر ہے باب من تجب علیہ الجمعۃ۔ حالانکہ نماز، روزہ، زکوۃ، حج، ارکان اسلام اور بلا شبہ فرائض ہیں۔ مگر محدثین وفہقاء رضوان اللہ علیہم نے ان پر فرض وواجب دو ناموں کا اطلاق کیا ہے لہٰذا اگر کوئی کہے زکوٰۃ یا حج وغیرھما واجب ہے تو اسے غلط نہیں کہہ سکتے مگر جب فرض کو بالمقابل واجب رکھا جائے تو اس وقت امتیاز و تفریق ضروری ہے مثلاً کوئی سوال کرے کہ کیا نماز واجب ہے یا فرض تو اسے جواب میں کہا جائے گا کہ نماز فرض ہے اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجیب نے تو جی نماز سے وجوب کے اطلاق کا انکار کر دیا ہے۔

سنت کی دو حیثیتیں:

اسی طرح سنن کی بھی **دو** حیثیتیں ہیں ایک طرف سے تو یہ نوافل کے مشابہ ہیں کہ جس طرح نوافل کے ترک سے) گناہ لازم نہیں آتا ایسے ہی کبھی کبھی سنت کے ترک سے شرعاً گناہ لازم نہیں آتا جب تک کہ ترک سنت کو عادت نہ بنا لیا جائے۔ دوسری طرف سنن میں نوافل سے صفت زائدہ کہ ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوام فرمایا اگر کبھی ترک کیا تو بیان جواز کے لئے اور ان پر مواظبت کی تاکید فرمائی تو اس حیثیت سے سنتیں مطلق نوافل سے ممتاز ہیں ان دو حیثیتوں کے پیش نظر شرع اور اہل شرع نے ان پر نوافل کا اطلاق کیا ہے اور سنت کا نام بھی دیا ہے اگر کوئی مثلاً سوال کرے کہ فجر کے فرضوں سے قبل دو سنتیں ہیں یا نفل تو اسے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ سنتیں ہیں اس صورت میں مجیب پر کوئی عقل مند اعتراض نہیں کرے گا کہ اس نے سنت فجر پر نوافل کے اطلاق کا انکار کیا ہے اسی طرح مفتی احمد یار خاں

نعیمی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی عند العقل ونقل اعتراض درست نہیں کہ وہ سنت کو نفل تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ان کے کہنے کا کہ سنت فجر نفل نہیں یہی مقصد ہے کہ یہ مطلق نفل نہیں ان میں نوافل سے صفت زائدہ ہے ان پر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت ودوام فرمایا اور ان کی بہت تاکید فرمائی۔

ثالثاً: آئمہ فقہاء ومحدثین کرام نے سنن کو تطوع (نوافل) کے ابواب میں شامل کرنے کے بعد سنن کی الگ فصلیں قائم کیں جن میں سنن کی اہمیت واحکام کو ذکر فرمایا اگر سنن ونوافل ہمہ جہت سے ایک ہی چیز ہے تو پھر انہیں الگ ذکر کرنے کی کیا حاجت تھی سنن ابی داؤد میں امام ابوداؤد فرماتے ہیں۔

(ابواب التطوع ورکعات السنۃ: ج۱،ص۱۸۵)

ابواب ہیں نوافل اور سنت کی رکعتوں میں۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

”حدثنا وکیع عن سفیان عن منصور عن ابراہیم قَالَ کَانُوْا یَعُدُّوْنَ مِنَ السُّنَّۃِ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّھْرِ وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَھَا وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْعِشَآءِ وَرَکْعَتَیْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ قَالَ اِبْرَاھِیْمُ وَکَانُوْا یَسْتَحِبُّوْنَ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ الْعَصْرِ اِلَّا اِنَّھُمْ لَمْ یَکُوْنُوْا یَعُدُّوْنَھَا مِنَ السُّنَّۃِ“۔ (ج۲،ص۱۰۷)

”حضرت ابراہیم سے ہے کہ تھے (صحابہ کرام) شمار کرتے سنت سے ظہر کی پہلی چار رکعتیں اور دو رکعتیں اس سے بعد کی اور دو رکعت مغرب کے بعد اور دو رکعت عشاء کے بعد اور دو رکعت فجر سے قبل حضرت ابراہیم نے کہا کہ عصر کی پہلی دو رکعتوں کو مستحب (نفل) جانتے تھے مگر اسے سنت میں شمار نہ کرتے تھے“۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نفل کو سنت میں شمار نہیں کرتے تھے تو یہ ظاہر ہے کہ سنت کو سنت جانتے تھے نوافل میں شمار نہیں فرماتے تھے اب ان

حضرات پر وہابی جی کا کیا فتویٰ ہے۔

رابعاً: ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو غیر مقلد نے دلیل بنائی اس میں سنت کو تطوع کے الفاظ سے بیان کیا مگر یہی روایت ام المؤمنین صدیقہ کائنات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے اس میں مذکورہ رکعات کو سنت ہی فرمایا گیا ملاحظہ ہو:

”حدثنا ابوبکر قَالَ حدثنا اسحاق بن سلیمان عن مغیرة بن زید عن عطاء عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ثَابَرَ عَلٰى اِثْنَتٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً مِّنَ السُّنَّةِ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِى الْجَنَّةِ الخ“ ۔ (ابن ماجہ ص ۸۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲، ص ۱۰۸)

”لفظ مصنف کے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بارہ رکعات سنت پر ہمیشگی کی اس کے لئے اللہ جنت میں گھر بنا دے گا“۔

خامساً: ہم حدیث پر عمل کرتے ہیں اس لئے بوقت جماعت بھی حتی الامکان سنت فجر کو نہیں چھوڑتے حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

سنت فجر کی تاکید:

”قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْعُوْهُمَا وَاِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ“ ۔

”یعنی سنت فجر کو نہ چھوڑا اگرچہ تم پر دشمن حملہ کر دے“۔ (ابوداؤد: ج ۱، ص ۱۸۶ و طحاوی ج ۱، ص ۲۵۸)

طحاوی میں لاتدعوھما کی جگہ لاتترکوھما ہے۔

صحیح بخاری شریف ج ۱، باب المداومة علی رکعتی الفجر میں حضرت ام المؤمنین

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ:

”صَلَّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْعِشَآءَ ثُمَّ صَلّٰی ثَمَانِیَ رَکْعَاتٍ وَّرَکْعَتَیْنِ جَالِسًا وَّرَکْعَتَیْنِ بَیْنَ النِّدَائَیْنِ وَلَمْ یَکُنْ یَدَعُھُمَا اَبَدًا“ ۔

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشاء پڑھی پھر آٹھ رکعتیں پڑھیں اور دو رکعتیں بیٹھ کر ادا کیں اور پھر اذان و اقامت کے درمیان دو رکعت فجر ادا کیں اور ان دو رکعتوں کو کبھی نہ چھوڑا“ ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ:

”اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکُنْ عَلٰی شَیْءٍ مِّنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ مَعَاھَدَۃً مِّنْہُ عَلَی الرَّکْعَتَیْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ“ ۔

(ابوداؤد: ج۱، ص۱۸۵)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوافل میں سے کسی چیز پر اتنی سخت محافظت نہ فرماتے جس قدر کہ صبح کے (فرض) سے پہلی در رکعتوں پر فرماتے“ ۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فجر کی سنتوں کی تاکید کے متعلق لکھتے ہیں:

”وَقَالَ اَبُوْ حَنِیْفَۃَ لَوْ عَلِمَ الْمُصَلِّیْ اَنَّہٗ لَوِ اشْتَغَلَ بِسُنَّۃِ الْفَجْرِ اَدْرَکَ الْاِمَامَ فِیْ رَکْعَۃِ الْاُوْلٰی اَوِ الثَّانِیَۃِ صَلّٰی سُنَّۃَ الْفَجْرِ اَوَّلاً ثُمَّ یَدْخُلُ مَعَ الْاِمَامِ وَقَالَ اِبْنُ الْمَلِکُ سُنَّۃُ الْفَجْرِ مَخْصُوْصَۃٌ مِّنْ ھٰذَا بِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ صَلُّوْھَا وَاِنْ طَرَدَتْکُمُ الْخَیْلُ فَقُلْنَا یُصَلِّیْ سُنَّۃَ الْفَجْرِ مَالَمْ یَخْشِ فَوْتَ الرَّکْعَۃِ الثَّانِیَۃِ وَیُتْرِکُھَا حِیْنَ خَشِیَ عَمَلاً بِالدَّلِیْلَیْنِ(۱۵) وَحَدِیْثِہٖ رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ بِلَفْظٍ: لَا تَدَعُوْھُمَا وَاِنْ طَرَدْتُکُم الْخَیْلُ ۔ قَالَ اِبْنُ الْھمام سُنَّۃُ الْفَجْرِ اَقْوَی السُّنَنِ حَتّٰی رَوَی الْحَسَنُ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ لَوْصَلَّاھَا قَاعِدًا

مِّنْ غَيْرِ عُذْرٍ لَا يَجُوْزُ وَقَالَوا الْعَالِمَ اِذَا صَارَ مَرْجَعًا لِلْفَتْوٰى جَازَ لَهٗ تَرْكُ سَائِرَ السُّنَنِ لِحَاجَةِ النَّاسِ اِلَّا سُنَّةَ الْفَجْرِ لِاَنَّهَا اَقْوَى السُّنَنِ" ۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ: ج ۳، ص ۵۶)

اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ نمازی نے جان لیا کہ اگر اس نے سنت فجر کو شروع کر دیا تو امام کو پہلی یا دوسری رکعت میں پالے گا تو پہلے سنت فجر ادا کرے پھر امام کے ساتھ شامل ہو اور علامہ ابن ملک نے کہا کہ سنت فجر اس سے مخصوص ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے ساتھ کہ فرمایا ان کو پڑھو اگرچہ تم پر دشمن کے گھوڑے آپڑیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ سنت فجر پڑھے جب تک کہ رکعت ثانیہ جانے کا خوف نہ ہو اور انہیں چھوڑ دے جب رکعت ثانیہ جانے کا خوف ہو دو دلیلوں پر عمل رکتے ہوئے اور حدیث جسے ابوداؤد نے ان لفظوں سے روایت کیا کہ: ان دو سنتوں کو نہ چھوڑو اگرچہ تم پر دشمن کے گھوڑے ٹوٹ پڑیں۔ امام ابن ہمام نے فرمایا کہ سنت فجر سب سنتوں سے اقوی ہیں یہاں تک کہ حسن نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اگر کسی نے ان کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھا تو جائز نہیں اور فقہاء نے کہا کہ اگر کوئی عالم فتویٰ کے لئے مرجع ہو گیا اسے بوقت حاجت تمام سنتوں کا ترک جائز ہے سوا سنت فجر اس لئے کہ یہ سب سنتوں سے اقوی ہیں۔ اندازہ کرو کہ علماء سنت فجر کا از روئے احکام احادیث کے پیش نظر باقی سنن سے امتیاز وتفریق مانتے ہیں مگر وہابی ایسا سر پھرا ہے کہ ان کا نوافل سے بھی امتیاز وتفریق نہیں مانتا۔ اب اس سے اور پیچھے جو ہم نے غیر مقلد کی پیش کردہ روایت میں الفاظ زائد ولا رکعتی الفجر کا ضعف ثابت کر دیا ہے لہٰذا غیر مقلد کے اعتراضِ ثانی کا جواب بھی اس میں ہو گیا۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ

اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے وہابیوں تم بھی بوقت جماعت خارج مسجد سنت فجر پڑھنے کے قائل ہو دوسرے یہ کہ اگر کسی نے سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیئے ہوں اور درمیان میں فجر کی جماعت کھڑی ہو جائے تو تم بھی اس نماز کا توڑنا واجب نہیں کہتے بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو۔ اس پر غیر مقلد اعتراض کرتے ہوئے لکھتا ہے:

مفتی صاحب قرآن وحدیث کے معنی بگاڑنے، تاویلیں کرنے کے علاوہ فریق ثانی کے مؤقف کو بیان کرنے میں بھی غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کرتے اب ترتیب وار مذکورہ اعتراض کا جواب ملاحظہ کریں:

اولاً: جب نمازی کو علم ہوا کہ مسجد میں جماعت کے لئے اقامت ہوگئی ہے تو اسی حالت میں مسجد سے بارہ بھی سنت فجر ادا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اقامت کے بعد نماز میں شامل ہونے کا حکم ہادیٔ برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دے رکھا ہے۔ چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اِذَا سَمِعْتُمُ الْاِقَامَةَ فَامْشُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُوْ وَلَا تَسْرِعُوْا فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْ“۔

(بخاری ج۱، ص۸۸، والسنن الکبریٰ للبیہقی ج۳، ص۹۳ ومسند امام احمد ج۲، ص۵۳۲ والمحلی بالآثار ج۲، ص۱۵۱)

”جب تم تکبیر کی آواز سنوں تو نماز کی طرف چلتے ہوئے آؤ اور تم پر سکینت اور وقار ہو اور جلدی نہ کرو جتنی نماز ملے وہ پڑھ لو جو جاتی رہے اس کو پورا کرو“۔ (انتھی)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اقامت کے بعد کسی بھی دوسرے ذکر واذکار

اور نوافل میں مشغول ہونا جائز نہیں کیونکہ اقامت کے بعد جماعت میں شامل ہونے کا حکم دیا جارہا ہے اور مفتی صاحب کو اقرار ہے کہ حکم سے فرض ثابت ہوتا ہے۔

ثانیاً: جہاں تک اقامت کے بعد نوافل کو نہ توڑنے کی بات ہے تو اس میں اہل حدیث کا واضح مؤقف یہ ہے کہ نوافل کو توڑ کر جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے چنانچہ امام ابن حزم لکھتے ہیں کہ:

”فَمَنْ سَمِعَ اِقَامَةَ صَلٰوةِ الْصُّبْحِ وَعَلِمَ اَنَّهٗ اَنِ اشْتَغَلَ بِرَكْعَتَى الْفَجْرِ فَاتَهُ مِنْ صَلٰوةِ الصُّبحِ وَلَو التَّكْبِيْرُ فَلَا يُحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّشْتَغِلَ بِهِمَا فَاِنْ فَصَلّٰى فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ تَعَالٰى وَاِنْ دَخَلَ فِىْ رَكْعَتَى الْفَجْرِ فَاُقِيْمَتْ صَلَاةُ الصُّبْحِ فَقَدْ بَطَلَتِ الرَّكْعَتَانِ فَلَا فَائِدَةُ لَهٗ“ ۔

”جو شخص اقامت کو سن لے پھر وہ جانتا ہو کہ اگر وہ سنت فجر پڑھنے لگ گیا تو اس کی نماز باجماعت اگرچہ تکبیر اولیٰ ہی کیوں نہ ہو فوت ہو جائے گی تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ سنت فجر میں مشغول ہو اگر وہ ایسا کرے گا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اگر سنت فجر میں داخل ہوا اور صبح کی تکبیر ہو گئی تو اس کی دونوں رکعتیں باطل ہو گئیں“۔ (انتھی)

حافظ ابن حجر نے شافعیہ سے ابو حامد کا یہ مؤقف بیان کیا ہے کہ نماز کو توڑ دینا چاہیے۔ (فتح الباری: ج۲، ص۱۱۹)

اس پر مولانا شمس الحق محدث عظیم آبادی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”وَالْقَوْلُ الْمُحَقَّقُ فِىْ هٰذَا الْبَابِ مَا قَالَهُ الشَّيْخُ اَبُوْ حَامِدٍ وَّقَالَ الْعِرَاقِىُّ هٰذَا وَاضِحٌ وَرَاَيْتُ شَيْخَنَا مُحَمَّدُ نذير حسين المحدث دهلوى يَاْمُرُ بِقَطْعِ الصَّلٰوةِ“ ۔

(اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر: ص۱۴۷)

’’اس باب (مسئلہ) میں تحقیقی قول شیخ ابو حامد کا ہے اور علامہ عراقی نے کہا ہے کہ یہی واضح (احادیث سے ثابت ہے) اور میں استاذی المکرّم سید محمد نذیر حسین دہلوی کو دیکھا ہے کہ آپ نماز توڑنے کا حکم فرمایا کرتے تھے‘‘۔ (انتھی)

محقق العصر مولانا ارشاد الحق حفظہ اللہ مذکورہ عبارت کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ:

’’وَهُوَ مُقْتَضِى الْاَحَادِيْثَ الْمَذْكُوْرَةِ وَيُؤَيِّدُهُ فِعْلُ اِبْنِ عُمَرَ وَرَوَاهُ الدُّوْلَابِىُّ فِى السكنى‘‘ ۔ (ج ۱، ص ۸۲) عَنْ اَبِىْ فَرَّاسٍ يَّزِيْدِ بْـنِ رِبَاحٍ قَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو كَبَّرَ فِى الصَّلٰوةِ النَّافِلَةِ وَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَقَدَّمَ وَتَرَكَ النَّافِلَةَ‘‘ ۔ (حاشیہ اعلام العصر: ص ۱۴۷)

’’اس پر مذکورہ احادیث دلالت کرتی ہیں اور اس کی تائید کرتا ہے حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ کا فعل کہ یزید بن رباح بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ نفل نماز کو شروع کیا اور ادھر نماز کی تکبیر ہو گئی پس آپ آگے بڑھے جماعت میں شامل ہو گئے اور نوافل کو چھوڑ دیا‘‘۔ (انتھی)

نماز کو توڑ دینا ہی درست ہے اور اسی پر ہی بفضلہٖ تعالیٰ اہل حدیث عامل ہیں مگر مفتی صاحب جھوٹ لکھتے ہوئے ذرا بھی اپنے منصب کا خیال نہیں کرتے۔

(نام نہاد دین الحق: ص ۴۷۴

الجواب اولاً: یہ بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی حکم ہے کہ فجر کی سنتیں نہ چھوڑو اگرچہ تم پر دشمن کے گھوڑے آپڑیں اس حدیث شریف پر عمل نہ کرنے کا تم نام نہاد اہلحدیثوں کے پاس کیا جواز ہے۔

ہم احناف بفضلہٖ تعالیٰ دونوں حدیثوں پر عمل کرتے ہیں فجر کی سنتوں کے علاوہ اور کوئی نفل وسنت بوقت جماعت جائز نہیں جانتے مگر سنت فجر تمہاری پیش کردہ

حدیث کے حکم سے مستثنیٰ ہیں ورنہ ایک حدیث پر عمل ہو گا دوسری کا خلاف لازم آئیگا جو کہ جائز نہیں۔

ثانیاً: ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ صحابہ کرام تابعین آئمہ مذاہب ومحدثین رضوان اللہ علیہم سے بوقت جماعت سنت فجر مسجد اور خارج پڑھنا ثابت کر دیا ہے کیا وہ حضرات آپ کی پیش کردہ حدیث نہیں سمجھتے تھے۔

ثالثاً: غیر مقلد کی پیش کردہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس میں تو ارشاد ہے کہ جب تم اقامت سنو اطمینان ووقار کے ساتھ نماز کی طرف آؤ یہ کہاں ہے کہ نماز پڑھ رہے ہو تو وہ توڑ کر جماعت میں شامل ہو جاؤ۔ نیز ابن حزم کی عبارت میں بھی یہ ہے کہ بوقت جماعت سنت شروع نہ کرے یہ تو نہیں کہ پڑھتا ہو تو اسے توڑ دے۔

رابعاً: جب وہابی جی کو علم تھا کہ اس کا خود ساختہ مذہب کہ بوقت جماعت کوئی سنت فجر یا دوسرے فرض پڑھ رہا ہو تو اسے توڑ کر جماعت سے مل جانا چاہئے کسی ضعیف مرفوع حدیث سے بھی ثابت نہیں تو یہ خامی پر کرنے کو علامہ عراقی کی عبارت کہ ھذا واضح کے ساتھ (احادیث سے ثابت ہے) کہ خود جوڑ دیا یہ ہے ان وہابیوں کا حال۔

خامساً: وہابی صاحب کا اپنے موقف پر حضرت عبداللہ بن عمرو العاص کی مذکورہ روایت سے استدلال تو یہ اس کی تائید میں نہیں کیونکہ اس میں تو نماز نافلہ توڑ کر جماعت میں ملنے کا ذکر ہے نہ کہ سنت فجر وقضا فرض شروع کر کے توڑنے کا جبکہ وہابیوں غیر مقلدوں پر مفتی صاحب کا سوال سنت فجر اور دوسرے وقت کے فرض شروع کرنے کے بعد جماعت کھڑی ہونے کی صورت میں توڑنے کے متعلق تھا لہٰذا مذکورہ روایت سے استدلال سوال کے جواب سے مطابقت نہیں رکھتا۔

مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مقلدوں کے اعتراض کے جواب

میں فرمایا کہ اس حدیث پر ہر شخص عمل نہیں کرسکتا کیونکہ صاحب ترتیب جس پر ترتیب فرض ہے اگر اس کی عشاء کی نماز قضا ہوگئی اور جماعت فجر قائم ہو جائے تو وہ اولاً عشاء کی قضا نماز ادا کرے پھر جماعت میں شرکت کرے ورنہ ترتیب کے خلاف ہو گا۔

غیر مقلد صاحب اس پر دو اعتراض کرتے ہوئے لکھا:

اولاً: احناف کے نزدیک بھی جماعت کے ہوتے ہوئے کوئی دوسری نماز نہیں ہوتی صرف صبح کی سنت کی تخصیص کرتے ہیں (درمختار مع شرح: ج۱، ص۳۷۸)

اور احناف کا یہ بھی مؤقف ہے کہ جماعت کے ہوتے ہوئے قضا نماز بھی پڑھنا مکروہ ہے علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ:

”فشملت کراهة النفل والفائة ولو کانَ بینهما وبین الوقتیة ترتیب“ ۔ (فتاویٰ: ج۱، ص۳۷۸)

”یہ کراہت شامل ہے نفل واجب اور قضا نماز میں اگرچہ ان کے درمیان ترتیب ہو“۔

لہٰذا مفتی کا ترتیب کے بہانے سے مذکورہ حدیث کو ٹالنا غلط بیانی کے علاوہ خود اکابر احناف کی صراحت کے خلاف ہے۔

ثانیاً: علمائے احناف کی اس صراحت کے علاوہ یہ حدیث مذکورہ کے بھی خلاف ہے چنانچہ یہی حدیث مسند امام احمد اور طحاوی میں ان الفاظ سے بھی مروی ہے کہ:

”اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃِ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الَّتِیْ اُقِیْمَتْ“ ۔

(بحوالہ فتح الباری: ج۲، ص۱۱۸)

”جب نماز کھڑی ہو جائے تو کوئی نماز نہیں ہوتی مگر وہی جس کے لئے اقامت کہی جائے“۔

ان الفاظ کے ہوتے ہوئے بھی مفتی صاحب کا اعتراض کرنا حدیث سے کم

اگاہی یا تعصب کا نتیجہ ہے۔

وہابی کا دعویٰ اور دلیل اور:

غیر مقلد کی غلط بیانی ہے کہ احناف کے نزدیک بھی جماعت کے ہوتے ہوئے سواسنتِ فجر کوئی دوسری نماز نہیں ہوتی پھر اس پر شامی کا حوالہ ادھورا دیا مگر اس سے بھی کراہت ثابت ہے یہ کب ہے کہ بوقت جماعت سنت فجر کے علاوہ اور کوئی نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں جبکہ نہ ہونا اور بات ہے کراہت دوسری بات۔

ثانیاً: اب ہم بفضلہٖ تعالیٰ بحوالہ بیان کرتے ہیں کہ صاحب ترتیب کے متعلق احناف کا کیا مؤقف ہے پہلے تو ہم شامی سے دکھاتے ہیں علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں:

(۱) شامی ج۱، ص۵۳۶ پر ہے کہ:

"اَلتَّرْتِیْبُ بَیْنَ الْفُرُوْضِ الْخَمْسَةِ وَالْوِتْرِ اَدَاءً وَّقَضَاءً لَازِمٌ یَفُوْتُ الْجَوَازُ بِفَوْتِهٖ لِلْخَبَرِ الْمَشْهُوْرِ مَنْ نَامَ عَنْ صَلٰوتِهٖ وَبِهٖ یَثْبُتُ الْفَرْضُ"۔

"ترتیب پنجگانہ فرض کے درمیان اور وتر کے درمیان لازم ہے نماز کا جواز فوت ہو جاتا ہے ترتیب فوت ہونے سے حدیث مشہور کی روئے سے کہ جو اپنی نماز سے سو جائے"۔ الخ

اور اس سے فرض ثابت ہو جاتا ہے۔

فوت نمازوں میں ترتیب لازم ہے:

۲) بدائع الصنائع ج۱، ص۳۳۷ پر ہے:

"وَدَخَلَ فِیْهِ الْجُمْعَةُ فَاِنَّ التَّرْتِیْبَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ سَائِرِ الصَّلٰوٰتِ لَازِمٌ فَلَوْ تَذَكَّرَ اَنَّهٗ لَمْ یُصَلِّ الْفَجْرَ یُصَلِّیْهَا وَلَوْ كَانَ الْاِمَامُ یَخْطُبُ وَمِنْهَا تَقَدُّمُ قَضَاءِ الْفَائِتَةِ الَّتِیْ یَتَذَكَّرُهَا اِذَا كَانَتِ

الْفَوَائِتُ قَلِيْلَةٌ وَفِي الْوَقْتِ سَعْةٌ هُوَ شَرْطُ جَوَازِ اَدَاءِ الْوَقْتِيَّةِ"۔

"اور اس حکم میں جمعہ بھی داخل ہے پس بے شک ترتیب اس کے اور تمام نمازوں کے درمیان لازم ہے تو اگر اسے یاد آیا کہ اس نے نماز فجر نہیں پڑھی تو اسے جمعہ سے قبل پڑھے اگرچہ امام خطبہ پڑھتا ہو اور اسی سے ہے"۔

فوت نماز کی قضا پہلے کرنا جو اسے یاد ہے جب کہ فوت نمازیں قلیل ہوں (چھ سے) تجاوز نہ کریں اور وقت میں قضا اور وقتیہ پڑھنے کی گنجائش بھی ہو وہ شرط ہے (فوت نماز کا پڑھنا) وقتیہ کی صحت کے لئے۔

۳) ھدایہ جزء اول باب قضاء الفوائت میں ہے:

"مَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ قَضَاهَا اِذَا ذَكَرَهَا وَقَدَّمَهَا عَلٰى فَرْضِ الْوَقْتِ وَالْاَصْلُ فِيْهِ اِنَّ التَّرْتِيْبَ بَيْنَ الْفَوَائِتِ وَفَرْضِ الْوَقْتِ عِنْدَنَا مُسْتَحَقٌّ"۔

"جس کی نماز فوت ہو وہ اسے پڑھے جب یاد آئے اور قضا کو فرض سے پہلے پڑھے اور اصل اس میں یہ ہے کہ بے شک ترتیب فوت نمازوں کے اور وقتیہ کے درمیان ہمارے نزدیک لازم ہے"۔

۴) شرح وقایہ جزء اول باب قضاء الفوائت میں ہے کہ:

"فَرْضُ التَّرْتِيْبِ بَيْنَ الْفُرُوْضِ الْخَمْسَةِ وَالْوِتْرِ فَائِتًا كُلُّهَا اَوْ بَعْضُهَا اَىْ اِنْ كَانَ الْكُلُّ فَائِتًا فَلَا بُدَّ مِنْ رِعَايَةِ التَّرْتِيْبِ بَيْنَ الْفُرُوْضِ الْخَمْسَةِ وَكَذَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْوِتْرِ وَكَذَا اِنْ كَانَ بَعْضُ فَائِتًا وَالْبَعْضُ وَقْتِيًّا لَا بُدَّ مِنْ رِعَايَةِ التَّرْتِيْبِ فَيَقْضِى الْفَائِتَةَ قَبْلَ اَدَاءِ الْوَقْتِيَّةِ"۔

"ترتیب فرض ہے پنجگانہ فرض اور وتر کے درمیان تمام فوت شدہ ہوں یا بعض فوت اور بعض وقتیہ یعنی اگر تمام فوت شدہ ہوں تو ترتیب کی رعایت پنجگانہ فرضوں کے درمیان ضروری ہے اسی طرح فرض و وتر کے درمیان اور اسی طرح بعض فوت شدہ ہوں اور کوئی وقتیہ ہوں تو اس صورت میں بھی ترتیب کی رعایت ضروری ہے"۔

پس فوت نمازیں وقتیہ کی ادائیگی سے پہلے پڑھے۔

۵) صاحب بہار شریعت مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

پانچوں فرضوں میں باہم اور فرض و وتر میں ترتیب ضروری ہے کہ پہلے فجر پھر ظہر پھر عصر پھر مغرب پھر عشاء پھر وتر پڑھے خواہ یہ سب قضا ہوں یا بعض قضا ہوں یا بعض ادا مثلاً ظہر کی قضا ہوگئی تو فرض ہے کہ اسے پڑھ کر عصر پڑھے یا وتر قضا ہو گیا اسے پڑھ کر فجر پڑھے اگر یاد ہوتے ہوئے عصر یا فجر کی پڑھ لی تو ناجائز ہے۔ بہار شریعت حصہ چہارم بحوالہ عالمگیری وغیرہ۔ ان تمام حوالوں سے اظہر من الشّمس ہوا کہ احناف کے نزدیک ترتیب فرض ہے اور صاحب ترتیب پر فرض ہے کہ پہلے قضا پھر وقتیہ پڑھے اور قضا نمازوں کو بھی ترتیب وار پڑھے مگر غیر ملقد ناتمام عبارتیں پیش کر کے اپنا مقصد پورا کرنا چاہتا ہے۔

ثالثاً: صاحب فتاویٰ شامی علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ حوالہ میں صراحت فرما دی کہ فرضیت ترتیب حدیث مشہور سے ثابت ہے مگر نام نہاد اہلحدیث اس پر عمل نہیں کرتے اسے چھوڑ کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خبر واحد کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اس کی بھی مراد کو نہیں سمجھتے یہ حال ہے ان کی مذہب پرستی کا۔

رابعاً: رہا غیر مقلد صاحب کا اپنے مذہب کی تائید میں یہ روایت پیش کرنا کہ:

"اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃِ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الَّتِیْ اُقِیْمَتْ لَھَا"۔

"جب جماعت قائم کی جائے تو کوئی نماز نہیں ہوتی سوا اس کے جس

کے لئے اقامت کہی گئی"۔

اول اس سے پہلے وہابی صاحب فرما چکے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو حفاظ کی جماعت نے روایت کیا ہے جس کے الفاظ ہیں:

"اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃِ فَلاَ صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ"۔

اب اوپر دی گئی روایت اس سے مختلف ہے تو معلوم ہوا اس مختلف کے راوی نے تفرد کیا جماعت کا خلاف کیا ہے لہٰذا اسے دلیل بنانا غیر مقلد کی مذہب پرستی ہے۔

دوم: اس روایت میں ایک راوی فہد نامی ہے (طحاوی ج۱، ص ۲۵۶) اور علامہ ذھبی نے میزان میں صرف دو فہد کا ذکر کیا ہے جو کہ دونوں سخت مجروح ہیں۔ (ج۳، ص۳۶۶) ایک راوی اس میں عبداللہ بن عیاش بن عباس القتبانی ہے جو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے (طحاوی ج۱، ص ۲۵۶) اس کے متعلق امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: صدوق یغلط (تقریب التھذیب ص۱۸۴) سچا ہے مگر غلطیاں کرتا ہے۔ اب ایسی ضعیف روایت کو قبول کرنا دلیل بنانا مذہب پرستی نہیں تو اور کیا ہے۔ اب جاء الحق سے غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر۲ اور مفتی صاحب کی طرف سے اس کا جواب ملاحظہ ہو

(طحاوی شریف نے حضرت مالک ابن بحینہ سے روایت کی):

"قَالَ اُقِیْمَتْ صَلٰوۃُ الْفَجْرِ فَاَتٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی رَجُلٍ یُّصَلِّیْ رَکْعَتَی الْفَجْرِ فَقَامَ عَلَیْہِ وَلَاثَ بِہِ النَّاسُ فَقَالَ اَتُصَلِّیْھَا اَرْبَعًا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ"۔

"کہ ایک دن فجر کی تکبیر کہی گئی پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص پر گزرے جو سنت فجر پڑھ رہا تھا اس پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے بھی اسے گھیر لیا فرمایا کہ کیا تو فجر کے فرض چار پڑھتا ہے یہ تین بار فرمایا"۔

اس حدیث میں سنت فجر کا صراحۃً ذکر ہو گیا جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ تکبیر فجر کے وقت سنت فجر سخت منع ہے۔

جواب: یہ صاحب مالک ابن بُحینہ کے صاحبزادے عبداللہ تھے اور وہاں ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے جہاں جماعت ہو رہی تھی یعنی صف سے متصل یہ واقعی مکروہ ہے اسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب فرمایا چنانچہ اسی طحاوی شریف میں اسی حدیث سے کچھ آگے یہ حدیث مفصل طور پر اس طرح مذکور ہے:

"عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْنَةَ وَهُوَ مُنْتَصِبٌ ثَمَّهٗ بَيْنَ نِدَا الصُّبْحِ فَقَالَ لَا تَجْعَلُوْا هٰذِهِ الصَّلٰوةَ كَصَلٰوةِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَبَعْدَهَا وَاجْعَلُوْا بَيْنَهُمَا فَصْلاً"۔

محمد ابن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ ابن مالک ابن بُحینہ پر گذرے حالانہ وہ وہاں ہی کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے بالکل سامنے تو حضور نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی پہلی پچھلی سنتوں کی طرح نہ بناؤ سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو۔

اس حدیث نے آپ کی پیش کردہ حدیث کو بالکل واضح کر دیا کہ اگر سنت فجر جماعت سے دور پڑھی جاوے تو بلا کراہت جائز ہے جماعت سے متصل پڑھنا منع ہے یہی ہم کہتے ہیں لہٰذا آپ کا اعتراض اصل سے ہی غلط ہے۔

اس پر غیر مقلد صاحب کا پہلا اعتراض: یہ صاحب عبداللہ بن بُحینہ رضی اللہ عنہ نہیں تھے کوئی اور صحابی تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ابراہیم بن سعد کے طریق سے روایت ہے کہ عبداللہ بن بُحینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِرَجُلٍ وَّقَدْ اُقِيْمَتْ صَلٰوةُ الصُّبْحِ فَكَلَّمَهٗ بِشَيْءٍ لَا نَدْرِيْ مَا هُوَ فَلَمَّا انْصَرَفْنَا اَحَطْنَا بِهٖ نَقُوْلُ مَاذَا قَالَ لَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"۔ (الحدیث مسلم ج۱، ص ۲۴۷ ابن ماجہ ص ۸۲)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص پر گزرے اور نماز کے لئے اقامت ہو چکی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کچھ کہا جسے میں نہیں جانتا جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو اس کے گرد گھیرا ڈال لیا اور پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ سے کیا فرمایا ہے (الحدیث) عیاں ہے کہ اگر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ خود ہوتے تو روایت میں اس طرح ذکر نہ کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص پر گزرے اور اس سے ایک ایسی بات کی جسے میں نہیں جانتا اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے اس شخص کے گرد گھیرا ڈال لیا وغیرہ بلکہ حدیث کے الفاظ اس طرح ہوتے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجھ پر گزر ہوا اور مجھ سے فلانی بات کی اور نماز سے فارغ ہو کر صحابہ کرام نے مجھے گھیر لیا۔ (نام نہاد دین الحق ص ۴۶۰)

غیر مقلد کی بدحواسی:

الجواب اولاً: غیر مقلد صاحب اس قدر بدحواس ہوا کہ راوی کا نام عبد اللہ بن مالک بن بحینہ رضی اللہ عنہ ہے جسے عبد اللہ بن بحینہ لکھ دیا۔

ثانیاً: مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پاس سے نہیں کہا کہ یہ صاحب مالک بن بحینہ کے صاحبزادے عبد اللہ تھے بلکہ حدیث میں واضح الفاظ ہیں کہ:

''اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْنَةَ''۔

مگر وہابی صاحب تعصب میں بدیہات کا بھی انکار کر دیتا ہے نیز مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر طحاوی شریف سے حدیث پیش کی جس میں عبد اللہ بن مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنا واقعہ خود بیان نہیں کر رہے کہ وہ مکالمہ کے الفاظ کو اپنی طرف منسوب کریں بلکہ ان کا واقعہ بوقت جماعت قریب صف سنت فجر پڑھنے کا محمد بن عبد الرحمٰن

بیان کر رہے ہیں اور ان کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ایک شخص پر گزرے تو حقیقۃً وہابی صاحب نے اس سے انکار کی راہ نکالنے کو بجائے طحاوی کے مسلم وابن ماجہ سے روایت پیش کر دی جس میں ظاہری طور پر تو عبد اللہ بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں مگر مسلم شریف میں اسی جگہ حضرت عبد اللہ کے خود روایت کرنے میں اختلاف مذکور ہے جسے وہابی جی نے خلاف مذہب جان کر ذکر نہیں کیا اختلاف یہ ہے کہ علامہ قعنبی فرماتے ہیں عبد اللہ نے رسول اللہ سے خود روایت نہیں کی بلکہ اپنے باپ مالک بن بحینہ سے کی ہے اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی اور امام مسلم فرماتے ہیں ان کا قول عن ابیہ یعنی اپنے باپ سے روایت کی اس حدیث میں خطا ہے۔ (مسلم ج۱،ص۲۴۷) مگر اس کے باوجود وہابی صاحب اپنے مقصد کے حصول کے لئے اسے دلیل بنا رہے ہیں اور واضح الفاظ کا انکار کر رہے ہیں یہ ہے ان لوگوں کی مذہب پرستی کا حال کہ ان کے خود ساختہ مذہب پر آنچ نہ آئے احادیث میں تعارض وتضاد آتا ہو تو آئے مگر فقیر طحاوی ومسلم کی دو روایتوں میں موافقت یوں کرتا ہے کہ طحاوی کی جس روایت کو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اس میں حضرت عبد اللہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے اور مسلم کی جو روایت وہابی صاحب نے دلیل بنائی اس میں کسی اور صحابی کا واقعہ بیان ہے اس کی صراحت سنن بیہقی میں موجود ہے کہ عبد اللہ سے اپنا واقعہ مذکور ہے اور مالک بن بحینہ کی روایت بھی ہے۔ (ج۲،ص۴۸۱)

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض: رہی طحاوی کی روایت تو بریلوی علماء پہ واضح ہونا چاہئے کہ اس کی سند میں دو راوی یحیٰ بن کثیر اور محمد بن عبد الرحمٰن ہیں (شرح معانی الآثار: ج۱،ص۲۵۶) جو کہ متکلم فیہ ہیں محمد بن عبد الرحمٰن کون ہے حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ اس نام کی یحیٰ بن کثیر کے دو استاد ہیں۔

(تہذیب التہذیب: ج۱۱،ص۲۶۸)

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ دونوں صحابی ہیں تو اس کا جواب آپ کو نفی میں ملے گا بلکہ یہ دونوں ہی صغار تابعین کی جماعت سے ہیں تو دریں صورت یہ روایت مرسل ٹھہری جو کہ ضعیف کی ایک قسم ہے رہا یحییٰ بن کثیر کا معاملہ تو زبردست مدلس ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یدلس ویرسل من الخامسۃ (تقریب التہذیب ص ۲۷۸) یعنی تدلیس کرتا ہے اور مرسل روایات بیان کرتا ہے طبقات میں فرماتے ہیں کہ:

"کثیر الارسال ویقال لم یصح له سماع من الصحابة ووصفه النسائی بالتدلیس طبقات المدلسین (ص۳۲)

کثرت سے ارسال کرتا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں ہے۔ امام نسائی نے اس کی تدلیس کی صراحت کی ہے۔ (انتھی) علامہ نیموی حنفی فرماتے ہیں کہ: یحییٰ بن کثیر یدلس (آثار السنن ص ۲۲۸) یعنی تدلیس کرتا ہے اور زیر بحث روایت سماع کی صراحت کے بغیر عن سے ہے۔ لہٰذا بخاری و مسلم کی صحیح حدیث کے بالمقابل یہ روایت پیش کر کے یہ توضیح کرنا قطعی طور پر باطل اور مردود ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص:۴۶۱)

غیر مقلد کا بیکار بہانہ:

الجواب اولاً: غیر مقلد کا مرسل کہہ کر حدیث کو رد کرنا بہانہ کارآمد نہیں کیونکہ جمہور علماء نے مرسل سے توقف کیا ہے رد نہیں کیا جبکہ احناف اور مالکیہ کے نزدیک مرسل مطلقاً مقبول ہے چنانچہ علامہ ابن حجر نخبۃ الفکر میں بیان کرتے ہیں:

حدیث مرسل میں فقہاء کے موقف:

"فَاِنْ عُرِفَ مِنْ عَادَةِ التَّابِعِيِّ اِنَّهٗ لَا يُرْسِلُ اِلَّا عَنْ ثِقَةٍ فَذَهَبَ جَمْهُوْرُ الْمُحَدِّثِيْنَ اِلَى التَّوَقُّفِ لِبَقَاءِ الْاِحْتِمَالِ وَهُوَ اَحَدُ قَوْلَىْ اَحْمَدَ وَثَانِيْهِمَا وَهُوَ قَوْلُ الْمَالِكِيْنَ وَالْكُوْفِيِيْنَ يُقْبَلُ مُطْلَقًا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يُقْبَلُ اِنِ اعْضَدَ بِمَجِيْئِهٖ مِنْ وَجْهِ آخَرٍ يُبَايِنُ

الطَّرِيْقَ الْاُوْلٰی مُسْنَدًا کَانَ اَوْ مُرْسَلاً "لِيُتَرُجَّحَ اِحْتِمَالُ كَوْنُ الْمَحْذُوْفُ ثِقَةٌ فِیْ نَفْسِ الْاَمْرِ" ۔ (۶۴)

پس اگر تابعی راوی کی عادت جانی گئی کہ ثقہ سے ہی مرسل روایت کرتا ہے تو جمہور محدثین توقف کی طرف گئے ہیں احتمال باقی ہونے کے سبب اور وہ امام احمد کے دو قولوں سے ایک ہے اور اس میں سے دوسرا قول مالکیہ اور اہل کوفہ کا ہے وہ یہ کہ مطلقاً قبول کی جائے گی اور امام شافعی کا قول ہے کہ قبول کی جائے گی اگر دوسرے طریق سے اس کا آنا تائید کرلے اور یہ طریق دوسرے سے مختلف ہو عام ازیں وہ طریق مسند ہو یا مرسل تاکہ ثقہ احتمال کو ترجیح دی جاسکے کہ محذوف نفس الامر میں ثقہ ہے۔ اس سے واضح ہے کہ جمہور محدثین بھی توقف کرتے ہیں۔ مگر مرسل کو ضعیف نہیں کہتے پھر وہابی صاحب کو کونسا الہام ہوگیا ہے کہ مرسل کو ضعیف کہہ رہے ہیں۔

مرسل روایت کا مقام فقہاء ومحدثین کے نزدیک:

"وهذا الفعل ارسال تقول التابعی قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وقد يجئ عند المحدثين المرسل والمنتقطع بمعنى والاصطلاح الاول اشهر وحكم المرسل التوقف عند جمهور العلماء لانه لايدرى ان الساقط ثقة اولا لان التابع قديروى عن التابعى وفى التابعين ثقات وغير ثقات وعند ابى حنيفة ولامالك المرسل مقبول مطلقاً وهم يَقُوْلُوْن انما ارسله لكمال الوثوق والاعتماد لان الكلام فى الثقة ولو لم يكن عنده صحيحاً لم يرسله ولم يقل قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وعند الشافعى ان اعضد بوجه آخر مرسل او مسند وان كَانَ ضعيفا قبل وعن احمد قولان وهذا كله اذا علم ان عادة ذلك التابعى ان لا يرسل الاعن التقات" ۔

مقدمہ مشکوۃ: یعنی مرسل ارسال فعل کا نام ہے جس طرح تابعی کا (بلا واسطہ صحابی) کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کبھی محدثینِ مرسل و منقطع کو ایک معنی میں لاتے ہیں مگر پہلی اصطلاح زیادہ مشہور ہے اور حکم مرسل کا جمہور علماء کے نزدیک توقف ہے کیونکل محذوف کا دریں صورت ثقہ وغیر ثقہ ہونا معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ تابعی کبھی تابعی سے روایت کرتا ہے اور تابعین میں ثقات اور غیر ثقات دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مرسل مطلقاً مقبول ہے وہ فرماتے ہیں کہ تابعی کا مرسل بیان کرنا کمال وثوق واعتماد کی بنا پر ہوتا ہے کیونکہ کلام ثقہ میں ہے اور وہ اگر اس کے نزدیک صحیح نہ ہوتا تو مرسل بیان نہ کرتا اور یہ نہ کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور شافعی کے نزدیک اگر دوسرا طریق اس کی تائید کرے تو قبول ہے عام ازیں وہ طریق مسند ہو یا مرسل اور امام احمد سے اس میں دو قول ہیں اور یہ اس وقت ہے کہ تابعی ثقات سے ہی مرسل روایت کرتا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب اختلاف اس وقت ہے جبکہ محذوف صحابی کی صراحت نہ ہو۔ اگر کسی اور جگہ سے صحابی کی صراحت ہو جائے تو روایت بالاتفاق مقبول ہے اور زیر بحث روایت میں صحابی راوی کی صراحت طحاوی کے علاوہ دوسری جگہ موجود ہے امام بیہقی نے یہی حدیث مختصر متن سے اس سند سے بیان کی ہے:

یحیٰی بن ابی کثیر عن محمد بن عبد الرحمٰن بن ثوبان عن عبد اللہ بن مالک بن بحینہ:

"اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ؟؟"

بیہقی ج ۲، حضرت عبد اللہ بن مالک بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر گزرے معلوم ہوا کہ محمد بن عبد الرحمٰن حضرت عبد اللہ بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔

ثانیاً: وہابی کی عبارت نقل کرنے میں خیانت:

غیر مقلد نے طبقات المدلسین کے حوالہ میں خیانۃً وہ لفظ چھوڑ دیئے جو حضرت

یحییٰ بن ابی کثیر کی مدح میں ہیں وہ یہ ہیں کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''حافظ مشہور'' (طبقات ص:۳۶) یعنی مشہور حافظ (حدیث) ہیں۔ اسی طرح تقریب التہذیب سے بھی اپنے مقصد کی عبارت کو نقل کر لیا خلاف مقصد کو خیانۃً چھوڑ دیا پوری عبارت ملاحظہ ہو۔

''یَحْیَی بْنُ اَبِیْ کَثِیْرِ الطَّائِیُّ مَوْلٰهُمْ اَبُوْ نَصِیْرِ الْیَمَامِیُّ ثِقَةٌ ثَبْتٌ لٰكِنَّهٗ یُدَلِّسُ وَیُرْسِلُ مِنَ الْخَامِسَةِ مَاتَ سَنَةَ اِثْنَتَیْنِ وَثَلٰثِیْنَ وَقِیْلَ قَبْلَ ذٰلِكَ'' (تقریب التہذیب ص ۳۷۸)

یحییٰ بن ابی کثیر طائی ان کے غلام ابونصر یمامی تھے ثقہ وثبت ہیں لیکن تدلیس اور ارسال کرتے پانچویں طبقہ سے ہیں اور ۳۲ھ کو وفات پائی اور کہا گیا ہے کہ اس سے قبل وصال ہوا۔

ثالثاً: غیر مقلد صاحب بخاری ومسلم کی حدیث کے بالمقابل کی بات تب کریں جب کہ بخاری ومسلم کی حدیث میں صراحت ہو کہ سنت فجر پڑھنے والا شخص جماعت سے دور پڑھ رہا تھا پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا ہو کہ کیا صبح چار رکعت ہے۔

رابعاً: بخاری ومسلم کی جس روایت کی غیر مقلد بات کرتے ہیں وہ ہمارے احناف کے خلاف نہیں کیونکہ اس میں واضح ہے کہ بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے والے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم صبح کی چار رکعت (فرض) پڑھتے ہو اور یہ تب ہی فرمایا کہ وہ شخص جماعت کی صف سے متصل سنتیں پڑھ رہا تھا اور بلا فصل اس نے فرض شروع کر دیئے تو اس صورت سے ہم بھی منع کرتے ہیں ہم کہتے ہیں سنت فجر جماعت سے دور پڑھ کر جماعت میں شامل ہو۔

وہابی صاحب کا چوتھا اعتراض: مفتی صاحب کا یہ لکھنا کہ صف سے متصل پڑھنا جائز نہیں جبکہ جماعت سے دور ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔ یہ اعتراض دراصل

طحاوی کے اعتراض کا غلط چربہ ہے کیونکہ امام طحاوی نے یہ اعتراض کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کو فرض و نفل میں فرق نہ کرنے پہ ڈانٹ ڈپٹ کی تھی ان کے اصل الفاظ یہ ہیں:

”قَدْ یَجُوْزُ اَنْ یَّکُوْنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا کَرِہَ ذٰلِكَ لِاَنَّہٗ صَلَّی الرَّکْعَتَیْنِ ثُمَّ وَصَلَھَا بِصَلٰوۃِ الصُّبْحِ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّکُوْنَ تَقَدَّمَ اَوْ تَکَلَّمَ“ ۔

ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے مکروہ جانا ہو کہ صحابی نے دو رکعت نماز پڑھی پھر ان کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی بغیر کلام کرنے اور جگہ تبدیل کرنے کے (انتھی)

اس کے بعد امام طحاوی نے مذکورہ حدیث جو کہ مفتی صاحب نے لکھی ہے کو درج کیا ہے اور بعد میں فرماتے ہیں کہ:

”فَبَیَّنَ ھٰذَا الْحَدِیْثُ اَنْ الَّذِیْ کَرِھَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ لِاِبْنِ بُحَیْنَۃَ ھُوَ وَصْلَہٗ اِیَّاھَا بِالْفَرِیْضَۃِ فِیْ مَکَانٍ وَّاحِدٍ لَّمْ یُفَصَّلْ بَیْنَھَا بِشَیْءٍ وَّلَیْسَ لِاَنَّہٗ کَرِہَ لَہٗ اَنْ یُّصَلِّیْھَا فِی الْمَسْجِدِ اِذَا کَانَ فَرَغَ مِنْھَا تَقَدَّمَ اِلَی الصُّفُوْفِ فَصَلَّی الْفَرِیْضَۃَ مَعَ النَّاسِ“ ۔

پس اس حدیث نے وضاحت کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن بحینہ کو نفل اور فرض میں ایک ہی مقام پر وصل کرنے سے منع کیا تھا کیونکہ اس نے ایک جگہ پہ فرض اور نفل ادا کئے اور ان میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جو تفریق کرنے والی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہ کیا تھا کہ تو مسجد میں نماز پڑھے پھر فارغ ہو کر صف کی طرف جائے اور لوگوں کے ساتھ فرض ادا کرے۔

اس کے بعد امام طحاوی مثال دے کر اپنے موقف کی صراحت کی ہے کہ حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے سائب بن یزید نے نماز جمعہ ادا کی تو سائب نماز فرض سے فارغ ہوئے تو نفل پڑھنے کی غرض سے کھڑے ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے سائب کا دامن پکڑ لیا اور کہا:

”لَا تَفْعَلْ حَتّٰى تَقَدِّمَ اَوْ تَكَلِّمَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ يَاْمُرُ بِذٰلِكَ“ ۔ (شرح معانی الآثار ج۱، ص۲۵۶)

ایسا نہ کر یہاں تک کہ یا تو جگہ بدل لے یا کلام کر لے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس چیز کا حکم دیا کرتے تھے۔ (انتھی)

امام طحاوی کی اس وضاحت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ صبح کی سنتیں جماعت کے بالکل متصل پڑھی جا سکتی ہیں بشرطیکہ فرائض ونوافل میں فصل ہو اور فصل بقول طحاوی کلام سے حاصل ہو جاتا ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص۴۶۱ تا ۴۶۲)

الجواب اولاً: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ عبارت میں اپنا موقف بیان نہیں کیا بلکہ اس صورت کو بیان کیا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت فجر کے متعلق ابن بحینہ کے لئے ناپسند کیا۔

ثانیاً: یہ بھی غلط ہے کہ امام طحاوی نے اپنے موقف کی وضاحت کے لئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو سائب بن یزید کے متعلق ہے بیان کیا بلکہ وہی عبارت شاہد ہے جسے خود غیر مقلد صاحب نے ذکر کیا کہ یہ واقعہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورت کی صراحت کے لئے ذکر کیا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن بحینہ کے لئے ناپسند کیا اور ان کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت جماعت سنت فجر مسجد میں پڑھنے سے منع نہیں کیا بلکہ جماعت کی صفوں سے متصل وقریب پڑھنے سے روکا ہے تو اس کے ہم احناف بھی قائل وفاعل نہیں۔

ثالثاً: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بوقت جماعت سنت فجر ادا کرنے پر اپنا

موقف واضح کر دیا ہے مگر وہابی صاحب کو نظر تب ہی آئے گا جب کہ آنکھوں سے تعصب کی پٹی اتاریگا ان کے الفاظ یہ ہیں:

بوقت جماعت سنت فجر ادا کرنے کے متعلق امام طحاوی کا موقف:

”قَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ وَنَحْنُ نَسْتَحِبُّ اَیْضًا الْفَصْلَ بَیْنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ بِمَا اَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْمَا رَوَیْنَا فِیْ هٰذَا الْبَابِ وَلَا نَرٰی بَاْسًا لِمَنْ لَّمْ یَکُنْ رَکَعَ ارْکَعَتَی الْفَجْرِ حَتّٰی جَاءَ الْمَسْجِدَ وَقَدْ دَخَلَ الْاِمَامُ فِیْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ اَنْ یَّرْکَعَهُمَا فِیْ مُؤَخَّرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ یَمْشِیْ اِلٰی مُقَدَّمِهٖ فَیُصَلِّیْ مَعَ النَّاسِ“۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۱، ص: ۲۵۷)

ابو جعفر طحاوی نے کہا کہ ہم فرائض ونوافل میں فصل مستحب جانتے ہیں بریں دلیل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں فرمایا جسے ہم نے روایت کیا اس باب میں اور ہم اس میں حرج نہیں جانتے کہ جس شخص نے دو رکعت سنت فجر ادا نہ کیں اور وہ مسجد میں آیا تو امام نماز فجر کی جماعت میں تھا وہ دو رکعت سنت مسجد کے آخر حصہ میں پڑھے پھر آگے بڑھ کر جماعت سے ملجائے۔

اس میں امام طحاوی کا مذہب واضح ہے کہ آپ کا موقف سب احناف کی طرح یہی ہے کہ سنت فجر بوقت جماعت صفوں سے دور پڑھی جائیں پھر جماعت سے ملا جائے مگر غیر مقلد جھوٹ سے نہیں شرماتا۔ غیر مقلد صاحب نے اپنے مذہب کی تائید اور اس پر تعامل امت ثابت کرنے کو آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام سے ایک مضمون قائم کیا اور اپنے مقصد کے حصول کی بھرپور کوشش کی جس کی حقیقت کھولنے کو قارئین کے سامنے (مع جواب) پیش کرتا ہوں۔ لکھتا ہے: (حضرت عمر فاروق رضی

اللہ عنہ) امام سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

"اِنَّ عُمَرَ رَاٰی رَجُلاً یُّصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ وَالْمُؤَذِّنُ یُقِیْمُ فَانْتَھَرَہٗ وَقَالَ لَاصَلٰوۃَ وَالْمُؤَذِّنُ یُقِیْمُ اِلَّا الصَّلٰوۃَ الَّتِیْ تُقَامُ لَھَا الصَّلٰوۃُ"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲، ص ۷۷)

خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص دو رکعت (صبح کی سنتیں) پڑھنے لگا ہے اور موذن نے اقامت کہہ دی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹا اور کہا کہ نماز نہیں ہوتی جب مؤذن اقامت کہہ دے مگر وہی نماز جس کے لئے جماعت کھڑی ہوئی۔ (انتھی)

معروف تابعی حضرت سوید بن غفلہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ:

"اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ کَانَ یَضْرِبُ النَّاسَ عَلَی الصَّلٰوۃِ بَعْدَ الْاِقَامَۃِ

(المحلی ج ۲، ص ۱۵۲ و بیہقی ج ۲، ص ۴۸۳ و مصنف عبدالرزاق ج ۲، ص ۴۳۶)

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد محترم کے بارے فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ اِبْنَ عُمَرَ رَاٰی رَجُلاً یُّصَلِّیْ وَالْمُؤَذِّنُ یُقِیْمُ فَقَالَ اِبْنُ عُمَرَ اَتُصَلِّی الصُّبْحَ اَرْبَعًا (المحلی بالآثار ج ۲، ص ۱۵۴)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی کو دیکھا جو نماز پڑھ رہا تھا اور مؤذن اقامت کہہ رہا تھا تو آپ نے اسے کہا کہ کیا تو صبح کی چار رکعتیں پڑھے گا۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) آپ کا بھی یہی فتوی ہے کہ جماعت کے ہوتے ہوتے اور کوئی نماز جائز نہیں ہے (ابن ابی شیبہ) جس کا اقرار مفتی صاحب کو بھی ہے (جاء الباطل ج ۴، ص ۱۳۵) (صحیح جاء الحق ج ۲، ص ۱۳۴ ہے) تعامل امت: تابعین کرام سے یہی مذہب

ومسلک حضرت عره بن زبیر، محمد بن سرین، ابراہیم، عطاء بن ابی رباح، طاؤس بن کیسان، مسلم بن عقیل، سعید بن جبیر، اور آئمہ عظام سے امام سفیان ثوری، امام عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق، امام ابوثور، امام ابن جریری، امام ابن حزم وغیرہ کا ہے کہ نماز کی اقامت کے بعد کسی قسم کے نوافل پڑھنے کی اجازت نہیں ہے تفصیل کے لئے دیکھئے (نیل الاوطار ج ۳، ص ۹۰) (نام نہاد دین الحق ص: ۴۷۹)

الجواب اولاً: غیر مقلد صاحب نے بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے کے عدم جواز پر تعامل امت ثابت کرنے کو صرف تین اثر پیش کئے ہیں جن کی سند دیکھنے کی اسے حاجت محسوس نہیں ہوئی کیونکہ ان کے اپنے مذہب کی دلیل ہے حاجت تو تب ہو جب کہ خلاف مذہب ہو اور چند تابعین وچند محدثین کا مذہب بھی یہی بتایا جس پر اپنے گھر کی کتاب نیل الاوطار کا حوالہ دیا اور کوئی کتاب دیکھنے کی ضرورت نہیں آئی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صحابہ کرام بوقت جماعت فجر کی سنتیں مسجد میں پڑھتے تھے اگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس سے منع کرتے اور مارتے تو صحابہ ایسا کیونکہ کرتے طحاوی شریف میں ہے:

> ”حدثنا ابو بکرة قَالَ حدثنا ابو داؤد قَالَ ثنا هشام بن ابی عبد اللّٰـه عن ابی جعفر عن ابی عثمان النهدی قَالَ كُنَّا نَاْتِیْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَبْلَ اَنْ نُّصَلِّی الرَّكْعَتَیْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَهُوَ فِی الصَّلٰوةِ فَنُصَلِّی الرَّكْعَتَیْنِ فِیْ آخِرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ نَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِیْ صَلٰوتِهِمْ“ ۔ (ج ۱، ص ۲۵۸)

خلافت فاروقی میں صحابی آخر مسجد میں سنت فجر پڑھ کر جماعت سے ملتے:

حضرت ابو عثمان النہدی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس سنت فجر پڑھنے سے قبل آتے اور وہ اس وقت جماعت

کر رہے ہوتے تو ہم آخر مسجد میں سنت فجر پڑھ کر پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔ یہی روایت اسی جگہ دوسری سند سے بھی آئی ہے جسے حضرت عاصم حضرت ابوعثمان نہدی سے روایت کرتے ہیں اور ان دونوں روایتوں میں جمع کے صیغے آئے ہیں جو کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے معمول پر دلالت کرتے ہیں۔ غیر مقلد صاحب نے اپنے موقف پر دوسرا حوالہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دیا ہے جبکہ خود ان سے بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا ثابت ہے۔ طحاوی شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے ثبوت پر مسلسل تین روایتیں منقول ہیں جن میں ایک کے راوی محمد بن کعب اور دوسری کے حضرت نافع جبکہ تیسری کے راوی حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہم ہیں یہاں طول سے اجتناب کی خاطر صرف آخر الذکر کے الفاظ لکھ رہا ہوں:

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل:

”حدثنا علی بن شیبة قَالَ ثنا الحسن بن موسیٰ قَالَ ثنا شیبان بن عبد الرحمن عن یحییٰ بن ابی کثیر عن زید بن اسلم عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما انہ جاء وَالْاِمَامُ یُصَلِّی الصُّبْحَ وَلَمْ یَکُنْ صَلَّی الرَّکْعَتَیْنِ قَبْلَ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ فَصَلَّاھُمَا فِیْ حُجْرَۃَ حَفْصَةَ ثُمَّ اِنَّہٗ صَلّٰی مَعَ الْاِمَامِ“ ۔ (ج۱، ص۲۵۸)

حضرت زید بن اسلم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ وہ آئے اور امام اس وقت صبح کی جماعت میں تھا تو آپ نے صبح کی سنتیں ابھی نہ پڑھیں تھیں تو آپ نے ان کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں پڑھا پھر امام کے ساتھ فرضوں میں شامل ہوئے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد لکھتے ہیں:

”فَفِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ صَلَّاھُمَا فِی الْمَسْجِدِ لِاَنَّ حُجْرَۃَ حَفْصَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقَدْ وَافَقَ ذٰلِكَ

مَا ذَکَرْنَاهُ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ"۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث میں ہے کہ آپ نے سنتیں مسجد میں پڑھیں اس لیے کہ حضرت حفصہ کا حجرہ مسجد سے ہے تو یہ موافق ہے اس کے جو ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا۔ واضح رہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت غیر مقلد نے پیش کی ہے وہ ان روایتوں کے مخالف نہیں کیونکہ اس میں یہ الفاظ اتصلی الصبح اربعاً۔ کیا تم صبح کے چار فرض پڑھتے ہو) دلالت کرتے ہیں کہ وہ شخص جماعت سے قریب سنتیں پڑھ رہا تھا۔

ثانیاً غیر مقلد صاحب کا کہنا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ جماعت کے ہوتے ہوئے اور کوئی نماز جائز نہیں۔ خالص جھوٹ ہے مصنف ابن ابی شیبہ میں آپ کا ایسا کوئی قول موجود نہیں اور غیر مقلد کا جاء الحق کے حوالہ سے لکھنا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس فتوی کا اقرار مفتی صاحب کو بھی ہے دراصل وقتی ضرورت کے لئے اس بات کا اعتراف ہے جس کا پہلے انکار تھا کیونکہ اس جگہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام طحاوی کے حوالہ سے لکھا تھا کہ: "اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ"۔ مرفوع صحیح نہیں صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ہے جیسا کہ اسی جگہ طحاوی شریف نے بہت تحقیق سے بیان کیا۔ مگر وہابی صاحب اس جگہ حدیث کو مرفوع ثابت کرنے اور حضرت ابوہریرہ پر موقوف نہ ماننے پر بضد تھا اب بوقت ضرورت اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہی مان لیا یہ ہے ان وہابیوں کا حال کہ ضرورت بدلنے سے خود بھی بدل جاتے ہیں۔

ثالثاً: غیر مقلد کا جھوٹ بے نقاب

جن تابعین و آئمہ کے نام غیر مقلد صاحب نے اپنے مذہبی کھاتے میں ڈالتے ہیں کہ یہ حضرات بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے کے عدم جواز کے قائل ہیں کل ۱۵

ہیں۔ اب اس میں دیکھیں کہ کتنی سچائی ہے ان میں غیر مقلد نے حضرت سعید بن جبیر کو بھی شامل کیا ہے حالانکہ ان کا مذہب بوقت جماعت سنت فجر خارج مسجد پر ہے۔

(مصنف ابن شیبہ ج ۲، ص ۱۵۳) پر ہے۔

"حدثنا عباد بن العوام عن حصین عن القاسم بن ابی ایوب عن سعید بن جبیر اَنَّہٗ جَاءَ اِلَی الْمَسْجِدِ وَالْاِمَامُ فِیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ فَصَلَّی الرَّکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّلِجَ الْمَسْجِدِ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ"۔

حضرت سعید بن جبیر سے ہے کہ وہ مسجد کو آئے کہ امام نماز فجر میں تھا تو انہوں نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے دو رکعت سنتیں مسجد کے دروازہ کے پاس پڑھیں۔ حضرت طاؤس کا نام بھی غیر مقلد نے اپنے کھاتے میں داخل کیا ہے حالانکہ اس کے اسی صفحہ پر ان کا فتوی یوں مذکور ہے:

بوقت جماعت سنت فجر کی ادائیگی میں آئمہ ومحدثین کا مذہب:

"حدثنا معتمر عن داؤد بن ابراھیم قَالَ قُلْتُ لِطَاؤسٍ اَرْکَعُ الرَّکْعَتَیْنِ وَالْمُقِیْمُ یُقِیْمُ قَالَ ھَلْ تَسْتَطِیْعُ ذٰلِکَ"

حضرت داؤد بن ابراہیم سے ہے کہ میں نے حضرت طاؤس سے پوچھ کہ کیا میں دو رکعت سنتیں پڑھ لیا کروں جب کہ اقامت کہنے والا اقامت کہہ دے تو فرمایا کہ تم اسے کر سکتے ہو تو کرلو۔

امام ابراہیم بھی بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے کے قائل ہیں ملاحظہ ہو۔

حدثنا عباد بن العوام عن سعید بن ابی معشر عن ابراھیم انہ کرہ اِذَا جَاءَ وَالْاِمَامُ فِیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ اَنْ یُّصَلِّیْھُمَا فِی الْمَسْجِدِ وَقَالَ یُصَلِّیْھُمَا عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ اَوْ فِیْ نَاحِیَتِہٖ ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲: ص ۱۳۴)

حضرت ابراہیم نخعی سے ہے کہ وہ بوقت جماعت سنت فجر صفوں سے متصل مسجد میں ناپسند جانتے فرماتے کہ انہیں مسجد کے دروازہ یا گوشہ میں پڑھے۔

نیز حضرت عطاء کا موقف بھی غیر مقلد کے مذہب کو مفید نہیں کیونکہ وہ فرماتے ہیں جب تک کوئی رکعت کے جانے کا اندیشہ نہ ہو تو سنتیں پڑھ لے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲: ص ۱۵۴ پر ہے۔

" حدثنا وکیع عن سفیان عن ابن فریح عن عطاء قَالَ اِنْ خَشِیَ فَوْتَ رَکْعَةٍ دَخَلَ مَعَھُمْ وَلَمْ یُصَلِّھِمَا"

حضرت عطاء نے فرمایا کہ اگر کوئی رکعت فوت ہونے کا خوف ہو تو جماعت سے مل جائے اور سنت نہ پڑھے۔ یعنی اگر رکعت جانے کا خوف نہ ہو تو اگرچہ جماعت شروع ہو چکی ہو سنتیں پڑھ لے۔

جب کہ غیر مقلد کا مذہب بوقت جماعت سنت فجر پڑھنے پر مطلق منع کا ہے۔ پھر حضرت عطاء کا نام اپنے مذہبی کھاتہ میں ڈالنا کیسے درست ہے۔

(رابعاً) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے ایک عدم جواز میں ہے جبکہ دوسرا قول بھی غیر مقلدوں کے خلاف ہے الغرض اس بیان سے وہابی صاحب کا جھوٹ کھل کر سامنے آ گیا اللہ ایسوں کے مکر سے محفوظ رکھے۔

مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر سنت فجر رہ جائیں فرض پڑھ لئے جائیں تو ان کی قضا نہیں ہوتی اس پر اعتراض میں وہابی صاحب لکھتا ہے: مسائل اسلام کا ثبوت ادلہ شرعیہ پر ہے محض کسی کے لکھ دینے سے نہ تو کوئی مسئلہ ثابت ہو سکتا ہے اور نہ ہی کسی ثابت شدہ چیز کی نفی کی جا سکتی ہے خود اللہ تعالیٰ نے کہا ہے:

"قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ" ۔ (النمل آیت نمبر: ٦٤)

’’ان سے کہہ دیجئے اگر تم اپنے دعوؤں میں سچے ہو تو کوئی دلیل لاؤ‘‘۔

لیکن افسوس کہ مفتی صاحب اپنے موقف عدم قضاء نوافل رواتب اور وہ بھی محض صبح کی دو رکعت میں کوئی وزنی دلیل تو کجا کوئی کمزور سے کمزور دلیل بھی قائم نہیں کر سکے اس لیے ہم خوف طوالت سے صرف ایک حدیث کی طرف توجہ دلاتے ہیں ہاں اگر احناف کی طرف سے اس پر کچھ لکھا تو ہم جواب الجواب میں انشاء الرحمٰن مدلل گفتگو کر دیں گے چنانچہ حضرت قیس بن فہد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَاٰنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الصُّبْحِ فَقَالَ مَا ھَاتَانِ الرَّکْعَتَانِ فَقُلْتُ اِنِّیْ لَمْ اَکُنْ صَلَّیْتُ رَکْعَتَی الْفَجْرِ فَسَکَتَ عَنْہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ‘‘۔ (مصابیح السنۃ ج۱ ص ۳۸۷ و مسند شافعی، ج۱ ص ۵۷ و مسند احمد ج ۵، ص ۴۴۷ و ابوداؤد ج ۱، ص ۱۸۰ و ترمذی مع تحفہ ج ۱، ص ۳۲۴ و ابن ماجہ ص ۸۲ و بیہقی ج ۲، ص ۴۸۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا اور میں صبح کی نماز کے بعد دو رکعت پڑھ رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ (دو رکعتیں) کیا ہیں تو میں نے کہا کہ حضور میں نے صبح کی دو رکعت سنتیں نہی پڑھی تھیں یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے (انتھی)

اگر کوئی حنفی کہے کہ امام ترمذی نے کہا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں ہے (التعلیق الحسن علی آثار السنن ص ۲۳۰) تو جواباً گذارش ہے اگر امام ترمذی کو یہ روایت متصل سند کے ساتھ نہیں ملی تو کیا ہوا کیونکہ عدم علم سے عدم شیء لازم نہیں آتی جبکہ یہی حدیث متصل سند کے ساتھ من طریق لیث بن سعد عن یحیٰی بن سعید عن ابیہ عن جدہ قیس بن فہد مروی ہے۔

(صحیح ابن خزیمہ ج ۲: ص ۱۶۴ صحیح ابن حبان ج ۵، ص ۸۲ و مستدرک حاکم ج ۲، ص ۲۷۵ و بیہقی ج ۲، ص ۴۸۳ و دار قطنی ج ۱، ص ۳۸۴) (نام نہاد دین الحق ص ۴۸۰)

مفتی صاحب کی اصولی بات

الجواب اولاً: مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اصولی بات کی ہے کہ صبح کے فرض کے بعد سنت فجر کی قضاء نہیں کیونکہ قضاء فرض وواجب کی ہوتی ہے نہ کہ سنتوں کی نیز آپ کے یہ کہنے کا کہ فجر کے فرض پڑھنے کے بعد سنتوں کی قضاء نہیں یہ مطلب نہیں کہ طلوع آفتاب کے بعد زوال ختم ہونے پر بھی جائز نہیں جائز ومستحب ہونا اور بات ہے قضاء کا لازم ہونا دوسری بات ہے قضاء کے لزوم کے لئے دلیل قطعی چاہیے البتہ اگر فجر کے فرض بھی رہ گئے ہوں تو پھر علمائے احناف فرماتے ہیں اگر نصف النہار سے قبل پڑھے تو فرضوں کے تابع سنت فجر بھی پڑھے اس کے بعد پڑھے تو صرف فرض۔

مرسل روایت وہابیوں کی دلیل نہیں ہوسکتی:

ثانیاً: جس روایت سے وہابی صاحب فرض فجر کے بعد اور طلوع سورج سے قبل سنت فجر کی قضاء کے ثبوت کا دعویٰ کر رہا ہے اس سے قضاء ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ روایت مرسل غیر متصل ہے اور مرسل کو وہابی صاحب دلیل نہیں مانتا تو اس کے مذہب کی دلیل کیسے بن سکتی ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ زیر بحث روایت کے متعلق فرماتے ہیں:

’’وَاِسْنَادُ هٰذَا الْحَدِيْثِ لَيْسَ بِمُتَّصَلٍ مُحَمَّدُ ابْنُ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيُّ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ قَيْسٍ ‘‘۔ (جامع ترمذی ج۱، باب ماجاء فی من فوته الرکعتان قبل الفجر یصلیهما بعد صلوٰة الصبح)

اور اس حدیث کی سند غیر متصل ہے کیونکہ محمد بن ابراہیم تیمی نے قیس سے نہیں سنا۔ اور کہتا ہے کہ میں اسے قیس سے سنا ہے۔

اور وہابی صاحب کا امام ترمذی کے اس حکم کو عدم علم پر محمول کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے پھر یہ صرف امام ترمذی کا ہی نہیں امام ابوداؤد بھی یہی قول

فرماتے ہیں ملاحظہ ہو:

”قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ رَوٰی عَبْدُ رَبِّہٖ وَیَحْیٰی اِبْنَا سَعِیْدٍ ھٰذَا الْحَدِیْثَ مُرْسَلاً اَنَّ جَدَّھُمْ زَیْدًا صَلّٰی مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ“۔

(ابوداؤد ج۱، باب من فاتتہ متی یقضیھا)

امام ابوداؤد نے فرمایا کہ اس روایت کو عبدربہ اور یحیٰی سعید کے دو بیٹوں نے مرسل روایت کیا کہ ان کے دادا زید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔

غیر مقلدوں کی دلیل مرسل ہونے کے علاوہ ضعیف بھی ہے

ثانیاً: مرسل ہونے کے ساتھ یہ روایت ضعیف بھی ہے۔ علامہ نیموی اپنی آثار السنن ص۱۸۱ پر فرماتے ہیں:

”قال النیموی واسنادضعیف“ علامہ نیموی نے کہا کہ اس کی سند ضعیف ہے نیز قیس جن کی طرف یہ روایت منسوب ہے ان کی ولدیت میں بھی اختلاف ہے بعض نے قیس بن فہد لکھا ہے اور بعض نے قیس بن عمرو جب کہ زیادہ صحیح قیس بن عمرو ہے حاشیہ آثار السنن صفحہ مذکورہ۔ مگر غیر مقلد نے اس سے بھی ترقی کی کہ قیس بن فہد بنا دیا جیسا کہ اس کی عبارت گزری۔ الغرض یہ روایت غیر مقلد کے دعوٰی کی دلیل نہیں۔

وہابی دعوٰی احادیث صحیحہ کے خلاف:

رابعاً: فجر کے فرض سے طلوع آفتاب سے قبل سنت فجر کی قضاء کے ثبوت کا دعوٰی وہابی کی حدیث سے بھی جہالت ہے کیونکہ احادیث کثیرہ مرفوعہ صحیحہ سے فرض فجر کے بعد طلوع آفتاب سے قبل اور فرض عصر پڑھنے کے بعد غروب آفتاب سے قبل سنن ونوافل کا منع ثابت ہے۔ حدیث نمبر ۱ صحیح بخاری ج۱، ص۸۲ پر ہے:

”حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا ھِشَّامٌ عَنْ قَتَادَۃَ عَنْ اَبِی

الْعَالِیَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ شَهِدَ عِنْدِیْ رِجَالٌ مَرْضِیُّوْنَ وَاَرْضَاهُمْ عِنْدِیْ عُمَرُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰی تَشْرُقَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ"۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ ایک بار میرے پاس کچھ پیارے حضرات جمع ہوئے ان میں زیادہ پیارے مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے تو ذکر ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض فجر ہونے کے بعد سورج روشن ہونے سے قبل نماز سے منع کیا اور فرض عصر کے بعد غروب سورج سے پہلے۔

یہی حدیث کچھ متن وسند کے اختلاف سے صحیح مسلم ج ا، ص ۲۷۵ پر بھی موجود ہے۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ مذکورہ بالا حدیث سے متصل ہی فرماتے ہیں:

"حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا یَحْیٰی عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ سَمِعْتُ اَبَا الْعَالِیَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ نَاسٌ بِهٰذَا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ مجھے یہ حدیث متعدد حضرات نے بیان کی۔ حدیث نمبر ۲:

"حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ یُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنَ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم قَالَ لَا یَتَحَرّٰی اَحَدُکُمْ فَیُصَلِّیْ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِهَا"۔

(صحیح بخاری ج ا باب لا یتحری الصلوٰۃ قبل غروب الشمس وصحیح مسلم ج ا، ص ۲۷۵)

"ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی طلوع آفتاب کے وقت نماز کا قصد نہ کرے اور نہ اس کے غروب کے وقت"۔

حدیث نمبر۳: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنْ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ عَطَاءُ بْنُ یَزِیْدَ الْجُنْدَعِیُّ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیَّ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم یَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ حَتّٰی تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلٰوةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغِیْبَ الشَّمْسُ۔ (صحیح بخاری ج وباب مذکورہ وصحیح مسلم ج وصفحہ مذکورہ)

’’حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نہیں ہے نماز فرض صبح کے بعد یہاں تک کہ سورج بلند ہو اور نہیں ہے نماز فرض عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے‘‘۔

حدیث نمبر۴: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ عَنْ خُبَیْبٍ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم عَنْ صَلَاتَیْنِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ‘‘۔ (صحیح بخاری ج وباب مذکورہ کچھ سند ومتن کے اختلاف سے صحیح مسلم ج وصفحہ مذکورہ)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو وقت میں نمازوں سے منع فرمایا فجر کے بعد طلوع سورج تک اور عصر کے بعد غروب سورج تک‘‘۔

اب یہ چاروں احادیث مبارکہ صحیح مرفوع ہیں جب کہ غیر مقلد صاحب اقراری ہے کہ: اجماع امت ہے کہ بخاری کی تمام روایات صحیح ہیں۔ (نام نہاد دین الحق ص ۵۲۵)۔ معلوم ہوا کہ غیر مقلد بے علمی سے احادیث صحیحہ مرفوعہ کے خلاف مذہب رکھتا ہے۔

حدیث نمبر۵: ’’عَنْ مُّجَاهِدٍ قَالَ قَدِمَ اَبُوْ ذَرٍّ مَكَّةَ فَاَخَذَ بَعَضَادَتَی الْبَابِ فَقَالَ مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَمَنْ لَّمْ يَعْرِفْنِیْ فَاَنَا جُنْدُبْ اَبُوْ ذَرٍّ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ اِلَّا بِمَكَّةَ اِلَّا بِمَكَّةَ اِلَّا بِمَكَّةَ‘‘۔

(دار قطنی ج۱، ص۳۲۸)

’’حضرت مجاہد سے ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے آئے تو دروازہ کی چوکھٹ تھام کر فرمانے لگے جو مجھے جانتا ہے تو تحقیق وہ مجھے جانتا ہے اور جو مجھے نہیں جانتا سن لے کہ میں جندب ابوذر ہوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ صبح کے بعد طلوع سورج تک نماز نہیں اور نہ عصر کے بعد غروب سورج تک مگر مکہ میں مگر مکہ میں مگر مکہ میں‘‘۔

حدیث نمبر۶: ’’حدثنا غندر عن شعبة عن سعد بن ابراهيم عن نضر بن عبد الرحمن عن جده معاذ القرشی: اَنَّهٗ طَافَ بِالْبَيْتِ مع مُعَاذِ بْنِ عُفْرَاءِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الصُّبْحِ فَلَمْ يُصَلِّ فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم لَا صَلٰوةَ بَعْدَ صَلَاتَيْنِ بَعْدَ الْغَدَاةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ‘‘۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲، ص۳۴۴۔ حضرت معاذ قرشی رضی اللہ عنہ سے ہے کہ انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا حضرت معاذ بن عفراء کے ساتھ عصر و صبح کی نمازوں کے بعد تو اس نے کچھ نوافل نہ پڑھے تو میں نے نہ پڑھنے کا سبب پوچھا تو فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

فرماتے سنا کہ دو نمازوں کے بعد نماز نہیں صبح کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک۔ نوٹ قضاء فرض وواجب ان دو وقتوں میں پڑھ سکتا ہے۔ واضح رہے کہ اس مسئلہ پر بہت احادیث مبارکہ وارد ہوئی ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر انہیں پر اکتفاء کیا ہے۔

اب بفضلہٖ تعالیٰ جاء الحق سے:

چودھواں باب اس مسئلہ پر کہ نمازیں جمع کرنا منع ہے شروع ہوتا ہے

مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس کے آغاز میں فرماتے ہیں: ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرے مقیم ہو یا مسافر، بیمار ہو یا تندرست مگر غیر مقلد وہابی بحالت سفر ظہر وعصر ایسے ہی مغرب وعشا جمع کر کے پڑھتے ہیں یعنی عصر کے وقت میں ظہر وعصر ملا کر اور عشاء کے وقت میں مغرب وعشاء ادا کرتے ہیں ان کا یہ عمل قرآن شریف کے بھی خلاف ہے اور احادیث صحیحہ کے بھی مخالف۔

ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

نمازیں جمع کرنا منع ہے:

(پہلی فصل نمازیں جمع کرنا منع ہے) ہر نماز اپنے وقت میں پڑھنا فرض ہے اور عمداً کسی نماز کو اپنے وقت کے بعد پڑھنا بلا عذر سخت گناہ اور منع ہے دلائل حسب ذیل ہیں:

قرآن سے دلیل:

رب تعالیٰ نماز کے اوقات کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

''اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا''

''مسلمانوں پر نماز فرض ہے اپنے وقت میں'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے نماز فرض ہے۔

ویسے ہی ہر نماز کا اپنے وقت میں پڑھنا بھی فرض ہے جیسے نماز کا تارک گنہگار ہے ایسے ہی بلا عذر نماز کو بے وقت پڑھنے والا بھی مجرم ہے اس آیت میں مقیم ومسافر کا کوئی فرق نہیں ہر مؤمن کو یہ حکم ہے کوئی ہو۔

غیر مقلد کا اس پر پہلا اعتراض

اولاً: مذکورہ آیت میں بقول مفتی صاحب اوقات پر نماز پڑھنے کا حکم ہے مگر اوقات کی تفصیل موجود نہیں ہے۔ اوقات کی تفصیل کے لئے ہمیں سنت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر بیان فرمائی ہے جس میں حضر کی کیفیت اور ہے اور سفر کی کیفیت اور ہے جیسے حضر کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے ہمیں احادیث سے مدد لینا ضروری ہے اسی طرح سفر کی کیفیت کے متعلق بھی احادیث موجود ہیں اور جس طرح بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر وحضر کے اوقات تعین فرمائے ہیں وہی ''کِتَابًا مَّوْقُوْتًا'' کی تفسیر ہے ہمارے اس جواب سے کسی بھی صاحب علم کو انکار نہیں ہوسکتا کیونکہ احناف کے نزدیک بھی نمازیں جمع کرنا جائز ہیں چنانچہ ھدایہ میں ہے: یُصَلِّیْ بِھِمْ (اَیْ فِی الْعَرَفَاتِ) الظُّھْرَ وَالْعَصْرَ فِیْ وَقْتِ الظُّھْرِ (ھدایہ) الزخیرہ اور المحیط میں ہے ان یصلی بھم العصر فی وقت الظھر (بحوالہ فتح القدیر ص ۳۷۰، ج ۲) مولوی احمد رضا خاں بریلی لکھتا ہے جمع تقدیم کہ وقت نماز مثلاً ظہر یا مغرب پڑھ کر اس کے ساتھ ہی متصلاً بلا فصل پچھلے وقت کی نماز مثلاً عصر یا عشاء پیشگی پڑھ لیں اور جمع تاخیر کہ پہلی نماز مثلاً ظہر یا مغرب کو باوصف قدرت واختیار قصداً اٹھا رکھیں کہ جب اس کا وقت نکل جائے گا۔ پچھلی نماز مثلاً عصر یا عشا کے وقت میں پڑھ کر اس کے بعد متصلاً خواہ منفصلاً اس

وقت کی نماز ادا کریں یہ دونوں صورتیں بحالت اختیار صرف حجاج کو صرف حج میں صرف عصر عرفات میں ظہر و مغرب و عشاء مزدلفہ میں جائز ہیں اول میں جمع تقدیم اور دوم جمع تاخیر ہے۔ (فتوٰی رضویہ ص ۲۳۴، ج ۲) (نام نہاد دین الحق ص ۵۸۵ تا ۵۸۶)

جمع بین الصلوٰتین کے عدم جواز پر غیر مقلد کے اعتراضوں کے جواب:

الجواب اولاً: غیر مقلد کے یہ کہنے سے کہ مذکورہ آیت میں بقول مفتی صاحب اوقات پر نماز پڑھنے کا حکم ہے ظاہر ہے کہ وہابی صاحب کو اس کا یقین نہیں کہ اس آیۃ مبارکہ میں اوقات پر نماز پڑھنے کا حکم ہے حالانکہ علمائے امت سلف و خلف محدثین و مفسرین و فقہاء نے اس سے اوقات پر نماز پڑھنے کا حکم ثابت کیا ہے چنانچہ:

جمع بین الصلوٰتین کے عدم جواز پر تفاسیر سے حوالے:

تفسیر ابن کثیر جسے غیر مقلد وہابی بھی اصح التفاسیر مانتے ہیں اس آیت کے تحت ہے:

”قَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ اَیْ مَفْرُوْضًا عَنْ مُّجَاهِدٍ وَسَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَعَلِیّ بْنِ حُسَیْنٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍّ وَّالْحَسَنِ وَمُقَاتِلٍ وَالسَدی وَعطیةَ الْعوفی قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مُعَمَّرٍ عَنْ قَتَادَةَ (اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا) قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اِنَّ لِلصَّلٰوةِ وَقْتًا كَوَقْتِ الْحَجِّ وَقَالَ زَیْدُ بْنُ اَسْلَمَ (اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا) قَالَ: مُنَجَّمًا كُلَّمَا مَضٰى نَجْمٌ جَاءَ نَجْمٌ یَعْنِیْ كُلَّمَا مَضٰى وَقْتٌ جَاءَ وَقْتٌ“۔

”یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نماز ادا کے لیے وقت فرض کیا گیا ہے اور نیز فرمایا کہ بے شک نماز کے لئے حج کی طرح وقت مقرر ہے اور ایسے ہی مجاہد اور سالم بن عبد اللہ اور علی بن حسین اور محمد بن علی اور حسن اور مقاتل اور سدی اور عطیہ عوفی سے بھی مروی ہے اور عبد

الرزاق نے معمر سے اس نے قتادہ سے اس نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ فرمایا کہ نماز کے لئے اسی طرح وقت مقرر ہے جس طرح حج کے لیے اور زید بن اسلم نے اس آیت کے تحت فرمایا کہ حصے مقرر کئے ہوئے ہیں جب ایک حصہ گزر جائے تو دوسرا آجاتا ہے یعنی جب ایک وقت گزر جائے تو دوسرا وقت آجاتا ہے۔

تفسیر التسہیل لعلوم التنزیل میں اس آیت کے تحت ہے (**ای محمدوداً بالاوقات**) یعنی وقتوں کی حد بندی کر دی گئی۔ تفسیر جلالین میں ہے: (**کتاباً مکتوباً ای مفروضاً (موقوتاً) ای مقدراً وقتها فلا تؤخر عنه**) یعنی کتاباً کا معنی لکھی گئی یعنی فرض کی گئی ہے موقوتا کا معنی ہے کہ اس وقت معین کیا گیا تو اس سے مؤخر نہ کی جائے گی۔ تفسیر صاوی علی الجلالین میں اسی جگہ ہے: "**ای مفروضا وقتاً بعد وقت**"، یعنی نماز کی ادائیگی فرض کی گئی ہے وقت کے بعد وقت میں"۔ یعنی ایک نماز ایک وقت میں دوسری دوسرے وقت میں تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن (**کِتَابًا مَّوْقُوْتًا**) کے تحت ہے۔

"**مَفْرُوْضًا مَحْدُوْدًا اَوْ مُنَجَّمًا کُلَّمَا مَضٰی وَقْتٌ جَاءَ وَقْتٌ**" ۔

یعنی نماز کو متعین وقت میں فرض کیا گیا ہے یا اوقات کے حصے کر دیئے گئے کہ جب ایک وقت گزرا دوسرا آگیا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں کتاب مواقیت کے آغاز میں اسی آیت سے تعین اوقات نماز پر استدلال کیا ہے۔ الغرض زیر بحث آیت میں وقت پر نماز پڑھنے کا حکم بالاتفاق واضح ہے مگر وہابی صاحب کا اس پر بھی یقین نہیں۔ ثانیاً یہ تو ہم یقین سے مانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی کیفیت تفصیلاً بیان فرمائی ہے مگر وہابی صاحبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت سفر دو نمازیں ایک وقت جمع کرنے کا فرمایا جو روایتیں بھی اس مسئلہ پر پیش کی جاتی ہیں اس سے مراد جمع صوری

ہے نہ کہ جمع تقدیم وتاخیر۔ غیر مقلد کا یہ کہنا کہ احناف کے نزدیک بھی نمازیں جمع کرنا جائز ہیں پھر اس حوالے مخصوص حج کے دن عرفات میں ظہر وعصر اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع کے متعلق دینا دھوکا دہی ہے کیونکہ عام جواز کا مغالطہ دے کر حوالے حج کے دن عرفات میں ظہر اور عصر اور مزدلفہ میں اس رات کو مغرب وعشاء کو جمع کرنے پر دیئے پھر جھوٹے کا کیونکہ حافظہ نہیں ہوتا لہٰذا امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے فتاویٰ رضویہ کا حوالہ بھی دے دیا جس نے اس جھوٹ کا پول کھول کر واضح کر دیا کہ احناف نماز میں جمع تقدیم وتاخیر کا جواز صرف حجاج کے لئے صرف حج میں صرف عصر عرفہ میں ظہر کے وقت اور مغرب مزدلفہ میں عشاء کے وقت مانتے ہیں اس کے سوا جمع کسی وقت کسی جگہ جائز نہیں جانتے سوال یہ ہے کہ ہم عرفہ کے دن عصر کو ظہر کے وقت اور مزدلفہ میں اس رات مغرب کو عشاء کے وقت باوص اختیار پڑھنے کے قائل وفائل کس لئے ہیں؟

حج کے دن عرفات ومزدلفہ میں نمازیں جمع کی جاتی ہیں:

جواب: اس لئے کہ اس کا ثبوت احادیث مبارکہ میں موجود ہے چنانچہ امام بخاری صحیح بخاری ج۱، باب الجمع الصلاتین بعرفۃ میں بیان فرماتے ہیں:

"قَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِیْ عُقَيْلٍ عَنْ اِبْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ سَالِمٌ اَنَّ الْحَجَّاجَ بْنَ يُوْسُفَ عَامَ نَزَلَ بِابْنِ الزُّبَيْرِ سَالَ عَبْدَ اللّٰهِ كَيْفَ نَصْنَعُ فِی الْمَوْقِفِ يَوْمَ عَرْفَةَ فَقَالَ سَالِمٌ اِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ السَّنَّةَ فَهَجِرْ بِالصَّلٰوةِ يَوْمَ عَرْفَةَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ صَدَقَ اِنَّهُمْ كَانُوْا يَجْمَعُوْنَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِی السُّنَّهِ فَقُلْتُ لِسَالِمٍ اَفَعَلَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَقَالَ سَالِمٌ هَلْ تَتَّبِعُوْنَ فِیْ ذٰلِكَ اِلَّا السُّنَّةَ"۔

حضرت سالم نے بیان کیا کہ جس سال حجاج بن یوسف نے حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ہم عرفات عرفہ کے دن کیسے کریں تو حضرت سالم نے کہا اگر تو سنت پر عمل چاہتا ہے تو عرفہ کے دن نماز کو جمع کرو اس پر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے بے شک صحابہ ظہر وعصر کو جمع کرتے تھے حجاج بن یوسف نے کہا کہ میں نے سالم سے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے؟ تو سالم نے فرمایا کہ تم اس میں سنت کے سوا عمل کرو گے یعنی تم اس میں سنت کے سوا عمل کرنے کو تیار نہیں تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سنت کے علاوہ عمل کیونکر متصور ہوسکتا ہے۔

اسی کے باب الجمع بین الصلوٰتین بالمزدلفہ میں امام بخاری بیان فرماتے ہیں:

"حدثنا عبد اللّٰه ابن یوسف قَالَ اخبرنا مالك عن موسیٰ بن عقبة عن کریب عن اسامة بن زید اَنَّهٗ سَمِعَهٗ یَقُوْلُ دَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم مِنْ عَرْفَةَ فَنَزَلَ الشِّعْبَ بَالَ فَتَوَضَّاَ وَلَمْ یُسَبِّغِ الْوُضُوْءَ فَقُلْتُ لَهٗ الصَّلٰوةُ قَالَ الصَّلٰوةُ اَمَامَكَ فَجَاءَ الْمُزْدَلَفَةَ فَتَوَضَّاَ فَاَسْبَغَ ثُمَّ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةِ فَصَلَّی الْمَغْرِبَ ثُمَّ اَنَاخَ کُلُّ اِنْسَانٍ بَعِیْرَهٗ فِیْ مَنْزَلِهٖ ثُمَّ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلّٰی وَلَمْ یُصَلِّ بَیْنَهُمَا" ۔

کریب سے ہے وہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے اسے کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے لوٹے اور ایک گھاٹی میں پیشاب فرمایا پھر وضو کیا اور پوری طرح نہ کیا یعنی پانی بہانے میں عدد مسنون کو پورا نہ کیا تو میں نے آپ سے نماز پڑھنے کے بارے عرض کی آپ نے فرمایا نماز تمہارے آگے ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ میں آئے اور پورا وضو فرمایا پھر نماز کی

> اقامت ہوئی تو نماز مغرب کو ادا کیا پھر سب نے اپنی منزل میں اونٹ بیٹھا دیئے پھر اقامت ہوئی تو نماز عشا کو ادا فرمایا اور ان دونوں (نمازوں) کے درمیان کوئی (نفل) نہ پڑھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عرفات میں حج کے دن مزدلفہ میں اس رات کو نمازیں جمع کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس لیے ہم احناف اس کے قائل وفاعل ہیں اس کے علاوہ ہم کسی وقت اور کسی جگہ جمع بین الصلوٰتین کو جائز نہیں جانتے۔ اب وہابی صاحب کا دوسرا اعتراض ملاحظہ ہو لکھتا ہے: جب مفتی صاحب کو اقرار ہے کہ مذکورہ آیت عام ہے اور عام کی تخصیص آئمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے جس کی ضروری بحث فاتحہ خلف الامام کے سلسلہ میں گزر چکی ہے اور اس کلیہ سے احناف نے اچھا خاصہ فائدہ اٹھایا ہے مثلاً چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم قرآن میں اپنے عموم پر ہے یعنی چوری چاہے کتنی ہی کیوں نہ کی ہو مگر احناف نے اس عام آیت کو دس درہم سے خاص کیا ہے اسی طرح تیمّم میں کہنیوں تک ہاتھ پھیرنے کی تخصیص تو حنفی ایسی روایات سے کرتے ہیں جو ضعیف ہونے کے علاوہ صحیح احادیث کے خلاف بھی ہے اسی طرح کے بیسیوں مسائل کی امثلہ پیش کی جا سکتی ہیں جن میں انہوں نے قرآن کے عموم کو صحیح تو کجا ضعیف بلکہ موضوع روایات سے خاص کیا ہے خود مؤلف جاء الباطل نے (صحیح جاء الحق ہے) آگے چل کر آیت جمعہ کے عموم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر سے خاص کیا ہے کہ جمعہ گاؤں میں نہیں ہوتا حالانکہ آیت میں فرضیت جمعہ مطلق ہے شہری اور دیہاتی کی قید قرآن میں قطعاً نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ احادیث صحیحہ سے اس آیت کے عموم سے مسافر کو مستثنیٰ نہ کیا جائے؟ آخر اصول تو ہر ایک مقام پر قائم رہتا ہے تو یہاں اصول شکنی کیوں کی جا رہی ہے؟ مفتی صاحب جس قدر قرآنی آیات پیش کی ہیں ان کا اصولی اور علمی جواب تو اس قدر ہی کافی ہے مگر ہم چور کو اس کے گھر تک پہنچانے کے لئے ان پر ترتیب وار بحث کرتے ہیں (نام نہاد دین

الحق: ص۵۷٦)۔

الجواب اولاً: یہ محض غلط بیانی اور افتراء وجھوٹ ہے کہ احناف عام کی تخصیص ضعیف وموضوع روایات سے کرتے ہیں کتب اس پر شاہد ہیں جن میں لکھا ہے کہ عام جب تک اپنے عموم پر ہے تو وہ قطعی اور واجب العمل ہے اس کی تخصیص ضعیف سے تو کجا دلیل ظنی سے بھی نہیں ہوسکتی اس کی تخصیص کے لیے دلیل قطعی چاہیے۔

اصول فقہ کی معتبر کتاب نورالانوار میں ایک اعتراض کے جواب میں ہے:

لِاَنَّ هٰـذَیْنِ الْعَامَیْنَ لَیْسَا بِمَخْصُوْصَیْنِ اَوَّلاً کَمَا زَعَمْتُمْ حَتّٰی یَخُصَّ ثَـانِیًا بِـالْقِیَاسِ وَخَبْرِ الْوَاحِدِ ''۔ (ص۷۰) اس لئے کہ بے شک یہ دونوں مخصوص ابھی پہلے مخصوص نہ ہوئے یہاں تک کہ انہیں دوسری بار قیاس وخبر واحد کے ساتھ مخصوص کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلی بار عام کی تخصیص قیاس وخبر واحد سے نہیں ہوسکتی مگر جب باراول عام کی تخصیص دلیل قطعی سے ہو جائے تو پھر یہ ظنی رہ جاتا ہے اب دلیل ظنی قیاس وخبر واحد سے بھی اس کی تخصیص جائز ہے مگر غیر مقلد صاحب کس قدر جھوٹ بول رہا ہے کہ احناف عام مطلق کی تخصیص ضعیف وموضوع روایات سے کرتے ہیں۔

وہابی کے الزام کا جواب:

ثانیاً: غیر مقلد کا یہ کہنا کہ تیمّم میں کہنیوں تک ہاتھ پھیرنے کی تخصیص تو حنفی ایسی روایات سے کرتے ہیں جو ضعیف ہونے کے علاوہ صحیح احادیث کے مخالف بھی ہے اب دیکھیں کہ جن احادیث میں تیمّم میں کہنیوں تک ہاتھ پھیرنے کا ثبوت ہے وہ سب ضعیف ہیں سنن دار قطنی ج۱، باب التیمم میں ہے:

''حـدثنا القاضیان الحسین بن اسماعیل وابو عمر محمد بن یـوسف قـالا ابـراهیـم بن هانی ناموسٰی بن اسماعیل ثنا ابان قَالَ سُئِلَ قَتَادَةُ عَنِ التَّیَمُّمِ فِی السَّفَرِ فَقَالَ کَانَ اِبْنُ عُمَرَ یَقُوْلُ

اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ وَکَانَ الْحَسَنُ وَاِبْرَاهِیْمُ النَّخْعِیّ یَقُوْلَانِ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ: قَالَ وَحَدَّثَنِیْ مُحَدِّثٌ عَنِ الشَّعْبِیّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اِبْزٰی عَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قَالَ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ، قَالَ اَبُوْ اِسْحَاقُ فَذَکَرْتُہٗ لِاَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ فَعَجَبَ مِنْہُ وَقَالَ مَا اَحْسَنَہٗ"۔

حضرت ابان نے بیان کیا کہ حضرت قتادہ سے سفر تیمّم کے بارے پوچھا گیا تو اس نے کہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہنیوں تک تیمّم میں ہاتھ پھیرنے کا حکم دیتے تھے اور حضرت حسن اور حضرت ابراہیم نخعی دونوں فرماتے تیمّم میں کہنیوں تک مسح کیا جائے (یعنی کہنیوں کو شامل کیا جائے) کہا اور مجھے محدث نے امام شعبیؒ سے حدیث بیان کی اس نے عبد الرحمٰن بن ابزی سے اس نے حضرت عمار بن یاسر سے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہنیوں تک مسح کیا جائے۔

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے اس روایت کا ذکر امام احمد بن حنبل سے کیا تو اس نے اسے پسند فرمایا اور کہا کیا ہی اچھا کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کہنیوں تک مسح کی حدیث صحیح مرفوع ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس پر عمل اور حسن بصری اور ابراہیم نخعی جیسے جلیل القدر تابعین کا اس پر عمل اس کی صحت کی دلیل ہے۔ اسی دار قطنی کے اسی باب میں ہے:

"عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قَالَ التَّیَمُّمُ ضَرْبَۃٌ لِّلْوَجْہِ وَضَرْبَۃٌ لِّلذِّرَاعَیْنِ اِلَی الْمَرْفَقَیْنِ، رِجَالُہٗ کُلُّھُمْ ثِقَاتٌ، وَالصَّوَابُ مَوْقُوْفٌ"۔

حضرت ابوزبیر سے ہے وہ حضرت جابر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیمّم ایک ضرب چہرے کے لئے

اور ایک ضرب کلائیوں کے لئے کہنیوں سمیت۔ امام دار قطنی نے کہا کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور درست اس کا موقوف ہونا ہے۔

فقیر کہتا ہے اگر یہ حدیث موقوف بھی ہو تو بھی حضرت جابر صحابی رضی اللہ عنہ کا عمل اس مسئلہ پر وارده احادیث کی صحت کی دلیل ہے نیز اسی حدیث کو بیان کے بعد علامہ نیموی لکھتے ہیں:

رواه الدارقطنی والحاکم وصححه ۔ اس کو دار قطنی اور حاکم نے (المستدرک میں) روایت کیا اور صحیح کہا واضح رہے کہ اس مسئلہ پر مرفوع وموقوف بہت سی احادیث وارد ہیں مگر ہم نے غیر مقلد کی اس غلط بیانی کہ اس باب میں احناف ضعیف روایات سے قرآن کی تخصیص کرتے ہیں کو بے نقاب کرنے کو مختصراً بیان کیا ہے نیز شارح صحیح مسلم علامہ نواوی اسی کے باب تیمم کے تحت لکھتے ہیں

"وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَآءُ فِیْ کَیْفِیَّةِ التَّیَمُّمِ فَمَذْهَبُنَا وَمَذْهَبُ الْاَکْثَرِیْنَ اِنَّهٗ لَابُدَّ مِنْ ضَرْبَتَیْنِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْیَدَیْنِ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ وَمِمَّنْ قَالَ بِهٰذَا مِنَ الْعُلَمَآءِ عَلِیٌّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَالْحَسَنُ الْبَصْرِیُّ وَالشَّعْبِیُّ وَسَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَالسُّفْیَانُ الثَّوْرِیُّ وَمَالِكٌ وَّاَبُوْحَنِیْفَةَ وَاَصْحَابُ الرَّاْیِ وَآخَرُوْنَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ"

علماء نے تیمّم کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے اور ہمارا (شوافع) کا اس میں مذہب اور اکثر علماء کا یہ ہے کہ دو ضربین لازم ہیں ایک چہرے کے لئے اور ایک کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے اور اہل علم سے جو اس کے قائل ہیں علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حسن بصری اور شعبی اور سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور سفیان ثوری اور مالک اور ابوحنیفہ ہیں اور اصحاب رائے اور دیگر علماء رضی اللہ عنہم اجمعین ایضاً۔

عقل کا تقاضا بھی ہے تیمّم نائب ہے اور وضو اصل اور وضو میں حکم ہاتھ کہنیوں سمیت دھونے کا ہے اس سے زائد کا نہیں تو تیمّم نائب میں بھی اس سے زائد کا حکم نہیں ہونا چاہیے ایضاً چہرے پر تیمّم میں اس جگہ ہاتھ پھیرا جاتا ہے جسے وضو میں دھونے کا حکم ہے تو ہاتھوں پر تیمّم میں ہاتھ پھیرنے میں اسی جگہ کا حکم ہونا چاہیے جسے وضو میں دھونے کا تو وہ کہنیوں سمیت کا ہے اس سے زائد کا نہیں۔ مگر وہابی صاحبان ہر جگہ خلاف عقل چلتے ہیں ثالثاً وہابی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ مفتی صاحب نے آیت جمعہ کے عموم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر سے خاص کیا ہے کہ جمعہ گاؤں میں نہیں ہوتا تو اس اعتراض کے جوابات مفتی صاحب نے جمعہ کے باب میں شافی وکافی دلائل دیئے ہیں ہم بھی بتوفیق اللہ تعالیٰ وہاں عرض کریں گے۔

نماز میں سستی کرنے والوں پر وعید:

مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی قرآن مجید سے دلیل نمبر ۲ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ”فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلٰوتِھِمْ سَاھُوْنَ“ خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں میں سستی کرتے ہیں اس آیت میں نماز سستی سے پڑھنے والوں پر عتاب ہے بلا عذر وقت گزار کر نماز پڑھنا بھی سستی میں داخل ہے بلکہ اول درجہ کی سستی ہے غیر مقلد کا اس پر پہلا اعتراض: اولاً ہمارا بھی اس پر صاد ہے کہ (غالباً یہ لفظ اتفاق ہوگا جسے صاد لکھ دیا گیا ہے)

بلا عذر شرعی نماز میں تاخیر کرنا باعث وبال ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا سفر عذر شرعی نہیں ہے؟ اگر آپ کہیں نہیں تو یہ جواب صرف غلط ہی نہیں بلکہ کوڑمغزی کی دلیل ہے کیونکہ سفر میں احکام کا بدل جانا فریقین کو مسلم ہے چنانچہ ھدایہ میں ہے السفر الَّذِیْ یَتَغَیَّرُ بِہِ الْاَحْکَامُ۔ اس کی شرح میں ہے ” فبین ذٰلك السفر الذی یتصلق به الاحکام فتح القدیر شرح ھدایه“ (ص۲ ج۲) درمختار کی شرح میں علامہ شامی لکھتے ہیں کہ ”والسفر لغة قطع المسافة من غیر تقدیر و المراد

سفر خاص وهو الذى تتغير به الاحكام شامى" (ص۱۲۰ج۲) **کنز الدائق** (صحیح کنز الدقائق ہے)

کی شرح میں علامہ ابن نجیم غایۃ البیان اور السراج الوھاج سے نقل کرتے ہیں) ان من الاحکام التی تغیرت بالسفر الشرعی (البحر الرائق ص۱۲۸ج۲) لہٰذا اس اصول کے تحت مسافر اس آیت کے عموم سے باہر ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۵۸۷)

الجواب اولاً: وہابی صاحب مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ الزام دیے چکے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر سے آیہ جمعہ کے عموم کو خاص کیا اور یہ کہ حنفی ضعیف روایات سے آیت کے عموم کی تخصیص کر دیتے ہیں مگر خود ان کا عمل دیکھو کہ پہلے تو یہ ڈھکوسلہ گھڑا کہ جس سفر سے احکام شرعیہ میں تبدیلی آئے عذر بھی ثابت ہو جاتا ہے حالانکہ اس کا قائل کوئی بھی نہیں ہوا کہ سفر شرعی کے دوران آدمی معذور ہو جاتا ہے پھر اسی ڈھکوسلہ کا نام وہابی جی نے اصول رکھا اور اس خود ساختہ اصول کے تحت مسافر کو اوقات نماز کے ثبوت کی آیت کے عموم سے باہر وخاص ہونے کا دعوی کیا اگر بقول اس کے شرعی سفر میں عذر ثابت ہو جاتا ہے تو پھر یہ عذر تو اپنے عموم پر ہونا چاہیے صرف جمع الصلاتین کے ساتھ مخصوص نہیں رہنا چاہیے مسافر دوران سفر میں معذور مطلق ہوا نماز کو بیٹھ کر پڑھے خواہ لیٹ کر اشارہ سے چلتے چلتے جس طرف رخ ہو نماز پڑھے اور تیمم سے پڑھے خواہ وضو سے اس کی نماز ہو جانی چاہیے کیونکہ بقول وہابی سفر کی وجہ سے اس کا عذر ثابت ہے حالانکہ علماء سلف وخلف میں سے اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہوا بلکہ مذکورہ تمام صورتوں کیلئے الگ عذر متحقق ہونا ضروری ہے اور اصل وہابی صاحب سفر کے دوران مسافر کو اللہ تعالیٰ نے جو سہولیات عطا کی ہیں ان کی حکمت ومقصد کو سمجھا ہی نہیں اس کا مقصد یہ نہیں کہ مسافر سفر کے دوران معذور ہو جاتا ہے وہ نماز چار رکعت نہیں پڑھ سکتا دو پڑھ سکتا روزہ دوران سفر سردی کے

چھوٹے دنوں میں آسان سفر میں بھی نہیں رکھ سکتا بلکہ سفر کی سہولیات اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے عطیہ ہے

سفر میں قصر نماز اللہ کا عطیہ ہے:

صحیح مسلم ج ا کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرھا میں ہے:

”عَنْ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ قَالَ قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَقَدْ اَمِنَ النَّاسُ فَقَالَ عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ مِنْهُ فَسَئَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ“ ۔

حضرت یعلیٰ بن اُمیہ سے ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) نہیں حرج تم پر کہ نماز کو قصر کرو اگر تم کو خوف ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں ڈالیں گے تو اب لوگوں کو (اس فتنہ سے) امن دیا گیا ہے (یعنی مدینہ آ کر اسلام کو قوت حاصل ہو چکی ہے کفار کا خوف نہیں رہا) تو (حضرت عمر نے) فرمایا جس بات سے تجھے تعجب ہوا اسی سے مجھے بھی تعجب ہوا تھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا (یعنی اب خوف کفار کا عذر نہیں تو قصر کس لئے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صدقہ ہے جو اللہ نے تمہیں عطا کیا تو تم اس کا صدقہ قبول کرو) غور طلب بات یہ ہے کہ اگر سفر عذر ہوتا تو حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کو اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تعجب کس لئے ہوتا ہے کہ قصر کس لئے اب کفار کے خوف کا عذر نہیں رہا کیا ان کو معلوم نہ ہو سکا کہ سفر ذات خود عذر ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیونکہ نہ فرمایا کہ اے عمر! تعجب کیوں کرتے ہو سفر ہی عذر ہے بلکہ فرمایا کہ نماز قصر کی سہولت تو اللہ کا تم پر صدقہ ہے تم بوڑھے ہو یا جوان کمزور یا قوی سفر آسان ہو یا دشوار اللہ کا صدقہ قبول کرو سفر میں نماز

قصر کرو مگر نام نہاد اہلحدیث اس قدر نازک ہیں کہ تین میل فاصلہ کے قصد سے گھر سے نکلیں تو یہ مسافر و معذور ہو جاتے ہیں نفسانی آسانی کے لئے نمازیں قصر و جمع کرنا شروع کر دیتے ہیں اب اس دور میں جب کہ سفری سہولتیں عام ہیں سواری کیلئے اے سی و نان اے سی بسیں کاریں وغیرہ دستیاب ہیں پھر بھی یہ ناز و نخرے والی نازک قوم سفر میں معذور ہے۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض:

آیئے ذرا مفتی صاحب کی تفسیر بالرائے کو ملاحظہ کرتے جائے مذکورہ آیت تو منافقین کے بارہ میں ہے کہ اسلام کو جھٹلاتے ہیں یتیم کے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتے اور نادار کو کھانا نہیں کھلاتے اور یہ کہ نمازوں میں غفلت کرتے ہیں یعنی لوگوں کو دکھانے کے لئے تو پڑتے ہیں مگر پوشدہ طور پر نازک ہوتے ہیں اور کبھی بامر مجبوری انہیں مسلمانوں کے ساتھ پڑھنے کا اتفاق ہو بھی جائے تو صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتے یعنی قیام و رکوع و سجود تشہد صحیح سنت کے موافق نہیں کرتے ہیں گویا کہ پوری بریلوی برق رفتاری سے ادا کرتے ہیں اس خلاف سنت نماز میں بھی وہ اس مثال پر عمل پیرا ہوتے ہیں کہ ہر زباں تسبیح و در دل گاؤ و خر۔ چنانچہ تفسیر جامع البیان میں لکھا ہے کہ:

”فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ اَیْ لَهُمْ وُضِعَ مَوْضَعُ الضَمِیْرِ لِلدَّلَالَةِ مَعَامَلَتِهِمْ مَعَ الْخَلْقِ وَالْخَالِقِ الَّذِیْ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ اَیِ التَّزَمُوْهُ بَالصَّلٰوةِ عَلَانِیَةً وَیَتْرُکُوْنَهَا بِالسِّرِّ“

(جامع البیان ص ۵۲۳ طبعہ دھلی ۱۳۴۴ھ)

فویل للمصلین ہلاکت ہے ان کے لئے یعنی وہ (منافق) اس مقام پر ضمیر ہے تا کہ اس بات پر دلالت کرے کہ ان کا اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے ساتھ کیسا معاملہ ہے الذی (صَحِیْحَ الَّذِیْنَ) هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ کا معنی ہے کہ وہ

لوگ ظاہری طور پر نماز ادا کرتے ہیں لیکن مخفی طور پر ترک کرتے ہیں (انتھی) اس طرح جملہ کتب تفسیر میں لکھا ہے مثلاً ابی السعود، سراج منیر، فتح البیان، بیضاوی، مدارک، معالم، کشاف، درمسود، (صحیح درمنثور رہے) ابن کثیر، ابن جریر وغیرہ یہاں تک کہ بریلوی تفاسیر میں بھی یہی لکھا ہے چنانچہ فاضل بریلی کے ترجمہ قرآن کے حاشہ پر مراد آبادی لکھتا ہے کہ مراد اس سے منافقین ہیں جو تنہائی میں نماز نہیں پڑھتے کیونکہ وہ اس کے معتقد نہیں اور لوگوں کے سامنے نمازی بنتے ہیں اور اپنے آپکو نمازی ظاہر کرتے ہیں اور دکھانے کیلئے اٹھ بیٹھ لیتے ہیں اور حقیقت نماز سے غافل ہیں (انتھی) (ص ۸۸۷، حاشیہ نمبر: ۵) مگر حیرانگی تو مفتی صاحب کی فقاہت سے ہے کہ مذکورہ آیت سے عدم جمع بین الصلاتین فی السفر پر استدلال کر رہے ہیں جبکہ مقدمہ جاء الباطل (صحیح جاء الحق ہے) میں اعتراف فرماتے ہیں کہ:

''تفسیر قرآن اگر روایت سے ہے تو معتبر الخ) اور اس سے تقریباً تین سطریں اوپر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے ہیں کہ مشکوۃ کتاب العلم فصل دوم میں ہے:

''مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَاْیِهٖ فَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ''۔

''جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ جگہ جہنم میں بنالے''۔

مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے:

''مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَاْیِهٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَاَ''۔

''جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا پس صحیح کہہ گیا تو بھی اس نے غلطی کی''۔

اس کی صراحت تو بریلوی علماء ہی کر سکتے ہیں کہ مذکورہ آیت سے عدم جمع بین صلاتین فی السفر پر کیا قرآن یا صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی وتابعی نے استدلال کیا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کیا تو کیا پھر مفتی صاحب کا مذکورہ استدلال تفسیر بالرائے ہے کہ نہیں؟ اگر یقیناً مذکورہ تفسیر اپنی طرف ایجاد کردہ ہے تو کیا مفتی صاحب

مذکورہ احادیث کی زد میں آتے ہیں یا نہیں؟ (نام نہاد دین الحق ص ۵۸۷ تا ۵۸۸)

شان نزول خاص سے حکم خاص نہیں ہوتا:

الجواب اولاً: اس بات سے ہمیں انکار نہیں کہ زیر بحث آیت کا نزول منافقین سے متعلق ہے مگر سوال یہ ہے کہ شان نزول خاص سے حکم خاص رہتا ہے؟ اگر ایسا ہو تو کثیر آیات قرآنی جن کا شان نزول مخصوص لوگوں سے متعلق ہوا ان کے احکام کا تعلق انہیں لوگوں سے رہے بعد والوں سے نہ ہو تو اس کا کوئی بھی صاحب علم وعقل قائل نہیں بلکہ مسلمہ اصول ہے کہ شانِ نزول خاص ہونے سے حکم خاص نہیں ہوتا بلکہ حکم ہر زمانہ کے لوگوں کو شامل ہوتا ہے کفار ومنافقین اور اہل کتب وغیرھم کے جن مذموم اوصاف کا قرآن مجید نے ذکر فرمایا اور جن وجوہ کی بنا پر ان پر عتاب فرمایا وہ اوصاف ووجوہ جس طبقہ اور جس دور کے لوگوں میں پائے جائیں یا ان میں سے کوئی ایک پایا جائے اس پر عتاب آئے گا الحافظ عماد الدین ابن کثیر صحیحین سے نقل کرتے ہیں:

> ”عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَّمَنْ كَانَتْ فِيْهِ وَاحِدَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا مَنْ اِذَا حَدَّثَ كَذِبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اُئْتُمِنَ خَانَ“ ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۸۷)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ فرمایا جس میں تین خصلتیں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان سے ایک ہو اس میں نفاق کی خصلت ہے جب تک کہ اسے چھوڑ نہ وہ تین خصلتیں یہ ہیں کہ جب بات کرے جھوٹ کہے اور جب وعدہ کرے اس کا خلاف کرے اور جب امانت دیا جائے تو خیانت کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ منافقوں کے کام سے نفاق آ جاتا ہے۔ اور اس پر

ماخذہ وعتاب بھی آتا ہے۔

ثانیاً: ھم عن صلوتھم ساھون کا مفہوم عام ہے یعنی نماز سے متعلق کس طرح سے سُستی ساھون کے مفہوم میں شامل ہے خود غیر مقلد نے پچھلی مذکورہ عبارت میں اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یعنی قیام ورکوع وسجود وتشہد صحیح سنت کے موافق نہیں کرتے۔ (نام نہاد دین الحق ص ۵۸۷)

اب ان الفاظ پر جنہیں غیر مقلد صاحب نے ساھون کی تفسیر میں داخل کیا ہے اس پر کوئی حوالہ نہیں دیا کہ یہ تفسیر کس حدیث میں یا کسی صحابی یا تابعی یا مفسر ومحدث نے کی جس نے ان کو اسکی آیت تفسیر میں بیان کیا ہے کیا یہ تفسیر بالرائے نہیں جو حکم مفتی صاحب پر لاگو کر چکا ہے وہی اس پر نہیں آتا یا اہل کتاب یہود کی طرح طائفہ وہابیہ کا بھی خیال ہے کہ یہ جو کریں جو کہیں جہنم میں نہیں جائیں گے اگر وہابی صاحب ساھون کے مفہوم میں ان الفاظ کو داخل کرسکتا ہے کیونکہ یہ نماز سے سُستی میں شامل ہیں تو نمازوں کو وقت سے مقدم ومؤخر کرنا سُستی میں شامل نہیں؟ اگر شامل ہیں تو پھر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اس کہنے کی وجہ سے وہابی صاحب کی برہمی کیوں۔

ثالثاً: مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت میں نماز سُستی سے پڑھنے والوں پر عتاب ہے بلاعذر وقت گزار کر پڑھنا بھی سستی میں داخل ہے۔

اس پر وہابی صاحب نے الزام دیا کہ یہ تفسیر مفتی صاحب نے اپنے پاس سے اپنی رائے سے کی ہے اب دیکھیں کہ واقع ہی مفتی صاحب نے یہ تفسیر بالرائے کی ہے یا یہ تفسیر سابقہ تفاسیر میں موجود ہے تو صحیح ترین مختصر وجامع تفسیر جو مدارس میں سبقاً پڑھائی جاتی ہے جلالین میں اسی آیت کے تحت ہے:

''غَافِلُوْنَ یُؤَخِّرُوْنَھَا عَنْ اَوْقَاتِھَا''

یعنی اس سے مراد وہ غافل ہیں جو نماز کو اس کا وقت گزار کر پڑھتے ہیں:

”تفسیر التسهیل لعلمو التنزیل میں اسی آیت کے تحت ہے
وَالسَّهْوُ عَنِ الصَّلٰوۃِ هُوَ تَرْکُهَا اَوْ تَاْخِیْرُهَا تَهَاوُنًا بِهَا“ ۔

اور نماز سے بھولنے کی مراد اسے ترک کرنا ہے یا سُستی کرتے ہوئے اس کا وقت گزار کر پڑھنا ہے۔ وہابی صاحب حدیث شریف میں بھی مفتی صاحب کی ذکر کردہ تفسیر دیکھ لئے اور مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فہم فراست وعلم تفسیر میں پختگی تسلیم کرلیں اور ساتھ اپنی بے عقلی وجہالت بھی مان لیں اس آیت کے تحت حافظ عماد الدین ابن کثیر نے نقل کیا ہے:

”عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عَنِ الَّذِیْ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ) قَالَ هُمُ الَّذِیْنَ یُؤَخِّرُوْنَ الصَّلٰوۃَ عَنْ وَّقْتِهَا“ ۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا اپنی نماز سے سستی کرتے ہیں فرمایا وہ ہیں جو اپنی نماز وقت گزار کر پڑھتے ہیں۔

رابعاً: غیر مقلد کا یہ کہنا کہ گویا پوری بریلوی برق رفتاری سے ادا کرتے ہیں) فقیر بے شرم وہابی سے پوچھا ہے کہ منافقین کی نماز کر بریلویوں کی نماز سے تشبیہ دینا اور اسے تفسیر کا ماحاصل قرار دینا قرآن کا مذاق نہیں؟ نیز یہ کہنے سے قبل وہابی جی اپنی قوم شتر بے مہار غیر مقلدہ وہابیہ کا حال بھی پیش نظر رکھ لیتا جو نماز میں سر ڈھانپنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے تراویح بیس پڑھنے کو گوارا نہیں کرتے آٹھ رکعت پڑھ کر جان چھڑاتے ہیں وتر ایک رکعت پڑھتے ہیں بعض وہابیہ تو یہاں تک سُستی کے مریض ہیں کہ پنجگانہ نمازوں میں سنت مؤکدہ بھی پڑھنا گوارا نہیں کرتے بالخصوص فجر میں جماعت کھڑی ہونے کا بہانہ ہاتھ آجائے تو فجر کی مؤکدہ تریں سنتیں جاتی

کرتے ہیں مگر افسوس کہ وہابی جی کو اپنی قوم کا حال نظر نہیں آیا۔ اب جاء الحق سے دلیل نمبر ۳ ملاحظہ ہو:

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

”وَاَقِيْمُو الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَالرَّكَعُوْا مَعَ الرّٰاكِعِيْنَ“۔

’نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو“۔

قرآن کریم نے کہیں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا ہر جگہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے، نماز قائم کرنا یہ ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھے، صحیح پڑھے، صحیح وقت پر پڑھے۔ نماز کا وقت گزار کر پڑھنا نماز قائم کرنے کے خلاف ہے۔

اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض: مذکورہ آیت سے جمع بین الصلاتین فی السفر کی صراحت آی قرآن میں ہے یا صاحبِ قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے یا کسی صحابی وتابعی سے یہ منقول ہے؟ اگر یقیناً نہیں تو پھر یہ تفسیر بالرائے ہے۔

مفتی صاحب نے تفسیر بالرائے نہیں کی:

الجواب: کیا مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا (نماز قائم کرنا یہ کہ ہمیشہ نماز پڑھے، صحیح پڑھے، صحیح وقت پر پڑھے) نماز کا وقت گزار کر پڑھنا نماز قائم کرنے کے خلاف ہے، تفسیر بالرائے ہے یا سابقہ تفاسیر کے موافق۔ تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن میں اس آیت کے تحت ہے:

(فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ) (سورۃ نساء آیت نمبر ۱۰۳)

عَدِّلُوْا اَرْكَانَهَا وَاحْفِظُوْا شَرَائِطَهَا“۔

اس کے ارکان پورے کرو اور اس کے شرائط کی محافظت کرو کیا صحیح پڑھنا ارکان پورے کرنا نہیں اور نماز کا وقت اس کے شرائط میں شامل نہیں۔ تفسیر جلالین میں اسی جگہ ہے:

(فَاَقِيْمُو الصَّلٰوةَ) (ادوھا بحقوقھا) نماز کو اس کے حقوق سمیت ادا کرو۔

وہابی بتائے ہمیشہ نماز پڑھنا، صحیح پڑھنا صحیح وقت پر پڑھنا۔ نماز کے حقوق میں شامل نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو مفتی صاحب نے کون سی تفسیر بالرائے کی ہے؟ (فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ) اَیْ الَّتِیْ دَخَلَ وَقْتُھَا حِیْنَئِذٍ وَّمَعْنٰی اِقَامَتِھَا اَدَآؤُھَا بِالشَّرَائِطِ وَالْاَرْکَانِ) یعنی وہ نماز ادا کرو جس کا وقت آیا نماز کو قائم کرنے کا معنی ہے کہ اس کے شرائط وارکان کے ساتھ اسے ادا کیا جائے۔

تفسیر ابن کثیر میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے (فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ) (اَیْ فَاَتِمُّوْھَا وَاَقِیْمُوْھَا کَمَا اُمِرْتُمْ بِحُدُوْدِھَا وَخُشُوْعِھَا وَرُکُوْعِھَا، وَسُجُوْدِھَا وَجَمِیْعِ شُرُوْطِھَا) یعنی نماز کو پورا کرو اور اسے قائم کرو جیسا کہ تمہیں حکم ہوا اس کی تمام حدود اور خشوع اور کامل رکوع وسجود اور سب شرائط کے ساتھ تفسیر ابن عباس شریف میں سورۃ مزمل کی اس آیت کے تحت ہے:

> ”(وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ) اَتِمُّو الصَّلٰوتِ الْخَمْسِ بِوُضُوْئِھَا وَرُکُوْعِھَا وَسُجُوْدِھَا وَمَا یَجِبُ فِیْھَا مِنْ مَّوَاقِیْتِھَا“۔
>
> ”پانچ نمازیں پوری کرو اس کے کامل وضو اور رکوع وسجود کے ساتھ اور جو کچھ اس میں واجب ہے بالخصوص اس کے وقتوں سے“۔

مذکورہ تفاسیر سے جو حوالہ جات مفتی احمد یار نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے زیر بحث آیت کی تفسیر کے عین موافق ہیں اب وہابیوں کو چاہیے کہ اپنے بے عقل وجاہل مصنف صاحب کی بے عقلی وجہالت پر ماتم کریں۔

اس کا دوسرا اعتراض: مذکورہ آیت سے ماقبل اور مابعد کی آیات کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا کی تھی اور میرے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرو اور مجھ سے ہی ڈرو اور قرآن پر ایمان لاؤ کیونکہ یہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور انکار کرنے میں اولیت اختیار نہ کرو اور میری آیات کو حقیر (دنیاوی) قیمت کے عوض نہ بیچو اور حق وباطل کو مخلوط نہ کرو نماز قائم کرو

اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو کیا تم لوگوں کو نیکی کی ہدایت اور اپنے تئیں بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو الخ۔ (سورۃ بقرہ: ۴۱ تا ۴۵) قارئین کرام آپ خود قرآن نکال کر کسی بریلوی نام نہاد مفسر قرآن کا ہی ترجمہ پڑھ لیں کہ مذکورہ آیت میں نفس مسئلہ کا ذکر تو کجا کوئی اشارہ تک نہیں ہے بلکہ ان آیات میں اہل کتاب کو خطاب ہے۔

خود مفتی صاحب کو اعتراف ہے کہ بنی اسرائیل کو ایمان کا حکم دیا جا چکا تو اس کے بعد تقویٰ اور طہارت کا حکم دیا کہ نماز کو اچھی طرح قائم کرو تا کہ تمہارے دل نرم ہوں اور دلوں کی سیاہی دور ہو اور پھر اللہ سے ڈر کر اپنے مال میں کچھ حصہ فقرأ و غرباء کو دیا کرو۔ (تفسیر نعیمی ج۱، ص۳۲۳) اس سے بڑھ کر ہم فریق ثانی کی اور کیا تسلی کروا سکتے ہیں۔

الجواب اولاً: اگر اس آیت میں اہل کتاب کو خطاب ہے مسلمانوں کو حکم نہیں تو اگر کوئی وہابی صاحب سے سوال کرے کہ حضرت جی جماعت سے پڑھنے کا حکم کس آیت میں ہے وہابی صاحب یہی آیت پڑھیں گے پھر وہ کہے کہ آپ فرما چکے ہیں کہ اس میں اہل کتاب کو خطاب ہے تو پھر وہابی جی کے پاس کیا جواب ہوگا یہ ہے وہابی جی کی عقل مندی نیز آئمہ مجتہدین و فقہا و محدثین و مفسرین نے نماز و زکوٰۃ کے فرضیت بیان کرنے میں اس آیت کو سرے فہرست لکھا ہے اور رکوع و جماعت کا حکم بیان کرنے میں اسی آیت کو ذکر کیا اور استدلال کیا ہے چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں اسی مقام پر ہے: ''**وقد استدلال کثیر من العلماء بھذہ الآیۃ علی وجوب الجماعۃ**'' یعنی کثیر علماء نے اسی آیت سے وجوب جماعت پر استدلال کیا ہے اب وہابی صاحب بتائیں ان سب حضرات کو معلوم نہ ہوا کہ اس آیت میں اہل کتاب کو خطاب ہے اس کا حکم ہمیں نہیں۔ ثانیاً: اس آیت کے تحت تفاسیر اُٹھا کر دیکھیں ان میں لکھا ہے کہ اہل کتاب کی نماز میں رکوع نہیں تھا اس آیت میں انہیں حکم ہوا کہ اب

قرآن کے موافق عمل کرتے ہوئے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مسلمانوں کے ساتھ جماعت میں رکوع کے ساتھ نماز قائم کرو اب بتائیں جن کے ساتھ نماز قائم کرنے کا حکم ہوا وہ اس کے حکم میں شامل نہیں۔

ثالثاً: قرآن شریف میں متعدد آیات آئی ہیں جن میں خطاب اہل کتاب کو ہے مگر حکم مسلمانوں کے لئے بھی ہے مثلاً سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۸۳ میں ہے:

”وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ سقف وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط“۔

”اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں ارو مسکینوں سے اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو“۔

اس آیت کے احکام کا مسلمانوں پر بھی اطلاق ہے اور کوئی بھی عقل مند نہ کہے گا کہ اس سے استدلال نہ کیا جائے۔

غیر مقلد کا تیسرا اعتراض: مفتی صاحب کا یہ دعویٰ کہ قرآن نے نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا الخ ان کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے یقین جانئے کہ راقم الحرف تا دم تحریر یہی سمجھتا تھا کہ مذکورہ دعویٰ صرف بھنگی اور چرسی لوگوں کا ہی ہے جو نشہ میں اوٹ پٹانگ باتیں کرتے رہتے ہیں مگر آج معلوم ہوا ہے کہ اس غلط فہمی میں بلکہ جہالت میں بریلویت کے حکیم الامت مفتی اعظم اور نام نہاد مفسر قرآن بھی شامل ہیں جو غالباً لمبی داستار باندھ کر ہی بدایون سے اپنی جہالت چھپا کر گجرات میں آکر عالم فاضل بن گئے تھے۔ بہر حال علماء بریلی پہ واضح ہو کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ ”اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ الآية “یعنی دی ہم نے آپ کو کوثر سو نماز پڑھ اپنے رب کے لئے۔ نام نہاد دین الحق ص ۵۸۹) الجواب اولاً: بفضلہٖ تعالیٰ اہل سنت

وجماعت کے مدارس میں تعلیمی معیار ہمیشہ بلند واعلیٰ رہا ہے نصاب بہت پختہ ہے تمام علوم وفنون اسلامیہ کو پڑھایا جاتا ہے بالخصوص جس دور کے حکیم الأمت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فارغ التحصیل ہیں اس دور میں اساتذہ بہت قابل ومحنتی ہوتے تھے اور تلامذہ بھی مخلص ومحنتی لہٰذا فارغ التحصیل علماء کو علوم وفنون مروّجہ پر پورا عبور حاصل ہوتا تھا جبکہ طائفہ وہابیہ نجدیہ غیر مقلدہ کا یہ حال ہے کہ اسلامیہ اصول وفنون کو پڑھنا پڑھانا بدعت سیئہ جانتے ہیں اور غیر معیاری طریقہ سے قرآن وحدیث کا ترجمہ پڑھ لیتے ہیں اسی لئے مدارس میں پڑھنے کے بعد بھی پختہ علم سے کورے رہتے ہیں فراغت کے بعد بھی نام نہاد علامہ فہامہ ہوتے ہیں اور اسناد وجبہ کو اپنی جہالت پر پردہ کا ذریعہ بنائے ہوئے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ نام نہاد دین الحق کا مصنف قالَ ماضی مطلق کو امر کا صیغہ کہتا ہے۔ ثانیاً: اگر غیر مقلد کو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس کہنے پر کہ قرآن میں یہ آیا ہے کہ نماز قائم کرو یہ نہیں آیا کہ نماز پڑھو اعتراض تھا تو قرآن سے کوئی وہ آیت دکھاتے جس میں ہو کہ نماز پڑھو مگر ایسی کوئی آیت پیش نہ کرسکے بلکہ سورۃ کوثر سے یہ آیت پیش کردی (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) جس کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے وہ بھی اکثر اقوال کے مطابق عید الاضحیٰ کے متعلق ہے تفسیر حسینیؒ میں اسی آیت کے تحت ہے: مراد "نماز عید ست وقربانی کردن بعد ازاں" تفسیر روح البیان میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے:

> "وَقَدْ فُسِّرَتِ الصَّلٰوةُ بِصَلٰوةِ الْعِيدِ (وَالنَّحرُ) بِالتَّضْحِيَّةِ وَهٰذَا يُنَاسِبُ"۔
>
> "اور تحقیق نماز سے مراد نماز عید لیا گیا ہے اور نحر سے مراد قربانی اور یہی مناسب ہے"۔

لیکن افسوس ہے کہ وہابی صاحب خواہ مخواہ اعتراض لاکر لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ جاء الحق سے دلیل نمبر ۴: رب تعالیٰ متقیوں کی تعریف اس طرح

فرماتا ہے:

"ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰـھُمْ یُنْفِقُوْنَ" ۔

قرآن ان متقی لوگوں کے لئے ہادی ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور ہمارے دیئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ متقی و پرہیز گار وہ مؤمن ہے جو نماز قائم کرے یعنی ہر نماز اس کے وقت پر پڑھے اور ہمیشہ پڑھے، خواہ مقیم ہو یا مسافر، سفر میں ظہر یا عصر کا وقت نکال کر نماز پڑھنا ان آیات کریمہ کے صریح خلاف ہے۔

اس پر غیر مقلد کا پہلا اعتراض: **اقامت الصلوٰۃ کا معنی ومفہوم، عدم جمع بین الصلوٰتین فی السفر** پر مفتی صاحب کی یہ دلیل قرآنی آخری ہے لہٰذا یہاں اقامت صلوۃ کا معنی و مفہوم بیان کر دینا بھی ضروری ہے سو واضح ہو کہ **یقیمون اقام** سے مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اور قام اس کا مجرد ہے اور قوم اس کا مادہ ہے۔ قیام (کھڑا ہونا) کا لفظ جلوس (بیٹھ جانے) کا نقیض ہے۔ **قام الامر۔ اعتدل** معاملہ درست ہو گیا **قام علی الامر دام وثبت** یعنی کسی چیز پر دوام وثبات اختیار کیا۔ قام الحق ظہر وثبت یعنی حق ظاہر اور ثابت ہو گیا اور **اقام السوق** کے معنی نفقت یعنی بازار بارونق اور **اقام الصلوٰۃ** کے معنی **ادام فعلها نادی لها** نماز کے لئے تکبیر کہی **اقام اللّٰہ السوق جعلها نافقة** یعنی اللہ نے برکت دی اور بازار کو بارونق بنا دیا (اقرب) مفردات امام راغب میں ہے **یقیمون الصلوٰۃ ای یدیمون فعلها ویحافظون علیها** نماز کو اس کے شرائط کے مطابق ادا کرتے ہیں اور اس پر دوام اختیار کرتے ہیں مزید فرماتے ہیں اور اس پر دوام اختیار کرتے ہیں۔ مزید فرماتے ہیں کہ (**انما خص لفظ الاقامة تنبیها ان المقصود من فعلها توفیة حقوقها وشرائطها**) کہ صلوٰۃ کے ذکر کے ساتھ اقامت کا لفظ اس لئے لایا گیا ہے تاکہ

اس طرف توجہ مبذول کرائی جائے کہ نماز کے حقوق اور شرائط کو پوری طرح ادا کیا جائے نہ صرف ظاہری طور پر اس کو ادا کر دیا جائے۔

چیز کا پختہ ارادہ کر لینا اور " **اقام الشیء ادامہ من قولہ تعالیٰ ویقیمون الصلوٰۃ یعنی اقام الشئی** " کا معنی ہے کس چیز پر دوام کیا جائے اور یہی معنی ہیں **ویقیمون الصلوٰۃ** کے اور اس لغوی معنی کے ملحوظ رکھتے ہوئے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: **انما الرکوع والسجود والتلاوۃ والخشوع وسجود** کا پورا کرنا تلاوت (قرآن) اور خشوع سے (نماز ادا کرنا) اور نماز میں توجہ کو قائم رکھنا۔ (انتھی) الغرض اقامت کا مفہوم نماز کے حقوق وشرائط کا پورا کرنا اور یہ چیز بریلوی ٹولہ کے قطعاً خلاف ہے کیونکہ مولوی احمد رضا نے قضاء نماز کے بارہ میں ایسا فتویٰ دیا ہے جو کہ اقامت کے خلاف ہے چنانچہ لکھتا ہے:

آسانی کیلئے اگر یوں بھی ادا کرے تو جائز ہے کہ ہر رکوع وسجدہ میں تین تین بار سبحان ربی العظیم سبحان ربی الاعلی کی جگہ صرف ایک ایک بار کہے ایک تخفیف یہ بھی ہو سکتی ہے دوسری تخفیف یہ کہ فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کی جگہ لفظ سبحان اللہ تین بار کہہ کر رکوع میں چلے جائیں۔ تیسری تخفیف پچھلی التحیات کے بعد دونوں درودوں اور دعا کی جگہ صرف **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ** کہہ کر سلام پھیر دیں۔ چوتھی تخفیف وتروں کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت کی جگہ اللہ اکبر کہہ کر فقط ایک یا تین بار **رَبِّ اغْفِرْلِیْ** کہے (فتاویٰ رضویہ ج۳، ص۲۶۶) اور (احکام شریعت ج۲) اس کی صراحت تو بریلوی علماء ہی کر سکتے ہیں کہ اقامت کے کس مفہوم میں مذکورہ نماز داخل ہے۔ جس میں نہ تلاوت قرآن ہے نہ رکوع وسجود کی تسبیحات پوری ہیں اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر درود وسلام ہے۔ بریلوی عوام تو پہلے ہی جس طرح نماز ادا کرتی ہے ان پر یہ حدیث فٹ ہوتی ہے کہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ لَا یَذْکُرُ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلاً۔ (صحیح مسلم ج۱، ص۲۲۵)

''یعنی نہ ذکر کرے اللہ تعالیٰ کا مگر تھوڑا سا''۔

اس پر مزید برق رفتاری کا مذکورہ فتوٰی بریلوی عوام کی نفسی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔ جبکہ ایسی نماز سے کہیں بہتر ہے نماز کو ادا کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کو کہا تھا کہ: ''ارجع فصل فانك لم تصل'' (بخاری ومسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص۷۵) ''یعنی لوٹ جا اور دوبارہ نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی''۔

(نام نہاد دین الحق ص۵۹۰ تا ۵۹۱)

الجواب اولاً: غیر مقلد صاحب نے یہاں جو حوالے لغات وتفسیر سے دیئے ہیں ان سے بھی مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ قرآنی آیات سے استدلال وتفسیر کی تائید ہوتی ہے کہ اقامۃ الصلوٰۃ کا تقاضا ہے کہ نماز کو اس کے حقوق وشرائط کے ساتھ ادا کیا جائے اور ان حقوق وشرائط میں شامل ہے کہ نماز کو ہمیشہ پڑھا جائے صحیح طریقہ سے خشوع وخضوع سے پڑھا جائے اس کے وقت میں پڑھا جائے سُستی نہ کی جائے اور مفتی صاحب نے فرمایا کہ قرآن کریم نے کہیں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا ہر جگہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ نماز قائم کرنا یہ ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھے، صحیح پڑھے، صحیح وقت پر پڑھے۔ جبکہ وہابی صاحب کے مفردات سے حوالہ میں امام راغب نے بھی اس کی صراحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ اقامت کو اس پر آگاہ کرنے کو ہی خاص کیا ہے کہ بے شک قائم کرنے سے مقصود نماز کے حقوق وشرائط کو پورا کرنا ہے۔

ثانیاً: وہابی بے لگام کی یہ زبان درازی کی اقامت الصلوٰۃ کا مفہوم بریلوی ٹولہ کے قطعاً خلاف ہے پھر اس پر فتاویٰ رضویہ سے مذکورہ عبارت بطور دلیل لانا اس کی خیانت وغلط بیانی ہے اور اسی طرح کی خیانتیں وغلط بیانیاں وہابی نجدی ٹولہ سے تسلسل سے آرہی ہیں جو عقائد معمولات شروع سے اہلسنت میں آرہے ہیں انہیں یہ

مکار لوگ محض بریلیوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں تا کہ بے خبر لوگ انہیں بریلیوں کی ایجاد سمجھیں۔

فتاویٰ رضویہ پر غیر مقلد کے ایک اعتراض کا جواب:

اب دیکھیں کہ نماز میں جن تخفیفوں کے جواز کا امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے اپنے فتاویٰ رضویہ میں فتویٰ دیا ہے ان کے جواز کے آپ سے پہلے فقہاء اہلسنت احناف بھی قائل ہیں یا نہیں فرائض کی آخری رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے متعلق ہے:

”وَهُوَ مُخَيَّرٌ فِى الْاُخْرَيَيْنِ مَعْنَاهُ اِنْ شَآءَ سَكَتَ وَاِنْ شَآءَ قَرَءَ وَاِنْ شَآءَ سَبَّحَ كَذَا رُوِىَ عَنْ اَبِيْحَنِيْفَةَ وَهُوَ الْمَاثُوْرُ عَنْ عَلِيٍّ وَّابْنِ مَسْعُوْدٍ وَعَآئِشَةَ اِلَّا اَنَّ الْاُفْضَلَ اَنْ يَّقْرَءَ“ ۔

(ھدایہ اولین صفحہ:۱۰۷ وشرح الوقایہ اولین صفحہ:۱۴۸ ومنیۃ المصلی صفحہ:۱۱۸)

اور لفظ ھدایہ کے ہیں یعنی نمازی کو فرائض کی آخری رکعتوں میں اختیار دیا گیا ہے اختیار سے مراد ہے کہ اگر چاہے خاموش رہے چاہے فاتحہ پڑھ لے اور چاہے تو تسبیح پڑھتا رہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ سے مروی ہے اور روایت آئی ہے حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مگر فاتحہ پڑھنا فضل ہے۔ اور رکوع وسجود اور دو سجدوں کے درمیان اطمینان جو کہ احناف کے نزدیک واجب ہے کہ متعلق ہے:

’’وَقُدِّرَ بِمِقْدَارِ تَسْبِيْحَةٍ كَذَا الْاِطْمِيْنَانُ بَيْنَ الرُّكُوْعِ وَالسَّجُوْدِ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ ‘‘ ۔

(شرح الوقایہ اولین صفحہ:۱۴۳، عالمگیری: ج۱، ص۷۲)

لفظ وقایہ کے ہیں: اطمینان رکوع میں اور اسی طرح سجدہ اور دو سجدوں کے درمیان کی مقدار اندازہ کیا گیا ہے۔ وتروں میں دعائے قنوت کے متعلق ہے:

"(قَوْلُهُ وَهُوَ مُطْلَقُ الدُّعَا) اَیْ الْقُنُوْتَ الْوَاجِبَ یَحْصِلُ یا بِاَیِّ دُعَاءٍ کَانَ" ۔ (درالمختار علی الدر المختار: ج۱، ص ۳۱۵)

یعنی صاحب درالمختار کا کہنا کہ وہ مطلق دعا ہے مراد یہ ہے کہ قنوت واجب کوئی سی دعا پڑھنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ عالمگیری میں ہے: "لَیْسَ فِی الْقُنُوْتِ دُعَاءٌ مُوَقَّتٌ"۔ (ج۱، ص ۱۱۱) یعنی قنوت میں کوئی مخصوص دعا واجب نہیں۔ وہابی صاحب بتائیں کہ رب اغفرلی دعا نہیں ہے۔ آخری تشہد میں درود شریف کے بارے میں تفسیر روح البیان میں اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ کے تحت ہے:

"اما الصلوٰۃ علیہ فی التشہد الآخیر کما سبق فسنۃ عند ابی حنیفۃ ومالکٍ"۔

بہرحال نماز کے آخری تشہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود جیسا کہ پہلے گذر چکا سنت ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک۔ وہابی صاحب بتائیں کہ جب نماز کے آخری تشہد میں مطلق درود شریف سنت ہے تو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ درود شریف نہیں؟ البتہ درود ابراہیمی شریف نماز میں افضل ہے۔ یہ کہ اس میں سلام نہیں تو سلام تو درود ابراہیمی میں بھی نہیں سلام تو تشہد میں درود سے پہلے ہی آچکا لہٰذا کہنا کہ سلام نہیں پڑھا گیا وہابی جی کی جہالت ہے۔

ثانیاً: مشکوٰۃ کی جس حدیث سے غیر مقلد صاحب نے یہ جملہ ذکر کیا کہ (اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا لوٹ پس نماز کا اعادہ کر تو نے نماز نہیں پڑھی یعنی نماز کامل نہ پڑھی اسی حدیث میں اس کے آگے ہے کہ:

"فَقَالَ فِی الثَّالِثَۃِ اَوْ فِی الَّتِیْ بَعْدَھَا عَلِّمْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَۃَ فَکَبِّرْ ثُمَّ

اقْرَءْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِىَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَّفِىْ رِوَايَةٍ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِىَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ فِىْ صَلٰوتِكَ كُلِّهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (مشکوۃ: صفحہ ۷۵)

''اس شخص نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے نماز کا طریقہ تعلیم فرما دو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو نماز پڑھنا چاہے تو اچھا وضو کرو پھر قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہو پھر جو تجھے قرآن سے آسان ہو پڑھ لے پھر رکوع کر یہاں تک کہ رکوع کرتے مطمئن ہو جائے پھر سر اُٹھا یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو جائے پھر سجدہ کر یہاں تک کہ سجدہ میں مطمئن ہو جائے پھر سر اُٹھا حتیٰ کہ جلسہ میں اطمینان ہو جائے پھر سجدہ کر یہاں تک کہ سجدہ میں اطمینان ہو جائے پھر سر اُٹھا حتیٰ کہ جلسہ میں اطمینان ہو جائے اور ایک روایت میں ہے کہ پھر سر اُٹھا یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو جائے، پھر اس طریقہ پر تمام نماز پوری کر''۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح کی کسی مقدار کو لازم قرار نہیں دیا بلکہ رکوع وسجدہ وغیرھما میں اطمینان کا حکم دیا ہے تو یہ ہم نے فتاویٰ شامی وعالمگیری کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ اطمینان ایک تسبیح کی مقدار سے حاصل ہو جاتا ہے پھر امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے کون سی بات حدیث کے خلاف کی ہے جس سے وہابی صاحب ان پر برانگیختہ ہو رہا ہے۔

__ثالثاً__: جب مسئلہ کسی سوال کا جواب ہو تو اسے سمجھنے کو سوال کا ذکر ضروری ہے مگر وہابی صاحب نے فتاویٰ رضویہ سے عبارت نقل کرنے میں خیانت کی کہ سوال نقل نہ کیا جواب کی جو عبارت خلاف تھی اسے بھی چھوڑ دیا ہم قارئین کرام پر حقیقت واضح

کرنے کے لئے فتاویٰ رضویہ سے سوال مع الجواب ذکر کر دیتے ہیں۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس پر قضا نمازیں زیادہ ہوں وہ ان کی نیت کیونکر کرے اور قضا میں کیا کیا نماز پھیری جاتی ہے اور جس کے ذمہ قضائیں بہت کثیر ہیں جن کی قضا سخت دشوار ہے تو آیا اس کے لئے کوئی تخفیف نکل سکتی ہے جس سے ادا میں آسانی ہو جائے کہ ادا میں جلدی منظور ہے کہ موت کا وقت معلوم نہیں۔

بینوا وتوجروا۔

الجواب: قضا ہر روز کی نماز کی فقط بیس رکعتوں کی ہوتی ہے دو فرض فجر کے چار ظہر چار عصر تین مغرب چار عشاء کے تین وتر اور قضا میں یوں نیت کرنی ضروری ہے کہ نیت کی میں نے پہلی فجر جو مجھ سے قضا ہوئی یا پہلی ظہر جو مجھ سے قضا ہوئی اسی طرح ہمیشہ ہر نماز میں کیا کرے اور جس پر قضا نمازیں بہت کثرت سے ہیں وہ آسانی کے لئے اگر یوں بھی ادا کرے تو جائز ہے کہ ہر رکوع اور ہر سجدہ میں تین تین بار سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ کی جگہ صرف ایک بار کہے مگر یہ ہمیشہ ہر طرح کی نماز میں یاد رکھنا چاہیے کہ جب آدمی رکوع میں پورا پہنچ جائے اس وقت سبحان کی سین شروع کرے اور جب عظیم کا میم ختم کرے اس وقت رکوع سے سر اٹھائے اسی طرح جب سجدوں میں پورا پہنچ لے اس وقت تسبیح شروع کرے اور جب پوری تسبیح ختم کر لے اس وقت سجدے سے سر اٹھائے۔ بہت سے لوگ جو رکوع سجدہ میں آتے جاتے یہ تسبیح پڑھتے ہیں بہت غلطی کرتے ہیں ایک تخفیف کثرت قضا والوں کی یہ ہو سکتی ہے دوسری تخفیف فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد کی جگہ فقط سبحان اللہ سبحان اللہ تین بار کہہ کر رکوع میں چلے جائیں مگر وہی خیال یہاں بھی ضروری ہے کہ سیدھے کھڑے ہو کر کھڑے کھڑے کہہ کر رکوع کے لئے سر جھکائیں یہ تخفیف فقط فرضوں کی تیسری چوتھی رکعت میں ہے وتروں کی تینوں رکعتوں میں الحمد

اور سورت دونوں ضرور پڑھی جائیں تیسری تخفیف آخری التحیات کے بعد دونوں درودوں اور دعا کی جگہ صرف **اللھم صل علٰی محمد و آلہٖ** کہہ کر سلام پھیر دیں چوتھی تخفیف وتروں کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت کی جگہ اللہ اکبر کہہ کر فقط ایک یا تین بار **رب اغفرلی** کہے۔ ''**واللّٰہ تعالٰی اعلم**''۔ (فتاویٰ رضویہ شریف ج ۳، ص ۶۲۲)

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ تخفیفیں اس کے حق میں بیان فرمائی جس کے ذمہ قضائیں بہت کثیر ہیں جن کے ادا سخت دشوار ہے جب کہ دوسری طرف فقہاء نے اس دشواری کے علاوہ بھی ان تخفیفوں کو جائز کہا ہے۔

مگر وہابی ایسی قوم ہے الزام تراشی اور بہتان بازی سے باز نہیں آتے۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض:

مذکورہ بحث سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اقامت صلوٰۃ کا مفہوم نماز کے حقوق وشرائط کو پورا کرنا ہے جن میں ایک حق وشرط اوقات نماز بھی ہے مگر ان آیات کریمات کو عدم جمع بین الصلوٰتین پر نص صریح قرار دینا علوم قرآن سے محض ناآشنائی ہے کیونکہ سفر میں جس طرح نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح نماز ادا فرمائی وہی اقامت صلوٰۃ ہے اور یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں نمازیں جمع کر کے پڑھیں اگر مفتی صاحب کا معنیٰ تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ **نعوذ باللہ من ھٰذہ الخرافات البریلویت** کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اقامت صلوٰۃ کے معنیٰ ومفہوم سے ناواقف تھے (**اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ**)۔

(نام نہاد دین الحق: ص ۵۹۱)

جب وہابی صاحب کو اقرار ہے کہ اقامۃ الصلوٰۃ کا معنیٰ اور مفہوم یہ ہے کہ نماز کو اس کے حقوق وشرائط کے ساتھ ادا کیا جائے اور یہ بھی اقرار ہے کہ نماز کا ایک حق وشرط اوقات پر ادا کرنا ہے اس کے برعکس جمع بین الصلوٰتین سے مراد یہ ہے کہ نماز کو اس کے وقت سے مقدم یا مؤخر کرنا پھر مذکورہ آیت ایسے عمل کے عدم جواز پر نص کیوں

نہیں؟

ثانیاً: غیر مقلد کا یہ دعوی کہ یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں نمازیں جمع کر کے پڑھیں اور آگے چل کر یہ دعویٰ کہ ہم نے صحیح احادیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دکھا دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں نمازیں جمع کرتے تھے (نام نہاد دین الحق ص ۵۹۴)۔ وہابی صاحب سے پوچھتا ہوں اگر احادیث صحیحہ صریحہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں تقدیماً یا تاخیراً جمع کرنا ثابت ہے تو پھر تمہارے بڑوں نے جمع بین الصلاتین سے جمع صوری کیوں مراد لیا ہے۔ چنانچہ غیر مقلدوں کے محدث نذیر حسین دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

حدیث میں دو نمازیں جمع کرنے سے مراد جمع صوری ہے وہابیوں کے گھر کی گواہی:

اس حدیث میں جمع بین الصلوٰتین سے مراد جمع صوری ہے یعنی ظہر کو اس کے آخر وقت میں اور عصر کو اس کے اول وقت میں پڑھا وعلی ھذا القیاس مغرب وعشاء کو پڑھا اس جواب کو علامہ قرطبی نے پسند کیا ہے اور امام الحرمین نے اس کو ترجیح دی ہے اور قدماء سے ابن الماجشون اور طحاوی نے اسی کے ساتھ جزم کا ہے اور ابن سید الناس نے اس کو قوی بتایا ہے اس وجہ سے کہ اس حدیث کے راوی (ابو الشعشا جنہوں نے اس کو ابن عباس سے روایت کیا ہے) کا بھی یہی خیال تھا کہ اس حدث سے مراد جمع صوری ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس کو تقویت اس سے ہوتی ہے کہ حدیث کے کئی طریق میں جمع کے وقت کا بیان نہیں ہے یعنی یہ بیان نہیں ہے کہ ظہر وعصر کو آپ نے کس وقت جمع کیا۔ آیا آپ نے جمع تقدیم کی یعنی ظہر کے وقت میں ظہر وعصر کو جمع کیا یا جمع تاخیر کی یعنی عصر کے وقت میں ظہر وعصر کو جمع کیا یا جمع صوری کی وعلی ھذا القیاس مغرب وعشاء کے وقت جمع کا بھی ذکر نہیں ہے۔ پس اس حدیث میں یا تو جمع مطلق مراد لیا جاوے تو نماز کو اس کے وقت محدود ومعین سے بلا عذر خارج کرنا لازم آئے گا یا

کوئی ایسا جمع مراد لیا جاوے جس سے نماز کا اس کے وقت محدود و معیّن سے خارج کرنا لازم نہ آئے اور احادیث مختلفہ میں توفیق و تطبیق ہو جاوے تو جمع صوری ہی مراد لینا اولیٰ ہے علامہ شوکانی نیل میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں جمع سے جمع صوری مراد ہونا متعین ہے اس پر دلیل نسائی کی یہ حدیث ہے:

”عن ابن عباس رضی الله عنهما صلیت مع النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم الظهر والعصر جمعًا والمغرب والعشاء جمعًا اخر الظهر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء“۔

”یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر اور عصر کی نماز جمع کر کے پڑھی اور مغرب اور عشاء کی نماز جمع کر کے پڑھی ظہر میں دیر کی اور عصر میں جلدی اور مغرب میں دیر کی اور عشاء میں جلدی کی“۔

پس جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو حدیث کے راوی ہیں خود تصریح کر دی کہ جمع سے مراد جمع صوری ہے تو اس حدیث میں جمع صوری ہونا ہی متعین ہوا اور اس حدیث میں جمع سے جمع صوری مراد ہونے کی تائید ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے:

”مَارَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم صَلّٰی صَلٰوةً بِغَيْرِ مِيْقَتِهَا اِلَّا صَلَاتَيْنِ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ بِالْمُزْدَلْفَةِ وَصَلَّی الْفَجْرَ يَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِيْقَتِهَا“۔

پس ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جمع بین الصلوٰتین کی مطلقاً نفی کر کے ان کو مزدلفہ میں منحصر کر دیا ہے حالانکہ حدیث جمع بین الصلوٰتین فی المدینہ کے راوی ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ہیں پس ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں جو جمع بین الصلوٰتین واقع ہوئی تھی وہ جمع حقیقی نہیں تھی بلکہ صوری تھی

ورنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی دونوں روایتیں باہم لڑ جائیں گی ونیز حدیث مذکورہ میں جمع سے جمع صوری ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی حدیث جمع بین الصلوٰتین فی المدینہ کو روایت کیا ہے اور انہیں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

> ”خَرَجَ عَلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَكَانَ يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ وَيُعَجِّلُ الْعَصْرَ فَيَجْمَعُ بَيْنَهُمَا وَيُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ وَيُعَجِّلُ الْعِشَآءَ فَيَجْمَعُ بَيْنَهُمَا رَوَاهُ اِبْنُ جَرِيْر“۔
>
> ”یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے پس ظہر میں تاخیر کی اور عصر میں تعجیل فرما کر دونوں کو جمع کیا“۔

پس عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت صاف بتاتی ہے کہ حدیث جمع بین الصلوٰتین میں جس میں مطلق جمع لفظ وارد ہوا ہے جمع صوری ہی مراد ہے ونیز جمع بین الصلوٰتین کی تین صورتیں ہیں جمع تقدیم جمع تاخیر جمع صوری اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں لفظ جمع بین الظهر والعصر وبین المغرب والعشاء تینوں صورتوں کو شامل نہیں ہو سکتا اور نہ ان میں دو کو کیونکہ لفظ جمع فعل مثبت ہے اور فعل مثبت اپنے اقسام میں عام نہیں ہوتا کَمَا صَرَّحَ بِهٖ آئِمَّةُ الْاُصُوْلِ پس لفظ جمع سے ایک ہی صورت مراد ہوگی اور ایک صورت خاص کا متعین ہونا دلیل پر موقوف ہے اور جمع صورتی کے متعین ہونے پر دلیل قائم ہے لہٰذا یہی صورت متعین ہوگی انتھی کلام شوکانی مترجماً وملخصاً۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۱، ص ۴۶۵ تا ۴۶۷)

اس کے بعد بھی غیر مقلدوں کی تسلی نہ ہو تو یہ نری ضد میں ہیں۔ ثالثاً: اگر بالغرض غیر مقلد صاحب کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا جائے کہ احادیث صحیحہ سے سفر میں نمازیں جمع کر کے پڑھنا ثابت ہے پھر سب سے بڑے مخالف تو ان احادیث صحیحہ کے خود نام نہاد اہلحدیث ہیں کیونکہ ان کے گھر کا آج تک اتفاق ہی نہیں ہو سکا کہ

شرعاً کتنا سفر ہے جس میں جمع بین الصلوٰتین وقصر جائز ہے بلکہ اس مسئلہ پر ان کے ہر دوسرے مولوی کی رائے الگ ہے۔

مسافت سفر میں غیر مقلدوں کا اختلاف:

مولوی محمد صادق سیالکوٹی صاحب کے نزدیک حد مسافت تین میل حدیث سے ثابت ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ذی الحلیفہ ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کو سفر کے ارادہ سے چلے تھے کہ نمازِ عصر کا وقت ہو گیا پس حضور نے ذی الحلیفہ پر عصر کی قصر کر لی اور حدیث کی رو سے کم از کم قصر کے لئے تین میل ثابت ہوئی اگرچہ بعض علماء اور اصحاب ظواہر کہتے ہیں کہ سفر سے مراد مطلق سفر ہے اور قصر کے لئے کوئی خاص مسافت مقرر نہیں لیکن حدیث مذکورہ کی رو سے ہمیں کم از کم تین میل کی مسافت پر قصر کرنی چاہیے۔ (صلوٰۃ الرسول: ص ۳۳۹) فتاویٰ اہلحدیث ج ۱، ص ۵۸۵ پر یوں لکھتے ہیں:

سوال: مسافر پر کم از کم کتنے میل کے سفر پر قصر نماز لازم آتی ہے (سائل ماسٹر حفیظ الرحمٰن)

جواب: ۹ میل کے سفر میں دوگانہ درست ہے اس کی بابت صحیح مسلم میں حدیث آئی ہے۔ مسافر اپنے گاؤں یا شہر سے نکلتے ہی دوگانہ شروع کر سکتا ہے چنانچہ دوسری روایات میں آیا ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۶۲ پر ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ مسافت قصر ۴۸ میل صحیح ہے ۹ میل غلط ہے:

”هٰذَا وَاللّٰه اعلم قَالَ النووی، قَالَ الْجَمْهُوْرُ لَا يَجُوْزُ الْقَصْرُ اِلَّا فِیْ سَفَرٍ يَبْلُغُ مَرْحَلَتَيْنِ انتهى“ ۔

یعنی جمہور سلف ومحدثین کا مسلک اڑتالیس میل کے سفر پر قصر ہے اس سے کم پر نہیں۔ جبکہ وہابی صاحبان ۳ میل اور ۹ میل مسافت کے سفر پر بھی نماز قصر وجمع کرتے ہیں بلکہ بعض غیر مقلد وہابی تو مسافت کی بھی کچھ قید نہیں لگاتے کہتے ہیں: سفر زیادہ ہو یا کم ہر سفر میں نمازیں قصر اور جمع کر کے پڑھی جا سکتی ہیں۔ وحید الزماں

غیر مقلد صاحب اپنی تفسیر وحیدی میں آیت وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ کے تحت لکھتا ہے: سفر سے عام سفر مراد ہے یعنی جس کو عرف میں سفر کہیں ہر سفر میں چھوٹا ہو یا بڑا جہاد کے لئے ہو یا تجارت کے لئے یا اور کسی کام کے لے نماز کا قصر کرنا درست ہے۔ ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں: سفر کی تعین نہیں آئی عرف عام میں جتنی مسافت کو سفر کہتے ہیں وہی سفر ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱، ص ۴۶۰)

ترجمہ: قرآن کریم مع فوائد سلیفہ میں مذکورہ آیت کی تفسیر میں ہے: جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جب تک دو منزل کا سفر نہ ہو قصر روا نہیں محققین اہل حدیث کا مذہب یہ ہے کہ جس کو عرف عام میں سفر کہیں اس میں قصر کرنا چاہیے اور جس کو سفر نہ کہیں اس میں قصر نہ کیا جاوے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی خاص مدت منقول نہیں ہے۔

قارئین کرام آپ نے سفر شرعی کے متعلق غیر مقلدین کے حوالہ جات ملاحظہ کیے ان میں ہر ایک اپنے کو مجتہد وقت ظاہر کر رہا ہے ایک کی رائے دوسرے سے نہیں ملتی کوئی نماز قصر کے لئے اور جمع بین الصلوٰتین کے لئے تین میل مسافت بتاتا ہے اور کوئی ۹ میل اور کوئی اڑتالیس میل کو صحیح کہتا ہے اور ۹ میل کو غلط کوئی کہتا ہے چھوٹے بڑے ہر طرح کے سفر میں قصر و جمع بین الصلوٰتین درست ہے کسی نے شرعی سفر کے لئے عرف عام کی قید لگائی جس سے ہر نفس پرست کے لئے من مانی کی راہ نکل سکتی ہے یہ ہے ان نام نہاد اہلحدیثوں کا حال اصل بات یہ ہے کہ جو ایک در کا نہیں بنتا وہ در در پہ ٹھوکریں کھاتا ہے غیر مقلد وہابیوں نے آئمہ حق کی تقلید سے منہ موڑا تو بے راہ روی کا شکار ہوئے۔ جو کچھ آپ نے شرعی سفر کی کے متعلق غیر مقلدوں کی نرالی آرائے کو دیکھا صرف یہی نہیں بلکہ ان کا تو حال یہ ہے کہ ان کے نزدیک نمازیں جمع کرنے کے لئے سفر بھی شرط نہیں گھر میں ہی عذر اور مرض دنیاوی حاجت کے سبب

نمازیں جمع کر کے پڑھ لیتے ہیں۔

غیر مقلد گھر میں ہی نمازیں جمع کر کے پڑھ لیتے ہیں:

چنانچہ وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں:

"وَيَجُوزُ الْجَمْعَ بَيْنَ الصَّلٰوتَي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَكَذٰلِكَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ جَمْعَ تَقْدِيْمٍ اَوْ تَاْخِيْرٍ بِسَفَرٍ اَوْ عُذْرٍ اَوْ مَرَضٍ اَوْ حَاجَةٍ مِّنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ" ۔

(نزل الابرار ج۱، ص۵۷)

"ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازوں کو اکٹھے کر کے پڑھنا جائز ہے خواہ جمع تقدیم ہو یا تاخیر سفر میں یا عذر کی وجہ سے یا بیماری کے سبب یا دنیوی ودینی کاموں سے کسی کام کی وجہ سے"۔

واضح رہے کہ عذر کا بہانہ بھی ایک دفع وقتی کے لئے تھا کوئی عذر تو دور کی بات غیر مقلد وہابی صاحبان تو اس قدر نفس پرستی کے مریض ہیں کہ فٹ بال کھیلنے کے لئے بھی نمازیں جمع کر لیتے ہیں۔

وہابی فٹ بال کھیلنے کے لئے نمازیں جمع کر لیتے ہیں:

ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد سے سوال ہوا کہ:

سوال: فی زمانہ کثرت سے رواج ہے کہ مسلم حصول انعام کے لئے مثلاً آپ شلڈ فٹ بال کھیلا کرتے ہیں اور کھیلنے کے باعث عصر ومغرب کی نماز ترک کر دیتے ہیں پھر قضا نماز پڑھ لیتے ہیں کیا یہ جائز ہے۔

جواب: نماز قضا کر کے پڑھنا بلا وجہ اچھا نہیں ہے کھیلنے والوں کو چاہیے کہ پہلے افسروں سے تصفیہ کر لیں کہ نماز کے وقت کھیل کود کو چھوڑ دیں گے وہ اگر نہ مانیں تو ظہر کے ساتھ عصر ملا لیں یا عصر کے ساتھ ظہر ملا کر جمع پڑھ لیں۔

(فتاویٰ ثنائیہ ج۱، ص۶۳۱)

غیر مقلدین دنیاوی نوکری کی خاطر بھی نمازیں جمع کر لیتے ہیں چنانچہ اسی امرتسری صاحب سے سوال ہوا:

سوال: مجھے نوکری کے باعث ظہر کے وقت ہمیشہ کی فرصت رہتی ہے اور عصر میں فرصت نہیں ملتی کیا ظہر کے ساتھ عصر ملا کر پڑھنے کی اجازت ہے۔

جواب: واقعی اگر وقت عصر نہیں ملتا تب ظہرِ کے ساتھ عصر جمع کر لیا کریں۔

(فتاویٰ ثنائیہ ج۱، ص۴۳۶)

یہ ہے ان نام کے اہلحدیثوں کا قرآں وحدیث پر عمل قرآن فرماتا ہے کہ: ”مؤمنین پر مقررہ وقت میں نماز ادا کرنا فرض ہے“۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز اس کے وقت میں ادا فرماتے تھے اور اسی کی صحابہ کرام کو تاکید فرماتے تھے مگر آج کے نام نہاد اہلحدیث تین میل سفر کو گھر سے نکلیں اور اس سے بڑھ کر بلا عذر دنیاوی حاجت کے باعث اور کھیل کود اور نوکری کی وجہ سے گھر میں ہی نمازیں جمع کر لیتے ہیں قرآن وحدیث کا کھلا خلاف کرتے ہیں پھر بھی اپنے کو حامل قرآن اور عامل حدیث کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسوں سے دینِ اسلام کو محفوظ رکھے۔

صرف حج کے دن عرفات ومزدلفہ میں نمازیں جمع کر کے پڑھنا جائز ہے:

رابعاً: احادیث مرفوعہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی ثابت ہے کہ سوا عرفات ومزدلفہ حج میں کسی صورت نمازیں جمع کرنا جائز نہیں۔

حدیث نمبر۱: ”عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ کَانَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یُصَلِّی الصَّلٰوۃَ لِوَقْتِھَا اِلَّا بِجَمْعٍ وَّعِرْفَاتٍ“۔ (نسائی ج۲، ص۳۶)

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز وقت پر پڑھتے تھے سوائے مزدلفہ اور عرفات کے“۔

حدیث نمبر۲: عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ مَا رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم صَلّٰی صَلٰوۃً اِلَّا لِمِیْقَاتِھَا اِلَّا صَلَاتَیْنِ صَلٰوۃِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ بِجَمْعٍ

وَصَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا"۔ (مسلم ج۱، ص۴۱۷)

"حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وقت کے علاوہ کبھی نماز پڑھتے نہ دیکھا سوائے دو نمازوں مغرب وعشاء کے مزدلفہ میں اس دن آپ نے نمازِ فجر وقت (معتاد) سے قبل پڑھی"۔

حدیث نمبر۳: عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُوْهب قَالَ سُئِلَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ مَا التَّفْرِيْطُ فِى الصَّلٰوةِ قَالَ اَنْ تُؤَخِّرَ حَتّٰى يَجِيْئُ وَقْتُ الْاُخْرٰى"۔

(طحاوی ج۱، ص۱۱۴)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نماز میں تفریط (قصور) کا کیا مطلب ہے فرمایا کہ نماز کو اس قدر تاخیر سے پڑھے کہ دوسری نماز کا وقت آجائے"۔

حدیث نمبر۴: عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ (فِىْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمَا اِنَّهٗ لَيْسَ فِى النَّوْمِ تَفْرِيْطٌ اِنَّمَا التَّفْرِيْطُ مَنْ لَّمْ يُصَلِّ الصَّلٰوةَ حَتّٰى يَجِيْئَ وَقْتُ الصَّلٰوةِ الْاُخْرٰى"۔

(مسلم ج۱، ص۲۳۹)

"حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار نیند میں کوئی تفریط نہیں تفریط تو اس شخص کی ہے جو نماز کو مؤخر کرلے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آجائے"۔

حدیث نمبر۵: عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ اَنْتَ اِذَا كَانَتْ عَلَيْكَ اُمَرَاءُ يُؤَخِّرُوْنَ الصَّلٰوةَ عَنْ وَّقْتِهَا اَوْ يُمِيْتُوْنَ الصَّلٰوةَ عَنْ وَّقْتِهَا قَالَ قُلْتُ فَمَا تَاْمُرُنِىْ قَالَ صَلِّ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا فَاِنْ اَدْرَكْتَهَا مَعَهُمْ فَصَلِّ فَاِنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ"۔ (مسلم ج۱، ص۲۳۰)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ (اے ابوذر) اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ تمہارے حکمران ایسے بن جائیں گے جو نماز کو اس کے وقت سے نکال کر پڑھیں گے یا نماز بے جان کر کے پڑھیں گے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے عرض کی پھر میرے لئے آپ کا کیا حکم ہے فرمایا تم نماز کو اس کے وقت پر پڑھ لینا پھر اگر ان کے ساتھ بھی نماز مل جائے تو پھر پڑھ لینا کہ وہ تمہارے لئے نفل ہو جائیں گے"۔

حدیث نمبر٦: عَنْ طَاؤسٍ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَا یَفُوْتُ صَلٰوۃٌ حَتّٰی یَجِیْئَ وَقْتُ الْاُخْرٰی"۔ (طحاوی ج۱، ص۱۱۴)

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ فرمایا کہ نماز اس وقت قضا ہوتی ہے جب دوسری نماز کا وقت آجائے"۔

بلا عذر نمازیں جمع کرنا گناہ کبیرہ ہے:

حدیث نمبر۷: عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قَالَ مَنْ جَمَعَ بَیْنَ الصَّلٰوتَیْنِ مِنْ غَیْرِ عُذْرٍ فَقَدْ اَتٰی بَابًا مِّنَ الْکَبَائِرِ"۔

(ترمذی ج۱، ص۴۷ مستدرک حاکم ج۱، ص۲۷۵)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دو نمازوں کو بلا عذر اکٹھا کر کے پڑھا وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے میں داخل ہوا"۔

حضرت عمر نے دو نمازیں جمع کرنے سے منع فرمایا:

حدیث نمبر۸: قَالَ مُحمد بَلَغَنَا عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّہٗ کَتَبَ فِی الْآفَاقِ یَنْھَاھُمْ اَنْ یَّجْمَعُوْا بَیْنَ الصَّلٰوتَیْنِ وَیَخْبَرُھُمْ اَنَّ الْجَمْعَ بَیْنَ الصَّلٰوتَیْنِ فِیْ وَقْتٍ وَّاحِدٍ کَبِیْرَۃٌ مِّنَ الْکَبَائِرِ"۔ (موطا امام محمد ص۱۲۹)

''امام محمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے متعلق روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے اطراف میں یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ لوگ دو نمازیں اکٹھی کر کے نہ پڑھیں اور انہیں خبر دی کہ ایک وقت میں دو نمازیں اکٹھی پڑھنا گناہ کبیرہ ہے''۔

حدیث نمبر۹: ''عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی اَنَّہٗ قَالَ الْجَمْعُ بَیْنَ الصَّلٰوتَیْنِ مِنْ غَیْرِ عُذْرٍ مِّنَ الْکَبَائِرِ''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲، ص ۴۵۹)

''حضرت ابو موسیٰ (اشعری رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ دو نمازوں کو اکٹھا کرنا بلا عذر کبیرہ گناہوں میں سے ہے''۔

تین کبیرہ گناہ:

حدیث نمبر۱۰: ''عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ الْعَدَوِیْ اَنَّ عُمَرَ کَتَبَ اِلٰی عَامِلٍ لَّہٗ، ثَلٰثٌ مِنَ الْکَبَائِرِ اَلْجَمْعُ بَیْنَ الصَّلٰوتَیْنِ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَّالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفُ وَالنُّھْبٰی''۔ (بیہقی ج ۳، ص ۱۶۹)

''حضرت ابو قتادہ عدوی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک عامل کو لکھا کہ تین کام کبیرہ گناہوں سے ہیں بلا عذر دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنا اور لڑائی سے بھاگنا اور لوٹنا''۔

حدیث نمبر۱۱: ''عَنْ اُبَیِّ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ جَاءَ نَا کِتَابُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ لَا تَجْمَعُوْا بَیْنَ الصَّلٰوتَیْنِ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲، ص ۴۵۸)

''حضرت ابی بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا خط پہنچا جس میں تھا کہ دو نمازیں بلا عذر جمع مت کرو''۔

ان احادیث مبارکہ اور عمل صحابہ سے ثابت ہوا کہ نماز کو اس وقت مقررہ پر ادا کرنا ضروری ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف حج میں عرفات و مزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین کرتے تھے اس کے علاوہ نہیں لہٰذا جن احادیث میں جمع بین

الصلوٰتین کا ذکر آیا ہے انہیں جمع صوری پر محمول کرنا چاہیے ورنہ ان احادیث اور آیۃ مقدسہ (اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا) کا خلاف لازم آئے گا۔ اور جن روایات میں عذر کی صورت کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے اس سے مراد نفس سفر نہیں کہ بلا وجہ نمازیں اکٹھی کر کے پڑھتا رہے بلکہ مراد بعض مجبوریاں ہیں کہ ان کی موجودتی میں جائز ہے کہ ایک نماز مثلاً ظہر کو اس کے آخر وقت میں پڑھے اور عصر کو اس کے اول وقت میں ادا کرے یہ جمع صوری ہے مگر غیر مقلدین بے وقت نماز پڑھنے کو جمع بین الصلوٰتین کا نام دے کر ان احادیث اور مذکورہ آیت مبارکہ کا صریح خلاف کرتے ہیں لیکن میل کا سفر بھی ان کے نزدیک عذر ہے اور فٹبال کھیلنا اور نوکری بھی اور گھر میں ہی دنیاوی حاجت میں مشغول رہنا بھی عذر جانتے ہیں یہ حال ہے ان شتر بے مہاروں کا۔ (جاء الحق سے دلیل نمبر ۶۹۵)

حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

”قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الصَّلٰوۃُ لِوَقْتِہَا قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ الْجِہَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ حَدَّثَنِیْ بِہِنَّ لَوِ اسْتَزَدْتُّہٗ لَزَادَنِیْ“۔

فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا عمل اچھا ہے فرمایا: وقت پر نماز پڑھنی۔ میں نے کہا پھر کونسا عمل فرمایا: ماں باپ کی خدمت۔ میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد فرماتے ہیں کہ حضور نے مجھے یہ باتیں فرمائیں اگر زیادہ پوچھتا تو زیادہ فرماتے۔

اس پر غیر مقلد کا پہلا و دوسرا اعتراض:

نماز کو وقت پر پڑھنا فریقین کو مسلم ہے بلکہ اس پر امت کا اجماع کہا جا سکتا ہے کہ نماز کو جان بوجھ کر لیٹ کر کے پڑھنا ناجائز ہے۔ اختلاف صرف اس کے

خاص شق میں ہے کیونکہ نماز عصر کو ظہر کے ساتھ ملا کر ادا کرنا تو علماء بریلوی کو بھی مسلم ہے لہٰذا جتنی دیر تک سفر نمازیں جمع کرنے کی ممانعت پر کوئی نص پیش نہ کی جائے اتنی دیر تک آپ کے دلائل بیکار ہیں کیونکہ ہم نے صحیح احادیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دکھا دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں نمازیں جمع کرتے تھے تو سفر میں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں ادا فرمائی ہیں وہی اَلصَّلٰوۃُ لِوَقْتِھَا کی عملی تفسیر ہے ورنہ حدیث ابن مسعود میں تو نمازوں کے اوقات نہیں بتائے گئے تو جس طرح حضر کے اوقات کے لئے سنت کی طرف رجوع کرنا لازم ہے اسی طرح سفر کی نمازوں کا بھی ٹائم معلوم کرنے کے لئے سنت کی طرف رجوع کرنا لازم آئے گا اگر بریلوی علماء کو ہمارے اس معارضہ سے اختلاف ہے تو روایت ابن مسعود میں ہمیں اوقات نماز دکھائیں۔

ثانیاً: اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اَلصَّلٰوۃُ لِوَقْتِھَا کا یہ معنی ہے کہ ہر حالت میں نماز کو اس کے وقت پہ ادا کیا جائے نہ تو مؤخر کیا جائے اور نہ ہی کسی نماز کو اس کے وقت سے پہلے ادا کیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ ایام حج میں بھی نمازیں جمع نہ کی جائیں اور یہ چیز فریق ثانی کو مسلم نہیں۔ لہٰذا ماننا پڑھا کہ اَلصَّلٰوۃُ لِوَقْتِھَا کا یہ مفہوم قطعاً نہیں جو مفتی صاحب نے لیا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ عذر شرعی اس سے مستثنٰی ہے اور یہی ہمارا دعوٰی ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص۵۹۳ تا ۵۹۴)

الجواب اولاً: کیا غیر مقلدوں کو یہ نص قرآنی منع جمع بین الصلوٰتین پر کافی نہیں۔

نماز مقررہ وقت میں فرض ہے:

"اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا"۔

"مسلمانوں پر نماز فرض ہے مقررہ وقت میں"۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نص نہیں جس کے راوی حضرت ابوقتادہ

رضی اللہ عنہ ہیں کہ:

وہابیوں کے خلاف احادیث سے دلائل:

”اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قَالَ اِمَّا اِنَّہٗ لَیْسَ فِی النَّوْمِ تَفْرِیْطٌ اِنَّمَا التَّفْرِیْطُ مَنْ لَّمْ یُصَلِّ الصَّلٰوۃَ حَتّٰی یَجِیْئَ وَقْتُ الصَّلٰوۃِ الْاُخْرٰی“ ۔ (الحدیث مسلم ج۱،ص۲۳۹)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار نیند میں کوئی تفریط (قصور) نہیں تفریط تو یہ ہے کہ کسی نماز کو اس قدر مؤخر کرے کہ دوسری نماز کا وقت آجائے“۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نص نہیں:

”عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کَیْفَ اَنْتَ اِذَا کَانَتْ عَلَیْکَ اُمَرَاءُ یُؤَخِّرُوْنَ الصَّلٰوۃَ عَنْ وَّقْتِھَا اَوْ یُمَیِّتُوْنَ الصَّلٰوۃَ عَنْ وَّقْتِھَا قَالَ قُلْتُ فَمَا تَاْمُرُنِیْ قَالَ صَلِّ الصَّلٰوۃَ لِوَقْتِھَا فَاِنْ اَدْرَکْتَھَا مَعَھُمْ فَصَلِّ فَاِنَّھَا لَکَ نَافِلَۃٌ“ ۔

(مسلم ج۱،ص۲۳۰)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اے ابوذر) اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ تمہارے حکمران ایسے بن جائیں گے جو نمازوں کو ان کے وقت سے مؤخر کریں گے یا فرمایا نمازوں کو ان کے وقت سے فوت کریں گے (حضرت ابوذر) فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا پھر میرے لئے آپ کا کیا حکم ہے فرمایا تم نماز کو اس کے وقت پر پڑھ لینا پھر اگر ان کے ساتھ بھی مل جائے تو پھر پڑھ لینا یہ تمہارے لئے نفل ہو جائیں گے۔

ثانیاً: خود غیر مقلدوں کے شیخ الکل فی الکل نذیر حسین دہلوی اور علامہ شوکانی

صاحب نے اقرار کیا ہے کہ جن احادیث میں جمع بین الصلوٰتین فی السفر کا ذکر آیا ہے۔ اس سے مراد جمع صوری ہے جمع حقیقی نہیں جیسا کہ فتاویٰ نذیریہ کا حوالہ گزر چکا۔

ثالثاً: حج کے دن عرفات میں ظہر وعصر کو اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع کرنا بالاجماع آیت مذکورہ کے حکم سے مستثنیٰ ہے اور احادیث سے ثابت ہے اس پر سفر میں جمع کرنے کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ نسائی ج ۲، ص ۳۶ پر ہے:

”عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الصَّلٰوۃَ لِوَقْتِھَا اِلَّا بِجَمْعٍ وَّعَرْفَاتٍ“

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ اور عرفات کے علاوہ ہر نماز اپنے وقت پر پڑھتے تھے“۔

اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ:

”قَالَ مَنْ جَمَعَ بَیْنَ الصَّلٰوتَیْنِ مِنْ غَیْرِ عُذْرٍ فَقَدْ اَتٰی بَابًا مِّنَ الْکَبَائِرِ“ ۔ (ترمذی ج۱، ص۴۷ مستدرک حاکم ج۱، ص۲۷۵)

”یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بلا عذر دو نمازوں کو جمع کیا وہ کبیرہ گناہ کے دروازوں میں سے ایک دروازہ میں داخل ہوا“۔

جاء الحق سے دلیل نمبر ۷ تا ۱۰۔ احمد، ابوداؤد، مالک۔ نسائی نے حضرت عبادا بن صامت سے روایت کی:

”قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلٰوتٍ اِفْتَرَضَھُنَّ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَ ھُنَّ فَصَلَّاھُنَّ لِوَقْتِھِنَّ وَاَتَمَّ رَکُوْعَھُنَّ وَخُشُوْعَھُنَّ کَانَ لَہٗ عَلَی اللّٰہِ عَھْدٌ اَنْ یَّغْفِرَلَہٗ الخ“۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو مسلمان ان کا وضو اچھی طرح کرلے اور انہیں ان کے

وقت پر ادا کرلے اور ان کا رکوع اور حضور قلبی پورا کرلے تو اس کے متعلق اللہ کے کرم پر وعدہ ہے کہ اسے بخش دے۔

وہابی صاحب اس پر اعتراض میں لکھتے ہیں:

اس کا وہی جواب ہے جو گزشتہ ابحاث میں گزر چکا ہے البتہ ہم یہاں پر حدیث مذکورہ کے دوسرے فوائد پر بحث کرتے ہیں۔ اولاً اس میں پانچ نمازوں کی فرضیت ثابت ہے جبکہ مفتی صاحب وتر کے بھی قائل ہیں اور ان کا یہ موقف ہے کہ رب نے ایک نماز اور دی ہے جو کہ وتر اور اس کے تارک پر فاسق کا فتویٰ لگایا ہے لیکن مذکورہ حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"خمس صلٰوۃ افترضھن اللّٰہ"۔

"یعنی اللہ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں"۔

ثانیاً: اس میں رکوع وسجود میں طمانیت کا ذکر ہے جو احناف کے یہاں سرے سے مفقود ہے کیونکہ مولوی احمد رضا جس برق رفتاری کا فتویٰ دیا ہے وہ بالکل ان احادیث کی ضد ہے۔

ثالثاً: روایت مذکورہ میں بہر حال سفر میں نمازیں جمع کرنے اور نہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے جو مفتی صاحب کا دعویٰ ہے۔ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ سفر میں نمازیں جمع کرنے کی احادیث موجود ہیں ان کی تردید کے لئے خاص دلیل کی ضرورت ہے اگر بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ روایت مذکورہ سے سفر میں نمازیں جمع کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے تو اسی دلیل سے عرفات ومزدلفہ میں نمازیں جمع کرنے کی ممانعت بھی ثابت ہوتی ہے:

"فَمَا کَانَ جَوَابُکُمْ فَھُوَ جَوَابُنَا"۔ (نام نہاد دین الحق: ص۵۹۴، ۵۹۵)

الجواب اولاً: غیر مقلد صاحب فضول اعتراضات والزامات سے صفحے سیاہ کررہا ہے جن کو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پاس

سے نہیں کہا گیا کہ رب نے ایک اور نماز دی ہے جو کہ وتر ہے بلکہ یہ حدیث میں آیا ہے جسے مفتی صاحب نے وجوب وتر کے باب میں عبد اللہ بن احمد کے حوالہ سے بیان کیا کہ اس نے عبد الرحمٰن بن رافع تنوخی سے روایت کی کہ حضرت معاذ بن جبل جب شام میں تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ شام کے لوگ وتر میں سُستی کرتے ہیں تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی کہ شامی لوگ وتر کیوں نہیں پڑھتے۔

”فَقَالَ مَعَاوِیَةُ اَوَاجِبٌ ذٰلِكَ عَلَیْهِمْ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم یَقُوْلُ زَادَنِیْ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ صَلٰوةً هِیَ الْوِتْرُ فِیْمَا بَیْنَ الْعِشَآءِ اِلٰی طُلُوْعِ الْفَجْرِ“ ۔

نمازِ وتر رب کا انعام ہے:

تو امیر معاویہ نے پوچھا کہ کیا مسلمانوں پر وتر واجب ہیں معاذ بن جبل نے فرمایا ہاں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے رب نے ایک نماز دی ہے جو وتر ہے عشاء اور فجر کے طلوع کے درمیان۔ مگر بہت افسوس کہ وہابی صاحب خوف خدا سے بے فکر ہو کر اسے مفتی صاحب کا قول قرار دے رہے ہیں۔

ثانیاً: زیر بحث حدیث میں جو ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں وتر کو واجب ماننا نہ اس کے خلاف ہے اور نہ اس پر اضافہ کیونکہ اصطلاح فقہاء میں فرض وواجب میں فرق ہے۔

فرض وواجب میں فرق:

فرض نص قطعی سے ثابت ہوتا ہے واجب نص ظنی سے فرض کا منکر کافر واجب کا انکاری گمراہ فرض عمداً ایک بار بھی ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے واجب کو ایک بار چھوڑنا گناہ صغیرہ اور بار بار ترک گناہ کبیرہ۔

ثالثاً: یہ کذب بیانی ہے کہ احناف کے یہاں رکوع وسجود میں طمانیت مفقود ہے

معمول بہ نہیں احناف کے یہاں رکوع وسجود اور قومہ میں طمانیت واعتدال واجب ہے اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ نقل کرنے میں وہابی صاحب نے خیانت کی ہے اور اسے غلط رنگ دیا ہے۔

رابعاً: زیر بحث حدیث شریف وہابیوں غیر مقلدوں کے خلاف اور مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی واضح دلیل ہے کیونکہ اس میں صراحۃً ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بخشش ومغفرت کا اسی مسلمان سے ہے جو پانچ نمازوں کو ان کے وقت مقررہ پر ادا کرتا ہے جب کہ وہابی صاحبان کا یہ حال ہے کہ تین میل کے سفر کا بہانہ ہاتھ آئے تو نمازیں جمع کر لیتے ہیں اور بے وقت پڑھتے ہیں بلکہ سفر تو در کنار گھر میں ہی دنیاوی حاجات کے لئے اور نوکری کی غرض سے اور کھیل کود کے لئے نمازیں جمع کر لیتے ہیں جیسا کہ ان کی کتب سے حوالہ جات گزر چکے پھر بھی وہابی کا دعویٰ ہے کہ زیر بحث حدیث ہمارے خلاف نہیں۔ اب جاء الحق سے دلیل نمبر ۱۱ پیش کرتے ہیں: ترمذی شریف نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو ارشاد نبوی:

"اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا عَلِیُّ ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرْھَا الصَّلٰوۃُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَۃُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَیِّمُ اِذَا وَجَدْتَّ لَھَا کُفُوًا"۔

"بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی تین چیزوں میں دیر مت لگاؤ نماز جب آجائے اور جنازہ جب موجود ہو، لڑکی جب تم اس کا کفو پاؤ"۔

اس پر غیر مقلد کے اعتراض: روایت مذکورہ منقطع السند ہے جیسا کہ امام ترمذی نے صراحت کی ہے: "قَالَ التِّرْمِذِیُّ غَرِیْبٌ وَلَیْسَ اِسْنَادُہٗ بِمُتَّصِلٍ"۔

(بحوالہ تلخیص الحبیر: ج ۱، ص ۱۸۶ ونصب الرایہ: ج ۱، ص ۲۴۴ والدرایہ ج ۱، ص ۱۰۵)

واللفظ له یعنی غریب ہے اور سنداً متصل نہیں قُلْتُ قَالَ الْمُحَدِّثُ الْمُبَارَكْفُوْرِيُّ فِيْ شَرْحِ التِّرْمِذِيِّ لَيَسْتْ هٰذِهِ الْعِبَارَةُ اَعِنّى غَرِيْبٌ وَّلَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصَلٍ فِي النُّسْخِ (ای الترمذی) اَلْمَطْبُوْعَةِ وَالْقَلْمِيَّةِ الْمَوْجُوْدَةِ عِنْدَنَا یعنی مبارک پوری صاحب نے شرح ترمذی میں کہا کہ یہ عبارت یعنی جو ترمذی کی طرف منسوب کی گئی کہ یہ غریب ہے اور اس کی سند متصل نہیں ترمذی کے جو نسخے ہمارے پاس مطبوعہ اور قلمیہ موجود ہیں ان میں نہیں پائی جاتی۔

ثانیاً: اس میں جمع بین الصلاتین کی نفی قطعاً نہیں اور جو اس بات کا مدعی ہے اس کا متن روایت میں اپنی طرف سے تصرف ہے جس پر یہ معارضہ بھی قائم کیا جا سکتا ہے کہ اگر بالغرض آپ کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ جمع صوری بھی ناجائز ہے کیونکہ اس میں بھی ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں ادا کیا جاتا ہے مثلاً ظہر وعصر کو جمع کیا تو نماز ظہر کو اس کے آخری وقت میں پڑھا جاتا ہے کہ جونہی سلام پھیرا تو وقت ظہر ختم ہو گیا اور نماز عصر کا وقت ہو گیا اس جمع کے بارے میں مفتی صاحب فرماتے ہیں: کہ یہ جمع بالکل جائز ہے۔ حالانکہ حدیث کے الفاظ ایسے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جوں ہی نماز کا وقت آیا تو اسے فی الفور ادا کر دیا جائے جیسا کہ لأتؤخرھا کے الفاظ کا مفاد ہے اور انہیں الفاظ کو لے کر مفتی صاحب اور ان کے ہمنوا حضرات نے اس سے عدم جمع بین الصلوٰتین کا دعوی کیا ہے اور اسی حنفی مفہوم کو لے کر ہی ہم نے جمع صوری کا رد کیا ہے علاوہ ازیں اگر نماز کو وقت داخل ہوتے ہی ادا کر دینا چاہیے تو احناف نماز فجر اور اسی طرح ظہر وعصر کو وقفہ کر کے کیوں ادا کرتے ہیں اسی طرح نماز عشاء کی تاخیر کی تخصیص بھی بے کار ثابت ہو گئی۔

فَمَا كَانَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا۔

ثالثاً: بالغرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ روایت مذکورہ عدم جمع پر نص ہے تو حنفی

عرفات ومزدلفہ میں نمازیں جمع کیوں کرتے ہیں؟ (نام نہاد دین الحق: ص ۵۹۵ تا ۵۹۶)

امام ترمذی کی طرف خودساختہ عبارت منسوب:

الجواب اولاً: اگر امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ روایت غریب اور غیر متصل ہے، تو پھر غیر مقلد صاحب کو چاہیے تھا کہ جامع ترمذی سے عبارت پیش کرتے ایسا نہ کرنا ثابت کرتا ہے کہ اسے جامع ترمذی سے یہ عبارت نہیں مل سکی۔

ثانیاً: غیر مقلد کے گھر کے امام مبارکپوری صاحب سے خود وہابی صاحب کی پیش کردہ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی کی عبارت میں صراحت موجود ہے کہ جس عبارت کو امام ترمذی کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ یہ حدیث غریب اور غیر متصل ہے یہ جامع ترمذی کے ہمارے پاس موجود مطبوعہ وقلمیہ نسخوں میں نہیں پائی جاتی مگر غیر مقلد صاحب اس کے باوجود زیر بحث روایت کو غریب ومنقطع ثابت کرنے پر بضد ہے اور اپنے گھر کے بزرگ کی باتیں بھی نہیں مان رہا۔

ثالثاً: جو عبارت امام ترمذی کی طرف منسوب کی گئی ہے اس میں دو جملہ آپس میں متضاد ہیں یعنی غریب اور غیر متصل کیونکہ محدثین کی اصطلاح میں غریب اس روایت کو کہا جاتا ہے جس کا کسی جگہ ایک ہی راوی ہو بخلاف غیر متصل کے کہ اس کی سند میں ایک جگہ راوی بالکل ساقط ہوتا ہے۔

رابعاً: غیر مقلد کا زیر بحث روایت میں جمع بین الصلوٰتین کے منع سے انکار اندھا پن ہے ورنہ روایت میں واضح ذکر موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو وقت مقررہ سے مؤخر کرنے سے منع فرمایا جبکہ جمع بین الصلوٰتین میں صرف مؤخر ہی نہیں بلکہ نماز کو وقت سے پہلے یا وقت جانے کے بعد بھی پڑھا جاتا ہے مگر وہابی کے اندھے پن اور ضد کا اندازہ لگاؤ کہ حدیث میں واضح حکم کا انکار کررہا ہے۔

خامساً: ہم احناف بلاوجہ جمع صوری کے جواز کے قائل نہیں بلکہ بوقت ضرورت قائل ہیں جبکہ آپ کے بڑوں نذیر حسین دہلوی اور علامہ شوکانی نے بھی اقرار کیا ہے

کہ جن روایات میں جمع بین الصلاتین کا ثبوت ہے اس سے مراد جمع صوری ہے نہ کہ جمع حقیقی۔ جیسا کہ اسی باب میں فتاویٰ نذیریہ کا حوالہ گزرا جاء الحق سے دلیل نمبر ۱۲ تا ۱۴۔ احمد، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ام فروہ سے روایت کی:

> ”قَالَتْ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلٰوۃُ لِاَوَّلِ وَقْتِہَا“۔
>
> ”فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے فرمایا نماز پڑھنا اس کے اول وقت مستحب میں“۔

اس پر وہابی صاحب کے اعتراض لکھتے ہیں۔ مفتی صاحب بددیانتی میں بھی یدطولیٰ رکھتے ہیں۔ مستحب کس لفظ کا معنی ہے؟ امر واقعی یہ ہے کہ روایت مذکورہ میں سے اول وقت نماز پڑھنے کی عظمت ثابت ہوتی ہے جس کا فریق ثانی عملی طور پر منکر ہے۔ ثانیاً: اگر اول وقت پر نماز ادا کرنے کی احادیث سے جمع بین الصلوٰتین فی السفر کی نفی ہوتی ہے تو اس سے جمع صوری کی بالاولیٰ ہوتی ہے **فافهم ولا تکن من الغافلین**۔ علاوہ ازیں نماز فجر میں اسفار اور ظہر میں ابراد اور عشاء میں تاخیر کا افضل ہونا بھی غلط ہوگا اگر علمائے بریلوی کہیں کہ عام سے خاص پر معارضہ قائم کرنا درست نہیں ہے تو یہی جواب ہمارا جمع بین الصلوٰتین فی السفر کا ہے ”ثالثاً“ اس کی سند میں عبداللہ العمری راوی ہے (ترمذی مع تحفہ ج۱، ص۱۵۵ اور مسند امام احمد ج۱۱۰۱) اس کے بارے میں راجح قول یہی ہے کہ ضعیف ہے چنانچہ حافظ ابن حجر نے اس کی تضعیف کی ہے تقریب ص۱۳۶) گو علامہ ذہبی نے میزان میں ان کے حق میں صدوق لکھا ہے مگر صدوق سے ان کی مراد یہ ہے کہ جان بوجھ کر تو غلطی نہیں کرتا بلکہ کمزور حافظہ کی بنا پر روایت میں گڑبڑ کر جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ صدوق کے بعد میں انہوں نے لکھا ہے کہ فی حفظہ شیء۔ (میزان ج۲، ص۴۶۵) اور اس قسم کے راویوں کی روایت متابعت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتی علاوہ ازیں محدثین کرام نے صراحت کی ہے کہ

عبد اللہ العمری کی روایت میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۵، ص ۳۲۸)

اور امام دار قطنی نے کتاب العلل میں اور امام ترمذی نے السنن میں روایت مذکورہ کو مضطرب قرار دیا ہے۔ (نصب الرایہ ج ۱، ص ۲۴۱ و ترمذی مع تحفہ ج ۱، ص ۱۵۵) الغرض روایت مذکورہ ضعیف ہونے کے باوجود مفتی صاحب کے موقف کے موافق نہیں ہے کیونکہ نفس مسئلہ سے اس کا قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے (نام نہاد دین الحق ص ۵۹۶، ج ۵۹۷)

الجواب اولاً: مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی بددیانتی نہیں بلکہ نام نہاد اہلحدیث صاحب کی حدیث سے جہالت ہے کیونکہ زیر بحث حدیث میں اول وقت سے مراد وقت مستحب نہ لیا جائے تو پھر یہ اس حدیث کے خلاف ہو جائے گی جسے ان تمام کتب احادیث نے روایت کیا ہے جن میں اوقات نماز مذکور ہے کہ:

اوقات نماز کا بیان:

”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّنِىْ جِبْرِيْلُ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ فَصَلّٰى بِىَ الظُّهْرَ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَتْ قَدْرُ الشِّرَاكِ وَصَلّٰى بِىَ الْعَصْرَ حِيْنَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَىْءٍ مِثْلَهٗ وَصَلّٰى بِىَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰى بِىَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّفَقُ وَصَلّٰى بِىَ الْفَجْرَ حِيْنَ حُرِّمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَى الصَّائِمِ فَلَمَّا كَانَ الْغَدُّ صَلّٰى بِىَ الظُّهْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهٗ مِثْلَهٗ وَصَلّٰى بِىَ الْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهٗ مِثْلَيْهِ وَصَلّٰى بِىَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰى بِىَ الْعِشَآءَ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَصَلّٰى بِىَ الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَىَّ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ هٰذَا وَقْتُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ وَالْوَقْتُ مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ“۔ (مشکوٰۃ ص ۵۹)

”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریل نے بیت اللہ کے پاس دو دن نماز پڑھائی (اول دن) ظہر اس وقت پڑھائی جبکہ ابھی سورج تسمے کی مقدار ڈھلا اور عصر اس وقت پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا اور مغرب پڑھائی جبکہ روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے اور عشاء پڑھائی جبکہ شفق غائب ہوئی اور فجر پڑھائی جس وقت روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے اور جب دوسرا دن آیا تو مجھے ظہر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے قد کے برابر ہوا اور عصر اس وقت جبکہ ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہو گیا اور مغرب پڑھائی جب کہ روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے اور عشاء جب رات کی تہائی حصہ گزر گیا اور فجر تو اسے روشن کر کے پڑھایا پھر عرض کی حضور یہی وقت آپ سے پہلے انبیاء کا ہے اور جو وقت ان دو وقتوں کے درمیان ہے"۔

اس حدیث میں جو دوسرے دن حضرت جبریل کا مغرب کے سوا باقی نمازوں کو تاخیر سے پڑھانے کا ذکر ہے اس میں یہ ہے کہ وقت مستحب سے زیادہ تاخیر نہیں کی ورنہ یہ لازم آئے گا کہ دوسرے دن حضرت جبریل علیہ السلام نے مکروہ وقت میں نماز پڑھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکروہ وقت میں نماز ادا کی حالانکہ جبریل علیہ السلام کا امامت کرانا اور وقت بتانا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ اگر زیر بحث روایت پر محمول کیا جائے کہ ہر نماز کا اول وقت مستحب ہے یعنی جونہی وقت آئے تو نماز کو ادا کرنا مستحب تو یہ مذکورہ حدیث کے خلاف ہوگا لہٰذا ماننا پڑے گا حدیث کا جو معنی مفتی صاحب نے کیا ہے وہ صحیح ہے اور وہابی کا اعتراض جہالت فائدہ مذکورہ حدیث میں نماز مغرب کو ایک ہی وقت میں جب سورج غروب ہوا ادا کرنے کا ثبوت ہے جبکہ وہابی اس کا خلاف کرتے ہیں کیونکہ یہ مغرب کی اذان کے بعد فرضوں سے قبل ہی نفل شروع کر دیتے ہیں بعد میں فرض پڑھتے ہیں۔

ثانیاً: زیر بحث حدیث سے یہ مراد لیا جائے کہ جب ہی نماز کا وقت آئے اسی وقت پڑھ لینی چاہیے تو خود غیر مقلد وہابی اس کا خلاف کرتے ہیں کیونکہ یہ بھی کچھ وقت گزرنے کے بعد نماز پڑھتے ہیں۔ ما کَانَ جَوَابُکُمْ فَھُوَ جَوَابُنَا۔

ثالثاً: وہابی صاحب کا یہ اعتراض کہ (زیر بحث حدیث کی بنا پر احناف کا) فجر میں اسفار اور ظہر میں ابراد اور عشاء میں تاخیر کا افضل ہونا بھی غلط ہوگا۔ فقیر کہتا ہے کہ یہ خرابی تب آتی ہے جبکہ محض اول وقت کو ہی وقت مستحب مراد لیا جائے۔

احناف کا عمل احادیث کے مطابق ہے:

نیز احناف فجر میں اسفار اور ظہر میں ابراد اور عشاء میں تاخیر کرنے میں بھی احادیث پر عمل کرتے ہیں چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث میں آیا کہ دوسرے دن حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز روشنی اور ظہر ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہونے کے بعد اور عشاء تہائی رات گزرنے کے بعد پڑھائی علاوہ ازیں مشکوٰۃ ص ٦٠ پر ہے:

> ”عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اِذَا اشْتَدُّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوۃِ وَفِیْ رَوَایَۃٍ لِلْبُخَارِیّ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ بِالظُّھْرِ فَاِنَّ شِدَّۃَ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَھَنَّمَ“۔ الخ
>
> ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب گرمی زیادہ ہو تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو اور بخاری کی روایت میں ہے کہ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو بے شک سخت گرمی دوزخ کی گرمی سے ہے“۔

اور مشکوٰۃ کے ہی صفحہ ٦٠ پر ہے:

> ”وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لَوْلَا اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ اَنْ یُّؤَخِّرُو الْعِشَآءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ

اَوْ نِصْفِہٖ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ"۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں انہیں حکم کرتا کہ نماز عشاء کو تہائی رات یا نصف تک تاخیر سے پڑھیں"۔

اسے روایت کیا امام احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے۔ فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختار ہیں جس کا چاہیں حکم کریں اور جس سے چاہیں منع فرمائیں۔ اسی کے اسی صفحہ پر ہے:

فجر روشنی میں پڑھنا بڑا اجر ہے:

"وَعَنْ رَافِعِ ابْنِ خُدَیْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّہٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ وَلَیْسَ عِنْدَ النِّسَائِیِّ فَاِنَّہٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ"۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کو روشن کر کے پڑھو پس بے شک یہ اجر کے لئے بہت بڑا ہے اسے ترمذی، ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا اور نسائی کی روایت میں فانہ اعظم للاجر کے الفاظ نہیں آئے۔ ان احادیث مبارکہ سے جہاں اہلسنّت وجماعت احناف کا عمل سنت کے موافق ثابت ہوا وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ نام نہاد اہلحدیث کا اعتراض احادیث سے جہالت ہے۔

رابعاً: غیر مقلد صاحب کا تقریب اور میزان للعلامہ ذہبی کے حوالہ سے حضرت عبد اللہ بن عمر العمری کو ضعیف قرار دینا اس کے جواب میں فقیر کہتا ہے کہ وہابی صاحب نے یہاں بھی سابقہ عادت کے مطابق مقصد پورا کرنے کو راوی حدیث کے ضعف پر قول لکھ لیئے اور ساتھ ہی جن محدثین نے ان کی مدح وثقاہت بیان کی انہیں

نظر انداز کر دیا ورنہ میزان میں ہی امام ابن معین فرماتے ہیں:

"لَیْسَ بِہٖ بَاْسٌ یَکْتُبُ حَدِیْثُہٗ وَقَالَ الدَّارِمِیُّ قُلْتُ لِاِبْنِ مُعِیْنٍ کَیْفَ حَالُہٗ؟ قَالَ فِیْ نَافِعٍ صَالِحٌ ثِقَۃٌ"۔

فرمایا ان میں کوئی حرج نہیں ان سے حدیث لکھی جائے۔ محدث دارمی کہتے ہیں کہ میں نے امام ابن معین سے پوچھا کہ جب (عبد اللہ بن عمر العمری) حضرت نافع سے روایت کریں تو ان کا کیا حکم ہے فرمایا وہ صلاحیت والے ثقہ ہیں۔ اسی جگہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "صالح لا باس بہ" وہ صلاحیت والے ہیں ان میں کوئی خرابی نہیں اور امام ابن عدی نے فرمایا: "ھُوَ فِیْ نَفْسٍ صُدُوْقٍ" وہ اپنی ذات میں بہت سچے ہیں اب اس غیر مقلد صاحب کا کیا اعتبار کیا جائے جو ان اقوال کو دانستہ نظر انداز کر کے محض اپنا مقصد پورا کرنے کو راوی کا ضعف ثابت کر رہا ہے۔

خامساً: اس پر شاہد موجود ہے جس سے اسے مزید تقویت ملتی ہے چنانچہ السنن الکبریٰ للبیہقی میں ہے:

"عَنْ اَبِیْ عَمْرٍو الشَّیْبَانِیِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَئَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلٰوۃ فِیْ اَوَّلِ وَقْتِھَا الْحَدِیْثِ"۔ (ج۱،ص۴۳۴)

"یعنی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا عمل افضل ہے فرمایا اپنے وقت پر نماز پڑھنا۔"

اب جاء الحق سے دلیل نمبر ۱۵: مسلم شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

"قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تِلْکَ صَلٰوۃُ

الْـمُـنَـافِقِ يَجْلِسُ وَيَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اَصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَى الشَّيْطٰنَ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَّا يَذْكُرُ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلاً"۔

"فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کی انتظار کرتا رہے یہاں تک جب زرد ہو جائے اور سورج شیطان کے دو سنگوں کے درمیان پہنچ جائے تو چار چونچ مارے جن میں رب کا ذکر تھوڑا کرے"۔

دلائل کے بعد مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: اس قسم کی احادیث بیشمار ہیں جن میں نماز وقت پر ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دیر سے یا وقت مکروہ میں نماز پڑھنے پر سخت عتاب فرمایا، اسے منافقوں کا عمل قرار دیا گیا، یہاں بطور نمونہ چند احادیث پیش کی گئیں، افسوس ہے ان وہابی غیر مقلدوں پر جو گھر سے دور میل جا کر سفر کا بہانہ بنا کر وقت نکال کر نماز پڑھتے ہیں نہ کوئی مجبوری ہوتی ہے نہ کوئی عذر، صرف نفسِ امارہ کا دھوکا ہے۔ کھانا وقت پر کھائیں، دنیاوی تمام کام خوب سنبھال کر کریں، مگر نمازیں بگاڑیں جو اسلام کا پہلا فریضہ اور اعلیٰ رکن ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہابیوں کی صحبت سے بچیں اور سفر و حضر میں تمام نمازیں اپنے وقت پر پڑھیں۔ اس پر غیر مقلد کے اعتراض مفتی صاحب اس میں سفر کا ذکر تو کجا اشارہ تک بھی موجود نہیں البتہ حضر کا ذکر ضرور ہے کہ تجلس ویرقب کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے۔

ثانیاً: روایت مذکورہ میں نماز عصر کا ذکر ہے چنانچہ امام نووی نے اس پر باب استحباب التکبیر بالعصر کا عنوان قائم کیا ہے اور اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: فیہ تصریح بزعم تاخیر صلوٰۃ العصر بلا عذر۔ یعنی نماز عصر کو بغیر کسی شرعی عذر کے تاخیر سے پڑھنے کی مذمت کی تصریح ہے۔ اور نماز عصر کو سفر میں بھی جمع بین الصلوٰتین کی صورت میں بھی لیٹ نہیں کیا جاتا بلکہ نماز عصر کو اول وقت میں ادا کی جاتا ہے۔

ثالثاً: روایت مذکورہ کا عدم جمع بین الصلوٰتین سے تعلق تو کجا سرے سے اس کا سفر سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے جس پر حدیث کے یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ فنقر اربعاً وہ جلدی جلدی الٹی سیدھی چار رکعتیں ادا کرتا ہے: مفتی صاحب عصر کی سفر میں چار رکعات نہیں ہوتیں ہیں بلکہ دو ہوتی ہیں اور چار حضر میں ہوتی ہیں۔ اس اعتراض سے جان چھڑانے کے لئے فنقر اربعًا کا معنی ہی غلط کیا ہے۔ چار چونچ مارے حالانکہ ان الفاظ کا معنی چار رکعات تھا۔ چنانچہ ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں ای لفظ اربع رکعات سریعاً۔ (مرقاۃ ج۲، ص۱۳۱) اسے مفتی صاحب کا وہم نہیں کہا جا سکتا بلکہ جان بوجھ کر ترجمہ غلط کیا ہے تاکہ عام آدمی یہ معلوم ہی نہ کر پائے کہ حدیث میں حالت حضر کی بات ہے۔ انا للہ۔ فائدہ جلیلہ مفتی صاحب کے دلائل کو مکرر ملاحظہ فرمایئے اس میں کوئی ایسی حدیث پیش نہیں کی گئی اور نہ پیش کی جا سکتی ہے کہ جس میں جمع بین الصلوٰتین فی السفر کی نفی ہو بلکہ مفتی صاحب نے صاف اقرار کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں نمازیں جمع فرمانا عذر سفر کی وجہ سے تھا ضرورت پر بہت سی ممنوع چیزیں حلال ہو جاتی ہیں۔ اسکے بعد مفتی صاحب نے انہیں جمع صوری پر محمول کیا ہے مگر اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی کہ جمع فی السفر جمع صوری تھی اور محض لکھ دینا کوئی دلیل نہیں ہے۔ (نام نہاد دین الحق ص۵۹۷ تا ۵۹۷)

الجواب اولاً: مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث فصل میں قرآن وحدیث سے وہ دلائل دیئے ہیں جن میں وقت پر نماز پڑھنے کا حکم وتاکید ہے اور بلا عذر گزار کر پڑھنے پر عتاب ومذمت ہے اور یہ سب ان وہابیوں کے خلاف دلائل ہیں جو تین میل سفر کا بہانہ ہاتھ آنے بلکہ گھر میں ہی دنیاوی حاجت اور کھیل کود اور نوکری کی غرض سے جیسا کہ ان کی کتب سے حوالے گزرے نمازیں جمع کر کے پڑھتے پھر اپنے کو اہلحدیث بھی کہلاتے ہیں مگر فریق ثانی نے شرم وحیاء کو یکطرف کر دیا ہے اور یہی رٹ لگا رکھی ہے جی یہ ہمارے خلاف دلائل نہیں جی اس میں سفر کا ذکر تک نہیں

وغیرہ وغیرہ۔

وہابی کو کھلا چیلنج:

ثانیاً: اگر وہابی صاحب ان الفاظ فَــنَــقَــرَ اَرْبَــعًــا کا جو معنی مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا (تو چار چونچ مارے) اسے غلط ثابت کر دے اور اپنے خود ساختہ معنی (چار رکعات) کو صحیح ثابت کر دے تو فقیر سے دس ہزار روپیہ انعام وصول کر لے ''وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ''۔ وہابی صاحب کی بددیانتی کا حال یہ ہے کہ شرح مسلم نووی سے اپنے مطلب کے الفاظ لکھ لئے مگر ساتھ ہی جو انہوں نے فَنَقَرَ اَرْبَعًا کا معنی کیا اسے دانستہ چھوڑ دیا کیونکہ اگر اسے نقل کر دیتا تو مفتی صاحب کے معنی کی تصدیق ہو جاتی اور وہابی صاحب کے جھوٹ کا پول کھل جاتا علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''وَالْمُرَادُ بِالنَّقْرِ سُرْعَةُ الْحَرَكَاتِ كَنَقْرِ الطَّائِرِ''۔

(مسلم مع شرح نووی ج۱، ص۲۲۵)

یعنی نقر سے مراد حرکات میں جلد بازی کرنا ہے جیسے پرندے کا چونچ مارنا۔

حاشیہ مشکوٰۃ پر اسی حدیث کی شرح میں ہے:

''فَقَوْلُهٗ فَنَقَرَ اَرْبَعًا وَّفِي الْقَامُوْسِ نَقَرَ الطَّائِرُ لَقَطَ مِنْ هٰهُنَا شُبِّهَ تَخْفِيْفُ السَّجْدَةِ مِنْ غَيْرِ طَمَانِيَّةٍ وَاِطْلَاقُ الْاَرْبَعِ بِاِعْتِبَارِ جَعَلَ السَّجْدَتَيْنِ رُكْنًا وَّاحِدًا بَاَرَادَةِ الْجِنْسِ اَوْ وُرُوْدُهٗ فِي السَّفَرِ اَوْ حِيْنَ كَانَ صَلٰوةُ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الزِّيَادَةِ اَوْلَمَّا كَانَ لَمْ يُفَصَّلْ بَيْنَ سَجْدَتَيْنِ فَكَاَنَّهُمَا سَجْدَةٌ وَّاحِدَةٌ''۔

(ص۶۰ ناشر مکتبہ امدادیہ ملتان)

اور قاموس میں ہے کہ نقر الطائر کا معنی ہے کہ وہ کبھی کوئی چیز ادھر سے اٹھاتا ہے کوئی چیز اُدھر سے اسے تشبیہ دی گئی بلا اطمینان سجدہ میں تخفیف سے اور چار پر اطلاق

باعتبار اس کے ہے کہ دوسجدوں کو ایک رکن کیا ہے یا اگر ایک چونچ سے ایک سجدہ لیں تو اس کا ورود سفر کی نماز میں ہے یا زیادہ ہونے سے قبل جب عصر نماز دو رکعت تھی یا اس وقت ہے جبکہ دوسجدوں میں فرق نہ کیا تو گویا وہ دونوں ایک ہی سجدہ ہیں اب اس میں مراد سجدے لیئے گئے ہیں رکعتیں نہیں لی گئیں۔ مصباح اللغات میں ہے: نَقَرَ الطَّائِرُ الحَبَّ ۔ پرندہ کا ادھر اُدھر سے دانہ چگنا۔ اس کے معانی کیئے ہیں مگر چار رکعات معنی نہیں جو کہ وہابی صاحب نے کیا۔

ثالثاً وہابی صاحب کا یہ دعویٰ کہ ایسی کوئی دلیل پیش نہیں اور نہ کی جا سکتی ہے جس میں جمع بین الصلوٰتین کی نفی ہو۔ فقیر جواباً کہتا ہے کہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی باب کی دوسری فصل میں بخاری، طبرانی، نسائی سے احادیث پیش کی ہیں جن میں جمع صوری متعین ہوتی ہے اور جب جمع صوری متعین ہوئی تو جمع حقیقی کی خود بخود نفی ہوگئی۔ نیز غیر مقلد صاحب کے بڑوں نذیر حسین دہلوی اور علامہ شوکانی صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ جن روایات میں جمع بین الصلوٰتین کا ذکر ہے اس سے مراد جمع صوری ہے نہ کہ حقیقی جیسا کہ فتاویٰ نذیریہ کا حوالہ گذرا۔

رابعاً غیر مقلد صاحب کا یہ بھی دعویٰ محض گپ کی حد تک ہے کہ جمع بین الصلوٰتین کی نفی پر کوئی دلیل نہیں دی جا سکتی۔ جبکہ ہم بفضلہ تعالیٰ اسی زیر بحث فصل میں سفر میں جمع بین الصلوٰتین کے عدم جوز پر دلائل پیش کر آئے ہیں۔ اب جاء الحق سے سفر میں عدم جواز جمع بین الصلوٰتین پر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عقلی دلائل ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں: عقل کا تقاضا یہ بھی ہے کہ سفر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھی جائے ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں نہ پڑھے کیونکہ شریعت نے پانچوں نمازیں اور نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت سب کے اوقات علیحدہ علیحدہ مقرر فرمائے کہ ان میں سے کسی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا نہیں کیا جاتا مسافر بحالت سفر نماز فجر، نماز عصر، نماز عشاء

چاشت، نماز اشراق، نماز جمعہ پڑھے تو ان کے مقررہ وقتوں ہی میں پڑھے گا یہ نہیں کر سکتا کہ نماز تہجد سورج نکلنے کے بعد یا نماز جمعہ عصر کے وقت میں یا نماز فجر سورج نکلنے یا نماز عشاء صبح صادق ہو جانے پر پڑھے تو ظہر اور مغرب نے یا قصور کیا ہے کہ مسافر صاحب ظہر تو عصر کے وقت میں پڑھیں اور مغرب عشاء کے وقت میں حالانکہ سفر میں ان دونوں نمازوں کے وہی وقت ہیں جو حضر میں ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہابی صاحبان بتائیں کہ وہی وقت ہیں جو سفر میں ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت پڑھتے ہیں تو یہ ظہر اور مغرب ادا ہوتی ہے اگر قضاء ہوتی ہے تو دیدہ و دانستہ نماز قضاء کرنا سخت گناہ ہے۔ اور اگر ادا ہوتی ہے تو کیوں حضرت جبریل امین نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جو نمازوں کے اوقات عرض کئے تو یہ نہ فرمایا کہ مسافر کے لئے ظہر کا وقت آفتاب ڈوبنے تک اور مغرب کا وقت صبح صادق تک ہوگا۔ بلکہ ہر مسلمان کے لئے وقت ظہر عصر سے پہلے ختم ہونے اور وقت مغرب عشاء سے پہلے ختم ہونے کا حکم دیا تھا پھر تم نے مسافر کے لئے ان دو نمازوں میں یہ وقت کی گنجائش کہاں سے نکالی اور مسلمانوں کی نمازیں کیوں خراب کیں بہر حال پانچوں نمازوں کے اوقات مسافر و مقیم ہر ایک کے لئے یکساں ہیں ہر مسلمان پر فرض ہے کہ ہر حال میں ہر نماز اس کے وقت میں پڑھے۔

وہابی کا مفتی صاحب کے عقلی دلائل کے جواب سے فرار:

واضح رہے کہ وہابی صاحب راہ فرار اختیار کرتے ہوئے مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے ان عقلی دلائل کا کوئی جواب نہیں دیا جس سے معلوم ہوا کہ وہابی حضرات نقل کے علاوہ عقل کے بھی خلاف چلتے ہیں۔

جمع نمازوں کے عدم جواز پر وہابیوں کے اعتراضوں کے جواب:

جاء الحق سے اس باب کی دوسری فصل اس مسئلہ پر غیر مقلدوں کے

اعتراضات اور ان کے جوابات میں: اس کے آغاز میں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: غیر مقلد وہابی اب تک اس مسئلہ کے متعلق جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم وہ تمام نقل کر کے ہر ایک کے جوابات عرض کرتے ہیں، آئندہ اگر کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی عرض کر دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر۱: بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رویت کی:

"قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَجْمَعُ بَينَ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ وَّيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ"۔

"فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو نماز ظہر وعصر جمع فرما لیتے تھے اور مغرب وعشاء بھی جمع فرماتے تھے"۔

یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد، موطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی شریف وغیرہ نے بہت محدثین نے مختلف راویوں سے کچھ فرق سے بیان فرمائی ہے۔ یہی حدیث وہابیوں کی انتہائی دلیل ہے جسے وہ بہت قوی دلیل سمجھتے ہیں۔

اس مسئلہ پر پہلے اعتراض کا جواب:

جواب: اس کے چند جواب ہیں بغور ملاحظہ فرماؤ:

ایک یہ کہ ابوداؤد شریف اور طحاوی شریف وغیرہم نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر سفر بغیر خوف کے مدینہ منورہ میں بھی ظہر وعصر ایسے ہی مغرب وعشاء جمع فرما لیتے تھے۔ چنانچہ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں:

"قَالَ جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بَيْنَ الظُّهْرِ

وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ بِالْمَدِیْنَةِ غَیْرِ خَوْفٍ وَّلَا مَطَرٍ“۔

”ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر وعصر اور مغرب وعشاء مدینہ منورہ میں بغیر خوف اور بغیر بارش کے جمع فرما لیتے تھے“۔

بلکہ اسی ابوداؤد وطحاوی شریف نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں سات بلکہ آٹھ نمازیں جمع فرما لیتے تھے۔ چنانچہ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں:

”قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بِالْمَدِیْنَةِ ثَمَانِیًا وَّسَبْعًا اَلظُّھْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَآءَ“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں سات نمازیں آٹھ نمازیں جمع کر کے ہم کو پڑھائیں ظہر، عصر، مغرب وعشاء۔

تو اے وہابیو تم صرف سفر میں ظہر وعصر یا مغرب وعشاء پر ہی مہربانی کیوں کرتے ہو؟ تمہیں چاہیے کہ روافض کی طرح سات سات آٹھ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ کر آرام کیا کرو سفر میں بھی اور گھر میں بھی کیا بعض احادیث کو مانتے ہو اور بعض کے انکاری ہو۔

دوسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ بخاری کی حدیث میں یہ تو مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر وعصر جمع فرمائی، مگر یہ تفصیل نہیں کہ کیسے جمع فرمائیں، آیا عصر جمع فرمائی، مگر یہ تفصیل نہیں کہ کیسے جمع فرمائیں، آیا عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھایا ظہر کو عصر کے وقت میں ایسے ہی مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی یا عشاء مغرب کے وقت میں، لہٰذا یہ حدیث مجمل ہے اور مجمل حدیث بغیر تفصیل کے قابل عمل نہیں ہوتی۔

تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں ان نمازوں کو جمع فرمانا عذر سفر کی وجہ

سے تھا، ضرورت پر بہت سی ممنوع چیزیں حلال ہو جاتی ہیں اور جمع بھی صرف صورۃً تھا حقیقۃً نہ تھا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر عصر کے وقت میں نہ پڑھی بلکہ سفر کرتے کرتے ظہر کے آخر وقت میں قیام فرمایا، ظہر آخر وقت میں ادا فرمائی اور عصر اول وقت میں، بظاہر معلوم یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نمازیں ایک وقت میں ادا فرمائیں لیکن حقیقۃً ہر نماز اپنے وقت میں ہوئی ظہر یا مغرب آپ نے آخر وقت میں پڑھی، عصر یا عشاء اول وقت میں اس صورت میں یہ حدیث نہ قرآن کے خلاف ہوئی نہ دوسری احادیث کے جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کیں۔ یہ جمع بالکل جائز ہے یہی ہمارا مذہب ہے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث جو طحاوی وابوداؤد نے روایت کی جس میں فرمایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں بغیر خوف بغیر بارش ساتھ آٹھ نمازیں جمع فرمالیتے تھے وہاں سات آٹھ نمازیں مراد نہیں، بلکہ ساتھ آٹھ رکعتیں مراد ہیں کہ اگر مغرب وعشاء صورۃً جمع فرمائیں تو فرض کی ساتھ رکعتیں جمع ہوگئیں تین مغرب کی چار عشاء کی اور اگر ظہر وعصر جمع فرمائیں تو آٹھ رکعتیں جمع ہوگئیں چار ظہر کی اور چار عصر کی، چونکہ یہ جمع صورۃً تھی نہ کہ حقیقۃً لہٰذا سفر میں بھی جائز تھی اور حضر میں بھی بیان جواز کے لئے حدیث سمجھنے کے لئے شرعی عقل اور حدیث والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ غلامی چاہیے جس سے وہابی بے بہرہ ہیں۔

اس پر غیر مقلد کے اعتراض: مفتی صاحب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت درج کر کے نتیجہ نکالا ہے کہ یہ جمع صوری تھی اور دلیل دیتے ہوئے حسب ذیل روایت کی ہے کہ طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ:

”اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَجْمَعُ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَآءَ یُؤَخِّرُ ھٰذِہٖ فِیْ آخِرِ وَقْتِھَا وَیُعَجِّلُ ھٰذِہٖ فِیْ اَوَّلِ وَقْتِھَا“۔

”بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغرب وعشاء اس طرح جمع کرتے تھے

کہ مغرب اس کے آخر وقت میں ادا فرماتے تھے اور عشا اس کے اول وقت میں"۔

اولاً: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مروی روایت حالت قیام کی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں سعید بن جبیر اور جابر بن زید کے طریق سے مروی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں اس کی صراحت ہے کہ یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں پیش آیا تھا۔ (صحیح مسلم ج۱، ص۲۴۶) مقیم کی نماز کو مسافر کی نماز پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے ہمیں ڈر ہے کہ کہیں علماء بریلی مقیم پر مسافر کو قیاس کر کے نماز میں قصر کو ہی ناجائز قرار نہ دے دیں۔

ثانیاً: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں جن کی ضروری تفصیل نیل الاوطار تحفۃ الاحوذی اور معیار الحق میں دیکھی جا سکتی ہے مگر ابن مسعود کی روایت سے اس کا تعین کرنا کہ یہ جمع صوری تھی قطعاً غلط ہے۔

ثالثاً: ابن مسعود سے مروی روایت نہایت درجہ کی ضعیف ہے۔ چنانچہ علامہ ہیثمی نقل روایت کے بعد فرماتے ہیں کہ **فیہ ابو مالك النخعی وھو ضعیف** (مجمع الزوائد: ج۲، ص۱۶۲) یعنی اس کی سند میں ابو مالک نخعی ہے اور وہ ضعیف ہے امام ابن معین اسے لیس بشئی کہتے ہیں۔ امام ابن علی فرماتے ہیں کہ ضعیف ہونے کے علاوہ منکر الحدیث ہے۔ امام ابوزرعہ ابوحاتم اس کو ضعیف الحدیث قرار دیتے ہیں۔ امام نسائی کا کہنا ہے کہ اس کی روایت لکھی ہی نہ جائے۔ امام ازدی، امام جورجانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی اسے متروک الحدیث قرا دیتے ہیں۔ (تہذیب: ج۱۲، ص۲۴۱ واحوال الرجال: ص۶۰ وتقریب: ۳۱۲ نام نہاد دین الحق ص۵۸۴)

وہابی کی غلط بیانی اور حقیقت:

الجواب اولاً: یہ وہابی صاحب کی غلط بیانی ہے کہ مفتی صاحب نے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت درج کی ہے حالت قیام کے متعلق ہے حالانکہ صحیح

یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ واضح ہیں کہ اس کا تعلق سفر سے ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یَجْمَعُ بَیْنَ صَلٰوۃِ الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ اِذَا کَانَ عَلٰی ظَھْرِ سَیْرٍ وَّیَجْمَعُ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ"۔ (بخاری ج۱، ص۱۴۹)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر ہوتے تو نماز ظہر و عصر جمع فرما لیتے اور مغرب و عشاء جمع کر لیتے تھے"۔

اس میں (عَلٰی ظَھْرِ سَیْرٍ) الفاظ واضح ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ایسا کرتے۔ مگر وہابی صاحب کو اس کے انکار میں نہ جانے کیا حاصل ہے نیز صحیح مسلم کی جس روایت کی وہابی صاحب بات کرتے ہیں کہ اس میں مدینہ منورہ میں بحالتِ قیام کا واقعہ ہے وہ روایت ہی دوسری ہے مگر وہابی صاحب کم عقلی سے ان دو کو ایک ہی روایت سمجھے ہیں۔

ثانیاً: مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جو اس جگہ اصل اعتراض ہے اس کا وہابی صاحب جواب ہی نہیں دے سکا وہ یہ کہ مفتی صاحب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت کے متعلق کہا کہ یہ مجمل ہے اور مجمل حدیث بغیر تفصیل قابل دلیل نہیں ہوتی۔ اس کا جواب چھوڑ کر وہابی صاحب نے اور ہی اوٹ پٹانگ شروع کر دیئے ہیں۔

ثالثاً: غیر مقلد کا یہ کہنا کہ ابن مسعود کی روایت سے اس کا تعین کرنا کہ یہ جمع صوری تھی قطعی طور پر غلط ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ وہابی صاحب جیسا ڈھیٹ وضدی ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا حالانکہ جسے ادنیٰ تعلق عربی زبان سے ہے وہ سمجھ جائے گا کہ اس سے جمع صوری کا تعین ہوتا ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

"اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَجْمَعُ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَآء

يُؤَخِّرُ هٰذِهٖ فِیْ آخِرِ وَقْتِهَا وَيُعَجِّلُ هٰذِهٖ فِیْ اَوَّلِ وَقْتِهَا“ ۔

”بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغرب وعشاء اس طرح جمع فرماتے کہ اسے یعنی مغرب کو اس کے آخر وقت تک مؤخر کر کے ادا فرماتے اور اسے یعنی عشاء کو اس کے اول وقت میں جلدی ادا فرماتے“۔

اب اس میں واضح ہے کہ دونوں نمازیں اپنے وقت میں ادا ہوئیں مغرب اپنے آخر وقت اور عشاء اپنے اول وقت میں تو اسی کا نام جمع صوری ہے:

وَلٰكِنَّ الْوَهَّابِیْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ۔

رابعاً: وہابی صاحب کا زیر بحث روایت کی صحت پر اعتراض فقیر کہتا ہے کہ اس روایت کو قوت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اپنے فعل سے بھی حاصل ہوتی ہے جسے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح بیان کیا ہے:

”حَدَّثَنَا فَهْدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ النُّفَيْلِیُّ قَالَ ثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ قَالَ ثَنَا اَبُوْ اِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيْدَ يَقُوْلُ صَحِبْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ فِیْ حَجِّهٖ فَكَانَ يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ وَيُعَجِّلُ الْعَصْرَ وَيُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ وَيُعَجِّلُ الْعِشَاءَ وَيَسْفِرُ بِصَلٰوةِ الْغَدَاةِ ۔ (شرح معانی الآثار: ج۱، ص۱۱۴)

”حضرت ابواسحاق کہتے ہیں کہ میں نے عبد الرحمٰن بن یزید کو بیان کرتے سنا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ان کے حج میں صحبت اختیار کی آپ ظہر میں تاخیر کرتے اور عصر کو جلدی پڑھتے اور مغرب میں تاخیر کرتے اور عشاء کو جلدی پڑھتے اور نماز فجر کو روشنی میں پڑھتے“۔

اس سے معلوم ہوا کہ دو نمازوں کو جمع کرنا اس صورت پر تھا کہ ایک نماز کو مؤخر کر کے اس کے آخر وقت میں ادا کیا جاتا اور ساتھ والی میں جلدی کر کے اس کے

اوّل وقت میں ادا کیا جاتا ہے اور یہ جمع صوری ہے جس کے جواز کے ہم قائل ہیں اگر جمع حقیقی جائز ہوتی یعنی سفر میں ایک نماز و دوسری کے وقت میں پڑھنا جائز ہوتا تو پھر عصر و عشاء میں جلدی کی کیا حاجت تھی پہلی کا وقت تو گذر چکا تھا اب عصر و عشاء کو ان کے مستحب وقت میں ادا کر لیا جاتا جب کہ عصر میں ہمیشہ درمیانہ وقت مستحب ہے اور عشاء میں ایک تہائی رات گزرنا۔

مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے سابقہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ضمن میں فرمایا کہ اس سے مراد جمع صوری ہے جو ہر لحاظ سے جائز ہے اس کی تائید میں مندرجہ ذیل مضمون قائم کیا فرماتے ہیں۔ نمازیں جمع کرنے کے جو معنے ہم نے بیان کیئے اس معنی کی تائید بہت سی احادیث سے ہوتی ہے۔ جن میں سے بعض احادیث نقل کی جاتی ہیں۔ سنو اور عبرت پکڑو:

حدیث نمبر ۱: طبرانی حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

”اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَجْمَعُ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَآءَ یُؤَخِّرُ ھٰذِہٖ فِیْ آخِرِ وَقْتِھَا وَیُعَجِّلُ ھٰذِہٖ فِیْ اَوَّلِ وَقْتِھَا“ -

”بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغرب و عشاء اس طرح جمع فرماتے تھے کہ مغرب اس کے آخر وقت میں ادا فرماتے تھے اور عشاء اس کے اول وقت میں“۔

اس پر غیر مقلد کے اعتراض اور ان کے جواب گزر گئے۔ جاء الحق سے حدیث نمبر ۲: بخاری شریف میں حضرت سالم سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں:

”وَکَانَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنَ عُمَرَ یَفْعَلُہٗ اِذَا اَعْجَلَہُ السَّیْرَ یُقِیْمُ الْمَغْرِبَ فَیُصَلِّیْھَا ثَلٰثاً ثُمَّ یُسَلِّمُ ثُمَّ قَلَّمَا یَلْبِثُ حَتّٰی یُقِیْمَ الْعِشَآءَ فَیُصَلِّیْھَا رَکْعَتَیْنِ“ -

> ''عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سا عمل کرتے تھے کہ جب سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب کی تکبیر کہتے اور تین رکعت پڑھتے پھر سلام پھیرتے پھر تھوڑی دیر ٹھہرتے پھر عشاء کی تکبیر فرماتے اور دو رکعت عشاء پڑھتے''۔

اس پر غیر مقلد کے اعتراض: بخاری کی جس روایت سے مفتی صاحب نے جمع صوری مراد لی ہے اس میں جمع صوری کا قطعا کوئی اشارہ نہیں ہے بلکہ یہاں تک کہ اس روایت سے سرے سے یہی معلوم نہیں ہوتا کہ نماز مغرب کو کتنی دیر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے لیٹ کیا چنانچہ ابن حجر مذکورہ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: **لم یعین غایة التاخیر** (فتح الباری: ج۲، ص۴۶۵) یعنی اس روایت میں انتہائے تاخیر کی حد کا تعین نہیں۔ مگر کمال ہے کہ مفتی صاحب اس روایت سے نماز مغرب کو آخری وقت میں اور عشاء اول وقت پر ادا کرنے پر استدلال ہی نہیں بلکہ مخالف پہ حجت قائم کر رہے ہیں۔ ثانیاً: مفتی صاحب کے مذکورہ شگوفے کو بخاری شریف کی وہ روایت رد کر رہی ہے جو کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کے باب السرعۃ فی السیر میں روایت کیا ہے۔

> **''حَتّٰی اِذَا كَانَ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّفَقِ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعَتَمَةَ جَمَعَ بَيْنَهُمَا''**۔ (صحیح بخاری: ج۱، ص۴۲۱)

> ''یعنی یہاں تک کہ شفق غروب ہو گئی تو پھر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ اترے اور نماز مغرب وعشاء کو جمع کر کے پڑھا''۔

ان حقائق کے ہوتے ہوئے مفتی صاحب کا اسے جمع صوری قرار دینا تعصب مذہبی ہے امر واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ مفتی صاحب کی پیش کردہ روایت کی تفسیر بخاری کی دوسری روایت بعد غروب الشفق کرتی ہے اور اس کے یہی معنی درست ہیں چنانچہ حافظ الدنیا علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ:

”لَمْ یُعَیَّنْ غَایَۃُ التَّاْخِیْرِ وَبَیَّنَۃُ مُسْلِمٌ مِنْ طَرِیْقِ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَّافِعٍ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ بِاَنَّہٗ بَعْدَ اَنْ یَّغِیْبَ الشَّفَقُ وَفِیْ رِوَایَۃِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ اَیُّوْبَ وَمُوْسَی بْنِ عُقْبَۃَ عَنْ نَّافِعٍ فَاَخَّرَ الْمَغْرِبَ بَعْدَ ذَھَابِ الشَّفَقِ حَتّٰی ذَھَبَ ھِوَی اللَّیْلِ وَلِلْمُصَنَّفِ فِی الْجِھَادِ مِنْ طَرِیْقِ اَسْلَمَ مَوْلٰی عُمَرَ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ فِیْ ھٰذَا الْقِصَّۃِ حَتّٰی کَانَ بَعْدُ غُرُوْبِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَصَلَّی الْمَغْرِبَ وَالْعِشَآءَ جَمْعًا بَیْنَھُمَا وَلِاَبِیْ دَاوُدَ مِنْ طَرِیْقِ رَبِیْعَۃَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ دِیْنَارٍ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ فِیْ ھٰذَا الْقِصَّۃَ فَصَارِ حَتّٰی غَابَ الشَّفَقُ وَتَصَوَبْتَ (صحیح تصوبت از قادری) اَلنَّجُوْمُ فَنَزَلَ فَصَلَّی الصَّلَاتَیْنِ جَمْعًا“ ۔ (فتح الباری: ج۲، ص۴۶۵)

”یعنی اس روایت (بخاری کی جسے مفتی صاحب نے دلیل بنایا ہے) میں نماز مغرب میں تاخیر کرنے کی حد متعین نہیں ہوتی جبکہ امام مسلم نے طریق نافع سے صراحت کی ہے کہ نماز مغرب کو غروب شفق کے بعد ادا کیا اور اسی طرح امام عبد الرزاق نے نافع کے طریق سے وضاحت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نماز مغرب کو شفق غروب ہونے تک مؤخر کیا یہاں تک کہ رات کا ایک حصہ گزر گیا اور خود امام بخاری نے کتاب الجہاد میں اسلم مولیٰ عمر کے طریق سے روایت کی ہے کہ آپ غروب شفق کے بعد اترے اور مغرب وعشاء کو جمع کیا اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں عبد اللہ بن دینار کے طریق سے وضاحت کی ہے کہ شفق غروب ہو گئی اور تارے نمایاں ہو گئے تو پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما اترے اور مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں“ ۔ (انتھیٰ)

ثالثاً: جس روایت بخاری سے مفتی صاحب نے جمع صوری پر استدلال کیا ہے

اس میں تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے اور پورے الفاظ درج نہیں کیے آخری الفاظ یہ ہیں ولا یسبح بینھما برکعۃ ولا بعد العشاء بسجدۃ الحدیث (بخاری ج۱، ص۱۴۹) یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی رکعت (سنت) وغیرہ نہ پڑھتے اور نہ ہی عشاء کے بعد کوئی رکعت (نفل) ادا فرماتے۔ ان الفاظ کا یہ مفاد تھا کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سفر وغیرہ میں نفل رواتب کا التزام نہ فرماتے تھے اور اس اپنے عمل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے لیکن مفتی صاحب نے آگے چل کر یہ بحث کرنی تھی کہ نفل رواتب سفر میں پڑھنے لازم اور ضروری ہیں۔ اور مذکورہ روایت میں ان کی نفی ہے جس کا توڑ مفتی صاحب کے پاس نہ تھا لہٰذا مفتی صاحب نے اسے خذف کرنا ہی نسخہ شفاء جانا۔

(نام نہاد دین الحق: ص۵۷۵ اور ۵۷۶)

الجواب اولاً: چاہیے تو یہ تھا کہ وہابی صاحب صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث کو صدق دل سے تسلیم کر لیتا مگر یہ صاحب ضد وعناد کے لاعلاج مرض میں مبتلا ہے جو کہ اسے تسلیم حق سے مانع ہے ورنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث جمع صوری کے ثبوت پر واضح ہے کیونکہ اس میں راوی حضرت سالم کا مقصد ہی جمع صوری کی صراحت کرنا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

"قَلَّمَا یَلْبَثُ حَتّٰی یُقِیْمَ الْعِشَآءَ"۔

"یعنی مغرب کی نماز کے بعد تھوڑی دیر ٹھہرتے پھر عشاء کی نماز قائم فرماتے"۔

تھوڑے وقت کی قید سے ظاہر ہے کہ آپ مغرب آخر وقت میں ادا فرماتے اور عشاء اول وقت میں اور یہ جمع صوری ہے۔ نیز اس حدیث کے یہ الفاظ "اِذَا اعجلہ السیر" جب آپ کو سفر میں جلدی ہوتی بھی دلالت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز عشاء کے دخول وقت کے انتظار میں تھوڑی دیر رُکتے کیونکہ سفر کی جلدی

بتانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ آپ قلیل وقت ٹھہرتے۔

ثانیاً غیر مقلد صاحب سے سوال یہ ہے کہ کسی درجہ کی حدیث سے ثابت کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ مسافر کو وقت سے نکال کر نماز پڑھنا جائز ہے یا قرآن وحدیث میں عمداً قضاء نماز پر جو عتاب وسزا مذکور ہے مسافر اس سے مستثنیٰ ہے اگر ایسا ثابت ہیں تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے مغرب کو وقت سے نکال کر عشاء کے وقت میں پڑھنا کیسے جائز ہوا۔

”وَادْعُوا شُهَدَآءَ كُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ“۔

ثالثاً: ممکن ہے کہ اس روایت میں غروب شفق سے مراد شفق الاحمر ہو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک مغرب کا آخر وقت بیاض یعنی سرخی کے بعد سفیدی غائب ہونے تک ہو تو آپ نے مغرب کو اس کے آخر وقت میں ادا کیا اور عشاء کو اس کے اول وقت میں اور یہ جمع صوری ہے نیز اس صورت میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے کیونکہ آپ کے نزدیک شفق سے مراد لالی کے بعد سفیدی ہے یعنی لالی کے بعد سفیدی غائب ہونے تک مغرب کا وقت ہے۔

رابعاً غیر مقلد صاحب اگر تقلید کے بجائے تلاش وتحقیق کا راستہ اختیار کرتا تو اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ صراحت مل جاتی کہ آپ نے جمع صوری فرمائی یعنی مغرب کو اس کے آخر وقت میں ادا کیا اور عشاء کو اس کے اول وقت میں۔ چنانچہ امام بیہقی نے ابن جابر کے طریق سے ایک طویل روایت نقل کی اس میں حضرت نافع فرماتے ہیں:

جمع صوری کی صراحت:

”فَخَرَجَ مُسْرِعاً وَمَعَهٗ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ فَسِرْنَا حَتّٰى اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ لَمْ يَقُلْ لِّيَ الصَّلٰوةُ وَكَانَ عَهْدِىْ بِصَاحِبِىْ وَهُوَ مُحَافِظٌ عَلَى الصَّلٰوةِ فَلَمَّا اَبْطَاقُلْتُ الصَّلٰوةُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَمَا

اِلْتَفَتَ اِلَیَّ ثُمَّ مَضٰی کَمَا ھُوَ حَتّٰی اِذَا کَانَ مِنْ آخِرِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَصَلّٰی بِنَا ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا فَقَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا عَجَّلَ بِہِ الْاَمْرُ صَنَعَ ھٰکَذَا وَبِمَعْنَاہُ رَوَاہُ فَضَیْلُ بْنُ غَزَّوَانَ وَعُطَافُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ نَافِعٍ اِلسنن البیھقی“ ۔ (ج ۳ باب الجمع بین الصلوٰتین فی السفر)

یہی روایت سنن الدار قطنی میں بھی موجود ہے۔ (ج ا باب الجمع بین الصلوٰتین فی السفر)

”یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جلدی سے سفر میں نکلے اور ان کے ہمراہ قریش سے ایک شخص تھا تو ہم چلتے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور آپ نے مجھے نماز (مغرب) کا نہ کہا اور ان دنوں میرا ایک ساتھی پابند نماز تھا تو جب (حضرت عبداللہ) نے دیر کی تو میں نے ان سے نماز کا کہا آپ نے میری بات پہ توجہ نہ دی اس طرح چلتے رہے یہاں تک کہ جب شفق غروب کا آخر وقت ہوا تو آپ اترے تو نماز مغرب ادا کی پھر نماز عشاء کی تکبیر کہی اور اس وقت شفق غروب ہو چکی تھی تو آپ نے ہمیں نماز عشاء پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جب کوئی جلدی کا کام درپیش ہوتا تو ایسا ہی کرتے“۔

اس کا ہم معنی ہی اسے فضل بن غزوان اور عطاف بن خالد نے حضرت نافع سے روایت کیا۔

نوٹ: فضیل بن غزوان اور عطاف بن خالد کی اسناد جن کا امام بیہقی نے ذکر کیا ہے ان دونوں سندوں سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نافع سے یہ روایت سنن الدار قطنی کے مذکورہ باب میں موجود ہیں ان میں حَتّٰی اِذَا کَانَ مِنْ آخِرِ الشفق کی جگہ حتی اذا کادیغیب الشفق آیا ہے۔

اب یہ روایت تینوں اسناد سے ثابت کرتی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مغرب کو اس کے آخر وقت میں غروب شفق سے قبل ادا کیا اور عشاء کو اس کے اول وقت میں غروب شفق کے بعد پڑھا۔ اور اسی طریق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا۔ تو یہ جمع صوری ہے نہ کہ حقیقی

''وَلَوْ كَرِهَ الْوَهَابِيُّوْنَ''

خامساً: وہابی صاحب کا یہ کہنا بھی خالص جہالت ہے کہ مفتی صاحب کی پیش کردہ روایت کی تفسیر بخاری کی دوسری روایت کرتی ہے جس میں ہے کہ بعد غروب الشفق۔

کیونکہ مُفَسِّر (تفسیر کرنے والی) وہ ہے جو ابہام (پوشیدگی کو) دور کرے تو بقول وہابی صاحب مفتی صاحب کی پیش کردہ روایت میں جملہ (قلمایلبث) میں ابہام تھا کہ اس میں ٹھہرنے کی حد اور وقت معلوم نہیں جبکہ جس روایت کو یہ صاحب تفسیر کہہ رہے ہے اس میں ٹھہرنے کا ذکر ہی نہیں تفسیر تو تب تھی جب اس میں بیان ہوتا کہ اتنی مقدار ٹھہرے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس میں ابہام ہے ہی نہیں کیونکہ **قلما یلبث یقیم العشاء** کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وقت عشاء کے دخول کا انتظار کیا جس کی صراحت ان روایتوں سے ہوتی ہے جو ہم نے اوپر بیہقی اور سنن دار قطنی سے پیش کیں۔

ثالثاً: وہابی صاحب کا کہنا کہ ان الفاظ کا یہ مفاد تھا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سفر وغیرہ میں نفل رواتب کا التزام نہ فرماتے تھے اور اس اپنے عمل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے لیکن مفتی صاحب نے آگے چل کر یہ بحث کرنی تھی کہ نفل رواتب سفر میں پڑھنے لازمی اور ضروری ہیں۔

(دیکھئے جاء الباطل۔ صحیح جاء الحق: ج٢ص١٥٦)

اور مذکورہ روایت میں اس کی نفی تھی جس کا توڑ مفتی صاحب کے پاس نہ تھا لہٰذا مفتی صاحب نے اسے حذف کرنا ہی نسخہ شفاء جانا۔

فقیر جواباً کہتا ہے کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سفر میں سنّت و نفل کو پڑھنا لازمی و ضروری نہیں فرمایا لازمی و ضروری فرض واجب کے لئے ہوتا ہے البتہ مفتی صاحب نے یہ فرمایا ہے:

مسافر کو بحالت سفر صرف فرض نماز میں قصر کرنے کا حکم ہے کہ چار رکعت فرض دو پڑھے۔ فرض کے علاوہ تمام نفل و سنّت، وتر گھر کی طرح پورے پڑھے ان نمازوں کا جو حکم گھر میں ہے وہی سفر میں ہے۔ نہ تو ان میں قصر ہے نہ یہ منع ہیں۔ نہ بالکل معاف مگر غیر مقلد وہابی سفر میں نفل نہ خود پڑھتے نہ اوروں کو پڑھنے دیتے ہیں بعض تو اس میں بہت سخت ہیں۔ (جاء الحق ج ۲ ص ۱۵۶)

غیر مقلد کا کہنا کہ مفتی صاحب نے روایت کے پورے الفاظ نہیں لکھے کیونکہ آخری حصّہ ان کے خلاف ہے فقیر کہتا ہے کہ وہابی صاحب روایت کے آخری الفاظ ہم اہلسنّت احناف کے خلاف نہیں ہیں اور جن کو آپ نے آخری الفاظ کہا ہے یہی آخری الفاظ نہیں بلکہ اس سے آگے اس روایت کا حصّہ اور بھی ہے چنانچہ سنن الدار قطنی میں اس طرح ہے:

”وَكَانَ يُصَلِّىْ عَلٰى ظَهْرِ رَاحِلَتِهٖ اَيْنَ تَوَجَّهَتْ بِهِ السَّبَّحَةُ فِى السَّفَرِ وَيُخْبِرُهُمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ ۔ (جزء اول باب الجمع بین الصلوٰتین فی السفر)

”یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دوران سفر اپنی سواری پر جس طرف رخ ہوتا سنن و نوافل پڑھ لیتے تھے اور انہیں کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اسی طرح کرتے تھے“۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی سنت کے موافق سفر میں سنّت ونوافل پڑھتے تھے تو ہم احناف بھی کہتے ہیں۔ کہ فرائض وواجب کے علاوہ سفر میں سنت ونوافل سواری پر پڑھ سکتا ہے اور حضرت کی طرح سفر میں بھی بلا عذر سنت ونفل نہیں چھوڑنے چاہئے تو یہ حدیث ہمارے خلاف نہ ہوئی بلکہ وہابیوں کے خلاف ہوئی جو سفر میں خود بھی سنت ونوافل سے باغی اور دوسروں کو بھی منع کرتے ہیں۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عمل اور حدیث مذموع سے جمع صوری کا ثبوت

اب جاء الحق سے حدیث نمبر۳۔ نسائی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی:

"قَالَ اَقْبَلَهَا مَعَ اِبْنِ عُمَرَ مِنْ مَكَّةَ فَلَمَّا كَانَ تِلْكَ اللَّيْلَةُ سَارَبِنَا حَتّٰى اَمْسَيْنَا فَظَنَنَّا اَنَّهٗ نَسِيَ الصَّلٰوةَ فَقُلْنَا لَهُ الصَّلٰوةُ فَسَكَتَ وَسَارَ حَتّٰى كَادَ الشَّفَقُ اَنْ يَّغِيْبَ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰى وَغَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ هٰكَذَا كُنَّا نَصْنَعُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ"۔

فرماتے ہیں کہ ہم مکہ معظّمہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ آئے جب یہ رات ہوئی تو آپ چلتے رہے یہاں تک کہ شام ہوگئی ہم سمجھے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز بھول گئے ہم نے ان سے کہا کہ نماز پڑھ لیجئے مگر آپ چلتے ہی رہے یہاں تک کہ شفق ڈوبنے کے قریب ہوگئی تو اترے اور نماز مغرب پڑھی پھر شفق غائب ہوگئی تو نماز عشاء پڑھی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ:

حضور کے ساتھ بھی ایسا ہی کرتے تھے جب سفر میں جلدی ہوتی۔ اس قسم کی بے شمار حدیثیں ہیں جن میں صراحۃً ارشاد ہوا ہے کہ سفر میں ظہر وعصر یا مغرب وعشاء صرف صورۃً جمع کی جائیں گی کہ مغرب اپنے آخر وقت میں پڑھی جائے عشاء اپنے اول وقت میں نہ تو ظہر عصر کے وقت پڑھی جائے نہ مغرب عشاء کے وقت میں۔ اگر ان احادیث کی تفصیل دیکھنی ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البھاری وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ

ہم نے صرف تین حدیثوں پر اکتفا کی لہٰذا حنفیوں کی توجیہ بالکل درست ہے اس کی تائید قرآن کریم بھی کر رہا ہے اور دیگر احادیث بھی وہابیوں کی توجیہ محض باطل ہے قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور احادیث کے بھی۔ اے وہابیو اگر تم ان احادیث کی وجہ سے سفر میں جمع حقیقی مانتے ہو تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی وجہ سے بحالت اقامت سات بلکہ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ لیا کرو یہ حدیث ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں جب تم اس حدیث میں جمع صوری مراد لیتے ہو تو یہاں جمع حقیقی کیوں مراد لیتے ہو؟ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے بعض کا انکار۔ غیر مقلد کا اس پر پہلا اعتراض۔

اوّلاً: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے والے اس کے پانچ شاگرد ہیں

۱) اسلم مولیٰ عمر (بخاری ج ۱ ص ۴۲۱)
۲) عبداللہ بن دینار (ابو داؤد ج ۱ ص ۱۷۲)
۳) اسماعیل بن ذویب (نسائی ج ۱ ص ۶۹) ومسند حمیدی (ج ۲ ص ۲۹۹) وابوداؤد (ج ۱ ص ۱۷۲)
۴) آپ کے بیٹے نافع مسلم (ج، ص ۲۴۵)
۵) اور آپ کے بیٹے سالم ابوداؤد (ج ۱ ص ۱۷۲)

امام نافع کی روایت میں اضطراب ہے جبکہ بقایا چار شاگردوں نے متفق ہو کر بعد غروب الشفق کے الفاظ روایت کے لئے ہیں۔ (نام نہاد دین الحق: ص ۵۷۷)

وہابی صاحب نے بلا تحقیق حصر کا دعویٰ کر دیا۔

الجواب اولاً: غیر مقلد کا یہ حصر بھی بلا تحقیق ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرنے والے اس کے پانچ شاگرد ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیر بحث روایت کرنے والے چھ (۶) اشخاص ہیں

پانچ تو یہی جن کا ذکر وہابی صاحب نے کیا اور چھٹے امام عبد اللہ بن واقد ہیں۔ (ابوداوٗد ج ا باب الجمع بین الصلوٰتین والدار قطنی ج ا باب الجمع بین الصلوٰتین فی السفر)

ان کے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے کا ذکر علاوہ ابن ترکمانی الجواہر النقی میں ان الفاظ سے کیا:

''قُلْتُ وَرَوَاهُ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَاقِدٍ''۔ (مع البیہقی ج ۳ ص ۱۶۱)

ثانیاً: غالباً غیر مقلد صاحب نے امام عبد اللہ بن واقد کو اس لئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے شاگردوں میں شمار نہیں کیا کہ جس روایت میں مغرب کو اپنے آخر وقت میں اور عشاء کو اس کے اول وقت میں پڑھنا ثابت ہوتا ہے اس میں امام عبد اللہ بن واقد حضرت نافع کے متابع ثابت ہوتے ہیں اور یہ بات غیر مقلد صاحب کے مذہب کے خلاف تھی لہٰذا ان کا ذکر نہ کرنے میں ہی مذہبی بہتری جانی۔ حضرت نافع اور حضرت عبد اللہ بن واقد رضی اللہ عنہ سے زیر بحث حدیث اس سند و متن سے آئی ہے:

''حدثنا محمد بن عبید المحاربی نا محمد بن فضیل عن ابیه عن نافع و عبد الله بن واقد اَنَّ مُؤَذِّنَ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ اَلصَّلٰوةُ قَالَ سِرْ حَتّٰی اِذَا كَانَ قَبْلُ غُيُوْبِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ انْتَظَرَ حَتّٰی غَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّى الْعِشَآءَ ثُمَّ قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَجَّلَ بِهٖ اَمْرٌ صَنَعَ مِثْلَ الَّذِیْ صَنَعْتُ فَسَارَ فِیْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ مَسِيْرَةَ ثَلَاثٍ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ رَوَاهُ اِبْنُ جَابِرٍ عَنْ نَّافِعٍ نَحْوَ هٰذَا بِاِسْنَادِهٖ''

(ابوداوٗد ج ا باب الجمع بین الصلوٰتین والدار قطنی ج ا باب الجمع بین الصلوٰتین فی السفر)

لفظ ابوداوٗد کے ہیں۔ یعنی محمد بن فضیل نے اپنے باپ فضیل بن غزوان سے روایت کی اس نے نافع اور عبد اللہ بن واقد سے ان دونوں نے بیان کیا کہ موذن

نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز کا کہا مگر انہوں نے سفر جاری رکھا حتی کہ غروب شفق سے پہلے اترے تو نماز مغرب ادا کی پھر انتظار میں رہے جب شفق غروب ہوئی عشاء کو پڑھا پھر فرمایا کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جب سفر میں جلدی ہوتی تو آپ بھی اس طرح کرتے جیسے میں نے کیا پھر اس دن اور رات میں تین منزل تک چلتے رہے۔ امام ابوداوٗد نے کہا کہ اسے ابن جابر نے بھی حضرت نافع سے اپنی سند سے اس طرح روایت کیا اس سے معلوم ہوا کہ فضیل بن غزوان کا متابع اس روایت میں ابن جابر بھی ہے اور اس روایت کے متعلق علامہ نیموی فرماتے ہیں:

”رواہ ابو داوٗد والدار قطنی واسنادہ صحیح“۔ (آثار السنن ص ۲۲۵)

اسے ابوداوٗد اور دار قطنی نے روایت کیا اور اسناد اس حدیث کی صحیح ہے۔

ثالثاً: غیر مقلد صاحب کا یہ کہنا کہ امام نافع کی روایت میں اضطراب ہے جبکہ بقایا چار شاگردوں نے متفق ہو کر بعد غروب الشفق کے الفاظ روایت کئے ہیں۔ غیر مقلد کا حافظہ خراب ہے۔ غیر مقلد صاحب کا حافظہ اس قدر خراب ہے کہ اس سے اگلے اعتراض کے تحت لکھ رہا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے چار شاگرد امام اسلم مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور امام عبد اللہ بن دینار اور امام اسماعیل بن ذویب (صحیح اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن ذویب یا ابن ذویب سنن الکبری للبیہقی ج۱ ص ۱۶۱ ہے فقیر قادری) اور امام سالم متفق ہو کر حتی غاب الشفق بیان کرتے ہیں۔ (نام نہاد دین الحق: ص ۵۸۰) (پہلے بعد غروب الشفق پر متفق کہہ دیا اور آگے حتی غاب الشفق پر) جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ چاروحضرات بھی اس جگہ کسی ایک لفظ پر متفق نہیں ہیں بلکہ روایت میں اضطراب ہے چنانچہ حضرت سالم سے بخاری ج۱ ص ۱۴۹ پر یہ الفاظ منقول ہیں کہ:

”ثُمَّ قَلَّمَا یَلْبِثُ حتّٰی یُقِیْمَ الْعِشَاء فَیُصَلِّیْهَا رَکْعَتَیْنِ“۔

”یعنی مغرب کے بعد تھوڑی دیر ٹھہرے یہاں تک کہ عشاء کی تکبیر ہوئی تو

دو رکعت عشاء ادا کی‘‘۔

اور یہی لفظ حدیث مرفوع کے حضرت سالم نے اپنے باپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیئے ہیں۔ اور حضرت سالم سے:

’’بَعْدَاَنْ غَابَ الشَّفَقُ‘‘۔

کے الفاظ بھی آئے ہیں (الدار قطنی ج۱ باب الجمع بین الصلوٰتین فی السفر۔ دارلدار قطنی ج۱ باب الجمع بین الصلوٰتین فی السفر)

اور حضرت عبداللہ بن دینار کی روایت کے الفاظ:

’’حَتّٰى غَابَ الشَّفَقَ وَ تَصَوَّبَتِ النُّجُوْمُ‘‘۔ (ابوداوٗد: ج۱ص۱۷۹)

اور اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن ذویب سے مندرجہ ذیل مختلف الفاظ منقول ہیں:

’’بَعْدَ غَيُوْبِ الشَّفَقِ‘‘۔ (ابوداوٗد: ج۱ص۱۷۹)

’’فَلَمَّا ذَهَبَ بِيَاضُ الْاُفُقِ وَفَحْمَةُ الْعِشَاء‘‘۔ (سنن البیہقی ج۳ص۱۶۱)

’’حَتّٰى ذَهَبَتْ فَحْمَةُ الْعِشَاءِ وَرَءَ يْنَابِيَاضَ الْاُفُقِ‘‘۔ (طحاوی ج۱ص۱۱۱)

اور حضرت اسلم مولیٰ عمر سے یہ الفاظ مروی ہیں:

’’حَتّٰى اِذَا كَانَ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّفَقِ‘‘۔ (بخاری ج۱ باب السرعۃ فی السیر)

ان روایتوں میں سے ہر ایک کے الفاظ بغور دیکھ لیں مختلف ہیں۔

غیر مقلد کا دوسرا اعتراض:

ثانیاً: امام نافع سے روایت کرنے والے جلیل القدر امام عبیداللہ بن عمر جو کہ فقہاء سبعہ مدینہ میں شمار ہوتے ہیں نے

’’بعد یغیب الشفق‘‘

کے الفاظ بیان کئے ہیں۔ (مسلم: ج۱، ص۲۴۵)

دوسرے راوی حضرت نافع سے روایت کرنے والے امام ایوب بن ابی تمیمہ ہیں جس کے حق میں حافظ ابن حجر نے تقریب میں لکھا ہے:

’’ثقه ثبت حجة من كبار الفقهاء‘‘۔

انہوں نے بھی

’’فسار حتی غاب الشفق ثم نزل فجمع بينهما‘‘۔

کے الفاظ روایت کئے ہیں (طحاوی ج۱ ص۱۱۲)

تیسرے راوی (حضرت نافع سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پوتے) امام عمر بن محمد بن زید (جو کہ بخاری و مسلم کے راوی ہیں جن کے حق میں حافظ ابن حجر نے ثقہ کا لفظ لکھ رکھا ہے) ہیں۔ انہوں نے بھی

’’بعد ماغاب الشفق‘‘۔

کے الفاظ روایت کئے ہیں (الدارقطنی ج۱ ص۳۹۱)

چوتھے راوی امام موسیٰ بن عقبہ ہیں جو کہ بخاری و مسلم کے راوی ہیں جن کے حق میں حافظ ابن حجر نے

’’ثقه فقيه امام المغازی‘‘۔

کے الفاظ لکھے ہیں اور پانچویں راوی یحیی بن سعید ہیں یہ بھی ثقہ اور بخاری و مسلم کے راوی ہیں ان دونوں **مؤخر الذکر** نے **ربع اللیل** کے الفاظ بیان کئے ہیں (دار قطنی ج۱ ص۳۹۳) یعنی جب رات کا ایک چوتھائی حصہ گزر گیا تو تب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اترے اور نمازوں کو جمع کیا۔

اس کے بالمقابل حضرت نافع سے روایت کرنے والے لیث بن سعد، فضیل بن غزوان، ابن جابر، عبداللہ بن علا، عطاف بن خالد اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ہیں جنہوں نے حتی کاد غروب الشفق یا اس کے ہم معنی الفاظ بیان کئے ہیں اب ترتیب وار ان کی کھوٹ سنتے جایئے۔ اور پہلی روایت بطریق لیث میں عبداللہ بن صالح کاتب اللیث ہیں (طحاوی ج۱ ص۱۱۲) اور یہ متکلم میں ہیں چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ:

”کثیر الغلط ثبت فی کتابه و کانت فیه غفلة“ ۔ (تقریب ص ۱۳۲)

یعنی سچا تو ہے مگر کثرت سے غلطیاں کرتا ہے اپنی کتاب میں ثبت ہے مگر اس میں بھی غلطیاں پائی جاتی ہیں امام نسائی نے انہیں **لیس بثقة** کہا ہے۔

امام احمد نے اسے لیس بشیء (ہیچ محض) قرار دیا ہے۔

امام علی بن مدینی نے

”ضربت علی حدیثه وما اروی عنه“ ۔

یعنی میں نے اس کی احادیث قلم زد کر دیں ہیں اور اس سے روایت نہیں کروں گا۔

امام صالح فرماتے ہیں:

”تکذب فی الحدیث“ ۔

کہ وہ حدیث میں جھوٹا ہے

امام احمد بن صالح کا کہنا ہے کہ:

”مهتم لیس بشیء“ ۔

یعنی وہ مہتم بالکذب ہے اور محض ہیچ **تهذیب لتهذیب**

(ج ۵ ص ۲۵۸) ومیزاب (ج ۲ ص ۴۴۰)

علامہ ماردینی حنفی نے اس پر جرح کی ہے (الجوہر النقی ج ۱ ص ۳۰۹) ۔ **ثانیاً امام اللیث** کی روایت کو امام ابوداؤد نے ابن وهب کے طریق سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ ہیں کہ:

”فساء حتی غاب الشفق وتصوبت النجوم ثم انه نزل فصلّی الصلوتین“ ۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۷۲)

یعنی آپ چلتے رہے یہاں تک کہ شفق غروب ہو گئی اور تارے نمایاں ہو گئے تو پھر آپ اترے اور دونوں نمازیں پڑھیں (انتھی) اس سے واضح ہوا کہ طحاوی کی روایت ضعیف ہونے کے علاوہ صحیح کے مخالف بھی ہے دوسری روایت جو کہ فضیل بن

غزوان کے طریق سے مروی ہے اس کی سند میں محمد بن عبید المحاربی ہے (ایضاً ج۱ ص۱۷۱) جو کہ صدوق قسم کا راوی ہے۔ تیسری روایت جو کہ ابن جابر عبدالرحمٰن بن یزید سے مروی ہے (ابوداؤد ج۱ ص۱۷۱ وطحاوی ج۱ ص۱۱۲) بلاشبہ یہ ثقہ اور صحیح بخاری کے راوی ہیں چوتھی روایت جو عبداللہ بن علاء سے مروی ہے (ابوداؤد ج۱ ص۱۷۱)۔ یہ بھی بلاشبہ ثقہ راوی ہیں۔ پانچویں راویت جو کہ عطاف بن خالد سے مروی ہے (نسائی: ج۱، ص۷۰) یہ صدوق قسم کا راوی ہے۔ چھٹی روایت جو کہ اسامہ بن زید العدوی ہے نوید ضعیف ہے جیسا کہ ابن حجر نے اسامہ بن زید اللیثی ہے تو تب بھی حجت نہیں کیونکہ یہ نافع کی روایات میں منکر روایات بیان کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ امام نافع سے روایت کرنے والے حفاظ شاگردوں نے حتی غاب الشفق کے الفاظ ہی روایت کئے ہیں بات کو آسان کرنے کے لئے ہم یہاں مکرر جدول کی صورت میں تقابل رجال پیش کرتے ہیں۔

امام نافع کی روایت میں تقابل رجال

حتی غاب الشفق روایت کرنے والے	حتی کادالشفق روایت کرنے والے
۱) عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب العمری المدنی ابوعثمان ثقہ ثبت قدمه احمد بن صالح علی مالك فی نافع وقدمه ابن معین فی القاسم عن عائشة علی الزهری عن عروة عنها من الخامسة ۔	۱) فضیل بن غزوان بن جریر الضبی مولاهم ابوالفضل الكوفی ثقة من كبار السابعة ۔

۲)ایوب بن ابی تمیمة ابوبکر البصری ثقة ثبت حجة من کبار الفقها العباد من الخامسة ۔	۲)عبدالرحمن بن یزید بن جابر الازدی ابوعتبته الشامی الدارانی ثقة من السابعة ۔
۳)عمر بن محمد بن زید بن عبداللّٰه بن عمر بن خطاب المدنی نزیل عسقلان ثقة من السادسة ۔	۳)عبداللّٰه بن العلاء ثقة من السابعة ۔
۴)موسیٰ بن عقبةبن ابی عیاش الاسدی مولیٰ ال الذبیر ثقة فقیه امام فی المغازی من الخامسة ۔	۴)عطاف بن خالد بن عبداللّٰه بن العاص المخزولی ابوصغوان المدنی صدوق یهم من السابعة ۔
۵)یحیٰی بن سعید بن قیس الانصاری المدنی ابوسعید القاضی ثقة ثبت من الخامسة ۔	۵)اسامه بن زید بن اسلم العدوی مولاهم المدنی ضعیف من قبل حفظه ۔

قارئین کرام:

یہ تقابل رجال مکرر ملاحظہ کیجئے جسے ہم نے حافظ ابن حجر کی تالیف تقریب التہذیب سے پیش کیا ہے کہ حتی غاب الشفق روایت کرنے والے امام نافع کے حفاظ شاگرد ہیں جبکہ حتی کا دالشفق بیان کرنے والوں میں سے کوئی بھی عبیداللہ اور ایوب کے پائے کا راوی نہیں ہے۔ ہماری ان گزارشات سے تین باتیں کھل کے سامنے آتی ہیں۔

اولاً: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے چار شاگرد امام اسلم مولیٰ ابن عمر اور امام عبداللہ بن دینار اور امام اسماعیل بن ذویب اور امام سالم متفق ہو کر حتی غاب الشفق بیان کرتے ہیں۔

ثانیاً: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے والے امام نافع کے حفاظ شاگرد بھی حتی غاب الشفق کے الفاظ بیان کرتے ہیں اور امام بیہقی کا کہنا ہے کہ یہی درست ہونے میں اولیٰ ہے (السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۶۰ ج ۳)

ثالثاً: امام نافع کے جن شاگردوں نے حتی کادان یغیب الشفق کے الفاظ بیان کئے ہیں انہوں نے اپنے سے اوثق رجال کی مخالفت کی ہے اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب ثقہ راوی اپنے سے اوثق کی مخالفت کرے تو اس کی روایت شاذ ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ نافع کی روایت شاذ ہے (جو کہ ضیعف کی ایک قسم ہے) اور صحیحین کی روایت کے مخالف ومعارض بھی لہٰذا مردود ہے۔

نام نہاد دین الحق صفحہ ۵۷۷ تا ۵۸۱۔

الجواب اولاً: وہابی کو راوی پر جرح نظر آئی توثیق نظر نہ آئی۔ غیر مقلد کا یہ کہنا کہ فلاں فلاں محدث نے عبداللہ بن صالح کاتب اللیث پر جرح کی ہے فقیر کہتا ہے کہ عبداللہ بن صالح کاتب اللیث کی توثیق کرنے والے بھی موجود ہیں مگر غیر مقلد صاحب کو ان پر جرح نظر آئی توثیق نظر نہ آئی:

"شیخ الاسلام الحافظ الامام ابی محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد بن ادریس بن المنذر التمیمی الحظلی الرازی المتوفی ۳۲۷ھ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عبداللّٰہ بن صالح کاتب اللیث مصری روی عن موسیٰ ابن علی ومعاویۃ بن صالح واللیث بن سعد ویحیی بن ایوب وبکر بن مضر والمفضل بن فضالۃ وحرملۃ بن عمر ان وقباث بن رزین، روی عنہ اللیث بن سعد وعبداللّٰہ بن وھب ورحیم والربیع بن سلیمان ومحمد بن یحیی النیسابوری واحمد بن الفرات ابومسعود الرازی، ناعبد الرحمن سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ ذٰلِکَ وَیَقُوْلُ کَتَبْنَا عَنْہُ نَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ سَمِعْتُ

اَبِی یَقُوْلُ سَمِعْتُ عَبْدَالْمَلْكِ بْنِ شُعَیْبِ اِبْنَ اللَّیْثِ یَقُوْلُ اَبُوْ صَالِحِ كَاتِبُ اللَّیْثِ ثِقَةٌ مَّامُوْنٌ قَدْ سَمِعَ عَنْ جَدِّیْ حَدِیْثَهٗ وَكَانَ یُحَدِّثُ بِحَضْرَةِ اَبِیْ وَاَبِیْ یُحَضُّهٗ عَلَی التَّحْدِیْثِ"۔

(کتاب الجرح والتعدیل: ج۲ص۸۶)

"عبداللہ بن صالح ابوصالح کاتب اللیث مصری ہیں۔ انہوں نے روایت کی موسیٰ بن علی اور معاویہ بن صالح اور اللیث بن سعد اور یحیی بن ایوب اور بکر ابن مضر اور المفضل بن فضالہ اور حرملہ بن عمران اور قباث بن رزین"۔

سے اور ان سے روایت کی:

اللیث بن سعد اور عبداللہ بن وهب اور رحیم اور ربیع بن سلیمان اور محمد بن یحیی نیشا پوری اور احمد بن فرات ابومسعود رازی نے عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے یہ سنا اور وہ کہتے کہ ہم نے ان سے (احادیث) لکھی ہیں عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا وہ کہتے میں نے عبدالملك بن شعیب کو ابن اللیث کو فرماتے سنا کہ ابوصالح کاتب اللیث ثقه مامون ہے تحقیق اس نے میرے دادا سے حدیث سماعت کی اور وہ میرے باپ کے سامنے حدیث بیان کرتے اور میرا باپ انہیں حدیث بیان کرنے پر رغبت دیتا۔ اسی کے اسی صفحہ پر ہے کہ عبدالرحمٰن نے کہا میں نے اپنے باپ سے سنا کہ کہتے میں نے ابوالاسود نضر بن عبدالجبار اور سعید بن عفیر کو عبداللہ بن صالح کاتب اللیث کی خوبیاں بیان کرتے سنا۔

الکامل ابن عدی کے حاشیہ پر ہے:

"ابوصالح المصری کاتب اللیث وثقه ابن معین وَقَالَ ابوزرعة حسن الحدیث"۔

"یعنی ابوصالح کاتب اللیث کو امام ابن معین نے ثقہ کہا ہے اور امام ابوزرعہ نے فرمایا کہ ان کی حدیث حسن ہے"۔

ثانیاً: زیر بحث روایت کے ایک اور راوی اسامہ بن زید اللیثی کو بھی غیر مقلد صاحب نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اب ان کے متعلق محدثین کرام کے اقوال ملاحظہ کریں۔ غیر مقلد صاحب نے یہ علم نہ ہونے کے باوجود کہ کونسا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما راوی ہے اپنی عادت پوری کی کہ زیر بحث روایت میں جو بھی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ہے خواہ وہ العدوی ہے یا اللیثی ضعیف ومجروح ہے حالانکہ ان دونوں کی توثیق وتعدیل میں محدثین کے ارشادات موجود ہیں۔ (راوی پر ضعف کے دعوی کارد) چنانچہ الامام الحافظ ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی لکھتے ہیں:

"سَمِعْتُ اَبَا يَعْلٰى يَقُوْلُ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ مُعِيْنٍ يَقُوْلُ:— اُسَامَةُ بْنُ زَيْدِ اللَّيْثِيُّ ثِقَةٌ صَالِحٌ ۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ اَحْمَدُ بْنِ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سَعْدِ بْنِ اَبِىْ مَرْيَمَ قَالَ يَحْيَى بْنُ مُعِيْنٍ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدِ اللَّيْثِيُّ ثِقَةٌ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ الْمُرْوْزِيُّ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيْدٍ سَاَلْتُ يَحْيَى بْنَ مُعِيْنٍ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدِ اللَّيْثِيِّ قَالَ لَيْسَ بِهٖ بَاْسٌ ۔(اَلكامل فى ضعفاء الرجال" ۔

(ج۱ص۳۹۵)

میں نے ابویعلی سے سنا اس نے کہا کہ میں نے امام یحیٰی بن معین کو فرماتے سنا کہ اسامہ بن زید اللیثی ثقہ صالح ہیں۔

ہمیں علی بن احمد سلیمان نے بیان کیا اس نے کہا ہمیں احمد بن سعد بن مریم نے بیان کیا کہ امام یحیی بن معین نے فرمایا اسامہ بن زید اللیثی ثقہ راوی ہیں ہمیں محمد بن علی المروزی نے بیان کیا اس نے کہا ہمیں عثمان بن سعید نے بیان کیا کہ میں نے امام یحیٰی بن معین سے حضرت اسامہ بن زید اللیثی کے متعلق پوچھا فرمایا اس کی

روایت میں کوئی حرج نہیں۔ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

”وَقَالَ اَبُوْ يَعْلَى الْمُوْصَلِيُّ عَنْهُ ثِقَةٌ صَالِحٌ وَّقَالَ عُثْمَانُ الدَّارِمِيُّ عَنْهُ لَيْسَ بِهٖ بَاْسٌ وَّقَالَ الدَّوْرِيُّ وَغَيْرُهٗ عَنْهُ ثِقَةٌ زَادَ غَيْرُهٗ حُجَّةٌ“ ۔ (تہذیب التہذیب: ج۱، ص۱۸۳)

یعنی ابویعلی الموصلی نے (امام ابن معین) سے نقل کیا کہ (حضرت اسامہ بن زید اللیثی) ثقہ صالح راوی ہیں اور امام دارمی نے انہیں سے بیان کیا کہ ان کی روایات میں کوئی حرج نہیں اور امام الدوری وغیرہ نے ان سے ثقہ روایت کیا جبکہ ان سے علاوہ نے یہ زیادہ کیا کہ حجت ہیں۔ اس سے کچھ آگے اس کے اسی صفحہ پر ہے کہ:

وَقَالَ اِبْنُ نُمَيْرٍ مَدَنِيٌّ مَشْهُوْرٌ وَّقَالَ الْعِجْلِيُّ ثِقَةٌ

امام ابن نمیر نے کہا کہ وہ مشہور راوی ہے اور امام العجلی نے فرمایا کہ ثقہ ہے اس کے آگے صفحہ پر ہے:

رَوٰى لَهٗ مُسْلِمٌ وَاسْتَدَلَ لِلَّتْ بِكَثْرَةِ رِوَايَتِهٖ لَهٗ عَلٰى اَنَّهٗ عِنْدَهٗ صَحِيْحُ الْكِتَابِ عَلٰى اَنَّ اَكْثَرَ تِلْكَ الْاَحَادِيْثِ مُسْتَشْهَدٌ بِهَا اَوْ مَقْرُوْنٌ فِي الْاَسْنَادِ

اس سے امام مسلم نے روایت کی اور اس کی روایات اس پر بکثرت دلالت کرتی ہیں کہ ان کے پاس صحیح کتاب تھی اور اس پر بھی کہ ان احادیث پر شواہد موجود ہیں یا اسناد میں مقرون ہیں اور تہذیب الکمال فی اسماء الرجال میں الحافظ کمال الدین فرماتے ہیں:

”اِسْتَشْهَدَ بِهِ الْبُخَارِيُّ فِي الصَّحِيْحِ وَرَوٰى لَهٗ فِي الصَّحِيْحِهٖ“ ۔ (ج۲، ص۳۵۰)

امام بخاری نے اسے قبول کیا اور اس کی روایت اپنی صحیح میں نقل کی محدثین کرام کی اسامہ بن زید اللیثی کی توثیق پر مذکورہ شہادت کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخین

(بخاری و مسلم) نے ان کی روایت کو قبول کیا اور صحیحین میں روایت کیا (غیر مقلد کی دو رنگی چال) جبکہ وہابی صاحب کو اقرار ہے کہ اس پر (اجماع امت ہے کہ بخاری کی تمام روایات صحیح ہیں) نام نہاد دین الحق ۵۲۵ جبکہ وہابی صاحب دوسری طرف یہ بھی کہتے ہیں کہ ضعیف راوی کی روایت کسی امام و محدث کے قبول کرنے سے صحیح نہیں ہوتی تو بخاری کی تمام روایات تبھی صحیح ہونگی جب کہ حضرت اسامہ بن زید اللیثی کی روایت کو بھی صحیح مانا جائے کیونکہ یہ تمام کے اطلاق سے خارج نہیں اب اسامہ بن زید بن اسلم القرشی العدوی کے متعلق محدثین کرام کی رائے دیکھیں۔

حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ اَحْمَدُ الْمِصْرِیُّ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ مَرْیَمَ سَمِعْتُ یَحْیَی بْنَ مُعِیْنٍ یَقُوْلُ: اُسَامَةُ بْنُ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ ضَعِیْفٌ یُکْتَبُ حَدِیْثُهٗ ۔

الکامل فی ضعفاء الرجال (ج ا ص ۳۹۶) **احمد بن سعد بن ابی مریم** نے بیان کیا کہ میں نے ابن معین سے سنا کہ اسامہ بن زیدبن اسلم ضعیف ہے مگر ان کی حدیث لکھی جائے گی اس کے اسی صفحہ پر ہے:

حَدَّثَنَا الْجُنَیْدِیُّ حَدَّثَنَا الْبُخَارِیُّ قَالَ ضَعَفَ عَلٰی عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ وَاَمَّا اَخَوَاهُ اُسَامَةُ وَعَبْدُاللّٰهِ فَذَکَرَ عَنْهُمَا صِحَّةٌ ۔

امام بخاری نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کو ضعیف کہا بہر حال اس کے دونوں بھائیوں اسامہ بن زید بن اسلم اور عبداللہ کی صحت بیان کی

اسی کے آگے صفحہ پر ہے

"قَالَ الشَّیْخُ وَلَمْ اَجِدْ لِاُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ حَدِیْثًا مُنْکَرًا جِدًّا لَا اِسْنَادًا وَّلَا مَتْنًا وَّاَرْجُوْ اَنَّهٗ صَالِحٌ"۔

شیخ نے فرمایا کہ میں نے اسامہ بن زید کی کوئی حدیث منکر نہ پائی نہ اسناداً اور نہ

متناً۔ اور امید ہے کہ وہ حدیث میں صلاحیت والے ہیں واضح رہے کہ اس بیان کا یہ مقصد ہر گز نہیں کہ حضرت اسامہ بن زید اللیثی یا حضرت اسامہ بن زید بن اسلم قرشی عدوی پر کسی محدث نے جرح نہیں کی مقصد یہ ہے کہ غیر مقلد صاحب نے خیانۃ ان حضرات کی جرح پر عبارتیں نقل کر لیں مگر ساتھ ہی محدثین کرام کے وہ اقوال جن میں ان کی تعدیل و توثیق ثابت ہے چھوڑ دیئے اب سوال یہ ہے کہ زیر بحث دونوں راوی متکلم فیہ ہوئے تو متکلم فیہ کا حکم کیا ہے؟ تو اس کا جواب آئمہ محدثین کا وہ قاعدہ ہے جس میں ہے کہ متکلم فیہ راوی کی روایت درجہ حسن سے کم نہیں ہوتی اس پر محدثین کرام کے ارشادات ملاحظہ ہوں۔ متکلم فیہ راوی کی روایت کا حکم محدثین کے نزدیک

(اول) الامام الحافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ فرماتے ہیں:

فَاَقُوْلُ اِذَا كَانَ رَوَاةُ اِسْنَادِ الْحَدِيْثِ ثِقَاتٌ وَفِيْهِمْ مَنْ اُخْتُلِفَ اِسْنَادُهٗ حَسَنٌ اَوْ مُسْتَقِيْمٌ اَوْلَا بَاْسَ بِهٖ ۔

پس میں کہتا ہوں کہ جب سند حدیث میں ثقہ راوی ہوں اور ایسے راوی ہوں جن کی توثیق و تضعیف میں اختلاف ہو تو ایسے رایوں کی روایت کی سند درجۃ حسن یا مستقیم یا اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا الترغیب والترھیب من الحدیث الشریف للمنذری ج ۱ ص ۱۰ مقدمۃ المؤلف طبع دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان۔

(دوم) امام ابن دقیق العید کا فرمان ایک حدیث پاک کے متعلق۔

”اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ فَمَسَحَ اُذُنَیْہِ مَعَ الرَّءْسِ وَقَالَ الْاُذُنَانِ مِنَ الرَّءْسِ“ ۔

کے بارے امام زیلعی حنفی امام ابن دقیق العید کا فرمان پیش کرتے ہیں۔

”قَالَ اِبْنِ دَقِيْقِ الْعِيْدِ فِي الْاِمَامِ وَهٰذَا حَدِيْثٌ مَعْلُوْلٌ بِوَجْهَيْنِ اَحَدُهُمَا الْكَلَامُ فِيْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ وَّالثَّانِيُّ الشَّكُّ فِيْ رَفْعِهٖ وَلٰكِنَّ الشَّهْرَ وَثَّقَهُ اَحْمَدُ وَيَحْيٰى اِخْرَاجَ لَهُ الْبُخَارِيُّ وَهُوَ كَانَ قَدْلَيِّنَ فَقَالَ اِبْنُ عَدِيٍّ اَرْجُوْ اَنَّهٗ لَابَاْسَ بِهٖ وَقَالَ اِبْنُ مُعِيْنٍ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ فَالْحَدِيْثُ عِنْدَنَا حَسَنٌ“ ۔

امام دقیق العید نے اپنی کتاب الامام میں فرمایا کہ یہ حدیث دو وجہ سے معلول ہے ایک وجہ یہ کہ اس کے راوی شہر بن حوشب میں کلام ہے دوسری وجہ اس حدیث کے مرفوع ہونے میں شک ہے لیکن شہر بن حوشب کو امام احمد بن حنبل، امام یحیٰ، امام عجلی، امام یعقوب بن شیبہ اور امام سنان بن ربیع نے ثقہ کیا ہے اور امام بخاری نے بخاری شریف میں شہر بن حوشب کی روایت نقل کی ہے۔ اگر یہ راوی کمزور بھی ہو تو امام ابن عدی نے فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ اس راوی سے حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں امام ابن معین نے فرمایا کہ اس راوی میں ضعف ہے تو ہمارے نزدیک حدیث حسن درجہ کی ہے۔

نصب الرایہ للزیلعی (ج۱ص۱۸)۔

(سوم) امام ترمذی کا فرمان۔ امام زیلعی لکھتے ہیں:

”قُلْتُ وَقَدْ صَحَّحَ التِّرْمِذِيُّ فِيْ كِتَابِهٖ حَدِيْثَ شَهْرِبْنِ حَوْشَبٍ عَنْ اُمِّ سَلْمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَفَّ عَلَى الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَعَلِيٍّ وَّفَاطِمَةَ كَسَاهُ وَقَالَ هٰؤُلَاۤءِ اَهْلُ بَيْتِيْ ثُمَّ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ“ ۔

میں (امام زیلعی) کہتا ہوں کہ امام ترمذی نے شہر بن حوشب کی حضرت ام سلمہ سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن و حسین اور حضرت علی و فاطمہ کو اپنی چادر مبارکہ میں لے لیا اور فرمایا یہ میرے اہل

بیت ہیں امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(نصب الرایہ: ج۱، ص۱۹)

ثالثاً: جس روایت میں جمع صوری یعنی مغرب کو اس کے آخر وقت اور عشاء کو اس کے اول وقت میں پڑھنا ثابت ہے متعدد طرق مل کر روایت کو قوی بنا دیتے ہیں۔ یہ طرق کثیرہ سے آئی ہے اگر یہ سب ضعیف بھی ہوں تو پھر بھی مل کر ایک دوسرے کو قوی وقابل حجت بنا دیتے ہیں جبکہ صورت یہ ہے کہ خود غیر مقلد صاحب نے اس روایت کے طرق شمار کیئے ہیں۔ جن میں صرف دو طرق کے صرف دو راویوں پر اعتراض کیا ہے جبکہ چار طرق کے راویوں کی توثیق کا اقرار کیا ہے تو پھر یہ روایت صحیح کیوں نہیں؟ ہمارے موقف کی روایت پر شاہد موجود ہے جو اسے قوی بناتا ہے۔ رابعاً زیر بحث روایت پر شاہد موجود ہیں جو اس میں مزید قوت کا سبب ہیں۔ چنانچہ الحافظ نورالدین الهیثمی رحمة الله علیه بیان کرتے ہیں:

"حدثنا محمد بن عبدالله بن عبدالسلام البیروتی حدثنا محمد بن غالب ثنا غصن بن اسمٰعیل عن معاذ بن جبل: قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فِىْ غَزْوَةِ تَبُوْكٍ فَجَعَلَ يَجْمَعُ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ يُصَلِّى الظُّهْرَ فِىْ آخِرِ وَقْتِهَا وَيُصَلِّى الْعَصْرِ فِىْ اَوَّلِ وَقْتِهَا ثُمَّ يَسِيْرُ وَيُصَلِّى الْمَغْرِبَ فِىْ آخِرِ وَقْتِهَا مَالَمْ يَغِبّ الشَّفَقُ وَيُصَلِّى الْعِشَآءَ فِىْ اَوَّلِ وَقْتِهَا حِيْنَ يَغِيْبُ الشَّفَقُ الْحَدِيْثَ"۔

(مجمع البحرین فی زوائد المعجمین ج ۲ باب الجمع فی السفر)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک کو نکلے تو آپ ظہر وعصر کو اس طرح جمع فرمانے لگے کہ ظہر کو اس کے آخر وقت میں پڑھا اور عصر کو اس کے اول وقت میں پھر آپ سفر کرتے

رہے اور مغرب کو اس کے آخر وقت میں پڑھا جب کہ شفق غائب نہ ہوئی تھی اور عشاء کو اس کے اول وقت میں ادا کیا۔ جب شفق غروب ہوئی (علامہ طبرانی کا اعتراض اور اس کا جواب) اس جگہ علامہ الهیثمی نے امام طبرانی کا کلام طبرانی صغیر سے مذکورہ روایت کے متعلق یوں نقل کیا ہے:

”لم یروہ عن ابن ثوبان اِلَّا غَصَنٌ تَفَرَّدَ بِہٖ مُحَمَّدُ بْنُ غَالِبٍ“۔

یعنی اس روایت کو ابن ثوبان سے غصن کے سوا کسی نے روایت نہ کیا اور اس میں محمد بن غالب نے تفرد کیا ہے اس کے ذیل میں اس کے محشی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

قُلْتُ قَدْ ذَکَرَہٗ اِبْنُ حَبَّان فِی الثِّقَاتِ کَمَا تَقَدَّمَ وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ اِنْشَآءَ اللّٰہُ ۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا یعنی غصن کا شمار ابن حبان نے ثقات میں کیا ہے اور انشاء اللہ (اس روایت) کی سند حسن ہے۔ اور حدیث حسن قابل حجت ہے اسی جگہ ہے کہ محمد بن غالب انطا کی کا شمار بھی ابن حبان نے ثقات میں کیا ہے دوم علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں ایک روایت اس طرح بیان کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے عمل سے جمع صوری کا ثبوت:

”وَعَنْ اَنَسٍ اِنَّہٗ کَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّجْمَعَ بَیْنَ الصَّلاتَیْنِ فِی السَّفَرِ اَخَّرَ الظُّھْرَ اِلٰی آخِرِ وَقْتِھَا وَصَلَّاھَا وَصَلَّی الْعَصْرَ فِیْ اَوَّلِ وَقْتِھَا وَیُصَلِّی الْمَغْرِبَ فِیْ آخِرِ وَقْتِھَا وَیُصَلِّی الْعِشَآءَ فِیْ اَوَّلِ وَقْتِھَا وَیَقُوْلُ ھٰکَذَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَجْمَعُ بَیْنَ الصَّلٰوتَیْنِ فِی السَّفَرِ“ ۔ (مجمع الزوائد ج۲ ص۱۶۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ جب وہ سفر میں دو نمازیں جمع کرنے کا ارادہ کرتے تو ظہر کو مؤخر کر کے اس کے آخر وقت میں پڑھتے

اور عصر کو اس کے اول وقت میں ادا کرتے اور مغرب اس کے آخر وقت پر پڑھتے اور عشاء کو اس کے اول وقت میں اور فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سفر میں اسی طریقہ سے دو نمازیں جمع فرماتے تھے۔ اب اس سے جمع صوری ثابت ہوئی۔

احادیث میں موافقت:

رہا سوال کہ جن روایتوں میں نماز مغرب کو غروب شفق کے بعد پڑھنا معلوم ہوتا ہے ان میں اور ان میں کیا مطابقت ہے؟ عرض کرتا ہوں کہ جن روایتوں میں مغرب غروب شفق کے بعد پڑھنا معلوم ہوتا ہے اس سے مراد شفق احمر ہے نہ کہ شفق بیاض چنانچہ علامہ نیموی فرماتے ہیں:

قُلْتُ قَوْلُهٗ بَعْدَ اَنْ یَّغِیْبَ الشَّفَقُ اَرَادَ بِهٖ غِیَابَ الشَّفَقِ الْاَحْمَرِ وَهُوَ وَقْتُ الْمَغْرِبِ اِلَی الشَّفَقِ الْاَبْیَضِ عَلٰی قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ ۔

(التعلیق الحسن علی آثار السنن ص ۲۱۹)

میں کہتا ہوں کہ بعد غروب شفق کا جو ذکر آیا ہے اس سے مراد شفق احمر ہے اور وہ مغرب کا ہی وقت ہے شفق ابیض غروب تک امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر غیر مقلد امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ پر تنقیدی روش میں لکھتے ہیں۔

لطیفہ اول:

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ حَدِیْثَ اَیُّوْبَ الَّذِیْ قَالَ فِیْهِ فَسَارَ حَتّٰی غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ نَزَلَ کُلُّ اَصْحَابِ نَافِعٍ لَمْ یَذْکُرُوْا ذٰلِكَ لَا عُبَیْدُاللّٰهِ عَنْهُ وَلَا مَالِكٌ وَّلَا اللَّیْثُ وَلَا مَنْ رَوَیْنَا حَدِیْثَ ابْنِ عُمَرَ فِیْ هٰذَا الْکِتَاب ۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۱۲)

یعنی ایوب کی روایت میں جو الفاظ آئے ہیں کہ آپ چلتے رہے یہاں تک کہ شفق غروب ہو گئی تو پھر اترے امام نافع کے تمام شاگرد یہ زیادتی بیان نہیں کرتے مثلاً عبید اللہ، امام مالک، امام لیث اور نہ ہی کسی اور کی روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں جو اس باب میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں (انتھی)

اولاً: امام طحاوی جو کہ بلاشبہ ایک بلند پایا محدث ہیں مگر ان کے تعصب کی داد دیجئے کہ عبید اللہ بن عمر کی روایت تو صحیح مسلم میں مروی ہے بلکہ مذکورہ عبارت سے ایک سطر قبل خود امام طحاوی نے امام عبید اللہ کی روایت نقل کی ہے جس میں بَعْدَ مَا يَغِيبُ الشَّفَقُ کے الفاظ مروی نہیں اور امام لیث بن سعد کی روایت سنن ابوداؤد میں مروی ہے اور امام مالک کی روایت میں اختصار ہے اور عدم ذکر سے عدم شیء لازم نہیں آتی۔ (نام نہاد دین الحق ص ۵۸۰)

غیر مقلد کا اندھا اعتراض:

الجواب اصل میں وہابی صاحب امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی محققانہ تقدیر کو سمجھ نہیں سکے الٹا اپنے پر قیاس کرتے ہوئے انہیں متعصب کہہ دیا وہابی صاحب امام طحاوی کا مقصد یہ نہیں کہ:

”بَعْدَ مَا يَغِيبُ الشَّفَقُ“

کے الفاظ ایوب کے سوا امام نافع کے کسی شاگرد سے منقول نہیں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد ہے کہ ایوب کی روایت میں جو آیا ہے کہ:

حَتّٰى غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا۔

یہ الفاظ ایوب کے سوا امام نافع سے کسی اور نے بیان نہیں کئے کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے شفق غروب کے بعد مغرب وعشاء کو جمع فرمایا۔ جبکہ عبید اللہ کی امام نافع سے روایت میں ہے:

''جَمَعَ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ بَعْدَ مَا یَغِیْبُ الشَّفَقُ'' ۔

یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مغرب وعشاء کو غروب شفق کے بعد جمع فرمایا۔ اس میں توجیہ ممکن ہے کہ آپ نے مغرب غروب شفق سے قبل اپنے وقت میں ادا فرمائی ہو۔ اور بعد غروب شفق عشاء کو اپنے وقت میں پڑھ کر دونوں کو جمع فرمایا کیونکہ لفظ جمع کا اطلاق تب درست ہے جب کہ دوسری نماز ساتھ ملائی جائے نہ کہ جب پہلی شروع کی جائے اس سے معلوم ہوا کہ ایوب اور عبیداللہ کی روایتوں کا مفہوم مذکورہ اعتبار سے مختلف ہے مگر وہابی صاحب کم عقلی سے یہ بات نہیں سمجھا لہٰذا خواہ مخواہ امام طحاوی پر اعتراض کر دیا جو کہ سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ غیر مقلد لطیفہ ثانیہ کا عنوان دے کر امام اہلسنّت **مجدد دین وملت حامی السنّۃ قاطع البدعۃ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ** کے متعلق یوں زبان درازی کرتا ہے۔ دشمن توحید وسنت مجدد بدعات ملا بریلوی میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت بدتہذیبی سے ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ بالفرض یہ سب رواۃ مطعون ہی سہی مگر جب بالیقین ان میں کوئی بھی درجہ سقوط میں نہیں تو تعدد طرق سے پھر **حدیث حجت تامہ ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون**۔

(فتاوی رضویہ ج۲ ص۲۴۸)

اولاً: اگر ملا بریلوی نے کثرت طرق سے ہی فیصلہ کرنا تھا تو پہلے یہ تو غور کیا ہوتا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ان کے چار حفاظ شاگردوں نے حتی ان یغیب الشفق کے الفاظ بیان کئے ہیں۔

ثانیاً ملا جی محض راویوں کو ہی نہیں دیکھا جاتا بلکہ درجہ ومقام کا لحاظ بھی کیا جاتا ہے اور یہاں ثقہ نے اوثق کی مخالفت کی ہے لہٰذا نافع کی وہ روایات جن میں حتی کادان یغیب الشفق کے الفاظ مروی ہیں۔

اصول حدیث کی رو سے شاذ ٹھہری تو پھر یہ حجت تام کیسے ہوئی؟

"ولکن البریلویت قوم یجھلون"۔

(نام نہاد دین الحق ص ۵۸۱ تا ۵۸۲)

وہابی کی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق زبان درازی کا جواب:

الجواب اولاً: **طائفہ وھابیہ نجدیہ** نے ہمیشہ شخصیات پرستی و مذہب پرستی کو اپنا وطورہ بنایا جس نے ان کے مذہبی پیشواؤں کے کرتوتوں اور ان کی کج روش کا ذکر کیا اور ان کے مذہب نامہذب کے نقائص ظاہر کئے۔ یہ فرقہ پرست لوگ بغیر دیکھے کہ یہ شخص حق وصحیح تو نہیں کہہ رہا۔ اس کے دشمن ہو گئے اور اپنی بدزبانیوں بدکلامیوں کا اسے نشانہ بنا دیا اب امام اہلسنّت اعلی حضرت الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کا قصور یہ ہے کہ اس نے طائفہ غیر مقلدہ نجدیہ کے نام نہاد محدث نذیر حسین دہلوی صاحب کے **کذب وخیانت** اور **تحریفات فی الدین** اور **رواۃ احادیث پر افتراء** کو بے نقاب کیا اور ان کے دعوؤں کو بے بنیاد اور **جمع بین الصلاتین فی السفر** کے جواز پر دلائل کو **بیت عنکبوت** ثابت کیا جس نے حقائق پر مطلع ہونا ہو فتاوی رضویہ شریف مطبع المجدد احمد رضا اکیڈمی کراچی ج ۲ ص ۲۳۸ تا آخر مضمون مطالعہ کرے انشاء اللہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی فاضلان ومحدثانہ بحث سے حق اظہر من الشّمس پائے گا۔ مگر وہابی قوم کو حق تسلیم کرنے کے بجائے اپنے بڑوں مذہبی پیشواؤں کی حمایت اور مذہب کی دفاع کی فکر ہوتی ہے اس لئے وہابی جی اپنے بڑے میاں نذیر حسین دہلوی صاحب کا رونا رونے کی بجائے امام اہلسنّت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کو اپنی بدزبانی وبدکلامی کا نشانہ بنا رہا ہے۔

ثانیاً۔ غیر مقلد صاحب یہ دعوٰی اس سے کچھ پہلے اپنی نام نہاد دین الحق کے ص ۵۷۷ پر بھی کر چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے

والے پانچ شاگردوں میں امام نافع کے علاوہ باقی سب شاگردوں نے متفق ہو کر بعد غروب الشفق کے الفاظ روایت کیئے ہیں۔ جب کہ فقیر نے غیر مقلد کے مذکورہ دعٰوی کو غلط ثابت کر دیا ہے کہ یہ چاروں بعد غروب الشفق یا اس کے ہم معنی کسی لفظ پر متفق نہیں مگر وہابی جی بلا تحقیق اس دعٰوی کو دُہرا رہا ہے۔ اب جاء الحق سے غیر مقلدوں کا اعتراض نمبر۲ اور مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جواب لکھا جاتا ہے

اعتراض۔

بخاری شریف میں حضرت انس سے روایت ہے جس کے بعض الفاظ یہ ہیں:

”قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ اِلٰى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا“۔

فرماتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کرتے پھر دونوں نمازیں جمع فرماتے۔

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر عصر کے وقت پڑھتے تھے جیسا کہ اِلَى الْعَصْرِ سے ظاہر ہے۔

وہابیوں کا اعتراض اور مفتی صاحب کے جواب:

جواب:

آپ نے اس حدیث کا ترجمہ غلط کیا اِلیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے وقت سے پہلے نزول فرماتے تھے غایت مغیّا سے خارج ہے نہ کہ داخل عصر تک مؤخر فرمانے کے معنے یہ ہیں کہ عصر کے قریب تک مؤخر فرماتے تھے جیسا کہ اعتراض نمبر۱ کے جواب کی حدیث سے معلوم ہوا۔ لہٰذا جمع صوری مراد ہے نہ کہ جمع حقیقی۔ اس پر غیر مقلد کے اعتراض۔

اولاً حقیقت یہ ہے کہ جس فعل شنیع کا مفتی صاحب نے ہمیں طعنہ دیا ہے اس کا

خود مرتکب ہوا ہے چنانچہ اس کا معنی کرتے ہوئے حافظ ابن حجر مذکورہ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ''ای فی وقت العصر'' (فتح الباری ج۲ص۴۶۶) یعنی وقت عصر میں نمازیں جمع کیں۔

ثانیاً اس معنی کی تائید دوسری روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی ہوتی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

''اَخَّرَ الظُّهْرَ حَتّٰی یَدْخُلَ اَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ یَجْمَعُ بَیْنَهُمَا''۔ (صحیح مسلم ج۱ص۲۴۵)

یعنی نماز ظہر کو اتنا لیٹ کرتے یہاں تک کہ عصر کا اول وقت آجاتا تو پھر دونوں نمازیں جمع کرتے۔ مفتی جی اس حدیث میں حتی بمعنی الی آیا ہے کیونکہ یہ داخل ہے فعل یدخل پر تو حتی انتہاء فعل کے لئے ہوگا نہ کہ انتہاء معمول متعلق اپنے چنانچہ جامی میں ہے

''وَحَتّٰی کَذٰلِكَ اَیْ عَلَی الْاَفْعَالِ فَتَنْصِبُهَا بِتَفْرِیْدِ اَنْ یَّکُوْنَ لِلْفَایَةِ''۔ (صحیح للغایة ہے۔ قادری)

(شرح جامی ص۳۵۰، طبعہ دہلی ۱۲۷۰ھ)

چنانچہ حدیث:

''اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ'' (صحیح مسلم ج۱ص۳۷)

میں حتی انتہاء اقاتل کے ہے نہ کہ انتہاء الناس کے جو مفعول ہے اقاتل کا اور اسی طرح آیت قرآنی

''لَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ''۔ (پ۸ الاعراف ۴۰)

میں حتی انتہاء ہے لَا یَدْخُلُوْنَ کے لئے نہ کہ انتہاء جنت کے جو مفعول ہے لَا یَدْخُلُوْنَ کا اور مذکورہ حدیث میں بھی حتی انتہاء اخر کے لئے ہے نہ کہ انتہاء ظہر کے جو مفعول اخر کا پس معنی اس حدیث کا یہ ہوا کہ نماز ظہر میں تاخیر کرتے یہاں تک کہ

منتہی تاخیر نماز عصر کا اول وقت ہوتا تو نمازیں جمع کر کے پڑھتے۔

ہمارے اس معنی کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تیسری حدیث بھی کرتی ہے کہ:

”یُؤَخِّرُ الظُّهْرَ اِلٰی اَوَّلِ وَقْتِ الْعَصْرِ فَیَجْمَعُ بَیْنَهُمَا وَیُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ حَتّٰی یَجْمَعَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ الْعِشَآءِ حِیْنَ یَغِیْبُ الشَّفَقُ“۔

(صحیح مسلم ج۱ص۲۴۵)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر کو مؤخر کرتے نماز عصر کے اول وقت تک تو پھر جمع کرتے اور نماز مغرب کو مؤخر کرتے اور نماز عشاء سے ملا کر پڑھتے جب شفق غروب ہو جاتی۔ (انتہی) اگر اب بھی کوئی بریلوی ملا نہیں مانتا تو پھر ہمارے پاس لانسلم کا کوئی علاج نہیں ہے البتہ احقاق حق کے لئے ہم اس جگہ پہ بریلوی علماء پر حجت قائم کرنے کے لئے مولانا عبدالحئی لکھنوی کا اعتراف درج کرتے ہیں (جن کے حق میں ملا بریلی نے خود اپنے فتوی میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھ کر اللہ تعالیٰ کی رضا ان کے حق میں طلب کی ہے (رضویہ: ج۲،ص۴۷۸) اور رضا خانی ملا عبدالمنان اعظمی نے انہیں رحمۃ اللہ علیہ لکھ کر مغفرت کی دعا کی ہے (مقدمہ فتاوی رضویہ ج۸ص۴۳) چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:

”هٰذَا هُوَالْجَمْعُ الصُّوْرِیُّ الَّذِیْ حَمَلَ عَلَیْهِ اَصْحَابُنَا الْاَحَادِیْثَ الْوَارِدَةَ فِی الْجَمْعِ وَقَدْ بَسَطَ الطَّحَاوِیُّ الْکَلَامَ فِیْهِ فِیْ شَرْحِ مَعَانِیِ الْاٰثَارِ لٰکِنْ لَّا اَدْرِیْ مَاذَا یَفْعَلُ بِالرِّوَایَاتِ الَّتِیْ وَرَدَتْ صَرِیْحًا بِاَنَّ الْجَمْعَ کَانَ بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ وَهِیَ مَرْوِیَّةٌ فِیْ صَحِیْحِ الْبُخَارِیِّ وَسُنَنِ اَبِیْ دَاوٗدَ وَصَحِیْحِ مُسْلِمٍ وَّغَیْرِهَا مِنَ الْکُتُبِ الْمُعْتَمَدِ عَلٰی مَالَا یَخْفٰی عَلٰی مَنْ نَظَرَ فِیْهَا“۔ (التعلیق المجد ص۱۲۹)

یہ جمع صوری تھی جیسا کہ ہمارے اصحاب (احناف) نے جمع بین الصلاتین میں وارد احادیث کو معمول (صحیح محمول ہے قادری) کیا ہے جمع صوری پر اور اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے طحاوی نے اپنی تالیف معانی الاثار میں لیکن میں نہیں جانتا کہ انہوں نے ان روایات کا کیا کیا ہے؟ جن میں صریحاً آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں جمع کیں وقت گزر جانے کے بعد اور یہ احادیث مروی ہیں بخاری ومسلم اور ابوداؤد وغیرہ کتب معتبرہ میں جیسا کہ کسی پر مخفی نہیں جس نے مطالعہ کیا ہے۔ (انتھی) (نام نہاد دین الحق ص ۵۸۳و۵۸۴)

''الجواب بعون اللہ الوهاب وهو الكافي للهداية الى الصراط السوى والصواب''۔

مفتی صاحب کے ایک حدیث کے ترجمہ پر اعتراض کے جواب:

اولاً: وہابی صاحب نے مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ وحدیث کو غلط ثابت کرنے کے لئے جو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول پیش کیا جس کا ترجمہ خود وہابی صاحب نے یہ کیا ہے کہ:

''وقت عصر میں نمازیں جمع کیں''

یہ مفتی صاحب کے مذکورہ ترجمہ کے خلاف ومتضاد نہیں کیونکہ وقت عصر میں نمازیں جمع کیں کے اطلاق سے یہ لازم ہرگز نہیں کہ ظہر کو بھی عصر کے وقت میں پڑھا اس لئے کہ جمع کا اطلاق اس وقت درست ہے جب دوسری نماز کو ساتھ پڑھا جائے جب ایک نماز مثلاً ظہر پڑھی تو جمع بین الصلاتین کا لفظ درست نہیں جب تک کہ ساتھ عصر نہ پڑھی جائے مگر لفظ جمع بین الصلاتین کے اطلاق کے لئے یہ ضروری نہیں کہ دو نمازیں ایک ہی وقت میں ہوں ہاں یہ ضروری ہے کہ دو نمازیں ساتھ ساتھ ہوں اگرچہ اپنے اپنے وقت میں نیز جمع کا لفظ اس وقت بولا جائے گا جب دوسری ساتھ کی نماز پڑھی جائے اگرچہ پہلی اپنے وقت میں ادا ہو چکی لہٰذا حافظ ابن

حجر کے یہ کہنے سے کہ:

''**ای فی وقت العصر**''۔

مراد یہی ہے کہ جمع عصر کے وقت میں کیں جو کہ ظہر کو اپنے آخر وقت میں پڑھنے کے منافی نہیں تو پھر یہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے خلاف کیونکر ہوا؟

ثانیاً۔ اب کوئی شخص مثلاً نماز ظہر کو اس قدر مؤخر کرتا ہے کہ سلام پھیرتے ہی عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ تو ہمارے عرف میں بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں نے ظہر کو وقت عصر تک مؤخر کیا اس سے یہ لازم نہیں کہ ظہر کو عصر کے وقت میں پڑھا اس طرح حدیث میں مذکور **اخر الظہر الی وقت العصر** سے بھی یہ لازم نہیں کہ ظہر کو عصر کے وقت میں پڑھا۔

ثالثاً: مفتی صاحب نے فرمایا کہ:

غایت مغیّا سے خارج ہے نہ کہ داخل۔

اصل مراد یہ ہے کہ **الی** چیز کی **غایت** (حد، انتہاء) کو بیان کرتا ہے اور **غایت** (حد، انتہاء) **مغیّا** (**منتھی علیہ**) یعنی جس تک **غایہ لہ** کا اختتام ہوا اور **الی** کے بعد مذکور ہوا اس میں داخل نہیں بلکہ خارج ہے اب اس موقعہ پر یوں سمجھیں کہ وقت ظہر کا آخر حصّہ جو وقت عصر کے اول سے متصل ہے **غایت** ہے وقت ظہر کے لئے اور وقت عصر جو کہ **الی** کے بعد مذکور ہوا **مغیّا** ہے تو اہل علم سے اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہوا کہ ظہر کا آخر حصّہ (**غایت**) **مغیا** (**وقت عصر**) میں داخل ہے تو یہی مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

غایت مغیا میں داخل نہیں جس پر غیر مقلد بلاوجہ اندھا دھند اعتراضات کر رہا ہے۔

غایہ مغیّا میں ایک صورت میں داخل ہے اور ایک میں خارج:

واضح رہے کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو قاعدہ ذکر فرمایا کہ **غایت مغیا**

سے خارج ہے نہ کہ داخل یہ اس محل کے موافق ومناسب ہے ورنہ یہ قاعدہ دوطرح پر منقسم ہے کہ اگر غایت مغیّا کی جنس سے نہ ہوتو مغیّا میں داخل نہیں ہوتا جس کی مثال اس آیت میں ہے۔

''ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ''۔

پھر رات آنے تک روزہ پورہ کرو اس میں لیل مغیا ہے جو کہ غایت لہٗ (دن) کی جنس سے نہیں لہٰذا غایہ مغیّا میں داخل نہیں سورج غروب ہوتے ہی روزہ پورا ہو جاتا ہے اور غایت مغیّا کی ہم جنس ہوتو مغیا میں داخل ہوتا ہے شرح مائة عامل اس کی مثال یہ آیت ہے۔

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ''۔ الخ

''یعنی اے ایمان والو جب تم نماز کا قصد کرو''۔

(یعنی جب وضو نہ ہوتو اپنے منہ اور کہنیوں سمیت ہاتھوں کو دھوؤ) اس میں مرافق (کہنیاں) مغیّا اپنے ماقبل غایت کی جنس سے ہے یعنی بغلوں تک سب پر بازو کا اطلاق ہوتا لہٰذا غایت مغیّا میں داخل ہے کہ کہنیوں سمیت ہاتھوں کا دھونا فرض ہے۔

رابعاً: زیر بحث حدیث۔

''اَخَّرَ الظُّهْرَ اِلٰی وَقْتِ الْعَصْرِ''۔

میں الی اسم زمان پر داخل ہے اور نحو کا اٹل اصول ہے کہ جب الی اسم زمان پر آئے تو انتہاء غایت کے بیان کے لئے ہوتا ہے نہ کہ مغیّا کے لئے اور غایت ظہر کا آخر حصّہ ہے (شرح جامی) میں ہے۔

''وَالٰی لِانْتِهَاءِ اَیْ لِاِنْتِهَاءِ الْغَایَةِ فَهِیَ بِهٰذَا الْمَعْنٰی مَقَابِلَةٌ لِّمَنْ سِوَاءٌ کَانَ فِی الْمَکَانِ نَحْو خَرَجْتُ اِلَی السُّوْقِ اَوِ الزَّمَانِ

نَحو اَتِمُّو الصِّیَامَ اِلَی اللَّیۡلِ" (ص٣٦٦)۔

اور الی انتہاء کے لئے ہے یعنی انتہاء غایت کے لئے ہے تو یہ اس معنی میں بامقابلہ من ہوتی ہے عام ازیں کہ مکان کے لئے ہو مثلاً میں بازار تک نکلا یا زمان کے لئے ہو جیسے (اللہ کا ارشاد ہے) رات تک روزہ پورا کرو۔ اور حتی بھی الی کی طرح انتہاء غایت کے لئے ہے شرح جامی میں ہے

"وَحَتّٰی لَکَ اَیۡ مِثۡلَ الی فی کونها لانتهاء الغایة" (ص٣٦٨)۔

اور حتی بھی اسی طرح ہے یعنی مثل الی انتہاء غایت میں۔ اور شرح مائة عامل میں ہے۔

"وَحَتّٰی لِاِنۡتِهَاءِ الۡغَایَةِ فِی الزَّمَانِ نَحو نِمۡتُ الۡبَارِحَةَ حَتّٰی الصَّبَاحِ وَفِی الۡمَکَانِ نَحو سِرۡتُ الۡبَلَدَ حَتّٰی السُّوۡقِ"۔ (ص٨)

اور حتی انتہاء غایت کے لئے زمان میں مثل میں گذشتہ شب سویا صبح تک اور مکان میں بھی (انتہاء غایت کے لئے ہے)۔ جس طرح کہ میں نے شہر کی بازار تک سیر کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ الیٰ ہو یا حتیٰ دونوں زمان ومکان میں انتہاء غایت کو بیان کرتے ہیں تو مذکورہ حدیث میں انہوں نے ظہر کو اس کے غایہ آخر میں پڑھنے کو بیان کیا ہے نہ کہ ظہر کو عصر کے وقت میں مگر وہابی صاحب اپنا مذہب ثابت کرنے کو حدیث کی بھی من گھڑت تشریحیں کر رہا ہے صد افسوس اس کے کرتوتوں پر۔

خامساً: جو الفاظ غیر مقلد صاحب نے شرح جامی کی طرف منسوب کئے ہیں ہمیں تلاش کے باوجود نہیں مل سکے البتہ شرح جامی میں حتی کے متعلق یہ عبارت ہے۔

"وحتی کك ای مثل الی فی کونها لانتهاء الغایة"۔

(جامی ص٣٣٩ طبع دہلی بحث حرف)

اور حتی بھی اس کی مثل ہے یعنی الی کی مثل انتہاء غایت کے بیان میں۔

غیر مقلد کے خود ساختہ کلیہ کا رد:

اگر غیر مقلد کی جامی کی طرف منسوب کردہ عبارت صحیح بھی مان لیں تو بھی غیر مقلد کا مدعٰی اس سے ثابت نہیں کیونکہ ان کا مدعٰی ہے کہ حتی انتہاء فعل کے لئے ہے انتہاء مفعول کے لئے نہیں جب کہ جامی کی عبارت ہم نے لکھ دی ہے اس میں یہ ذکر نہیں کہ حتی انتہاء مفعول کے لئے نہیں آتا معلوم ہوا کہ حتی انتہاء مفعول کے لئے نہیں آتا کا کلیہ وہابی جی نے اپنے پاس سے گھڑا ہے جو کہ حقیقت کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کبھی حتی فعل و مفعول دونوں کی انتہاء بیان کرتا ہے

مثال اول:

”اکلت السمك حتی رءسها“۔

یہاں حتی اکلت فعل اور السمك مفعول بہ دونوں کی انتہاء بیان کر رہا ہے۔ یعنی میرے کھانے کی انتہاء مچھلی کے ختم ہونے پر ہوئی۔

مثال دوم:

”سرت البارحة حتی الصباحها“ میں نے گذشتہ شب صبح تک سیر کی۔ اس میں حتی سرت فعل اور البارحة مفعول فیہ دونوں کی انتہاء بیان کر رہا ہے۔ یعنی میرے چلنے کی انتہاء رات ختم ہونے پر ہوئی۔ اور اخر الظهر بھی اسی قبیل سے ہے یعنی اس میں بھی حتی فعل و مفعول دونوں کی انتہاء کو بیان کر رہا مطلب یہ کہ ظہر کو اس کے آخر وقت میں پڑھا تو جمع صوری ہوئی نہ کہ جمع حقیقی۔ مگر وہابی اپنا مذہب بچانے کو بے جوڑ کلیے گھڑ رہا ہے۔ واضح رہے کہ اس کے بعد مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث باب کے آخر تک غیر مقلدوں کے اعتراضوں کے محققانہ جوابات دیئے ہیں اس پر وہابی صاحب نے کچھ نہیں لکھا جو کہ اس کے جواب سے عاجزی اور شکست کی دلیل ہے۔ بہر حال ہم قارئین کے استفادہ

کو جاء الحق سے اس باب کی بقیہ عبارت بھی لکھ رہے ہیں۔

اعتراض نمبر ۳:

طحاوی شریف میں حضرت نافع سے روایت کی جس کے بعض الفاظ یہ ہیں:

''حَتّٰی اِذَا کَانَ عِنْدَ غُیُوْبِہِ الشَّفَقِ نَزَلَ یَجْمَعَ بَیْنَھُمَا وَقَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰکَذَا اَجَدَّ بِہِ السَّیْرُ''۔

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما چلتے رہے یہاں تک کہ شفق غائب ہونے کا وقت آ گیا تو اترے پس مغرب وعشاء جمع فرمائیں اور فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی کرتے دیکھا جب سفر میں جلدی ہوتی''۔

اس حدیث میں صراحت مذکور ہے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما شفق غائب ہونے کے وقت یقیناً آپ کے مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی۔

الجواب:

یہ بھی آپ کی غلط فہمی پر مبنی ہے اس کے مطلب یہ کب ہے کہ شفق غائب کے بعد اترے معنی بالکل ظاہر ہے جب شفق غائب ہونے لگی یعنی غائب ہونے کے قریب ہوئی تب اترے نماز مغرب پڑھتے ہی غائب ہو گئی اور وقت عشاء آ گیا۔ عشاء پڑھ لی۔ ہم پہلے اعتراض کے جواب میں ان ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل شریف بیان کر چکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ آپ نے مغرب آخر وقت میں پڑھی اور عشاء اول وقت میں پڑھی۔ وہ حدیث تمہاری اسی حدیث کی تفسیر ہے۔

اعتراض نمبر ۴:

اگر ہر نماز اپنے وقت میں ہی پڑھنی چاہئے اور سفر وغیرہ عذر کی حالت میں بھی ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا گناہ ہے تو وہابی لوگ نویں ذی الحج عرفات

میں ظہر و عصر ملا کر کیوں پڑھتے ہیں ظہر کے وقت میں عصر اور دسویں ذی الحجہ کی شب کو مزدلفہ میں مغرب و عشاء ملا کر عشاء کے وقت میں کیوں پڑھتے ہیں حنفی بھی وہاں نمازوں کا جمع کرنا جائز کہتے ہیں۔ جب حج کے موقع پر نماز ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء حقیقی طور پر ایک ہی وقت میں جمع ہو گئیں تو اگر سفر میں جمع ہو جاویں تو کیا حرج ہے اے حنفیو! تم یہ قرآن اور حدیث حج میں کیوں بھول جاتے ہو؟ (یہ وہابیوں کا انتہائی اعتراض ہے)

الجواب:

جناب نہ تو عرفہ میں عصر، ظہر کے وقت میں ادا ہوتی ہے نہ مزدلفہ میں مغرب عشاء کے وقت میں بلکہ وہاں حجاج کے لئے عصر کا وقت ظہر کی طرف اور مغرب کا وقت عشاء کی طرف منتقل ہو گیا ہے یعنی وہاں مغرب کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور عصر کا وقت ظہر پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے جیسے وتر کا وقت عشاء کے فرض پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہاں نمازیں اپنے وقت سے نہ ہٹیں بلکہ نمازوں کے اوقات ہٹ گئے۔ نمازیں اپنے وقت ہی میں ہوئی اور تم نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹاتے ہو۔ وقت ہٹ جانے اور نماز ہٹ جانے میں بڑا فرق ہے اس کی کھلی دلیل یہ ہے۔ کہ اگر امام عرفہ ظہر اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھے اور عصر ہمیشہ کے وقت تو سخت گنہگار ہو گا گویا اس نے عصر قضاء کر دی اور اگر اس دن مغرب کی نماز اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھی اور عشاء اپنے معمول کے وقت میں تو نماز مغرب ہو گی نہیں اور ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہو گا اس نے مغرب کی نماز وقت سے پہلے پڑھ لی معلوم ہوا کہ آج ان نمازوں کے وقت ہی بدل دیے گئے ہیں لیکن اگر مسافر ظہر و عصر جمع نہ کریں ظہر اپنے وقت میں پڑھے اور عصر اپنے وقت میں ایسے ہی مغرب اپنے وقت میں اور عشاء اپنے وقت میں پڑھے اسے گنہگار نہیں مانتے بلکہ بلا کراہت جائز کہتے ہو۔ معلوم ہوا کہ تمہارے نزدیک بھی سفر میں وقت نماز نہیں بدلتا

بلکہ نماز دوسرے وقت میں ادا کی جاتی ہے۔ لہٰذا حاجیوں کی عرفہ اور مزدلفہ والی نماز اپنے وقت میں ادا ہوتی ہے اور مسافر کا سفر میں نمازیں جمع کرنا بھی قرآن مجید کے خلاف ہے احادیث کے بھی حج میں اوقات نماز میں تبدیلی حدیث مشہور بلکہ صحیح متواتر معنوی سے ثابت ہے۔ اس پر اسی طرح عمل واجب ہے جیسے آیات قرآنیہ پر عمل واجب ہے، ہم نے یہاں جمع نماز کا مسئلہ مختصر طور پر ذکر کر دیا ہے اگر تفصیل سے دیکھنا ہو تو حاشیہ بخاری نعیم الباری یہ ہی بحث ملاحظہ کرو انشاء اللہ لطف آجائے گا۔

ناظرین کو ان بحثوں سے پتہ چل گیا ہوگا کہ مذہب حنفی نہایت مضبوط، مدلل اور بہت ہی قوی اور قرآن وحدیث کے بالکل مطابق ہے۔ وہابی غلط فہمی میں مبتلا ہیں ان کے مذہب کی بنیاد غلطی پر قائم ہے رب تعالیٰ ہم کو اس مذہب حنفی پر قائم رکھے ہمارا دین حنفی ہے مذہب حنفی یعنی ملت ابراہیمی اور مذہب نعمانی۔

اب ہم اپنے موقف پر کہ سفر میں حج کے مخصوص دن واوقات اور مخصوص نمازوں کے سوا نمازیں جمع کرنا جائز نہیں دلائل پیش کرتے ہیں۔

”وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ“۔

موقف احناف کی ترجیح پر دلائل:

دلیل نمبر ۱:

ہمارے موقف کی روایات کی تائید قرآن کی اس واضح وصریح آیت سے ہوتی ہے کہ:

”اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا“۔

”بے شک نماز مؤمنوں پر فرض ہے مقررہ وقتوں میں“۔

جبکہ فریق ثانی کے موقف کی روایات اس آیت کے بھی خلاف اور ان احادیث کے بھی مخالف جن میں نماز مطلقا وقت میں پڑھنے کی تاکید اور وقت گزار کر پڑھنے سے منع اور وعید ہے۔

دلیل نمبر۲

جن احادیث میں نماز وقت پر پڑھنے کی تاکید اور وقت گزار کر پڑھنے پر منع وعید آئی وہ سب قولی ہیں اور جن روایات سے فریق ثانی جمع بین الصلوٰتین پر استدلال کرتا ہے فعلی ہیں اور یہ اصول ہے کہ جب قول وفعل میں تعارض آئے تو ترجیح قول کو ہے بالخصوص اس جگہ احادیث قولی کو مذکورہ آیت کی تائید بھی حاصل ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں:

”اِنَّہٗ تعارُضُ الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ وَالصَّحِیْحُ حِیْنَئِذٍ عِنْدَ الْاُصُوْلِیِّیْنَ تَرْجِیْحُ الْقَوْلِ“۔

”بے شک وہ قول وفعل میں تعارض ہے اور صحیح یہ ہے کہ دریں صورت اہل اصول کے نزدیک ترجیح قول کو ہے“۔

(شرح صحیح مسلم للنووی ج۱ کتاب النکاح تحریم النکاح المحرم)

اسی طرح عمدۃ الاصول فی حدیث الرسول ص۳۲ پر ہے۔

”وَالثَّانِیُّ تَرْجِیْحُ الْقَوْلِیّ عَلَی الْفِعْلِیّ اِذَا کَانَ حُکْمًا عَامًا وَّالْفِعْلُ فِیْ حَیِّزِ الْاِحْتِمَالِ مِنَ الْخُصُوْصِ وَالْعُذْرِ“۔

دوسرا اصول یہ کہ قولی کو فعلی پر ترجیح ہے۔ جب کہ قولی میں حکم عام ہو اور فعل تخصیص اور عذر کے محل میں ہو۔

دلیل نمبر۳:

جن روایات سے مخالف کا استدلال ہے وہ ان سے جمع بین الصلوٰتین کی رخصت کا دعوی کرتے ہیں جب کہ قرآن وحدیث اس پر ناطق اور اجماع امت ثابت ہے کہ وقت نماز کے لئے شرط ہے اور یہی اصول مسلمہ ہے کہ جب شرط نہ پائی جائے تو مشروط بھی نہیں پایا جاتا لہٰذا اگر امر واقع میں رخصت ثابت نہ ہو تو یہ حضرات جمع تقدیم کی صورت میں وقت سے پہلے پڑھی گئی نماز سے ہی محروم ہوئے اور گناہ سر

پر آیا اور جمع تاخیر کی صورت میں عمدًا وقت گزار کر پڑھنے کا گناہ سر پر آیا جبکہ اگر امر واقع میں رخصت جمع بین الصلاتین ثابت ہوتو ہم محض رخصت سے محروم ہوئے وہ بھی اجتہادًا نہ کہ مکابرۃً تو اس میں شرعاً گرفت نہیں لہٰذا صاحب عقل سلیم جان جائے گا کہ مذہب احناف کو ہی ترجیح ہونی چاہیے۔

دلیل نمبر۴:

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ جمع بین الصلاتین جائز نہ ہو کیونکہ سفر سے بڑا عذر مرض ہے تو بحالت مرض نمازیں جمع کر کے پڑھنے کی اجازت نہیں آئی بلکہ یہ آیا ہے کہ مریض سے جیسے ہو سکے نماز ادا کرے۔

معذور کی نماز کا حکم:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ:

”كَانَتْ بِىْ بَوَاسِيْرُ فَسَاَلْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ قَالَ صَلِّ قَائِمًا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ قَالَ فِى الْفَتْحِ الْقَدِيْرِ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ اِلَّا مُسْلِمٌ وَزَادَ النَّسَائِىُّ فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَمُسْتَلْقِيًا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا“۔

(رسائل الارکان للابی العیاش عبدالعلی محمد) ۔(ص۸۳)۔

مجھے بواسیر کا مرض تھا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس صورت میں نماز کا حکم پوچھا تو آپ نے فرمایا کھڑے ہوکر پڑھو پس اگر اس کی طاقت نہ پاؤ تو بیٹھ کر پڑھو پس اگر ایسا بھی نہ کر سکو تو پہلو کے بل پڑھو فتح القدیر میں کہا کہ اسے مسلم کے سوا ایک جماعت محدثین نے روایت کیا اور نسائی نے یہ زیادہ کہا کہ اگر ایسا بھی نہ کر سکو پیٹھ کے بل ہو کر پڑھو کیونکہ اللہ کسی جان پر اس کی وسعت کے سوا بوجھ نہیں ڈالتا۔

دوم دشمن کا خوف بھی سفر سے بڑا عذر ہے اس صورت میں بھی نمازیں جمع کرنے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ قرآن میں نماز خوف پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے نماز خوف پڑھ کر دکھائی تو اگر نمازیں جمع کر کے پڑھنے کی رخصت ہوتی تو ان مذکورہ صورتوں میں بھی ہونی چاہیے تھی کیونکہ یہ سفر سے بڑھ کر عذر ہیں۔

دلیل نمبر ۵:

تم جن روایتوں سے جمع بین الصلوٰتین پر استدلال کرتے ہو وہ اخبار احاد ہیں تو خبر واحد سے قرآن کی نص قطعی پر زیادتی جائز نہیں۔ رسائل الارکان کے ۱۴۷ پر صاحب کتاب ابوالعیاش عبدالعلی محمد لکھتے ہیں۔

نص قطعی کا ابطال خبر واحد سے جائز نہیں:

''اِذَا کَانَ الصَّلٰوۃُ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا بِالنَّصِّ الْقَاطِعِ فَلَا یَجُوْزُ اَبْطَالُھَا بِخَبَرِ الْوَاحِدِ فَیَجِبُ رَدُّ تِلْکَ الْاَخْبَارُ اَوْ تَاْوِیْلُھَا''۔

جبکہ نماز کا وقت مقررہ پر فرض ہونا نص قطعی سے ثابت ہے تو پھر خبر واحد سے (اس نص) کا ابطال جائز نہیں تو واجب ہے ان اخبار کا رد یا تاویل۔

جب دلیل میں احتمال آئے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے:

دلیل نمبر ٦:

جن روایات سے فریق ثانی نمازیں جمع کرنے پر استدلال کرتا ہے ان میں احتمال ہے اور یہ اصول ہے کہ جب احتمال آئے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

احتمال کی مثالیں:

بخاری کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ:

"قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ وَّيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ"۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر ہوتے تو ظہر وعصر کو جمع کرتے اور مغرب وعشاء کو۔

اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ دو نمازیں ایک وقت میں پڑھتے یہ جمع حقیقی ہے جس کا فریق ثانی قائل وفاعل ہے دوسرا احتمال یہ کہ ایک نماز کو اس کے آخر وقت میں اور دوسری کو اس کے اوّل وقت میں ادا فرماتے ہر نماز اپنے وقت میں ہوتی یہ جمع صوری ہے جس کے جواز کے ہم احناف قائل ہیں پہلا احتمال نص قرآنی اور ان متعدد احادیث کے خلاف ہے جن میں ہر نماز اپنے وقت میں پڑھنے کا حکم ہے لہٰذا اس روایت کی یہ تاویل کرنا لازم ہے کہ اس سے مراد جمع صوری ہے۔ دوسری روایت ابوداؤد شریف نے نافع سے روایت کی:

"اِنَّ ابْنَ عُمَرَ اُسْتُصْرِخَ عَلٰى صَفْةَ وَهُوَ بِمَكَّةَ فَسَارَ حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَبَدَتِ النُّجُوْمُ فَقَالَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا عَجَّلَ بِهٖ اَمْرٌ فِيْ سَفَرٍ جَمَعَ بَيْنَ هَاتَيْنِ الصَّلٰوتَيْنِ فَسَارَ حَتّٰى غَابَ الشَّفَقُ فَنَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا"۔

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ان کی بیوی صفیہ کی موت کی خبر دی گئی تو آپ وہاں جانے کے لئے چلے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور ستارے ظاہر ہو گئے پس آپ نے فرمایا کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سفر میں کوئی جلدی کا امر پیش ہوتا تو آپ ان دو نمازوں کو جمع فرما لیتے پھر وہ چلتے رہے یہاں تک کہ شفق غائب ہو گئی پس آپ اترے تو ان دو نمازوں (مغرب وعشاء) کو جمع کر کے پڑھا۔ اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ شفق غروب کے قریب ہو گئی دوسرا احتمال یہ ہے

کہ شفق احمر غروب ہوئی نہ کہ شفق ابیض جب کہ احناف کے نزدیک شفق احمر کے بعد شفق ابیض کے غروب یعنی آسمان کے کناروں کی لالی کے بعد سفیدی کے غروب تک مغرب کا وقت رہتا ہے تو دریں صورت مغرب کو اپنے آخر وقت میں پڑھا۔ تیسرا احتمال یہ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نماز مغرب تو غروب شفق سے قبل پڑھ چکے تھے مگر ان دو نمازوں کو عشاء پڑھ کر جمع غروب شفق کے بعد کیا کیوں کہ جمع کا اطلاق دوسری نماز پڑھنے کے بعد ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت میں تصریح ہے کہ آپ مغرب پڑھنے کے بعد عشاء کے وقت کا انتظار فرماتے رہے جب وقت آیا تو اسے ادا فرمایا چنانچہ روایت یوں ہے کہ حضرت عبداللہ بن واقد رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

”اِنَّ مُؤَذِّنَ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ الصَّلٰوۃُ قَالَ سِرْ سِرْ حَتّٰی اِذَا کَانَ قَبْلُ غَبُوْبِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَصَلَّی الْمَغْرِبَ ثُمَّ انْتَظَرَ حَتّٰی غَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّی الْعِشَآءَ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا عَجَّلَ بِہٖ اَمْرٌ صَنَعَ مِثْلَ الَّذِیْ صَنَعْتُ فَسَارَ فِیْ ذٰلِكَ الْیَوْمِ وَاللَّیْلَةِ مَسِیْرَةَ ثَلَاثٍ ۔قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ رَوَاہُ اِبْنُ جَابِرٍ نَحْوَ ہٰذَا بِاِسْنَادِہٖ“۔ (ابوداؤد شریف ج ۱ باب الجمع بین الصلوٰتین)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مؤذن نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو عرض کی کہ نماز پڑھ لیں آپ نے فرمایا چلیں چلیں یہاں تک کہ جب شفق غائب ہونے سے قبل کا وقت آیا تو اترے تو نماز مغرب ادا کی پھر منتظر رہے جب شفق غروب ہوئی تو نماز عشاء ادا فرمائی پھر فرمایا کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سفر میں کوئی جلدی کا امر درپیش ہوتا تو آپ اسی طرح کرتے جس طرح میں نے کیا۔ پھر آپ نے اس دن اور رات کو تین منزلیں سفر کیا ابوداؤد نے کہا کہ اسی کی مثل ابن جابر نے اس کو اپنی سند سے بیان کیا۔ غیر مقلدوں کی پیش کردہ تیسری روایت۔ ابوداؤد شریف نے حضرت انس بن مالک رضی

اللہ عنہ سے روایت کی:

"قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اِرْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ اِلٰى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا فَاِنْ زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ ثُمَّ رَكِبَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"۔

(ج ا باب الجمع بین الصلوٰتین)

بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج ڈھلنے سے قبل سفر کے لئے چلنے کا قصد کرتے تو ظہر کو وقت عصر تک مؤخر فرماتے پھر ان دونوں کو جمع کرتے اور اگر قبل از کوچ سورج ڈھل چکا ہوتا تو ظہر وعصر پڑھتے پھر سفر کرتے۔

واضح رہے کہ اس سے یہ لازم نہیں کہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے کے فوراً بعد ظہر وعصر پڑھ لیتے بلکہ اس کا یہ معنی کرنا قرآن کی نص قطعی اور ان متعدد احادیث کے خلاف ہے جن میں نمازوں کو ان کے وقت میں پڑھنے کا حکم ہے لہٰذا اس کی یہی مراد ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے کے بعد سفر کا قصد فرماتے تو ظہر وعصر کو اپنے اپنے وقت میں ادا فرما کر چلتے۔ غیر مقلدوں کو پیش کردہ چوتھی روایت ابو طفیل عامر نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

"قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ غَزْوَةِ تَبُوْكٍ فَكَانَ يُصَلِّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعًا وَّالْمَغْرِبَ وَالْعِشَآءَ"۔

(مسلم ج ا باب جواز الجمع بین الصلوٰتین فی السفر وابوداؤد ج ا باب الجمع بین الصلوٰتین)

جنگ تبوک کے موقعہ پر ہزاروں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم مؤجود تھے جو کہ

سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے مگر جمع بین الصلوٰتین کی روایت ایک یا دو صحابہ نے کی بلکہ بعض حاضرین سے اس کا انکار بھی منقول ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا وقت نماز پڑھتے نہ دیکھا مگر دو نمازیں جمع کیں مغرب وعشاء یعنی حج کے دن مزدلفہ میں اور اس دن فجر معتاد وقت سے قبل ادا فرمائی اسے شیخین کے علاوہ ابوداؤد و نسائی نے بھی روایت کیا اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حکم نامہ بھی جمع بین الصلوٰتین کے جواز کی نفی کرتا ہے۔

دو نمازیں ایک وقت میں نہ کرو حضرت عمر کا فرمان:

امام محمد رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہمیں ثقات رواۃ سے پہنچا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آفاق سلطنت میں حکم نامہ جاری فرمایا کہ دو نمازیں ایک وقت میں جمع نہ کرو اور انہیں خبر دی کہ دو نمازیں جمع کرنا کبائر میں سے ایک کبیرہ گناہ ہے۔ (رسائل الارکان ص ۱۴۷)۔

جمع حقیقی کے قائلین کے موقف کا ضعف:

فریق ثانی کے موقف کے ضعف پر دلیل نمر ۷ جمع بین الصلوٰتین کے قائلین میں جمع کی صورت وکیفیت میں اختلاف ان روایات کے اختلاف واضطراب پر دلالت کرتا ہے جن سے فریق ثانی کا جمع بین الصلوٰتین پر استدلال ہے تو ان روایات میں اختلاف واضطراب ان کے مذہب وموقف کے ضعف پر واضح دلیل ہے۔

جمع بین الصلوٰتین کے جواز کے قائلین کا اختلاف:

علامہ نووی امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب جمع بین الصلوٰتین کے متعلق لکھتے:

”قَالَ الشَّافِعِیُّ وَالْاَکْثَرُوْنَ یَجُوْزُ الْجَمْعُ بَیْنَ الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ فِیْ وَقْتِ اَیَّتِھِمَا شَاءَ وَبَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ فِیْ وَقْتِ اَیَّتِھِمَا

شَاءَ فِی السَّفَرِ الطَّوِیْلِ وَفِیْ جَوَازِهٖ فِی السَّفَرِ الْقَصِیْرِ قَوْلَانِ لِلشَّافِعِیِّ اَصَحُّهُمَا لَایَجُوْزُ فِیْهِ الْقَصْرُ’’۔

(شرح صحیح مسلم للنووی ج ا ص ۲۲۵)

امام شافعی اور اکثر نے کہا کہ جائز ہے جمع ظہر وعصر میں ان دونوں کے جس وقت میں چاہے اور مغرب وعشاء میں ان دونوں کے جس وقت میں چاہے طویل سفر میں اور چھوٹے سفر میں اس کے جواز وعدم جواز میں امام شافعی کے دو قول ہیں ان دونوں میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس میں نماز قصر (اور جمع) جائز نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس اختلاف کو یوں بیان کرتے ہیں:

‘‘وَقِیْلَ یُخْتَصُّ الْجَمْعُ بِمَنْ یَجِدُّ فِی السَّیْرِ قَالَهُ اللَّیْثُ وَهُوَ الْقَوْلُ الْمَشْهُوْرُ عَنْ مَّالِكٍ وَقِیْلَ یُخْتَصُّ بِالْمُسَافِرِ دُوْنَ النَّازِلِ وَهُوَ الْقَوْلُ اَبِیْ حَبِیْبٍ وَقِیْلَ یُخْتَصُّ بِمَنْ لَّهٗ عُذْرٌ حُکِیَ عَنِ الْاَوْزَاعِیِّ وَقِیْلَ یَجُوْزُ جَمْعُ التَّاْخِیْرِ دُوْنَ التَّقْدِیْمِ وَهُوَمَرْوِیٌّ عَنْ مَّالِكٍ وَاَحْمَدُ وَاخْتَارَهُ ابْنُ حَزْمٍ’’۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری للحافظ ابن حجر ج ۳ ص ۵۰۳)

کہا گیا ہے کہ جمع (کا جواز) اس سے خاص ہے جسے سفر میں جلدی ہو اس کے قائل لیث ہیں اور امام مالک کا مشہور قول بھی یہی ہے اور کہا گیا کہ یہ مخصوص ہے سفر کرنے والے کے ساتھ منزل پر ٹھہرنے والے کے لئے نہیں یہ قول ابن حبیب کا ہے اور کہا گیا یہ اس سے مخصوص ہے جس کے لئے عذر ثابت ہو یہ امام اوزاعی سے حکایت کیا گیا ہے اور کہا گیا کہ جمع تاخیر جائز ہے جمع تقدیم جائز نہیں۔

یہ امام مالک وامام احمد سے مروی ہے اور اسی کو ہی ابن حزم نے اختیار کیا ہے

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:

''وَمَنَعَهُ قَوْمٌ اِلَّابِعَرْفَةِ فَيُجْمَعُ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَمُزْدَلْفَةِ فَيُجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ وَهُوَ قَوْلُ الْحَسَنِ وَالنَّخْعِيِّ وَاَبِىْ حَنِيْفَةَ وَصَاحِبَيْهِ وَقَالَ الْمَالِكِيَّةُ يُخْتَصُّ بِمَنْ يَجِدُّ فِى السَّيْرِ وَبِهٖ قَالَ اللَّيْثُ وَقِيْلَ يُخْتَصُّ بِالسَّائِرِ دُوْنَ النَّازِلِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَبِيْبِ وَقِيْلُ يُخْتَصُّ بِمَنْ لَهٗ عُذْرٌ حَكِىَ عَنِ الْاَوْزَاعِيِّ وَقِيْلَ يَجُوْزُ جَمْعُ التَّاخِيْرِ دُوْنَ التَّقْدِيْمِ وَهُوَ مَرْوِىٌّ عَنْ مَّالِكٍ وَّاَحْمَدَ وَاَخْتَارَهُ اِبْنُ حَزْمٍ''۔

(ارشاد الساری شرح البخاری للعلامہ احمد بن محمد قسطلانی ج ۲ ص ۳۰۰)

اور ایک جماعت نے جمع سے منع کیا ہے۔ مگر ان کے نزدیک عرفات میں حج کے دن ظہر وعصر کو جمع کیا جائے اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع کیا جائے۔ اور یہ قول امام حسن بصری اور امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ اور آپ کے دو شاگردوں (امام محمد وامام ابویوسف) کا ہے اور مالکیہ نے کہا کہ جمع کا جواز مخصوص ہے اس سے جسے سفر میں جلدی ہو اور یہی امام لیث نے کہا اور کہا گیا کہ یہ مخصوص ہے جو سفر کر رہا ہو سوا ٹھہرے ہوئے کے اور یہ ابوحبیب کا قول ہے اور کہا گیا کہ یہ مخصوص ہے اس سے جس کا عذر ہو یہ امام اوزاعی سے حکایت ہوا اور کہا گیا جمع تاخیر جائز ہے نہ کہ جمع تقدیم اور یہ مروی ہے امام مالک اور امام احمد سے اور اسے اختیار کہا ابن حزم نے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ زین الدین سے مسئلہ جمع بین الصلوٰتین پر چھ (٦) اقوال نقل کئے ہیں جن میں سے ایک قول حج کے دن عرفات ومزدلفہ کے سوا مطلقاً اس کے عدم جواز پر ہے جس کے قائل احناف اور امام حسن بصری، ابن سیرین، ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ ہیں اور باقی پانچ اقوال مختلف جمع بین الصلوٰتین کے مجوزین کے ہیں۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۱۷ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

جمع بین الصلوٰتین میں اختلاف اور اس کے عدم جواز پر ایک محققانہ تبصرہ:

علامہ ابوالعیاش عبدالعلی محمد الانصاری نے اپنی تصنیف رسائل الارکان میں اس اختلاف کو یوں بیان کیا ہے:

''قَالَ الْاِمَامُ الشَّافِعِیُّ مَنْ رَخَّصَ الْمُسَافِرَ الْجَمْعَ بَیْنَ الصَّلٰوتَیِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَکَذَا بَیْنَ صَلٰوتَیِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ وَاسْتَدَلَّ بِمَا عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَجَّلَ عَلَیْهِ السَّیْرُ یُؤَخِّرُ الظُّهْرَ اِلٰی اَوَّلِ وَقْتِ الْعَصْرِ فَیَجْمَعُ بَیْنَهُمَا وَیُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ حَتّٰی یَجْمَعَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ الْعِشَآءِ رَوَاهُ الشَّیْخَانِ وَعَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَةِ تَبُوْكٍ اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَحِلَ جَمَعَ بَیْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَاِنْ رَحِلَ قَبْلَ اَنْ تَزِیْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ حَتّٰی یَنْزِلَ لِلْعَصْرِ وَفِی الْمَغْرِبِ مِثْلَ ذٰلِكَ وَاِنْ اَرْتَحِلَ قَبْلَ اَنْ یَّغِیْبَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰی یَنْزِلَ ثُمَّ یَجْمَعُ بَیْنَهُمَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ ۔ وَصُوْرَةُ الْجَمْعِ صُوْرَتَانِ جَمْعٌ لِلتَّاْخِیْرِ بِاَنْ یُّؤَخِّرَ الصَّلٰوةَ الْاُوْلٰی عَنْ وَقْتِهَا وَیَجْمَعُ فِیْ وَقْتِ الْمُتَاخِرِ وَجَمْعُ التَّقْدِیْمِ بِاَنْ یُّقَدِّمَ الثَّانِیَةَ عَنْ وَّقْتِهَا وَیُؤَدِّیْ فِیْ وَقْتِ الْاُوْلٰی وَالشَّافِعِیُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ یُجَوِّزُ کَلَا الْجَمْعَیْنِ لِحَدِیْثِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَعِنْدَ الْبَعْضِ لَایُصَحُّ جَمْعُ التَّقْدِیْمِ وَیُصَحُّ جَمْعُ التَّاْخِیْرِ وَهُوَ رِوَایَةٌ عَنِ الْاِمَامِ اَحْمَدَ وَفِی الْمَشْهُوْرِ عَنْ مَّالِكٍ اِنَّهٗ لَایَجْمَعُ اِلَّا عِنْدَ الْجِدِّ فِی السَّیْرِ وَعِنْدَنَا وَعِنْدَالْاِمَامِ اَحْمَدُ لَا یَجُوْزُ الْجَمْعُ لِلْمُسَافِرِ اَصْلاً لَاعِنْدَ النَّزُوْلِ وَلَا فِی الْجِدِّ فِی السَّیْرِ لَاجَمْعُ التَّقْدِیْمِ وَلَا

جَمْعُ التَّاْخِيْرِ وَاِلَيْهِ ذَهَبَ الشَّيْخُ الْاَكْبَرُ صَاحِبُ الْفُتُوْحَاتِ قُدِّسَ سِرُّهٗ وَحُجَّتُنَا اِنَّ تَعِيْينَ الْاَوْقَاتِ مَطْقُوْعٌ لَاشُبْهَةَ فِيْهِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا فَدَلَّ الْاٰيَةُ عَلٰى اِنَّ الصَّلٰوةَ مُوَقَّتَةٌ بِوَقْتٍ فَلَا يَجُوْزُ التَّقْدِيْمُ عَلَيْهِ وَلَا التَّاْخِيْرُ فَلَا يَصِحُّ الْجَمْعِ قَالَ الْاِمَامُ مُحَمَّدٌ قَدْ بَلَغْنَا عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ كَتَبَ اِلٰى حُكَّامِهٖ فِى الْاٰفَاقِ وَنَهَاهُمْ اَنْ يَّجْمَعُوْا بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ فِىْ وَقْتٍ وَّاحِدٍ وَاَخْبَرَهُمْ بِاَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ كَبِيْرَةٌ مِّنَ الْكَبَائِرِ قَالَ الْاِمَامُ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا بِذٰلِكَ الثِّقَاتُ مِنَ الْعُلَمَآءِ وَاِذَاكَانَ الصَّلٰوةُ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا بِالنَّصِّ الْقَاطِعِ فَلَا يَجُوْزُ اِبْطَالُهَا بِخَبَرِ الْوَاحِدِ فَيَجِبُ رَدُّ تِلْكَ الْاَخْبَارِ اَوْتَاْوِيْلُهَا اِنْ قُبِّلَهٗ وَاَيْضًا خَبَرُ الْجَمْعِ اِنَّمَا نَقَلُوْا فِىْ غَزْوَةِ تَبُوْكِ وَكَانَ فِىْ تِلْكَ الْغَزْوَةِ آلَافٌ مِّنَ الرِّجَالِ وَكَانَ كُلُّ صَلُّوْاخَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُخْبِرْ مِنْهُمْ اِلَّا وَاحِدٌ اَواثْنَانِ وَلَمْ يَشْتَهِرْ وَلَمْ يَرْوِ غَيْرُهٗ بَلْ بَعْضُ الْحَاضِرِيْنَ اَنْكَرُوْاذٰلِكَ حَتّٰى قَالَ اِبْنُ مَسْعُوْدٍ مَا رَءَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلٰوةً لِّغَيْرِ مِيْقَاتِهَا اِلَّا صَلّٰى الْفَجْرَ يَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنِّسَائِىُّ"۔

(رسائل الارکان للشیخ ابی العیاش عبد العلی محمد انصاری ص ۱۴۶ تا ۱۴۷)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مسافر کو رخصت دی گئی ہے ظہر وعصر کو جمع کرنے میں اور اسی طرح مغرب وعشاء جمع کرنے میں اور استدلال کیا اس سے جسے بیان کیا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم جب جلدی کے سفر پر ہوتے تو ظہر کو عصر کے اول وقت تک مؤخر فرماتے تو ان دونوں کو جمع فرماتے اور مغرب کو مؤخر فرماتے یہاں تک کہ اسے اور عشاء کو جمع فرماتے اسے شیخین (امام بخاری و امام مسلم) نے روایت کیا۔ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے سفر میں تھے جب چلنے سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو آپ ظہر و عصر کو جمع فرماتے اور جب سورج ڈھلنے سے قبل سفر کرتے تو ظہر کو مؤخر فرماتے یہاں تک کہ عصر پڑھنے کو اترتے اور مغرب میں بھی اس کی مثل کرتے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غروب سورج سے قبل سفر کو نکلتے تو مغرب مؤخر فرماتے یہاں تک کہ عشاء پڑھنے کو اترتے پھر ان دونوں کو جمع فرماتے اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور جمع دو صورتوں پر ہے ایک یہ کہ پہلی نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرے اور پچھلی کے وقت میں جمع کرے اور دوسری جمع تقدیم ہے وہ یہ کہ پچھلی کو مقدم کر کے پہلی کے وقت میں پڑھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جمع کی ان دونوں صورتوں کو جائز کہتے ہیں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی بنا پر اور بعض کے نزدیک جمع تقدیم صحیح نہیں لیکن جمع تاخیر صحیح ہے اور یہ روایت امام احمد سے ہے اور امام مالک سے مشہور روایت میں یہ ہے کہ جمع نہ کی جائے مگر جب کہ سفر میں جلدی ہو اور ہمارے نزدیک اور (ایک روایت میں) امام احمد کے نزدیک مسافر کو جمع اصلاً جائز نہیں نہ نزول کے وقت اور نہ جلدی کے سفر میں اور نہ جمع تقدیم اور نہ ہی جمع تاخیر اس طرف گئے ہیں شیخ اکبر صاحب فتوحات قدس سرہ اور ہماری دلیل ہے کہ تعین اوقات نماز قطعی ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک نماز ایمان والوں پر مقررہ اوقات

میں فرض ہے پس آیت قطعی طور پر دلالت کرتی ہے کہ نماز موقت ہے معین وقت کے ساتھ جس پر نہ تقدیم جائز اور نہ اس سے تاخیر پس جمع جائز نہیں امام محمد نے بیان کیا کہ ہمیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی کہ آپ نے اپنے حکام کی طرف اطراف میں حکم لکھ بھیجا جس میں انہیں دو نمازیں جمع کرنے سے منع فرمایا اور انہیں خبر دی کہ دو نمازیں جمع کرنا کبائر میں سے کبیرہ گناہ ہے۔ امام محمد نے کہا کہ یہ روایت ہم کو ثقات علماء سے پہنچی اور جب نماز کا مقرر وقت نص قطعی سے ثابت ہے تو اس کا ابطال خبر واحد سے جائز نہیں پس ان اخبار (جن میں نمازوں کے جمع کا ظاہراً ثبوت ہے) کا رد کرنا یا تاویل کرنا واجب ہے نیز جمع کی روایت جسے انہوں نے غزوہ تبوک میں نقل کیا حالانکہ اس غزوہ میں ہزاروں صحابہ موجود تھے اور ان کی ہر نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہوتی تھی تو ان میں سے اس روایت کو ایک یا دو کے سوا کسی نے بیان نہ کیا اور نہ یہ مشہور ہوئی بلکہ بعض حاضرین نے اس کا انکار کیا یہاں تک کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نماز اس کے وقت کے علاوہ پڑھتے نہ دیکھا مگر مزدلفہ آپ نے دو نمازیں جمع کر کے پڑھیں مغرب وعشاء اور فجر کو آپ نے اس دن اس کے معتاد وقت سے پہلے پڑھا اسے شیخین نے روایت کیا اور ابوداؤد ونسائی نے اس بیان سے معلوم ہوا کہ دو نمازیں جمع کرنے میں غیر مقلد وہابیوں کا مذہب نہایت ضعیف ہے بلکہ نص قطعی قرآنی کے خلاف۔

مذہب احناف قرآن واحادیث کے مطابق ہے:

اور بحمد اللہ تعالیٰ مذہب احناف احادیث واضحہ صریحہ اور قرآن کے مطابق

ہے۔

اللہ تعالیٰ بطفیل حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم ہر مسلمان کو اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس پر ہی نصرت الحق حصہ دوم اختتام کو پہنچا۔

اس کے بعد انشاء اللہ حصہ سوم کا آغاز ہوگا اللہ تعالیٰ اسے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق سے اہل ایمان کے لئے نافع اور مفید کرے اور راقم ناچیز اور اس کے والدین اور متوفی بیٹے محمد ارشد کے لئے ذریعہ نجات۔

''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ''

آمین ثم آمین یارب العلمین بجاہ رسولہ الکریم الامین۔

فقیر محمد محبت علی قادری غفر اللہ تعالیٰ لہٗ

۱۵ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۹ اگست ۲۰۰۷ء

عبدِ مصطفےٰ غلام رضا

مولانا محمد محبت علی قادری

کی یادگار تصانیف

مفید السالکین
اردو ترجمہ
حکایات الصالحین
قرۃ الابصار
ترجمہ
دقائق الاخبار
الدلائل القاطعة
فضائل ذکر
جماعت کے بعد ذکر بالجہر شرعاً مستحب ہے
عبدِ مصطفےٰ غلام رضا
مولانا محمد محبت علی قادری
مکتبہ قادریہ سکندریہ

ملنے کا پتہ

مکتبہ قادریہ سکندریہ
حزب الاحناف
گنج بخش روڈ۔ لاہور